مکتب امامت و خلافت

(حصّہ اول)

(مشہور کتاب معالم المدرستین کا ترجمہ)

تالیف

آیت اللہ سید مرتضیٰ عسکری مدظلہ العالی

ترجمہ

حجۃ الاسلام مولانا محمد حسن جعفری

ناشر

ادارہ منہاج الصالحین

جناح ٹاؤن ٹھوکر نیاز بیگ ملتان روڈ لاہور۔ فون: 042-5425372

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

نام کتاب	مکتب خلافت و امامت (حصہ اوّل)
تالیف	آیت اللہ مرتضیٰ عسکری
ترجمہ	مولانا محمد حسن جعفری
اہتمام	مولانا ریاض حسین جعفری
کمپوزنگ	ادارہ منہاج الصالحین لاہور
پروف ریڈنگ	مولوی غلام حبیب، چوہدری غلام حیدر
اشاعت	جنوری 2004ء
ہدیہ	250 روپے

ملنے کا پتہ:

ادارہ منہاج الصالحین

الحمد مارکیٹ، فرسٹ فلور دوکان نمبر 20 غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔

عرضِ ناشر

تقابلِ ادیان سے تفہیم دو جہان ایک ایسا موضوع جو ہر خشک و تر کو محیط ہے' لیکن یہ راستہ اتنا کٹھن ہے کہ اس پر چلنے والا ذرہ برابر بھی لڑکھڑا جائے تو ہدایت و نجات کی بجائے بحرِ ظلمات میں گر سکتا ہے۔ یقیناً توفیق ایزدی ہی سے یہ مشکل سفر طے کرنا ممکن ہے اور اہلِ کفر و جہالت پر تو کچھ زور ہی نہیں کہ انہیں راہِ راست اور صراطِ مستقیم کا قائل کیا جا سکے یا وہ خود حق و حقانیت کا ادراک کر سکیں۔ جن کے دلوں پر مہریں لگی ہوں اور آنکھوں پر پردے پڑے ہوں ان کے بارے میں تو بزبانِ قرآن یہی کہا جا سکتا ہے ...... لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِین۔

تقابلِ مذاہب کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے' کیونکہ مذہب راستہ ہے تو دین نظامِ حیات ۔ اب اگر راستہ ہی غلط اختیار کر لیا جائے تو نظامِ حیات تک رسائی اور شناسائی و آشنائی کیسے ممکن ہے؟ اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ تمام راستے ایک ہی منزل تک جاتے ہیں تو یہ سراسر خام خیالی ہے۔ اس کا نام قطعاً فکرِ وحدت نہیں۔ فکرِ وحدت تو ایک ہی صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے راستے کی رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے' اندھیروں کو پھاڑتے ہوئے اور مخالفوں کو پچھاڑتے ہوئے منزلِ مقصود تک پہنچنے کا نام ہے۔ وحدت اسلامی اسی طرزِ فکر کا نام ہے' ورنہ اپنے اپنے راستے پر چلنا وحدتِ تشیع' وحدتِ تسنن اور وحدتِ وہابیت تو ہو سکتی ہے وحدتِ اسلامی ہرگز نہیں اور اس پر وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔ کی نصِ قرآنی موجود ہے۔ اللہ کی رسی اور راستہ صرف ایک ہے اور تفرقات کی قطعاً گنجائش ہی نہیں۔ گویا اسلام یا حقیقی ہو سکتا ہے۔ یا غیر حقیقی۔ اب جزوی حقیقی یا جزوی غیر حقیقی کی بحث کا اطلاق بھی مسلمانوں پر تو ہو سکتا ہے' اسلام پر

۔گر تیں۔ گویا جس طرح دین فطرت یعنی اسلام کی پہچان ہر انسان پر واجب ہے۔ بعینہ حقیقی مسالک کے ذمہ دار محققین صراطِ مستقیم کو واضح تر کرنے کے لئے' مذہب نہیں دین کے تحفظ کے لئے مزید کوششیں کریں تو ہم ایسے سیدھے سادھے مسلمانوں کو رہنمائی کا سامان اور ہدایت کا نور میسر آ سکتا ہے' اللہ رب العزت دِلوں کے راز اور نیتوں کے حال بہتر جانتا ہے اور ہر انسان کے لئے وحی ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

آخر میں یہ تذکرہ کرنا بھی اپنی تنقیدی ذمہ داری سمجھتا ہوں کہ مؤلف کتاب ہذا محقق علامہ سید مرتضیٰ عسکری نے دیارِ حرم کا سفر کیا لہٰذا حنبلی عقائد ہی کو اہل تسنن کے نمائندہ عقائد کے طور پر پیش کیا ہے جس میں وہ حق بجانب ہیں لیکن بعض مقامات پر حنفی عقائد حنبلی عقائد سے کافی حد تک مختلف ہیں' لہٰذا اس ضمن میں ہماری ہمدردیاں ان خوش عقیدہ حضرات کے ساتھ ہیں۔ مزید یہ کہ جو لکیر کے فقیر ہونے کی بجائے تحقیقی اور منصفانہ سوچ کے حامل مسلمان ہیں' ان کے عقائد غلط مسلکی روایات کی بجائے ان کی اپنی ذہنی و قلبی کیفیت پر مبنی ہوتے ہیں لہٰذا ان کے لئے بھی نویدِ سعادت ہے کہ وہ جادۂ حق کے متلاشی ہیں۔

اس کتاب کے مترجم مولانا محمد حسن جعفری صاحب ہماری مبارک باد کے مستحق ہیں کہ عربی سے رواں دواں اردو میں ترجمہ منتقل کر کے اسے کروڑوں مسلمانوں کے سامنے پیش کیا' نشر و اشاعت کی ذمہ داریاں نبھانا بھی کارِ آسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ سب احباب کی توفیقات میں اضافہ فرمائے کہ وہ اس مشن کو جاری و ساری رکھ سکیں۔

والسلام مع الاکرام

طالبِ دعا!

مولانا ریاض حسین جعفری

سربراہ ادارہ منہاج الصالحین لاہور۔

فہرست

اہداء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیک یا امام العصر و رحمة اللّٰه و بر کاته

میرے آقا و مولا! اور فرزند رسولؐ!

''یہ گناہگار اپنی اس حقیری کاوش کو آپ کے حضور بعنوانِ ہدیہ پیش کرنے کی جسارت کرتا ہے اور آپ کی شانِ فیاضی سے امید کرتا ہے کہ آپ اسے قبول فرمائیں گے۔''

اور بندہ برادرانِ یوسفؑ کی طرح آپ کی خدمت میں عرض گزار ہے:

یا ایها العزیز مسنا و اهلنا الضر وجئنا ببضا عة مزجاة فاوف لنا الکیل و تصدق علینا ان اللّٰه یجزی المتصدقین.

اے کریم بن کریم!

''آپ خدا کے حضور ہماری لغزشوں اور گناہوں کی مغفرت کے لیے شفاعت فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ وہ اپنی شانِ رحیمی سے ہماری اور ہماری قوم کی مشکلات آسان فرمائے اور ہم پر رحم فرمائے بے شک وہ ارحم الراحمین ہے۔''

آپ کے دَر کا ادنیٰ سا غلام

مرتضیٰ عسکری

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ.

فَبَشِّرْ عِبَادِo الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهُ اُوْلٰئِکَ الَّذِيْنَ هَدَاهُمُ اللّٰهُ وَاُوْلٰئِکَ هُمْ اُوْلُوا الْاَلْبَابِ. (صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِيْم) (الزمر: ۱۷، ۱۸)

''آپ میرے ان بندوں کو بشارت دیں جو باتوں کو توجہ سے سنتے ہیں اور جو بات اچھی ہوتی ہے اس کی اتباع کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے ہدایت دی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو صاحبِ عقل ہیں۔''

مقدمۂ طبع پنجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰه رب العالمين. والصلاة والسلام على محمد وآله الطاهرين. والسلام على أزواجه الطاهرات امهات المؤمنين و على اصحابه البررة الميامين.

قارئین کرام!

ہماری یہ کتاب ہماری دوسری کتابوں ''عبداللہ بن سبا'' اور ''خمسون ومائة صحابی مختلق (ایک سو پچاس خود ساختہ صحابی)'' کی طرح سے ہر ایڈیشن کے موقع پر تکمیل وتنقیح کے مراحل طے کرتی آئی ہے اور اس کے ہر ایڈیشن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

- پہلا ایڈیشن : ۱۴۰۵ھ ۲۱۵ صفحات
- دوسرا ایڈیشن : ۱۴۰۶ھ ۳۷۱ صفحات
- تیسرا ایڈیشن : ۱۴۰۹ھ ۵۱۹ صفحات
- چوتھا ایڈیشن : ۱۴۱۲ھ ۶۱۶ صفحات
- پانچواں اور موجودہ ایڈیشن ۱۴۱۶ھ ۵۹۲ صفحات

پر مشتمل ہے۔

جلد دوم میں بھی تکمیل واضافہ جات کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ اس کا

- پہلا ایڈیشن ۱۴۰۵ھ ۳۷۸ صفحات
- دوسرا ایڈیشن ۱۴۱۲ھ ۴۰۵ صفحات

پر مشتمل ہے اور اس سال ۱۴۱۶ھ میں اس کے تیسرے ایڈیشن میں مزید اضافے کیے جائیں گے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے زندگی عطا کی اور کتاب ہذا کا نیا ایڈیشن شائع ہوا تو اس کے تمام تر اضافہ جات کتاب ہذا کے آخر میں شامل کیے جائیں گے اور موجودہ مباحث میں کسی طرح کی کمی بیشی نہیں کی جائے گی۔

کچھ کتاب کے بارے میں

ابتدائی مباحث میں ہم مکتب امامت اور مکتب خلافت کے اختلافات کے علل و اسباب کا جائزہ لیں گے۔ اس کے بعد کتاب کے مباحث دو حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔

پہلے حصہ میں دونوں مکاتب فکر کے نظریات کے مطابق شریعت اسلامیہ کے مصادر و منابع کا ذکر کیا جائے گا۔ اور اس ضمن میں ان مدارک و مصادر تک رسائی کے ذرائع کا تذکرہ کیا جائے گا اور اس سلسلہ میں اسلام کے عقائد و احکام کے متعلق مفروضات پیش کیے جائیں گے اور اس حصہ میں پانچ مباحث شامل ہوں گی۔

اول: صحبت و صحابیت کے متعلق دونوں مکاتبِ فکر کی آراء

دوم: امامت و خلافت کے متعلق دونوں مکاتبِ فکر کے نظریات۔ اور ان دونوں مباحث کو ہم نے ابتداء میں اس لیے پیش کیا کیونکہ یہ مسائل شریعت اسلامیہ تک رسائی کا ذریعہ ہیں اور اسلام کی حقیقی شکل وصورت قائم رکھنے کے لیے ممد و معاون ہیں۔

سوم: اس حصہ میں شریعتِ اسلامیہ کے مصادر کے متعلق دونوں مکاتب فکر کے نظریات بیان کیے جائیں گے اور اس بحث کی تکمیل دو حصوں میں ہو گی۔

الف: قرآن کریم کے متعلق دونوں مکاتبِ فکر کی روایات۔

ب: سنت رسولؐ کے متعلق دونوں مکاتبِ فکر کے نظریات بیان کیے جائیں گے اور اس کے ساتھ مکتبِ خلافت کی طرف سے اجتہاد اور عمل بالرائے کو شریعت اسلامیہ کا ایک مصدر وضع قرار دیے جانے کی بحث ہوگی اور اس بحث کے ساتھ ہی مکتبِ خلافت کی جانب سے مصادر شریعتِ اسلامیہ کی بحث مکمل ہو جائے گی۔

چہارم: امام حسین علیہ السلام نے کیا اس لیے قیام کیا تھا کہ آپ اجتہاد اور عمل بالرائے کو سنت رسولؐ سے انحراف سمجھتے تھے؟

پنجم: قیام امام حسین علیہ السلام کے بعد آئمہ ہدیٰ علیہم اسلام کی طرف سے احیائے سنت کی کاوشوں کا جائزہ پیش کیا جائے گا اور اس ضمن میں سنتِ رسولؐ کو معاشرہ میں قائم کرنے کے سلسلہ میں ان کی کامیابیوں کا ذکر بھی کیا جائے گا اور اس بحث کے ساتھ مکتبِ امامت کی طرف سے شریعتِ اسلامیہ کے مصادر اور ان تک رسائی کے ذرائع کی بحث مکمل ہو جائے گی اور یوں دونوں مکاتبِ فکر کی فکری اساس کے مباحث اختتام پذیر ہوں جائیں گے۔

والسلام

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مرتضٰی العسکری

فرزند السید محمد الحسینی ابن

سید اسماعیل آل شیخ الاسلام

تمہیدی مباحث

- اختلاف کے علل و اسباب
- امت اسلامیہ میں اختلاف کی خلیج کے اثرات
- خدا کی بعض صفات اور ان میں اختلافات اور ان کا سرچشمہ
- صفات انبیاءؑ اور ان میں اختلافات اور ان کا سرچشمہ
- انبیاءؑ کی محافل میلاد و وفات کے متعلق اختلافات اور ان کا سرچشمہ
- قبور انبیاءؑ پر روضہ جات کے متعلق اختلافات اور ان کا سرچشمہ
- مرنے والے پر گریہ کرنے کے متعلق اختلافات اور ان کا سرچشمہ
- کچھ آیات کی تاویل میں اختلافات
- خلاصہ و اختتام

ا۔ اختلاف کے اسباب وعلل

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے اور اس نے انسانی ہدایت کو اپنی ذمہ داری قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی ربوبیت کے تقاضے کے تحت انسان کو ایک ایسا دین عطا فرمایا جس سے اس کی زندگی سنور سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے دین کو سعادت اور کمال انسانی کے آخری مرتبہ تک پہنچنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں دین کی تبلیغ کے لیے انبیائے کرامؑ کو مبعوث فرمایا' جنھوں نے انسانوں کو خدائی دین کی تبلیغ کی' خدا کے اس پسندیدہ دین کا نام اسلام ہے۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے تخلیقی طور پر انسانوں کو فطرتِ اسلام پر پیدا کیا اور پھر الہامی اور تسخیری انداز میں ہدایت فرمائی۔ (۲)

ا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ"

"اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے"۔ (آل عمران: ۱۹)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ. (آل عمران: ۸۵)

"اور جو اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین تلاش کرے گا تو وہ دین اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ قیامت کے دن خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔"

۲۔ فرمانِ خداوندی ہے۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی. (الاعلیٰ: ۱'۵)

خداوندِ عالم کی طرف سے وحی پا کر انبیائے کرامؑ نے اپنی اپنی امتوں کو دین حق کی تبلیغ کی لیکن جب نبی دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے ماننے والوں ہی میں سے کچھ خواہشات پرست افراد ان کی تعلیمات میں قطع و برید کر کے تحریف کر دیتے تھے اور پھر مزید ستم یہ ڈھاتے تھے کہ اپنی تبدیل شدہ شریعت کو خدا اور اس کے انبیاء کی شریعت قرار دیتے تھے۔ (۱)

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) ''اپنے بلند ترین رب کے نام کی تسبیح کرو جس نے پیدا کیا ہے اور درست بنایا ہے جس نے تقدیر معین کی ہے اور پھر ہدایت دی ہے۔ جس نے چارہ بنایا ہے۔ پھر اسے خشک کر کے کوڑا بنا دیا ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دربار فرعون میں رب العالمین کا تعارف کراتے ہوئے یہ جملے ارشاد فرمائے تھے۔ رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدٰی. (طٰہٰ: ۵۰)

''ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی مناسب خلقت عطا کی ہے پھر ہدایت بھی دی ہے۔''

فطری ہدایت اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو عطا فرمائی ہے۔ جیسا کہ شہد کی مکھی کے متعلق رب العزت نے فرمایا:

وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِی مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا...... (النحل: ۶۸)

''اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ وہ پہاڑوں، درختوں اور گھروں کی بلندیوں میں اپنے گھر بنائے۔''

ہدایت تسخیری کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ...... (الاعراف: م۵۴)

''اور آفتاب و ماہتاب اور ستارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔''

۱۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْکِتَابِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْکِتَابِ وَمَاهُوَ مِنَ الْکِتَابِ، وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ. (آل عمران: ۷۸)

ہر دور میں سنت الٰہی یہ رہی ہے کہ جب بھی کسی نبی کی تعلیمات تحریفات کا شکار ہوتیں تو اللہ تعالیٰ کسی نئے نبی کو بھیج کر تحریف شدہ تعلیمات کو منسوخ کر دیتا تھا۔

پھر سلسلۂ نبوت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو منصب نبوت تفویض کیا اور ان پر اپنی عظیم الشان کتاب قرآن مجید نازل فرمائی اور اس میں عقائد و احکام بیان فرمائے اور اپنے پیغمبر کو احکامِ اسلام کی تفصیلی تعلیم فرمائی۔ آپؐ نے مسلمانوں کو اسلام کے جملہ شرائع کی تعلیم دی۔ آپ نے احکام خداوندی کو عملی صورت میں بیان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز قائم کرنے کا حکم دیا' حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے عمل سے نماز کی رکعات اور نماز کی کیفیت کو متعین فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان کے روزے فرض کیے' آنحضرتؐ نے روزہ کی شرائط و حدود بیان فرمائیں۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے صاحبانِ استطاعت پر حج فرض کیا تو

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) ''اور انھیں یہودیوں میں سے بعض وہ ہیں جو کتاب پڑھنے میں زبان کو توڑ موڑ دیتے ہیں تاکہ تم لوگ اس تحریف کو بھی اصل کتاب سمجھنے لگو' حالانکہ وہ اصل کتاب نہیں ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے' حالانکہ یہ اللہ کی طرف سے ہرگز نہیں ہے' یہ خدا کے خلاف جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ سب جانتے ہیں۔''

اہل کتاب کی طرف سے تحریف کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلاَمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْ بَعْدِ مَاعَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. (البقرہ۔ ۷۵)

''مسلمانو! کیا تمہیں امید ہے کہ یہ یہودی تمہارے اوپر ایمان لے آئیں گے جب کہ اُن کے اسلاف کا ایک گروہ کلام خدا کو سن کر تحریف کر دیتا تھا حالانکہ سب سمجھتے بھی تھے اور جانتے بھی تھے۔''

تحریف کے متعلق البقرہ کی آیات ۴۲' ۱۴۶' ۱۵۹' ۱۷۴ اور آل عمران کی آیت ۱۸۷ اور النساء کی آیت ۴۶ اور المائدہ کی آیات ۱۳' ۱۵' ۴۱' ۵۹' ۶۱ کو ملاحظہ فرمائیں۔

پیغمبر اسلامؐ نے مناسکِ حج کی تعلیم دی۔ آپ نے ہی اپنی امت کو طواف' اور قربانی کی سعی اور دیگر واجب و مستحب مناسک کی تعلیم دی۔

آنحضرتؐ کی تعلیمات سے حدیث نبویؐ کی تشکیل ہوئی' اور اللہ تعالیٰ نے سیرت رسولؐ کو اسلام کی مجسم تصویر قرار دیا اور لوگوں کو آپ کی اتباع کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الاحزاب:۲۱)

''رسول خداؐ کی ذات تمھارے لیے بہترین نمونۂ عمل ہے۔''

سیرت اور حدیث نبویؐ کو شریعت اسلامیہ میں لفظ ''سنت'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' اور خدا و رسولؐ نے ہمیں سنت رسول کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے قرآن کے احکام اور سنت نبویؐ کی تعلیمات کے ذریعہ اسلام کی تکمیل فرمائی۔

حضرت رسول کریمؐ نورِ وحی سے جانتے تھے کہ ان کی امت میں اختلافات پیدا ہوں گے اور امت کئی فرقوں میں بٹ جائے گی اور اس امت کا انجام بھی وہی ہو گا جو کہ سابقہ امتوں کا ہوا تھا اور آپ نے اپنی امت کو اس سے آگاہ کر دیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی وضاحت اور بیان کا فریضہ اپنے پیغمبر کے سپرد کیا اور ارشاد فرمایا:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ. (النحل۔۴۴)

''اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے ان احکام کو واضح کریں' جو ان کی طرف نازل کیے گئے ہیں اور شاید یہ لوگ اس بارے میں غور وفکر کریں۔''

اللہ تعالیٰ نے رسول خداؐ کو اہل ایمان کے لیے نمونۂ عمل قرار دیا اور امت اسلامیہ کو سیرت پیغمبرؐ کی پیروی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. (الحشر۔۷)

''جو کچھ تمھیں رسولؐ دے دیں وہ لے لو اور جس سے رسول منع کر دیں اس سے رک جاؤ۔''

''تم سابقہ امتوں کے نقش قدم پر چلو گے اور تمہارے حالات ان سے یوں یکساں ہوں گے جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے اور اگر وہ لوگ کسی سوسمار کے بل میں بھی داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی داخل ہو جاؤ گے۔''(۱)

حفاظت قرآن

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ہر طرح کی کمی بیشی اور تحریفات سے محفوظ رکھا اور اس کی حفاظت کا ذمہ لیا چنانچہ ارشاد فرمایا:

۱۔ اس سلسلہ کی احادیث کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''خمسون و مائۃ صحابی مختلق'' کی جلد دوم کا مطالعہ فرمائیں۔ اس مضمون کی احادیث کے لیے حسب ذیل کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

ا۔ کمال الدین صدوق ص' ۵۷' بحار الانوار جلد سوم و ہشتم' مجمع البیان طبرسی در ضمن لترکبن طباقعن طبق' جلاء الاذھان گازر.

ب۔ صحیح البخاری' کتاب الانبیاء باب ماذکر عن بنی اسرائیل ۲/۱۷۱ ح ۳' کتاب الاعتصام بالکتاب السنۃ باب قول النبی لتتبعن سنن من کان قبلکم۔ الحدیث ۴/ ۱۷۶' ح ۱ و ۲۔

فتح الباری شرح صحیح البخاری ۱۷/۶۳' ۶۴

ج۔ صحیح مسلم بشرح النودی ۱۶/۲۱۹ کتاب العلم

د۔ صحیح الترمذی ۹/ ۲۷۔۲۸' ۱۰/۱۰۹

ہ۔ سنن ابن ماجہ ح ۳۹۹۴

و۔ مسند الطیالسی' ح ۱۳۴۶ و ۲۱۷۸

ز۔ مسند احمد۔۲/ ۳۲۷' ۳۶۷' ۴۵۰' ۵۱۱' ۵۲۷' ۳/۸۴' ۹۴ و ۴/ ۱۲۵' ۵/ ۲۱۸' ۳۴۰۔

ح۔ صحیح الزوائد ۷/۲۶۱ نقلاً عن الطبرانی

ط۔ کنز العمال ۱۱/۱۲۳ عن الطبرانی فی الاوسط والحاکم فی المستدرک

ی۔ درمنثور سیوطی بحوالہ مستدرک حاکم درتفسیر ''ولاتکونوا کالذین تفرقوا''.

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر : ۹)

''بے شک قرآن کو ہم نے نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے حفاظت قرآن کے متعلق ارشاد فرمایا:

لَايَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ (فصلت : ۴۲)

''باطل نہ تو اس کے سامنے سے آ سکتا ہے اور نہ ہی اس کے پیچھے سے آ سکتا ہے۔''

یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ہر قسم کی دستبرد سے محفوظ رکھا مگر حدیث اور سنت تحریف سے محفوظ نہ رہ سکی اور روایات میں شدید اضطراب پایا جاتا ہے اور اسی اضطراب کو دور کرنے کے لیے علماء کو ''تاویل مختلف الحدیث'' اور ''بیان مشکل الحدیث'' اور ''بیان مشکلات الاثار'' جیسی کتابیں لکھنی پڑیں۔ [1]

اسی اختلافِ حدیث کی وجہ سے مسلمان فہم قرآن کے متعلق اختلاف کا شکار ہوئے اور انہی احادیث کی وجہ سے ان میں تقسیم کا عمل شروع ہوا۔

احادیث کے علاوہ تفسیر بالرائے اور دوسری اقوام و مذاہب کی معاشرت نے بھی مسلمانوں کے باہمی اختلاف میں مؤثر کردار ادا کیا اور ہر گروہ نے آیات قرآنی کی من مانی تاویل شروع کی اور اپنے نظریات کے اثبات کے لیے احادیث کو بطور سند استعمال کیا اور پھر اختلاف کی یہ خلیج اس قدر چوڑی ہوئی کہ اپنے فرقہ کے علاوہ دوسرے فرقے کی بات سننے تک کی بھی روا داری باقی نہ رہ سکی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلمہ پڑھنے والے ایک دوسرے کو گمراہ' بدعتی اور کافر تک کہنے لگے۔

اختلافات کے عوامل صرف اندرونی ہی نہیں تھے بلکہ بیرونی عوامل بھی پوری طرح سے کارفرما تھے۔

۱۔ ''تاویل مختلف الحدیث'' ابن قتیبہ عبداللہ بن مسلم المتوفی ۲۷۶ یا ۲۸۰ ہجری کی تالیف ہے۔ اور ''بیان مشکل الحدیث'' ابن فورک محمد بن حسن المتوفی ۴۰۶ ہجری کی تالیف ہے اور ''بیان مشکلات الاثار'' ابو جعفر احمد بن محمد الازدی المعروف باطحاوی لمتوفی ۳۳۱ یا ۳۳۲ کی تالیف ہے۔

اختلافات کے بیرونی عوامل

اسلامی تعلیمات کا حقیقی سرچشمہ حدیث' سیرت اور تفسیر کی کتابیں ہیں۔ لیکن ان میں بھی بیرونی عوامل پوری طرح سے ملوث رہے اور اختلاف کی خلیج کو وسیع کرنے کا سبب بنے۔ بیرونی عوامل کو ہم تین اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ ایک منظم منصوبہ کے تحت اہل کتاب کی روایات کو اسلامی تعلیمات میں داخل کیا گیا اور اس سلسلہ میں کعب الاحبار اور تمیم الداری کے نام سرفہرست ہیں۔

۲۔ بعض زنادقہ وملحدین نے اپنی خود ساختہ روایات اسلامی مصادر میں بعنوان حدیث شامل کیں۔ اس سلسلہ میں ابن ابی العوجاء اور سیف بن عمر کا نام لیا جا سکتا ہے۔

صلیبی جنگوں کے بعد یہود و نصاریٰ میں ایک گروہ پیدا ہوا جسے ''مستشرقین'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے کتب اسلام کا مطالعہ کیا اور اس کی کمزور وضعیف روایات کو تلاش کیا اور پھر انہی روایات کو بنیاد بنا کر انھوں نے جدید اسلوب اور نئے لب ولہجہ میں کتابیں لکھیں اور اس طرح سے انھوں نے اسلام کو پوری طرح سے بدنام کیا اور اسلام کے مخالف (مستشرقین نے) مسلمان قارئین کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے مصادر اسلامیہ کی فہرستیں مرتب کیں اور ان فہارس و معاجم کو شائع کیا اور اس ذریعہ سے عام مسلمان قاری ان سے متاثر ہوئے اور جب وہ اپنا علمی سکہ منوانے میں کامیاب ہو گئے تو انھوں نے اسلام کی غلط تعبیر و تشریح کی اور مکتب اسلام کو بدنام کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور انہی مستشرقین نے اپنے خود ساختہ نظریات کی ترویج کے لیے ''دائرۃ المعارف

الاسلامیۃ' اور''محمد النبی السیاسی'' جیسی کتابیں تالیف کیں۔ [1]

استعماریت گروں کی اسلام دشمنی صرف مستشرقین کے روپ تک ہی محدود نہ رہی بلکہ انھوں نے اپنے اپنے مدارس سے شاگرد پیدا کیے اور انھیں اسلامی ممالک میں چار سو پھیلایا' جنھوں نے مسلمانوں میں رہتے ہوئے ان کے یقین کو کمزور کیا اور ان کے عقائد میں شکوک وشبہات پیدا کیے اور استعمارگروں نے ان لوگوں کو روشن فکر اور ترقی پسند قسم کے القابات سے نوازا۔

اگر آپ نے استعمار کے مہروں کو دیکھنا ہو تو علی گڑھ یونیورسٹی کے بانی سرسید احمد خان اور استاد الجیل احمد لطفی اور مصر میں حقوق نسواں کے علمبردار قاسم امین کو دیکھیں۔ استعمار نے ان جیسے دیگر چہرے ایران' عراق اور دیگر اسلامی ممالک میں بھی متعارف کرائے۔

استعماری چہروں نے اپنی تقریر وتحریر سے اسلام کے حسین چہرے کو داغدار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور قدیم اسلامی نظریات کے مقابلہ میں مستشرقین کے نظریات کی تائید کی۔ سید احمد خان نے قرآن مجید کی بزعم خویش ایک تفسیر لکھی تھی جس میں اس نے بہت سے اسلامی حقائق مثلاً ملائکہ اور معجزات انبیاء کا انکار کیا اور یہی کچھ''جرجی زیدان'' نے اپنے قصوں میں کیا۔

الغرض استعمار اور ان کے زرخرید افراد کا ایک ہی مقصد و ہدف ہے اور وہ

ا۔ ہم نے اہل کتاب کی روایات کے متعلق اپنی کتاب "قیام الائمة باحياء السنة" کی جلد ششم اور مستشرقین کی تباہ کاریوں کا تذکرہ اسی کتاب کی جلد سوم اور چہارم میں کیا ہے اور زنادقہ کی خود ساختہ روایات پر ہم نے کتاب مذکور کی جلد ششم اور''خمسون و مائۃ صحابی مختلق'' کی جلد اوّل تمہیدی مباحث میں سیر حاصل بحث کی ہے اور ہم نے اپنی کتاب''عبداللہ بن سبا'' میں ''سیف'' کی تحریف پر مکمل بحث کی ہے اور ہم یہاں مستشرقین کے متعلق یہ وضاحت بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ تمام مستشرقین بددیانت نہیں تھے ان میں شاذ و نادر اچھے بھی گزرے ہیں۔

ہدف یہ ہے جس کا اظہار ایک مستشرق نے ان الفاظ سے کیا تھا'

''دین کو دین کی تلوار کے علاوہ کسی دوسری چیز سے قتل نہیں کیا جا سکتا۔''(۱)

مستشرقین اوران کے شاگردوں کا طریقۂ واردات یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن مجید کی تفاسیر لکھتے ہیں اور حدیث نبویؐ اور سیرت پیغمبر اور آئمہ تحریر کرتے ہیں اور ان کی ہر تحریر کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ معجزات وخرق عادت افعال کا کوئی وجود نہیں ہے اور انبیاء و آئمہ کے معجزات کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور جنھیں مسلمانوں نے غلطی سے معجزہ سمجھ لیا ہے وہ عام قسم کے واقعات کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہیں۔

یہ لوگ اپنے قارئین کو کبھی مخفی طور پر اور کبھی ظاہری طور پر یہ باور کراتے نہیں تھکتے کہ انبیاء و آئمہؑ اپنے اپنے زمانہ کے مثالی انسان تھے اور دین اسلام اس وقت کے تقاضوں کے عین مطابق تھا اور اس دور قدیم میں اسلام ایک ترقی پسند اور روشن فکر دین تھا لیکن آج کے جدید دور میں اسلام کی پرانی تعبیر وتشریح کچھ مناسب نہیں ہے اور ہمیں اس جدید دور میں اسلام کی نئی تعبیر وتشریح کی ضرورت ہے اور ہمیں قدیم رویہ رکھنے والے اسلام کی بجائے ایک ایسا اسلام چاہیے جو موجودہ دور کے تقاضوں پر پورا اتر سکتا ہو۔

استعمار نے جہاں فکری طور پر اسلام کو مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے وہاں

۱۔ ایک زمانہ میں ہم نے مغرب گزیدہ افراد کی تردید میں کتاب لکھی تھی جس کی پہلی جلد عراق میں شائع ہوئی مگر اشاعت کے چند دن بعد ہی حکومت عراق نے اس کتاب کو ضبط کر لیا اور لبنانی حکومت نے بھی ہماری کتاب کے لبنان داخلہ پر پابندی عائد کر دی جس کی وجہ سے ہم اس بحث کو جاری نہ رکھ سکے۔ اس سلسلہ میں عبدالرحمٰن حسن حنبکۃ المیدانی کی کتاب ''اعداء الاسلام'' کے سلسلہ کی ''اجنحۃ المکر الثلاثۃ'' اچھی کاوش ہے۔ اگرچہ ہمیں اس کتاب کے بعض مطالب سے اختلاف ہے پھر بھی بحیثیت مجموعی اچھی کتاب ہے۔

اس نے اپنے سیاسی ایجنٹوں کو اقتدار میں لا کر بھی اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ آپ موجودہ دور کے مسلمان حکمرانوں پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان سب کی ڈوری غیر مسلم آقاؤں کے ہاتھ میں ہے۔

ان روح فرسا حالات میں بعض اسلام دوست افراد یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمیں اتحاد و اتفاق برقرار رکھنے کے لیے مسلمانوں کے باہمی اختلافات کا ہرگز تذکرہ نہیں کرنا چاہیے اور ہمیں اپنے لب سی لینے چاہئیں تاکہ امت میں اتحاد قائم رہے۔

اس نظریہ کے برعکس میرا خیال یہ ہے کہ جب تک ہم بیماری کی تشخیص نہ کریں گے اس وقت تک ہم صحیح دوا سے قاصر رہیں گے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ایک دوسرے کا نظریہ معلوم کریں اور اس کے ساتھ اپنے نظریات بھی بیان کریں۔ مگر اس تمام تر عمل میں شائستگی اور شرافت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

اتحاد میں حائل رکاوٹیں

جب تک ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا جذبہ نہ ہو اس وقت تک اتحاد کی تمام تر کوششیں رائیگاں جاتی ہیں۔ جب ہم اتحاد امت کی بات کرتے ہیں تو ہم خوارج کا کیا کریں گے جو کہ اس وقت بھی جزیرۂ عرب کے مشرقی حصے اور شمالی افریقہ میں موجود ہیں۔

خوارج کے مذاہب کی بنیاد ہی عامتہ المسلمین کی تکفیر پر ہے اور ان کا دعویٰ ہے کہ صرف خوارج ہی مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ دیگر تمام اسلامی فرقے کافر ہیں۔

خوارج کے مذہب کی بنیاد حضرت عثمانؓ، حضرت علیؑ، ام المومنین عائشہؓ، طلحہؓ زبیرؓ معاویہ اور عمرو بن عاص سے بیزاری پر قائم ہے خوارج مذکورہ افراد سے صرف بیزاری ہی کا اظہار نہیں کرتے بلکہ ان پر لعنت اور ان کے ساتھ جملہ اہل

اسلام پر لعنت کرنے کو افضل ترین عبادت سمجھتے ہیں۔

علاوہ ازیں اتحاد امت کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو تو کیسے ہو جب کہ امت میں ایسے افراد موجود ہیں جو قبر رسولؐ اور قبور آئمہؑ کی زیارات کو عبادت سمجھتے ہیں اور ان سے طلب شفاعت کرتے ہیں اور خدا کے حضور انھیں اپنا وسیلہ قرار دیتے ہیں۔

اس کے برعکس امت اسلامیہ میں ایسے افراد کی بھی کمی نہیں ہے جو ان تمام تر چیزوں کو شرک باللہ اور اسلام کے خلاف بغاوت اور بدعت محرمہ سمجھتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا خیال ہے کہ تیسری صدی ہجری کے بعد سے لے کر آج تک اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے افراد درحقیقت مشرک ہیں۔ اور اسی مکتب فکر کے افراد نے غار حرا کے راستہ کی تمام مساجد کو منہدم کر دیا اور جنت البقیع میں آئمہ اصحابؓ امہات المومنین اور شہدائے احد کے مزارات کو مسمار کر دیا۔

اور اس فرقہ کی عجیب ترین بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنی مملکت میں قائم یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جب کہ گرجاؤں میں صلیب بھی ہے اور حضرت عیسیٰؑ و مریم کی تصاویر بھی موجود ہیں اور وہاں ان کی عبادت بھی کی جاتی ہے اور وہاں عقیدہ تثلیث کا پرچار بھی کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے باوجود ان سے معاہدہ کر لیا گیا ہے اور اس مملکت کا کوئی سرکاری مفتی انھیں مشرک نہیں کہتا اور اس کے برعکس روضہ رسولؐ کی زیارت کرنے والے کو کھلم کھلا سرعام مشرک کہا جاتا ہے۔

مذکورہ اختلافات کے علاوہ بھی امت اسلامیہ کے فرقوں میں اور بھی اختلافات موجود ہیں۔ مثلاً امامیہ اور مالکیہ نماز ہاتھ کھول کر پڑھتے ہیں اور احناف اور حنابلہ نماز ہاتھ باندھ کر پڑھتے ہیں۔ اسی طرح سے وضو میں ایک اسلامی فرقہ سر کے مسح کے بعد پاؤں پر مسح کرتا ہے جب کہ دوسرے فرقے پاؤں دھوتے ہیں۔ اور

اس موجودہ تعصب کی فضا میں تمام امت اسلامیہ میں اتفاق ہو تو کیسے ہو! جب کہ کوئی کسی کے نظریہ کا احترام کرنے پر آمادہ دکھائی نہیں دیتاان روح فرسا حالات میں چشمِ فلک نے ہمیں یہ مناظر بھی دکھائے ہیں کہ ''جآء دور المجوس''جیسی دل آزار کتابیں سرکاری سرپرستی میں طبع ہو رہی ہیں اور ایک حکومت اپنے فرقے کو سچا مسلمان ثابت کرنے کے لیے کروڑوں ڈالرخرچ کر رہی ہے جو پرنٹ میڈیا کے ذریعہ سے یہ ثابت کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں کہ ان کے علاوہ باقی تمام اہل اسلام شرک و بدعت میں ملوث ہیں وہ اپنے اسی نظریہ کی نشر و اشاعت کے لیے پوری دنیا میں اپنی مساجد و مدارس کا جال پھیلایا جا رہا ہے اور تنگ نظری پر مبنی اپنے نظریہ کی اشاعت کے لیے ہزاروں افراد کو مبلغ بنا کر پوری دنیا میں پھیلایا جا رہا ہے۔ یقیناً یہ سب کچھ امت اسلامیہ کے اتحاد کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ تمام تر مساعی مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کی غرض سے کی جا رہی ہے۔

تنگ نظری کی تاریخ استعماری غلبہ ہی سے شروع نہیں ہوئی بلکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس کی ابتداء امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۰ھ سے ہوتی ہے اور اسی تنگ نظری کی مزید تبلیغ شیخ ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ نے کی۔ بعد ازاں آج تک اس مکتب فکر کی کارستانیاں جاری ہیں اور موجودہ دور میں یہ بھی کاروائیاں اپنے عروج پر ہیں اسی تنگ نظری کے نتیجہ میں ہزاروں مسلمان قتل ہوئے اور بیسیوں لائبریریوں کو نذر آتش کیا گیا۔

ان ارضی حقائق کو مدنظر رکھنے کے بعد ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ صرف خاموشی ہی اس کا علاج نہیں ہے کیونکہ یک طرفہ خاموشی کسی طرح سے اتحاد کی علامت نہیں بن سکتی۔ ہر فرقہ کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار کی مکمل اجازت ہونی چاہیے مگر اس کے لیے اول و آخر شرط یہی ہے کہ تہذیب اور شائستگی کے دامن کو نہ

چھوڑا جائے اور اس کے لیے حکمت' موعظہ حسنہ اور جدال احسن سے کام لیا جائے اور پوری دیانت داری سے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یکطرفہ اتحاد سے کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔ اتفاق واتحاد اس وقت ہی قائم ہوتا ہے جب طرفین میں اس کی خواہش موجود ہو۔ جب کہ ہمارے ذاتی مشاہدات اس کے برعکس ہیں۔ چنانچہ موضوع کے آغاز سے قبل میں اپنے ذاتی مشاہدات کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں اور ان مشاہدات سے ہمارے قارئین کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ مسلمانوں میں اور بالخصوص مسلمانوں کے ایک فرقہ میں کس قدر روا داری پائی جاتی ہے اور ان کے دلوں میں محبت کا کیسا زمزم بہہ رہا ہے۔

۲۔ تلخ مشاہدات

فرقہ پرست افراد کی طرف سے اتنا زہر گھولا جا چکا ہے کہ آج ایک ہی خدا کے ماننے والے اور ایک ہی رسولؐ کا کلمہ پڑھنے والے اور ایک ہی کتاب کی تلاوت کرنے والے اور ایک ہی قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنے والے افراد ایک دوسرے کو کافر کہہ رہے ہیں اور ہم آئندہ صفحات میں ان کے استدلال کا بھی جائزہ لیں گے اور ہم آپ کو اپنی ان نشستوں **(Meetings)** کا حال بھی سنائیں گے جو کہ ہم نے مختلف فرقوں کے علماء سے کیں۔ مگر ہم سب سے پہلے آپ کو اپنے سفر حج کے کچھ مشاہدات سنانا پسند کرتے ہیں۔

پہلا سفرِ حج

اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہوئی اور میں نے ملک عبدالعزیز آل سعود کے دور حکومت میں زندگی کا پہلا حج کیا۔ ہم زمینی راستہ کے ذریعے عراق سے سعودی عرب گئے اور جب ہم اپنی عراقی گاڑیوں پر واپس عراق آ رہے تھے تو ہمیں رماح نامی شہر میں چوبیس گھنٹے ٹھہرنا پڑا۔ اس دوران ہم تمام اہل کاروان اسی شہر کی مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتے رہے اور جب ہماری روانگی کا وقت ہوا تو بہت سے اہل شہر ہمیں دیکھنے کی غرض سے ہماری گاڑیوں کے پاس جمع ہو گئے۔ اسی

دوران ایک معتبر شخصیت بھی وہاں آئی اور اس نے حاضرین سے کہا۔

''جن حجاج کو تم دیکھ رہے ہو یہ سب کے سب مشرک ہیں اور یہ لوگ حسنؓ و حسینؓ پر گریہ کرتے ہیں۔ پھر اس نے میری طرف اشارہ کر کے کہا یہ ان کا عالم ہے اگر میرے بس میں ہوتا تو میں انھیں قتل کر دیتا۔''

اس کے یہ نازیبا جملے سن کر ہم میں سے ایک شخص نے اس سے کہا:

ہم مشرک کیوں ہیں؟ ہم نے تو بیت اللہ کا حج کیا ہے اور ہم نے قبر پیغمبرؐ کی زیارت کی ہے؟

یہ الفاظ سن کر وہ شخص غصہ سے لال پیلا ہو گیا اور کہنے لگا:

آج اگر ابوسعود کا باپ بھی آ جائے تو وہ بھی تجھے میرے ہاتھوں سے نہیں بچا سکے گا۔ پھر اس نے یہ الفاظ کہے:

ویش محمد' محمد رجالا مثلی......

''محمدؐ کیا ہے۔ محمدؐ بھی میرے جیسا ایک آدمی تھا۔ وہ مر گیا ہے اور اس کا معاملہ ختم ہو چکا ہے۔'' (نعوذ باللہ)

عراقی بے چارہ خوف زدہ ہو گیا اور اس سے کہا کہ ہمیں کیا کہنا چاہیے؟ سنگ دل عربی نے کہا: ''تجھے یہ کہنا چاہیے کہ اللہ کے سوا کوئی فائدہ اور نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

اتنے میں دوسرے عراقی نے اس سے کہا: کیا محمد تجھ جیسا انسان تھا؟

اس نے کہا: بالکل وہ مجھ جیسا ہی ایک انسان تھا۔ وہ مر گیا اور اس کا معاملہ ختم ہو گیا۔

عراقی نے کہا: مگر محمدؐ پر قرآن نازل ہوا کیا تجھ پر بھی قرآن نازل ہوا ہے؟

ان الفاظ کا اس سے کوئی جواب تو نہ بن پایا مگر وہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گیا۔
اتنے میں ہمارا کاروان چل پڑا اور خدا نے ہمیں اس منحوس کے شر سے محفوظ رکھا' ہمارے اس قافلہ میں ایک سعودی شہری بھی تھا جو کہ عراق جا رہا تھا جب ہم سعودی بارڈر پر پہنچے تو ایک سعودی افسر نے اپنے شہری سے کہا: تو کیسا شخص ہے بلاد اسلام کو چھوڑ کر بلاد شرک کی طرف جا رہا ہے؟ اور یہ کہہ کر اس نے اس سے پاسپورٹ چھین لیا۔ آخر کار بڑی رد و کد کے بعد اس بے چارے کو پاسپورٹ واپس ملا۔

دوسرا سفرِ حج

کافی عرصہ ہوا کہ علمائے عراق نے احکام اسلام کی ترویج کے لیے ایک انجمن قائم کی اور اس مقصد کے حصول کے لئے مساجد اور امام بارگاہوں میں انھوں نے وعظ کیے اور غیر اسلامی قوانین کے خاتمہ کے مطالبات کیے اور اسلامی عصری تحریکوں کی حمایت کا اعلان کیا۔ اس سلسلہ میں ہم نے الجزائر کے مسلمانوں کی تحریک اور فلسطینی تحریک آزادی اور اری ٹیریا کے مسلمانوں کی آزادی کے لیے بھرپور آواز اٹھائی ابھی ہم ان تحریکات کی حمایت کر رہے تھے کہ اس دوران قم کے مدرسہ فیضیہ سے نفاذِ اسلام کی تحریک چلی جس کی قیادت علمائے اعلام کر رہے تھے اور رضا شاہ پہلوی نے اسی تحریک کو دبانے کے لیے بے تحاشا قوت استعمال کی جس کے نتیجہ میں بہت سے اہل ایمان شہید ہوئے اور پھر پورے ایران میں جلسے جلوس شروع ہو گئے۔

ہم نے ایران کی اس عظیم اسلامی تحریک کی بھرپور حمایت کی اور اس کے لیے ہم نے عراق میں بھی جلسے جلوس کیے اور شہدائے ایران کی مغفرت کے لیے مجالس ترحیم کا انعقاد کیا۔

انھی ایام میں مجھے دوسری بار سفرِ حج کی سعادت نصیب ہوئی اور جب میں اپنے رفقاء سمیت سفر حج پر جانے لگا تو میں نے ایرانی علماء کی حمایت کے لیے بہت

سے اسٹکرز (Stickers) بنوائے اور یوں ہم سرزمین حرم پہنچ گئے اور ہم نے مکہ مکرمہ میں اخوان المسلمین کے شامی رہنماؤں سے ملاقات کی اور سعید رمضان سے بھی ہماری مفید ملاقات ہوئی اوراری ٹیریا کی نہضتِ آزادی کے سربراہ محمد آدم سے عرفات میں ہماری ملاقات ہوئی اور ان شخصیات کے علاوہ ہم نے تحریک آزادیٔ فلسطین کے سرکردہ لیڈروں اور اخبار و جرائد کے مدیروں سے ملاقاتیں کیں اور ہندوستان کے مشہور اسکالر ابوالحسن ندوی اور جماعت اسلامی پاکستان کے رہنما سید ابوالاعلیٰ مودودی سے بھی ہماری یادگار ملاقاتیں ہوئیں۔

وہاں ہم نے پروگرام بنایا کہ شبِ عید ایرانی اسلامی تحریک کی حمایت میں ہینڈ بلز اور اسٹکرز (Stikers) تقسیم کریں گے۔لیکن مجھے معلوم ہوا کہ ہمارے ایک ساتھی نے کچھ ہینڈ بلز حرم شریف میں تقسیم کیے تو سعودی حکام نے اسے گرفتار کر لیا اور تمام اشتہارات وغیرہ بھی ضبط کر لیے۔ یہ خبر سن کر ہمیں بہت صدمہ ہوا۔ پھر علمائے ایران وعراق نے باہمی مشاورت کی جس میں طے یہ ہوا کہ ہمیں عید کے دن ولی عہد فیصل سے ملاقات کرنی چاہیے اور اس سے اپنے ساتھی کی رہائی کا مطالبہ کرنا چاہیے۔

قصہ مختصر ہم نے ولی عہد فیصل سے ملاقات کی اسی دورانِ ملاقات میں نے موصوف سے کہا: جناب عالی! آپ کی حکومت اسلامی شریعت کے نفاذ کی داعی ہے اور اس وقت علمائے ایران بھی اسلامی احکام کا نفاذ چاہتے ہیں مگر پہلوی حکومت ان پر مظالم کے پہاڑ توڑ رہی ہے چونکہ آپ کی حکومت اور علمائے ایران دونوں کا موقف یکساں ہے اسی لیے آپ کو علمائے ایران کی امداد کرنا چاہیے آپ تو خادم الحرمین کہلاتے ہیں اسی لیے کہ آپ ستم رسیدہ مسلمانوں کو اپنے ہاں پناہ دیں تاکہ وہ مظلوم یہاں رہ کر تمام عالم اسلام کو اپنی مظلومیت کی داستان سنا سکیں اور اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ درحقیقت "لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ" کی آیت پر عمل پیرا ہوں گے۔

اس کے بعد میں نے علمائے قم کی تحریک کا تفصیلی تذکرہ کیا اور آخر میں ان سے اپنے ساتھی کی آزادی اور اپنے مطبوعہ مواد کی واپسی کا مطالبہ کیا اور کافی دیر تک اس مسئلہ پر ہمارے مذاکرات جاری رہے۔ آخر کار ولی عہد نے ہمارا مطالبہ مان لیا اور ہمارے ساتھی کو آزاد کیا گیا اور ہمارا مطبوعہ مواد ہمارے سپرد کیا گیا ہے جسے ہم نے مناسک حج کی ادائیگی کے بعد حجاج کرام میں تقسیم کیا۔

قیام مکہ کے دوران ہندی مسجد میں مجھے مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کا خطاب سننے کی دعوت دی گئی جسے میں نے بڑی فراخ دلی سے قبول کیا میں ان کے خطاب میں شریک ہوا۔ مولانا مودودی نے حیات اسلامیہ کے عنوان پر گفتگو کی انہوں نے فرمایا کہ اس کے لیے آٹھ نکات کی شدید ضرورت ہے۔ پھر انہوں نے مرحلہ وار تمام نکات کی وضاحت کی۔

ان کے خطاب کے بعد مجھے دعوت خطاب دی گئی تو میں نے اپنے خطاب میں کہا کہ مسلمانوں کی وحدت اور عظمت رفتہ کے حصول کے لئے تین نکات کی اشد ضرورت ہے جو یہ ہیں۔

۱۔ آج جب کہ بعثت پیغمبرؐ کو چودہ صدیاں گزر چکی ہیں ہمیں اپنے اسلاف کی اندھی تقلید سے آزاد ہو کر کھلے دل و دماغ کے ساتھ شریعت اسلامیہ کے مصادر پر غور کرنا چاہیئے اور درایت حدیث اور فقہ وسنت پر تحقیق کرنی چاہیے۔

۲۔ استعمار گروں نے اسلامی ممالک کو اپنے لیے نرم چارہ بنا لیا ہے۔ اسی لیے ہمیں مل کر اسلام کی آزادی بخش تحریکوں کا ساتھ دینا چاہیے۔ خواہ وہ تحریک فرانس کے خلاف الجزائری مسلمانوں کی ہو' یا ہیل سلاسی کے خلاف اری ٹیریا کے مسلمانوں کی ہو' یا امریکی غلام رضا پہلوی کے خلاف علمائے ایران کی تحریک ہو۔ بہرنوع ہمیں ان تمام آزادی بخش تحریکات کا ساتھ دینا چاہیے۔

اپنے خطاب میں میں نے علمائے ایران کی تحریک کا تفصیلی تذکرہ کیا۔

۳۔ اس دور میں ہمیں ابو ذرؓ، عمارؓ اور سمیہؓ کی طرح سے کامل الایمان اور راسخ العقیدہ ہونا چاہیے ہمیں مسلمانان مکہ کی سنت ادا کرتے ہوئے تمام تکالیف اور اذیتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے۔

میرے مذکورہ خطبات کی شہرت مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر شیخ عبدالعزیز بن باز تک پہنچی تو انہوں نے مجھے اور میرے وفد کو مدینہ یونیورسٹی آنے کی دعوت بھیج دی اور دعوت دیتے وقت ان کا خیال یہ تھا کہ میرا تعلق مکتب خلافت سے ہے۔

بہرنوع انہوں نے ہمارے لیے مدینہ یونیورسٹی کی گاڑیاں روانہ کیں جن پر ہم سوار ہو کر یونیورسٹی پہنچے اور یونیورسٹی کے اساتذہ وطلباء نے ہمارا شایان شان خیر مقدم کیا۔

یونیورسٹی کے کانفرنس ہال میں مجھے خطاب کرنا تھا جہاں علماء وطلباء بہت بڑی تعداد میں موجود تھے۔ چنانچہ میں نے اپنے خطاب میں حمد و ثنا کے بعد عراقی علماء کے وفد کی جانب سے مدینہ یونیورسٹی کے علماء کا شکریہ ادا کیا اور رسمی جملوں کے بعد میں نے کہا۔

اس شہر کی ایک اپنی تاریخ ہے۔ اسی شہر کو رسول خداؐ کے مقام ہجرت کا شرف حاصل ہے رسول خداؐ نے ہجرت کے بعد یہاں پہلا کام یہ کیا تھا کہ مہاجرین و انصار میں مؤاخات قائم کی تھی اور وہی مؤاخات ایک عظیم اسلامی مواخات کی بنیاد بن گئی اس وقت اس یونیورسٹی میں پنتالیس ممالک کے طلاب تعلیم حاصل کرتے ہیں اسی لیے آپ کو بھی یہاں سے مواخات کا سلسلہ شروع کرنا چاہیے اور یہ مؤاخات صرف طلاب تک ہی محدود نہیں ہونا چاہیے بلکہ تمام عالم اسلامی کے ساتھ ہونا چاہیے اور آج کے اس دور پرفتن میں ہمیں باہمی مودت و اخوت کی شدید ضرورت ہے

کیونکہ آج فرانس نے الجزائر پر قبضہ کر رکھا ہے اور ہیل سلاسی نے بھی اری ٹیریا کے مظلوم مسلمانوں پر تسلط قائم کیا ہوا ہے اور آج ایران کے علمائے کرام اور مسلمان پہلوی حکومت کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ آج ایران پر استعمار کا ایک گماشتہ حکمران ہے جب کہ قم کے علماء اپنے ملک کو اغیار کی غلامی سے آزاد کرانا چاہتے ہیں اور وہ اسلامی قوانین کا عملی نفاذ چاہتے ہیں۔

پھر میں نے اپنے خطاب میں مسلمانوں کی تفریق کے نقصانات کا تفصیلی تذکرہ کیا اور اتحاد بین المسلمین پر کافی زور دیا۔

میری تقریر کے اختتام پر ہمارے میزبان شیخ بن باز سٹیج پر آئے اور انہیں میری تقریر سے معلوم ہو چکا تھا کہ میرا تعلق مکتب امامت سے ہے۔ بہرنوع وہ سٹیج پر آئے۔ وہ آنکھوں سے نابینا تھے۔ انہوں نے پہلے تو کھنکار کر اپنا گلا صاف کیا پھر انہوں نے کہا:

''تم لوگ مشرک ہو۔ تم پہلے مسلمان بنو پھر دوسرے مسلمانوں سے اتحاد کا مطالبہ کرو''۔

اس متعصب شیخ کی بات سن کر میرا لہو کھول اٹھا۔ میں نے اس سے ایک طویل بحث کی جس کے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ پہلے سفر حج کے موقعہ پر ایک ملا ٹائپ شخص کا میں نے نظریہ سنا تھا مگر میں یہ سوچ کر خاموش رہا کہ وہ ایک غیر ذمہ دار شخص ہے مگر جب میں نے ایک ذمہ دار شخص کے منہ سے یہ جملے سنے تو مجھے یقین ہو گیا کہ جب تک عالم اسلام میں اس طرح کے شیوخ موجود رہیں گے تو مسلمان کبھی بھی اتحاد کی دولت سے مالا مال نہیں ہوں گے۔ (1)

میں نے سفر حج میں مکہ و مدینہ کے علماء سے ملاقاتیں کیں اور مسجد خیف میں علماء سے میرے طویل مذاکرات ہوئے اور رابطہ عالم اسلامی مکہ کے اجلاسوں

۱۔ ایسے ہی شیوخ حرم کے لیے علامہ اقبال نے کہا تھا:

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے — گلیم بوذر و دلق اویس و چادر زہرا (از مترجم)

میں بھی میں نے شرکت کی اور علمائے جامعہ از ہر سے بھی ہماری بہت سی ملاقاتیں ہوئیں۔ علاوہ ازیں لبنان' خلیج 'ہندو پاک اور کشمیر کے علماء سے بھی ہماری ملاقات ہوئی مگر ان ملاقاتوں میں سے بعض ملاقاتوں میں مجھے ناگوار باتیں سننا پڑیں اور اپنے آپ کوعلماء کہلانے والے افراد کے منہ سے مجھے تعصب کی ناگوار بومحسوس ہوئی۔

ان تمام تر ملاقاتوں کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جب تک فریقین کے نکتہ نظر سے پوری آگاہی نہ ہو اس وقت تک اتحاد کی کوئی بھی مخلصانہ کوشش ثمر آور نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے ہم اس کتاب میں پہلے فریقین کے علیحدہ علیحدہ نظریات کا تقابلی مطالعہ پیش کریں گے۔ پھر ہم خدا کی عطا کردہ قوت سے ان اختلافی مسائل کا حل بھی بیان کریں گے اختلافی مسائل میں سے ہم بعض صفات الٰہیہ سے اپنی بحث کا آغاز کرتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات اور ان میں اختلافات کا سرچشمہ

مسلمانوں میں سے کچھ مسلمان ایسے ہیں جن کا خیال ہے:

اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔[۱] اوراللہ کی انگلیاں[۲]، پنڈلی[۳] اور قدم ہیں اور مزید برآں یہ کہ اللہ قیامت کے دن اپنا قدم دوزخ میں رکھے گا تو وہ کہے گی بس بس۔[۴]

۱۔ صحیح البخاری کتاب الاستئذان باب بدء السلام۔

صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعیمها، باب یدخل الجنة اقوام افئدتهم مثل افئدة الطیر حدیث ۲۸، کتاب البر، باب النهی عن ضرب الوجه حدیث ۱۱۵، مسند احمد بن حنبل ۲/۲۴۴ و ۲۵۱ و ۳۲۳ و ۳۶۵ و ۴۳۴ و ۴۶۳م و ۵۱۹۔

۲۔ صحیح البخاری، تفسیر سورۃ الزمر ۲/۱۲۲۔ کتاب التوحید باب قول الله لما خلقت بید ۴/۱۸۶۔ باب ''وجوه یومئذ ناضرة''۔

صحیح مسلم کتاب صفة القیامة والجنة والنار حدیث ۱۹، ۲۱، ۲۲۔

۳۔ صحیح البخاری تفسیر قولہ تعالیٰ ''یوم یکشف عن ساق'' من سورہ نون والقلم آیت ۴۳ کتاب التوحید باب قولہ تعالیٰ ''وجوه یومئذ ناضرة'' ۴/۱۸۹۔

۴۔ صحیح البخاری تفسیر سورہ ق، کتاب التوحید باب ''ان رحمة الله قریب من المحسنین'' ۴/۱۹۱۔

ترمذی کتاب صفة الجنة باب ماجاء فی خلود اهل الجنة واهل النار۔

صحیح مسلم کتاب الجنة وصفة نعیمها واهلها، باب النار یدخلها الجبارون والجنة یدخلها الضعفآء حدیث ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸۔

علاوہ ازیں خدا کے لیے ایک مکان بھی ہے اور وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اس نظریہ کے لوگ ایک حدیث بھی بیان کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

کان ربنا قبل ان یخلق خلقه فی عماء. ای لیس معه شئ. ماتحته هواء وما فوقه هواء وماثم خلق عرشه علی الماء. [1]

''ہمارا رب مخلوق پیدا کرنے سے قبل بالکل یکہ وتنہا تھا یعنی اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔ اس کے نیچے ہوا تھی اور اس کے اوپر بھی ہوا تھی۔ پھر بعد میں اس نے پانی پر اپنا عرش پیدا کیا۔''

اس نظریہ کے قائل افراد نبی کریمؐ سے ایک اور حدیث نقل کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

ان عرشه علی سماواته کهکذا. وقال باصابعه مثل القبة علیه. وانه لیئط به اطیط الرحل بالراکب. [2]

''اللہ کا عرش اس کے آسمانوں کے اوپر ہے پھر آپ نے اپنی انگلیوں سے ایک قبہ بنا کر دکھایا اور اللہ کے وزن کی وجہ سے

۱۔ سنن ابن ماجہ المقدمہ باب فی ماانکرت الجہمیہ حدیث ۱۸۲۔
سنن الترمذی تفسیر سورہ ھود حدیث اوّل۔ مسند احمد بن حنبل ۴/۱۱، [illegible]۔

۲۔ سنن ابی داؤد کتاب [illegible] فی الجہمیہ حدیث ۴۷۲۶۔
سنن ابن ماجہ المقدمہ۔ باب فی ماانکرت الجہمیہ۔ سنن دارمی کتاب الدقائق باب فی شان الساعۃ ونزول الرب تعالیٰ۔

مزید حوالہ جات کے لیے محمد بن عبدالوہاب کی کتاب التوحید اور ابن تیمیہ کی منہاج السنۃ کا مطالعہ فرمائیں۔

اس سے چرچراہٹ کی آوازیں بلند ہوتی ہیں جیسا کہ سوار کی
وجہ سے کجاوے سے چرچراہٹ کی آواز آتی ہے۔"
رسول خداؐ کی ایک حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں:
ینزل اللّٰہ فی اخرالليل الی سماء الدنیا فیقول: من یسألنی فاستجیب له ومن یسألنی فاعطیه؟ (۱)
"اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصے میں آسمان دنیا پر اترتا ہے اور کہتا ہے کہ ہے کوئی سوال کرنے والا کہ میں جس کی دعا قبول کروں اور ہے کوئی سوال کرنے والا جسے میں عطا کروں؟"
آنحضرتؐ نے فرمایا:
ینزل فی لیلة النصف من شعبان الی سماء الدنیا فیغفر...... (۲)
"اللہ تعالیٰ نیم شعبان کی شب آسمان دنیا پر اتر آتا ہے اور معاف کرتا ہے......"
اسی نظریہ کے قائل حضرات نے رسول خداؐ کی ایک حدیث لکھی ہے۔
یقال لجهنم هل امتلأت و تقول هل من مزید؟ فیضع الرّبّ تبارک و تعالیٰ قدمه علیها فتقول قط قط.

۱۔ صحیح البخاری۔ کتاب التہجد باب الدعاء والصلاۃ فی اخرالليل وکتاب التوحید باب قوله تعالیٰ: یریدون ان یبدلوا کلام اللّٰه، کتاب الدعوات، باب الدعاء نصف اللیل صحیح مسلم، کتاب الدعاء باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل. علاوہ ازیں یہ حدیث سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ اور سنن دارمی اور موطا امام مالک اور مسند احمد بن حنبل میں متعدد مقامات پر مرقوم ہے۔
۲۔ سنن ترمذی، ابواب الصوم باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان سنن ابن ماجہ کتاب اقامة الصلاة باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان مسند احمد بن حنبل ۲/ ۴۳۳

دوسری روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

فاما النار فلا تمتلی حتی یضع رجله فتقول قط قط فهنالک تمتلئ ویزوی بعضها الی بعض [1]

"یعنی قیامت کے دن دوزخ سے کہا جائے گا کہ کیا تو بھر چکی ہے تو وہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنا قدم دوزخ پر رکھے گا تو وہ کہے گی بس بس۔"

۲۔ "دوزخ اس وقت تک نہ بھرنے پائے گی جب تک اللہ اس پر اپنا قدم نہ رکھے گا اور جب وہ قدم رکھے گا تو وہ کہے گی بس بس۔"

خدا کا دیدار

اس نظریہ کے قائل افراد نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے' چنانچہ روایت ملاحظہ ہو۔

قیامت کے دن جب انبیاءؑ شفاعت سے انکار کر دیں گے تو مومن میرے پاس آئیں گے۔ میں شفاعت کے لیے جاؤں گا اور اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا مجھے اجازت دے دی جائے گی "**فاذا رأیت ربی وقعت ساجدا**" جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو میں سجدہ میں گر جاؤں گا...... میں شفاعت کروں گا.... پھر دوبارہ جاؤں گا اور جب اپنے پروردگار کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر جاؤں گا۔ [2]

۱۔ یہ دونوں روایات ابو ہریرہ سے مروی ہیں۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں کتاب التفسیر میں سورہ ق کے ضمن اسے لکھا ۳/ ۱۲۸۔ علاوہ ازیں باب "وجوه یومئذ ناضرة" کتاب التوحید ۴/ ۱۹۱ میں یہ روایت انس بن مالک سے بھی مروی ہے۔

سنن ترمذی کتاب الجنة باب ماجاء فی خلود اهل الجنة واهل النار ۱۰/ ۱۶

مسند احمد بن حنبل ۲/ ۳۹۶

۲۔ صحیح بخاری' کتاب التوحید' باب قول اللہ "لما خلقت بیدی" ۴/ ۱۸۵۔

آنحضرتؐ سے اس سلسلہ کی ایک اور حدیث ہے:

ان اللّٰہ تبارک و تعالٰی ینزل یوم القیامۃ الی العباد لیقضی بینھم۔ [۲]

''اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بندوں کے پاس فیصلہ کرنے کے لیے اترے گا۔''

ایک اور حدیث میں ہے:

انکم سترون ربکم عیانا..... [۳]

''تم اپنی آنکھوں سے کھلم کھلا اپنے رب کو دیکھو گے۔''

ان المسلمین یرون ربھم یوم القیامۃ کمایرون القمر لا یضامون فی رویتہ۔ [۴]

''مسلمان قیامت کے دن اپنے رب کو ایسے ہی دیکھیں گے جیسا کہ وہ چاند کو دیکھتے ہیں اور اس کی رویت میں کوئی شک نہیں کریں گے۔''

اور اس دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

من کان یعبد شیئا فلیتبع. فمنھم من یتبع الشمس و منھم من یتبع القمر و منھم من تیبع الطواغیت. و

۲۔ سنن ترمذی' کتاب الزھد' باب ماجاء فی الریاء والسمعۃ ۹/۲۲۹۔

۳۔ صحیح بخاری کتاب التوحید باب قول اللہ ''وجوہ یومئذ ناضرۃ'' ۴/۱۸۸۔

۴۔ صحیح بخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالیٰ ''وجوہ یومئذ ناضرۃ'' کتاب الصلاۃ باب فضل صلاۃ العصر' و باب وقت العشاء الی نصف اللیل. کتاب التفسیر باب سورہ قٓ۔ صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ باب فضل صلاتی الصبح والعصر والمحافظۃ علیھما۔ ترمذی کتاب صفۃ الجنۃ باب ماجاء فی رویۃ الرب ۱۰۔۱۸۔۲۰۔

تبقى هذه الامة فيها منافقوها فيأتيهم الله فى غير الصورة التى يعرفون فيقول انا ربكم فيقولون نعوذ بالله منك' هذا مكاننا حتى يا تينا ربنا فاذا اتانا ربنا' عرفناه' فياتيهم الله فى الصورة التى يعرفون فيقول انا ربكم فيقولون: انت ربنا فيتبعونه... [1]

''جو کوئی کسی کی عبادت کرتا تھا وہ اس کی پیروی کرے۔ لہٰذا کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو سورج کی پیروی کریں گے اور کچھ لوگ چاند کی پیروی کریں گے اور کچھ لوگ طاغوتی طاقتوں کی پیروی کریں گے اور یہ امت عرصۂ محشر میں کھڑی رہے گی اور اس میں منافق بھی ہوں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ایک ایسی صورت میں آئے گا جسے وہ نہیں پہچانتے ہوں گے۔ ہم اپنے رب کے آنے تک یہاں ٹھہرے رہیں گے۔ جب ہمارا رب ہمارے پاس آئے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جسے وہ پہچانتے ہوں گے اور وہ کہے گا میں تمہارا رب ہوں۔ پھر وہ کہیں گے تو ہمارا رب ہے پھر وہ اس کے پیچھے چلیں گے۔''

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

حتى اذا لم يبق الامن كان يعبد الله من برو فاجر اتاهم رب العالمين فى ادنى صورة من التى رأوه فيها' فيقال: ماذا تنتظرون؟ تتبع كل امة ما كانت

۱۔ صحیح مسلم کتاب الایمان باب معرفۃ طریق الرویۃ۔ صحیح بخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالیٰ ''وجوہ یومئذ ناضرۃ'' ۴/ ۱۸۸۔ وتفسیر سورہ ق۔

تعبد' قالوا...... نحن ننتظر ربنا الذی نعبد. فیقول انا ربکم فیقولون: لا نشرک باللّٰہ شیئا' مرتین اوثلاثا...... فیقول ھل بینکم و بینہ علامۃ فتعرفونہ بھا؟ فیقولون: الساق. فیکشف عن ساق (ثم یسجدون) ثم یرفعون رؤوسھم و قد تحول فی صورتہ التی رأوہ فیھا اول مرۃ فقال انا ربکم فیقولون انت ربنا.[1]

قیامت کے دن آخر کار ایک ایسا وقت آئے گا جب عرصۂ محشر میں صرف وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جو خدا کی عبادت کرتے ہوں گے اور ان میں نیک و بد ہر طرح کے انسان شامل ہوں گے۔ اس وقت ان کے پاس رب العالمین ایک ایسی صورت میں آئے گا جو اس صورت کے قریب ہوگی جس میں وہ خدا کو دیکھ چکے ہوں گے ان سے کہا جائے گا تم لوگ کس کا انتظار کر رہے ہو؟

لوگ کہیں گے...... ہم اپنے معبود رب کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ کہے گا میں ہی تمہارا رب ہوں۔ لوگ کہیں گے۔ ہم خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور وہ یہ جملہ دو تین مرتبہ دہرائیں گے...... اس وقت خدا کہے گا۔ کیا تمہارے اور اس کے درمیان کوئی علامت بھی ہے جس سے تم اسے پہچان سکو؟

وہ کہیں گے۔ جی ہاں پنڈلی علامت ہے۔ پھر اس وقت پنڈلی کھول دی جائے گی (پھر لوگ اس پنڈلی کو دیکھ کر سجدہ کریں گے) اور جب سجدہ سے سر اٹھائیں گے تو دیکھیں گے کہ خدا نے وہ شکل وصورت اختیار کر لی ہوگی جو انہوں

۱۔ صحیح مسلم کتاب الایمان باب معرفۃ طریق الرؤیۃ حدیث ۲۲۹۔ صحیح بخاری تفسیر سورہ نساء باب قولہ "ان اللّٰہ یظلم مثقال ذرۃ" ۸۰/۳ کتاب التوحید از صحیح بخاری در تفسیر "وجوہ یومئذ ناضرۃ" ۱۸۹/۴۔

نے پہلے دیکھی ہوگی۔ [1]

اور وہ کہے گا میں تمہارا رب ہوں۔ لوگ کہیں گے جی ہاں تو ہمارا رب ہے۔

جنت میں دیدار الٰہی

اس سلسلہ میں یہ روایت وارد ہے:

مابینهم وما بین ان ینظروا الی ربهم الارداء الکبر علی وجهه فی جنة عدن. [2]

''ان کے اور خدا کے دیدار کے درمیان جنت عدن میں صرف خدا کے چہرے پر پڑی ہوئی ردائے کبریائی حائل ہوگی۔''

صحیح مسلم کتاب **الایمان باب اثبات رویة المومنین فی الآخرة ربهم** کی حدیث ۲۹۷ میں مذکور ہے:

وان اهل الجنة اذا دخلوها یقول اللّٰه تبارک و تعالٰی تریدون شیئا ازیدکم؟ فیقولون: الم تبیض وجوهنا؟ الم تدخلنا الجنة و تنجنا من النار؟ فیکشف الحجاب فما اعطوا شیئا احب الیهم من النظر الی ربهم عز و جل.

اہل جنت جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا:

۱۔ اگر خدا کو دیکھنے والے حضرات خدا کی شکل وصورت بیان فرما دیں تو ان کا انسانیت پر عظیم احسان ہوگا۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید باب قول اللہ ''وجوہ یومئذ ناضرۃ'' ۱۹۱/۴۔ صحیح مسلم کتاب **الایمان باب اثبات رویة المومنین فی الاخرة ربهم حدیث۔ ۲۹۶**

کیا تمہیں ان نعمات کے علاوہ بھی کسی چیز کی ضرورت ہے جس کا میں تم پر اضافہ کروں؟ اہل جنت کہیں گے کیا تو نے ہمارے چہرے نورانی نہیں بنائے اور کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور کیا تو نے ہمیں دوزخ سے نجات نہیں دی (تو اس کے بعد ہمیں اور بھلا کیا چاہیے) تو اس وقت حجاب ہٹا دیا جائے گا تو اہل جنت کو خدا کا دیدار تمام نعمات جنت سے بہتر معلوم ہو گا۔

رسول خداؐ نے فرمایا:

بینا اهل الجنة فی نعیمهم (اذ)سطع لهم نور فرفعوارؤوسهم (فاذ)الرب قد اشرف علیهم من فوقهم فقال اسلام علیکم یا اهل الجنة! قال: وذلک قول اللّٰه "سلام قولا من رب رحیم" قال: فینظر الیهم و ینظرون الیه فلا یلتفتون الی شیٔ من النعیم' ماداموا ینظرون الیه حتی یحتجب عنهم و یبقی نوره و برکته. [1]

"اہل جنت اپنی نعمات میں مستغرق ہوں گے کہ ایک نور چمکے گا وہ اپنے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے تو خدا اوپر سے جھانک رہا ہو گا اور کہے گا: **السلام علیکم یا اهل الجنة**۔ یہی قرآن مجید کی آیت "سلامٌ قَولًا مِنْ رَبٍّ رحیم" کا مقصود ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ خدا ان کی طرف دیکھے گا اور وہ خدا کی طرف دیکھیں گے اور دیدار کے وقت وہ کسی بھی نعمت کی طرف

۱۔ سنن ابن ماجہ کتاب المقدمه باب فی ما انکرت الجهمیة حدیث:۱۸۴۔

متوجہ نہیں ہوں گے۔ پھر حجاب حائل ہو گا مگر دیدار کا نور اور اس کی برکت باقی رہ جائے گی۔

ایک اور حدیث میں ہے:

اکرمھم علی اللّٰہ من ینظر الی وجھہ غدوۃ و عشیا ثم قرأ رسول اللّٰہ. (ص) وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ. (۱)

''اہل جنت میں سے جو خدا کے ہاں زیادہ مکرم ہوں گے وہ صبح و شام خدا کے چہرے کا دیدار کریں گے۔ پھر آپؐ نے ''وجوہ یومئذ ناضرۃ''...... کی آیت تلاوت فرمائی''

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

ان اھل الجنۃ یزورون اللّٰہ عز و جل و یبرزلھم عرشہ و یتبدی لھم فی روضۃ من ریاض الجنۃ و لایبقی فی ذلک المجلس احد الاحاضرہ اللّٰہ عز و جل محاضرۃ حتی انہ یقول للرجل منکم الاتذکریا فلان یوم عملت کذا و کذا؟ فیقول: یا رب افلم تغفرلی؟ فیقول:بلی...... ثم ننصرف الی منازلنا فتلقانا ازواجنا فیقلن. اھلاً ومرحباً' لقد جئتَ وَاِنّ بکَ من الجمال والنور والطِّیب أفضل مما فارقتنا علیہ فنقول:انا جالسنا الیوم ربنا عز و جل و یحقنا ان ننقلب بمثل ما انقلبنا. (۲)

اہل جنت خدا کی زیارت کریں گے اور اللہ اپنا عرش ان کے

۱۔ سنن ترمذی کتاب صفۃ الجنۃ باب رؤیۃ الرب ۱۰/۱۸۔۱۹۔

۲۔ سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب صفۃ اھل الجنۃ حدیث ۴۳۳۶ ص ۱۴۵۱۔ ۱۴۵۲۔ سنن ترمذی ابواب صفۃ الجنۃ. باب ماجاء فی سوق الجنۃ۔ ۱۰/۱۶۔۱۷۔

سامنے کرے گا اور باغات جنت کے ایک باغ میں ان کے
لیے ایک مجلس تشکیل دے گا۔ اس مجلس میں ہر شخص سے اللہ
تعالیٰ باتیں کرے گا۔''
یہاں تک کہ وہ تم میں سے ایک شخص سے کہے گا کہ اے فلاں!
کیا تجھے وہ دن یاد ہے جب تو نے فلاں فلاں کام کیا تھا؟ وہ
شخص کہے گا: پروردگار تو کیا تو نے مجھے اس کی معافی نہیں دی
ہے؟ خدا فرمائے گا: جی ہاں...... پھر ہم اپنے گھروں کو واپس
جائیں گے تو ہماری بیویاں ہمارا استقبال کریں گی اور کہیں گی۔
خوش آمدید! آج تو تم بہت سا حسن اور خوشبو لے کر آئے ہو تو
ہم ان سے کہیں گے آج ہم اللہ کے پاس بیٹھے رہے اور ہمارا
حق بنتا ہے کہ ہم یہ حسن و خوشبو لے کر آئیں۔

خدا کی جسمانیت صرف انہی روایات پر ہم قناعت کر رہے ہیں کیونکہ ہمارا مقصد چند مثالیں پیش کرنا ہے۔ اس مضمون کی تمام روایات پیش کرنا مقصود نہیں ہے۔ ورنہ اس موضوع کے متعلق مکتب خلافت کی کتب حدیث میں بہت زیادہ روایات موجود ہیں۔ اگر ہم تمام روایات کو جمع کریں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے گی۔ مکتب خلافت سے وابستہ افراد ان روایات کی تاویل کو بھی جرم سمجھتے ہیں اور اس کے ظاہری الفاظ کے معانی کو ہی ترجیح دیتے ہیں اور ان احادیث کے ظاہری الفاظ و معانی پر مکمل ایمان رکھتے ہیں اور اسے ایمان باللہ کا ایک حصہ قرار دیتے ہیں اور ان نظریات کے قبول کرنے کو عقیدۂ توحید کا لازمی حصہ تصور کرتے ہیں۔ اور جن صاحبانِ فکر نے ان روایات کی تاویل کی ہے انھیں ''معطلۃ الصفات'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

مکتب خلافت سے وابستہ افراد میں سے بہت سے علماء نے اس موضوع پر

مکمل کتابیں تالیف کی ہیں۔ مثلاً ابن خزیمہ نے جسمانیت خداوندی کے اثبات کے لیے ایک کتاب لکھی جس کا نام "التوحید و صفات الرب عز و جل" ہے۔

اور اس کتاب کے چند ابواب کی فہرست کچھ اس طرح سے ہے۔

اثبات النفس للّٰہ	خدا کے لیے سانس کا اثبات
اثبات الوجہ للّٰہ	خدا کے لیے چہرے کا اثبات
باب ذکر صورۃ ربنا	ہمارے رب کی شکل وصورت کا باب
باب ذکر اثبات العین للّٰہ	خدا کے لیے آنکھ کا اثبات
باب اثبات السماع و الرؤیۃ للّٰہ	خدا کے کان ثابت کرنے اور اسے دیکھنے کا باب
باب ذکر اثبات الید للخالق الباری	خدا کے لیے ہاتھ کا اثبات
باب اثبات الرجل للّٰہ تعالیٰ	خدا کے لیے پاؤں کا اثبات

باب ان اللّٰہ ینظر الیہ جمیع المومنین تمام مومنین خدا کو دیکھیں گے

باب ذکر البیان ان جمیع المومنین یرون اللّٰہ یوم القیامۃ فحلیابہ.

تمام مومن قیامت کے دن اللہ کو خلوت میں دیکھیں گے۔

۲۔ امام حافظ عثمان بن سعید دارمی المتوفی ۲۸۰ھ نے ایک کتاب لکھی جس کا نام الرد علی الجھمیۃ ہے اور اس کے ابواب کے عنوان سب ذیل ہیں۔

باب استواء الرب علی العرش و ارتفاعہ الی السماء و بینو نتہ من الخلق.

خدا کے عرش پر بیٹھنے اور آسمان پر بلند ہونے اور مخلوق سے جدا ہونے کا باب

باب النزول لیلۃ النصف من شعبان.

نیمۂ شعبان کی رات خدا کے اترنے کا باب

باب النزول یوم عرفة   روزِ عرفہ خدا کے اترنے کا باب

باب نزول الرب یوم القیامة للحساب

روز قیامت حساب کے لیے رب کے اترنے کا باب

باب نزول اللّٰہ لاهل الجنة اہل جنت کے لیے خدا کے اترنے کا باب

باب الرؤیة   خدا دکھائی دے گا اس کے اثبات کا باب

۳۔ ذہبی نے اسی عقیدہ کے اثبات کے لیے ایک کتاب لکھی جس کا نام "العلو العال للعلی الغفار" ہے اور اس نے جسمانیت خداوندی کے اثبات کے لیے آیات و احادیث اور صحابہ و تابعین' علماء و محدثین کے اقوال بیان کیے ہیں۔[1]

۱۔ ابن خزعہ حافظ کبیر امام الائمہ تھے ان کا نام محمد بن اسحاق بن خزیمہ تھا۔ ۱۱۳ھ میں ان کی وفات ہوئی وہ علم حدیث میں امام بخاری اور امام مسلم کے استاد تھے۔ ان کی کتاب ۱۳۷۸ھ میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔

امام ذہبی مشہور حافظ حدیث تھے ان کا نام حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز الذہبی تھا۔ اور انہوں نے ۷۴۸ء میں وفات پائی۔ اور ان کی کتاب کا موجودہ نسخہ مدینہ منورہ سے مکتبہ سلفیہ کے تعاون سے ۱۳۸۸ھ میں شائع ہوا۔

صفاتِ الٰہی کے متعلق مکتب امامت کا نظریہ

صفات الٰہی کے متعلق آپ نے مکتب خلافت کے نظریات کا مطالعہ کیا اور اس کے برعکس مکتب امامت اس نظریہ کا قائل نہیں ہے اور وہ خدا کو جسم و جسمانیات سے پاک و منزہ جانتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کو ان تمام صفات سے مبرا و منزہ تسلیم کرتے ہیں جن کا تعلق جسم و جسمانیات سے ہے اور مکتب امامت کا نظریہ یہ ہے کہ خدا غیر مرئی ہے یعنی دنیا و آخرت میں خدا کا دیکھنا ناممکن ہے کیونکہ رؤیت کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ دیکھی جانے والی چیز ایک سمت میں موجود ہو۔ جب اللہ ایک سمت میں محدود ہی نہیں ہے تو اس کو دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مکتب امامت خدا کو غیر مرئی تصور کرتا ہے اور اس سلسلہ میں وہ قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتا ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ...... (الانعام:۱۰۳)

''آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں جب کہ وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے''

مکتب خلافت خدا کی رؤیت کا دعویدار ہے اور وہ اس کے لیے ''وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ'' کی آیت مجیدہ پیش کرتا ہے اور مکتب خلافت کے پیروکار کہتے ہیں کہ اس آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اس دن چہرے تر و تازہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں

گے۔ اس آیت مجیدہ کے متعلق مکتب امامت سے وابستہ علماء یہ جواب دیتے ہیں کہ عربی زبان کا اصول ہے کہ بعض اوقات مضاف حذف کر دیا جاتا ہے جب کہ معنی و مفہوم میں مضاف باقی ہوتا ہے جس طرح سے قرآن مجید میں برادران یوسف کا وہ قول موجود ہے جوانھوں نے اپنی صفائی کے متعلق اپنے والد سے کہا تھا۔

''وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِیْ كُنَّا فِيْهَا'' آپ اس بستی سے پوچھیں جہاں ہم موجود تھے۔ مقصد یہ نہیں کہ بستی کی دیواروں سے پوچھیں بلکہ مقصد کلام یہ ہے کہ آپ اہل بستی سے دریافت کریں تو ہماری صداقت ظاہر ہو جائے گی۔ جس طرح سے اس آیت میں لفظ ''اھل'' مضاف محذوف ہے۔ اسی طرح سے ''اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ'' کی آیت مجیدہ میں لفظ ''امر'' مضاف محذوف ہے اور اس صورت میں آیت مجیدہ کا مفہوم یہ ہے کہ اس دن چہرے تر و تازہ ہوں گے اور اپنے رب کے امر کے منتظر ہوں گے۔

مکتب امامت میں ان تمام آیات کی تاویل کی جاتی ہے جن سے جسم و جسمانیت کا ترشح ہوتا ہے۔

اور مکتب امامت سے وابستہ افراد جسم و جسمانیات کے قائل افراد کو فرقہ مجسمہ اور فرقہ مشبہ کے نام سے یاد کرتے ہیں کیونکہ مذکورہ نظریہ کے افراد اللہ تعالیٰ کی تشبیہ مخلوقات سے دیتے ہیں اور جسم قرار دیتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

من زعم ان اللّٰه فوق العرش فقد صيراللّٰه محمولا و لزمه ان الشئ الذی يحمله اقوىٰ منه ومن زعم ان اللّٰه فی شئ او علی شئ او يخلو منه شئ او يشغل به شئ فقد و صفه بصفة المخلوقين واللّٰه خالق كل شئ لايقاس بالقياس ولا يشبه بالناس لا يخلو منه

مکان و لا یشتغل به مکان. [1]

جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ عرش پر ہے تو اس نے اللہ کو اٹھایا جانے والا قرار دیا جب کہ اٹھانے والی چیز اٹھائی جانے والی چیز سے زیادہ قوت والی ہوتی ہے۔ اور جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ کسی چیز میں ہے یا کسی چیز کے اوپر ہے یا اس سے کوئی چیز خالی ہے یا اس سے کوئی چیز مشغولی ہے تو اس نے خدا کو مخلوقات کی صفات سے موصوف کیا جب کہ اللہ تمام اشیاء کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس کا قیاس کسی چیز سے نہیں کیا جا سکتا اور لوگوں کے ساتھ اس کی تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ کوئی جگہ اس سے خالی نہیں اور کوئی مکان اس کا متضمن نہیں ہے۔

حضرت علیؑ کا فرمان

مکتب امامت سے وابستہ علماء اس سلسلہ میں حضرت علیؑ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

ان اللّٰہ ینزل ولا یحتاج ان ینزل وانما یقول ذلک من ینسبہ الی نقص وزیادۃ وکل متحرک یحتاج الی من یحرکہ او یتحرک بہ فاحذروا فی صفاتہ من ان تقضوا لہ علی حد تحدونہ بنقص او زیادۃ او تحریک اور تحرک اوزوال

۱۔ الکافی جلد اولؒ کتاب التوحید باب العرش والکرسی حدیث ۷ باب الحرکۃ والانتقال حدیث ۳۔۹۔ توحید شیخ صدوقؒ باب نفی المکان والزمان و الحرکۃ عنہ تعالیٰ حدیث ۹۔۱۰۔۱۲ و باب "وکان عرشہ علی الماء" حدیث ۱۱۔ باب معنی "الرحمن علی العرش استویٰ" حدیث ۵۔۶۔۷۔۸۔ بحار الانوار علامہ مجلسی طبع جدید کتاب التوحید باب نفی الجسم والصورۃ والتشبیہ والحلول والاتحاد حدیث ۲۳۔۳/۸۷۔

او استنزال او نهوض او قعود. [1]

''اللہ سبحانہ اترتا نہیں اور نہ ہی اسے اترنے کی ضرورت ہے اور اترنے کی باتیں صرف وہ شخص کر سکتا ہے جو خدا کی طرف نقص و زیادتی کو منسوب کرے۔ اور ہر حرکت کرنے والے کو کسی حرکت دینے والے کی ضرورت ہوتی ہے یا کم از کم اسے ایسے اعضاء کی ضرورت ہوتی ہے کہ جن سے وہ حرکت کر سکے۔ خبر دار خدا کی صفات کے سلسلہ میں اس بات سے پرہیز کرو کہ تم اس کی کوئی ایسی حد مقرر کر دو جس سے اس کی ذات میں نقص یا زیادتی یا تحریک یا تحرک یا زوال یا اترنے کی خواہش یا اٹھنا یا بیٹھنا لازم آتا ہو۔''

اس سلسلہ میں امام علی رضا علیہ السلام کی یہ گفتگو انتہائی فیصلہ کن ہے:

وقال الراوی للامام علی بن موسیٰ الرضا.

انا روینا ان اللّٰہ عزوجل قسم لموسی الکلام و لمحمد الرؤیة. فقال ابو الحسن الرضا فمن المبلغ عن اللّٰہ عزوجل الی الثقلین الجن والانس: ''لاتدرکه الابصار وهو یدرک الابصار'' و ''ولا یحیطون به علما'' و ''لیس کمثله شئ'' أیس محمد (ص) قایل بلی. قال: فکیف یجیی رجل الی الخلق جمیعا فیخبرهم انه جاء من عند اللّٰہ وانه یدعوهم الی اللّٰہ بامر اللّٰہ و یقول ''لا تدرکه الابصار'' الایات، ثم یقول: انا رأیته بعینی و احطت به علما و

۱۔ الکافی، کتاب التوحید باب الحرکة والانتقال حدیث ۱۔ توحید صدوق باب نفی المکان والزمان والحرکة عنه تعالیٰ حدیث ۱۸۔ بحار الانوار مجلسی، کتاب التوحید باب نفی الزمان والمکان والحرکة والانتقال عنه تعالیٰ حدیث ۲۵، ۳/۳۱۱۔

هو علی صورة البشر؟ اما تستحون؟ ما قدرت الزنادقة ان ترمیه بهذا' ان یکون یاتی عن اللّٰه بشئ ثم یاتی بخلافه من وجه اخر قال الراوی: فانه یقول: "لقدراه نزلة اخری" فقال ابو الحسن (ع) ان بعد هذه الایة مایدل علی مارای حیث قال "ماکذب الفؤاد مارأی" یقول ماکذب فواد محمد (ص) مارأت عیناه. ثم اخبر بمارأی فقال "لقدرأی من ایات ربه الکبری" فایات اللّٰه غیر اللّٰه. وقد قال "ولا یحیطون به علما" فاذارأته الابصار فقد احاطت به العلم و وقعت المعرفة.

فقال ابو قرة: فتکذب بالروایات؟ قال ابو الحسن (ع) اذا کانت الروایات مخالفة للقران کذّبت بها...... (۱)

راوی نے امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں کہا:

ہم نے یہ روایت سنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیدار سے مخصوص کیا: یہ سن کر امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

اچھا یہ بتاؤ خدا کی طرف سے جنات و انسانوں کو "لَاتُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ" نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کرتا ہے کی آیت کس نے سنائی؟ اور "وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا" لوگ علمی طور پر اس کا احاطہ نہیں

۱۔ توحید صدوق طبع طہران ۱۳۸۷ھ ص ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ بحار الانوار کتاب التوحید باب نفی الرؤیة و تاویل الایات حدیث ۱۴' ۴/۳۱۔ الکافی کتاب التوحید باب فی ابطال الرؤیة حدیث ۲۔

کر سکتے۔ بھلا یہ آیت کس نے سنائی؟ اور ”لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ“کوئی چیز اس کی مثال نہیں ہے۔ بھلا یہ آیت لوگوں کو کس نے سنائی؟ اور کیا یہ آیات محمد مصطفیٰؐ نے لوگوں کے سامنے بیان نہیں فرمائی تھیں؟

راوی نے کہا: جی ہاں یہ آیات آنحضرتؐ نے ہی لوگوں تک پہنچائیں۔

پھر آپ نے فرمایا:

بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہو کر آئے اور وہ یہ اعلان کرے کہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے اور وہ لوگوں کو خدا کے فرمان کے تحت دعوت دینے کے لیے آیا ہے اور اپنی تعلیمات میں ”لاتدرکہ الابصار......“ جیسی آیات پڑھنے کے بعد یہ دعویٰ کرے کہ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں نے علمی طور پر اس کا احاطہ کیا ہے اور وہ انسانی شکل وصورت رکھتا ہے؟ کیا تمھیں ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں ہوتی؟ اور دنیا کا کوئی بھی زندیق اور بے دین اس سے بڑھ کر نبی پر کوئی بہتان تراشی نہیں کرسکتا کہ نبی کی تعلیمات کچھ ہوں اور بعد میں اپنے لیے کچھ اور دعویٰ کرے۔

راوی نے کہا: مولا! پھر ”لَقَدْرَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی“اس نے دوبارہ اترتے ہوئے اسے دیکھا‘ کی آیت مجیدہ سے کیا مراد ہے؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

اس آیت کے بعد والی آیت نے تو اس کی وضاحت کر دی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محمدؐ کے دل نے اس کی آنکھوں کے مشاہدہ کو نہیں جھٹلایا تھا۔ **لَقَدْرَاٰی مِنْ اٰیَاتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی.** بے شک اس نے اپنے رب کی بہت بڑی نشانیوں میں سے کچھ نشانیوں کو دیکھا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی وضاحت کر دی کہ آنحضرتؐ نے ”آیات اللہ“ کو دیکھا تھا‘ اللہ کو نہیں دیکھا تھا کیونکہ آیات اور ہیں اور اللہ اور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے "وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا" لوگ علمی طور پر خدا کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اگر لوگ خدا کو دیکھ لیں تو خدا تو علمی احاطہ میں آ جائے گا اور اس کی پہچان مکمل ہو جائے گی۔

ابوقرہ (راوی) نے کہا: تو کیا آپ روایات کی تکذیب کریں گے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جب روایات قرآن کے مخالف ہوں گی تو میں ان کی تکذیب ہی کروں گا۔

آئمہ اہل بیتؑ نے آیات کی تفسیر کی اور انہوں نے قرآن مجید میں استعمال ہونے والے الفاظ مثلاً الساق' الید' عرش اور اس طرح کے دوسرے الفاظ کی مناسب تاویل فرمائی۔ اور انہوں نے "ان اللّٰه خلق ادم علی صورته" جیسی احادیث کی بھی احسن انداز سے وضاحت فرمائی۔ ہم اس کی تفصیل لکھنے سے معذرت خواہ ہیں کیونکہ ہمارا مقصود فریقین کے تمام دلائل بیان کرنا نہیں ہے۔ ہم نے دونوں مکاتب فکر میں سے کچھ نمونے پیش کرنے ہیں تا کہ یہ ثابت ہو کہ صفات الٰہی میں اگر اختلاف پیدا ہوا تو اس اختلاف کا سرچشمہ کیا تھا اور اختلاف نے کہاں سے جنم لیا۔

اس باب کے بعد ہم صفات انبیاءؑ میں دونوں مکاتب فکر کے اختلافات کا جائزہ لیں گے۔

۴۔ صفات و خصائصِ انبیاءؑ میں اختلافات اور اس کا منبع و ماخذ

مکتب خلافت کے پیروکاروں کی نظر میں انبیاءؑ کے آثار سے برکت حاصل کرنا اور ان کی قبور کو مقام عبادت قرار دینا شرک ہے۔

انبیاءؑ کی قبور پر روضہ تعمیر کرنا شرک ہے۔

انبیاءؑ و اولیاء کے ایامِ ولادت اور ایامِ وفات منانا احکامِ خدا کی نافرمانی اور بدعت محرمہ ہے۔

انبیاءؑ کو وسیلہ بنانا حدود شرک میں داخل ہے اور رسولؐ خدا کی وفات کے بعد ان سے شفاعت طلب کرنا' ان سے توسل کرنا' شریعت اسلامیہ کی نفی کرنے کے مترادف ہے۔

مکتبِ امامت کا نظریہ

مکتبِ امامت سے وابستہ افراد درج بالا مسائل کو صحیح نہیں سمجھتے اور وہ درج بالا تمام امور کو جائز سمجھتے ہیں اور اس کے اثبات کے لیے وہ دلائل پیش کرتے ہیں۔

الف: آثارِ انبیاءؑ سے تبرّک حاصل کرنا

کتب حدیث کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رسولِ خداؐ کے آثار سے تبرک حاصل کرتے تھے اور حصول تبرک صرف آپ کی زندگی تک ہی محدود نہ تھا بلکہ یہ سلسلہ وفات کے بعد بھی قائم رہا جس کی چند مثالیں یہ ہیں۔

نبی کے لعاب دہن کی برکت

صحیح بخاری میں سہل بن سعد راوی ہیں کہ رسول خداؐ نے خیبر کے دن فرمایا:

لاعطین الرایة غدا هذه یفتح لِلّٰه علی یدیه یحب اللّٰه و رسوله و یحبه اللّٰه رسوله. [1]

"کل میں علم ایسے مرد کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح دے گا۔ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوگا اللہ اور اس کا رسولؐ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔"

راوی کا بیان ہے:

آنحضرتؐ کے اس اعلان کے بعد لوگ ساری رات سوچتے رہے کہ کل علم کسے ملے گا اور جب صبح ہوئی اور تمام صحابہ آنحضرتؐ کے سامنے پیش ہوئے اور ان میں سے ہر صحابی علم حاصل کرنے کا خواہش مند تھا۔

آپؐ نے فرمایا: علیؑ کہاں ہیں؟

آپ سے کہا گیا کہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔

آنحضرتؐ نے پیغام بھیجا۔ علیؑ کو آپ کے سامنے لایا گیا......

کتاب الجهاد والسیر میں یہ لفظ مروی ہیں۔

فامر فدعی له. رسول خداؐ نے علیؑ کو بلانے کا حکم دیا اور علیؑ کو آپ کے

۱۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، ۳/۳۵، **کتاب الجهاد والسیر** باب نمبر۲۱۰۲/۱۰۸، **باب ما قیل فی لواء النبی**، ۲/۱۱۱۔ **باب فضل من اسلم علی یدیه رجل** ۲/۱۱۵۔ کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، باب مناقب **علی بن ابی طالب** ۲/۱۹۹۔

صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ، **باب من فضائل علی بن ابی طالب** حدیث ۳۲ و ۳۴، باب غزوۃ ذی قرد وغیرها حدیث ۱۳۲۔ سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب ۱۳/۱۷۲۔

پاس پہنچایا گیا تو آپ نے علیؑ کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگایا۔ لعاب لگتے ہی علیؑ کی آنکھیں تندرست ہوگئیں اور بیماری کا کوئی نام ونشان تک نہ رہا...... الحدیث۔

صحیح مسلم میں سلمہ بن اکوع راوی ہیں کہ میں علیؑ کے پاس گیا اور میں ان کا ہاتھ پکڑ کر رسول خداؐ کے پاس لایا۔ اس وقت علیؑ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ رسول خداؐ نے ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگایا تو علیؑ تندرست ہو گئے پھر رسول خداؐ نے انھیں اپنا علم عطا کیا۔ [1]

نبی کے آب وضو کی برکت

صحیح بخاری میں انس بن مالک سے روایت ہے۔

رأيت رسول اللّٰه(ص) وحانت صلاة العصر فالتمس الناس الوضوء فلم يجدوه فاتى رسول اللّٰه بوضوء فوضع رسول الله فى ذلك الاناء يده وامر الناس ان يتوصأ و امنه فرأيت الماء ينبع من تحت اصابعه حتى توضأ و امن عند اخرهم. [2]

ایک دفعہ ہم رسول خداؐ کے ساتھ تھے اور دوران سفر نماز عصر کا وقت ہوا لوگوں نے ادھر ادھر وضو کے لیے پانی تلاش کیا مگر پانی کہیں نہ ملا۔ آخر کار تھوڑا سا پانی رسول خداؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آنحضرتؐ نے اس برتن میں اپنا ہاتھ ڈالا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ آکر اس پانی سے وضو کریں۔ میں نے دیکھا تو آپ کی انگلیوں سے پانی بہہ رہا تھا اس پانی سے تمام افراد نے وضو کیا۔

یہی روایت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے بھی مروی ہے اور اس میں اضافہ یہ ہے انہوں نے کہا کہ تمام لوگوں نے اس پانی سے وضو کیا اور تمام لوگوں نے جی

۱۔ صحیح مسلم کتاب الجهاد والسیر حدیث ۱۳۲۔

۲۔ صحیح بخاری کتاب الوضوء باب التماس الوضوء اذا حانت الصلاۃ ۱/۳۱

بھر کر پانی پیا حضرت جابرؓ سے پوچھا گیا کہ اس وقت آنحضرتؐ کے ساتھ کتنے افراد تھے تو اس نے کہا چودہ سو افراد تھے۔ ایک اور روایت میں افراد کی تعداد پندرہ سو بیان کی گئی ہے۔ (۱)

صحابہ نبیؐ کے بلغم کو بھی متبرک سمجھتے تھے

امام بخاری نے اپنی صحیح میں صلح حدیبیہ کے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے عروہ بن مسعود کا یہ قول نقل کیا:

واللّٰہ ما تنخم رسول اللّٰہ نخامة الاوقعت فی کف رجل منھم فدلک بھا وجھه و جلده و انه اذا توضأ کا دوا یقتتلون علی و ضوئه. (۲)

خدا کی قسم اگر خداؐ نے کھانس کر بلغم بھی خارج کیا تو بھی کسی نہ کسی کے ہاتھوں پر ہی آیا اور اس نے اسے اپنے چہرے اور جلد پر لگا لیا اور جب آنحضرتؐ نے وضو کیا تو وضو کے قطرات اٹھانے کے لیے صحابہ ایک دوسرے سے لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

موئے مبارک کی برکت

امام مسلم اپنی صحیح میں رقم طراز ہیں:

۱۔ صحیح بخاری کتاب الاشربۂ باب شرب البرکۃ والماء المبارک ۳/ ۲۱۹۔
سنن نسائی کتاب الطہارۃ باب الوضوء من الاناء ۱/ ۲۵۔
مسند احمد ۱/ ۴۰۲ و سنن دارمی بروایت عبداللہ بن عمر ۱/ ۱۵۔

۲۔ صحیح بخاری کتاب الشروطؒ باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب و کتابة الشروط ۲/ ۸۲۔ کتاب الوضوء از صحیح بخاری باب البراق و المخاط ونحوه...... ۱/ ۳۸۔ و باب استعمال فضل وضوء الناس...... ۱/ ۳۳۔ مسند احمد ۴/ ۳۲۹، ۳۳۰۔

ان رسول اللّٰہ (ص) اتی منی و حلق رأسه بعد ان میٰ و نحر (ثم جعل یعطیه الناس)

رسول خدا منیٰ میں تشریف لائے اور آپ نے شیاطین کو پتھر مارنے اور قربانی کے بعد اپنا سر منڈھوایا پھر آپؐ نے اپنے بال لوگوں کو دینے شروع کیے۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

انه دعا الحالق فعلعه فاعطاه ابا طلحة فقال اقسمه بین الناس. (۱)

''آنحضرتؐ نے حجام کو طلب کیا۔ اس نے آپؐ کے سر کے بال مونڈے تو آپ نے وہ بال ابوطلحہ کے حوالے کر کے فرمایا۔ یہ لوگوں میں تقسیم کر دو۔''

انس راوی ہیں: **لقدرأیت رسول اللّٰہ و الحلاق یحلقه و أطاف به اصحابه فما یریدون ان تقع شعرة الافی یدرجل.** (۲)

میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ بال منڈھوا رہے تھے اور حجام بال تراش رہا تھا۔ صحابہ آپ کے گرد جمع تھے اور ان کی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح آنحضرتؐ کا ایک بال بھی ان کے ہاتھ میں آئے۔

اسد الغابہ میں خالد بن ولید کے متعلق مرقوم ہے کہ اس نے ایران و روم کی افواج سے جنگیں کی تھیں اور اس نے دمشق فتح کیا۔ وہ جب بھی جنگ میں جاتا تھا

۱۔ صحیح مسلم کتاب الحج' باب السنۃ یوم النحران یرمی ثم ینحرثم یحلق...... حدیث ۳۲۳' ۳۲۶' ۳۲۴' ۳۲۵۔ سنن ابی داؤد کتاب المناسک' باب الحق والتقصیر حدیث ۱۹۸۱ء۲/۲۰۳ طبقات ابن سعد ا/ ۱۳۵۔ مسند احمد ۳/ ۱۱۱' ۱۳۳' ۱۳۷' ۱۳۶' ۲۰۸ مغازی واقدی ص: ۴۲۹۔

۲۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل باب قرب النبی من الناس و تبرکھم بہ حدیث ۷۴ ص ۱۸۱۲۔

تو وہ ایک ٹوپی پہن کر جاتا تھا اور اس ٹوپی میں رسولؐ خدا کا ایک بال موجود تھا۔ اس بال کی برکت سے خالد ہمیشہ کامیاب و کامران ہو کر پلٹتا تھا۔

اسد الغابہ، اصابہ اور مستدرک حاکم میں مذکور ہے کہ جنگ یرموک میں خالد بن ولید کی ٹوپی کہیں گر گئی تو اس نے اپنی فوج سے کہا کہ اس ٹوپی کو تلاش کرو۔ فوج نے ٹوپی تلاش کی تو نہ ملی۔ اس نے دوبارہ تلاش کرنے کا حکم دیا۔ دوسری مرتبہ وہ ٹوپی مل گئی اور وہ ٹوپی بڑی پرانی سی تھی۔

خالد نے کہا: رسول خداؐ نے ایک بار عمرہ ادا کیا تو آپ نے اپنا سر منڈھوایا۔ لوگ آپ کے سر کے بالوں کے لیے جھپٹ پڑے۔ میں آپ کی پیشانی کے بالوں کی طرف جھپٹا اور آپ کے چند بال میرے ہاتھ لگے اور میں جب بھی جنگ کرتا ہوں تو وہ بال میرے پاس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے جنگ میں فتح دیتا ہے۔ (۱)

امام بخاری رقم طراز ہیں:

انه كان عند ام سلمة زوج النبی (ص) شیٔ من شعر النبی فاذا اصاب انسانا عین ارسلوا الیها قدحا من الماء تغمس الشعر نیه فیداوی من احیب. (۲)

حضرت ام سلمہ زوجہ پیغمبرؐ کے پاس رسول خداؐ کے کچھ بال تھے۔ جب کسی شخص کو نظر بد لگتی تو لوگ پانی کا پیالہ حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجتے تھے اور وہ اس پیالہ میں رسول خداؐ کے بالوں کو ڈبو دیتی تھیں اور اس طرح سے نظر بد کا علاج کیا جاتا تھا۔

۱۔ مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابہ باب مناقب خالد بن ولید ۳/ ۲۹۹۔

۲۔ صحیح بخاری کتاب اللباس، باب مایذکر فی الشیب ۴/ ۲۷۔

عبیدہ کہتے تھے:

لان تکون عندی شعرة منه. ای النبی (ص) احب الی من الدنیا وما فیها. [1]

اگر میرے پاس رسول خداؑ کا بال ہوتا تو وہ مجھے دنیا و ما فیہا سے زیادہ پیارا ہوتا۔

رسولؐ خدا کے تیر کی برکت

نزل الرسول (ص) بجیشه فی اقصی الحدیبیة علی ثمد قلیل الماء یتبرضه الناس تبرضا فلم یلبثه الناس حتی نزحوه و شکوا الی رسول اللّٰه (ص) العطش فانتزع سهما من کنانته ثم امرهم ان یجعلوه فیه فواللّٰه مازال یجیش لهم بالری حتی صدروا عنه. [2]

''رسول خدا نے اپنے لشکر کو لے کر حدیبیہ کے آخری کنارے پر پڑاؤ ڈالا۔ وہاں پانی کا ایک گڑھا تھا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ کچھ دیر میں حضورؐ کے لشکر نے اسے خالی کر دیا اور پانی کی کمی کی رسول خداؐ کے پاس شکایت کی گئی۔ آنحضرتؐ نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور حکم دیا کہ وہ اس تیر کو اس گڑھے میں گاڑ دیں۔ خدا کی قسم! گڑھے میں پانی جوش مارنے لگا اور لوگ اس پانی کو واپسی تک استعمال کرتے رہے۔''

۱۔ صحیح بخاری' کتاب الوضوء' باب الماء الذی یغسل به شعر الانسان۔ طبقات ابن سعد ۶/ ۶۳۔

۲۔ صحیح بخاری۔ کتاب الشروط' باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب و کتابة الشروط ۲/ ۸۱ و کتاب المغازی' باب غزوة الحدیبیة۔ طبقات ابن سعد ۳/ ۲۹ وباب ذکر علامات بعد نزول الوحی ا ق ا/ ۱۱۸۔ مغازی واقدی ص ۲۴۷۔

رسولؐ خدا کی ہتھیلی بابرکت

اصابہ اور مسند احمد میں حنظلہ کے متعلق مرقوم ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے حنظلہ نے کہا کہ ایک دفعہ میرے بچپن میں میرا دادا مجھے رسول خداؐ کے پاس لے گیا اور ان سے کہا۔

یا رسول اللہؐ! خدا نے مجھے اولاد سے نوازا ہے ان میں سے کچھ جوان ہیں اور یہ بچہ سب سے چھوٹا ہے۔ آپ اس کے لیے خدا سے دعا فرمائیں۔

رسول خداؐ نے اس کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا اور فرمایا۔ خدا تجھے برکت دے۔

راوی کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ کے ہاتھ پھیرنے سے حنظلہ کے سر میں خدا نے اتنی برکت پیدا کر دی کہ جس انسان یا حیوان کو ورم ہوتا تو لوگ اسے حنظلہ کے پاس لے کر آتے تھے اور ہاتھ پر تیل وغیرہ لگا کر حنظلہ کے سر کو مس کرتے اور کہتے رسول خداؐ کی ہتھیلی کے برکت سے خدا اسے شفا عطا کرے۔

پھر وہ تیل والا ہاتھ ورم والے انسان یا جانور پر پھیرتے تو وہ تندرست ہو جاتا تھا۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو برکت کا مرکز قرار دیا تھا اور جس طرح سورج سے روشنی اور گلاب سے خوشبو کو جدا نہیں کیا جا سکتا اسی طرح رسول خداؐ سے بھی خیر و برکت کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کی برکات کا اظہار حلیمہ سعدیہ کے گھرانے میں ہوا۔ سفر شام میں لوگوں نے آپؐ کی برکات کا مشاہدہ کیا۔ ام معبد نے سفر ہجرت کے دوران اپنے خیمہ میں آنحضرتؐ کی برکت ملاحظہ کی۔ تمام لوگوں نے بحیثیت رہبر و حاکم مدینہ میں آپ کی برکات سے استفادہ کیا حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی برکات کو شمار کرنا ناممکن ہے۔ ہم نے یہاں صرف چند مثالیں بیان کی ہیں جو کہ ہر صاحب عقل وفہم کے لیے کفایت کر سکتی ہیں۔

۱۔ مسند احمد ۵/ ۶۸۔

اس کے بعد ہم رسول خداؐ سے توسل کے متعلق کچھ معروضات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ پھر ہم خصائص رسولؐ کے عنوان میں اختلافات کے منابع کا تذکرہ کریں گے۔

ب۔ رسول خداؐ سے توسل

مکتب امامت رسول خداؐ سے توسل کا قائل ہے اور اس کے لیے وہ صرف حیات پیغمبر کو ہی شرط تسلیم نہیں کرتا۔ اس مکتب کا نظریہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی ولادت سے بھی قبل آپ سے توسل کیا گیا اور آپ کی زندگی میں بھی آپ سے توسل کیا گیا اور آپ کی وفات سے لے کر قیامت تک آپ سے توسل کیا جاتا رہے گا۔

ا۔ آنحضرتؐ کی ولادت سے قبل توسل

محدثین کی ایک جماعت نے اس روایت کو نقل کیا اور امام حاکم نے مستدرک میں حضرت عمر بن خطاب کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے ترکِ اولیٰ صادر ہوا تو انہوں نے قبولیت توبہ کے لیے بارگاہ خداوندی میں عرض کی:

یا رب اسئلک بحق محمد لما غفرت لی.

''پروردگار! میں تجھے محمدؐ کے حق کا واسطہ دے کر مجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آدم! تو نے محمدؐ کو کیسے جان لیا جب کہ ابھی تو میں نے اسے پیدا ہی نہیں کیا؟

حضرت آدمؑ نے کہا: پروردگار! جب تو نے مجھے پیدا کیا اور تو نے مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے اپنا سر بلند کیا۔ میں نے عرش کے ستونوں پر لا الہ الا اللہ

محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا۔ بس اسی سے مجھے معلوم ہو گیا کہ تو نے جس کا نام اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے وہ تجھے تیری مخلوقات میں سے سب سے زیادہ محبوب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آدم! تو نے سچ کہا۔ وہ میری تمام مخلوق میں سے مجھے زیادہ محبوب ہے تو نے مجھے اس کے حق کا واسطہ دیا ہے لہٰذا میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ اور اگر محمدؐ نہ ہوتا تو میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا۔

طبرانی نے یہ واقعہ نقل کیا ہے اور آخر میں اس نے یہ لفظ لکھے ہیں۔

وھو اخر الانبیاء من ذریتک: اور وہ تیری نسل میں سے آخری نبیؐ ہے۔ [1]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَمَّا جَآءَ هُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ.

(البقرہ: ۸۹)

"اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے کتاب آئی ہے جو ان کی تورات وغیرہ کی تصدیق بھی کرتی ہے اور اس سے پہلے وہ دشمنوں کے مقابلہ میں اسی کے ذریعہ فتح طلب کیا کرتے تھے۔ لیکن اس کے آتے ہی منکر ہو گئے حالانکہ اسے پہچانتے بھی تھے کافروں پر خدا کی لعنت ہے۔"

اس آیت مجیدہ کی تفسیر میں محدثین و مفسرین نے لکھا کہ تورات میں رسول

۱۔ مستدرک حاکم، کتاب التاریخ فی آخر کتاب البعث ۲/۶۱۵۔
مجمع الزوائد ۸/۲۵۳۔ تحقیق النضرہ مراغی المتوفی ۸۱۶ھ۔
ص ۱۱۳۔۱۱۴۔ مراغی نے ہی طبرانی سے یہ روایت نقل کی ہے۔

خداؐ کی آمد کا تذکرہ موجود تھا اور اس میں آپ کے صفات مذکور تھے۔ اسی لیے یہودی آپ کی آمد سے قبل جب بھی لوگوں سے لڑائی کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کو آنحضرتؐ کا واسطہ دے کر اپنے لیے فتح طلب کرتے تھے اور وہ ان الفاظ سے دعا مانگا کرتے تھے:

اللھم انا نستنصرک بحق النبی الامی الانصرتنا علیھم' اللھم ربنا انصرنا علیھم باسم نبیک......

''پروردگار ہم تجھ سے نبی امی کے حق کے واسطہ سے نصرت طلب کرتے ہیں تو ہمارے دشمنوں کے خلاف ہماری مدد عطا فرما۔ پروردگار تجھے تیرے نبیؐ کے نام کا واسطہ ہماری مدد فرما۔''

لیکن جب آنحضرتؐ دنیا میں تشریف لائے تو یہودیوں نے آپ کا یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ آپ کا تعلق بنی اسرائیل سے نہیں ہے۔ (۱)

۲۔ آنحضرتؐ کی زندگی میں آپ کا توسل

احمد بن حنبل اور ترمذی اور ابن ماجہ اور بیہقی نے عثمان بن حنیف سے روایت کی کہ ایک نابینا شخص رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے آپ سے درخواست کی کہ آپ خدا سے دعا مانگیں وہ مجھے بینائی عطا کرے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا:

اگر تو چاہے تو میں دعا مانگوں اور اگر تو صبر کرے تو وہ تیرے لیے بہتر ہے۔

اس نے کہا:

۱۔ دلائل النبوۃ بیہقی ص ۳۴۳ ' ۳۴۵۔ تفسیر محمد بن جریر طبری ۱/ ۳۲۴' ۳۲۸۔ تفسیر نیشاپوری برحاشیہ تفسیر طبری ۱/ ۳۳۳۔ حاکم فی المستدرک کتاب التفسیر ۴/ ۲۶۳ تفسیر سیوطی عن دلائل النبوۃ ابونعیم۔ تفسیر محمد بن عبد حمید۔ تفسیر ابی محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم بن ادریس الرازی۔ تفسیر ابوبکر محمد بن ابراہیم بن منذر نیشاپوری المتوفی ۳۱۰ھ۔

آپ دعا فرمائیں۔ پھر آپؐ نے اسے حکم دیا کہ وہ اچھے طریقہ سے وضو کرے اور یہ دعا مانگے۔

اللهم انی اسئلک و اتوجه بنبیک محمد نبی الرحمة. یا محمد' انی توجهت بک الی ربی فی حاجتی لتقضیٰ لی اللهم شفعه فی. [1]

بیہقی اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

خدایا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی رحمت محمدؐ کے ذریعہ سے میں متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمدؐ! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تا کہ میری حاجت پوری ہو۔ خدایا! محمد مصطفیؐ کو میرا شفیع فرما۔

۳۔ وفات کے بعد توسل

طبرانی نے معجم کبیر میں عثمان بن حنیف سے روایت کی:

ایک شخص اپنی کسی حاجت کے سلسلہ میں عثمان بن عفان کے پاس گیا۔ مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ اس شخص نے ابن حنیف سے ملاقات کی اور ان کے طرز عمل کا شکوہ کیا۔

عثمان بن حنیف نے اس سے کہا: وضو خانہ جا کر وضو کرو پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھو پھر یہ دعا پڑھو:

اللهم انی اسئلک و اتوجه الیک بنبینا محمد (ص) نبی الرحمة. یا محمد انی اتوجه بک الی

۱۔ مسند احمد ۴/ ۱۳۸۔ سنن ترمذی کتاب الدعوات ۱۳/ ۸۰۔ ۸۱۔ سنن ابن ماجۃ' کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا' باب ماجاء فی صلاۃ الحاجۃ حدیث ۱۳۸۵ ص ۴۴۱۔ ابن اثیر در ترجمہ عثمان بن حنیف۔ تحقیق النصرۃ ص ۱۱۴ ابن تیمیہ اور ابن عبدالوھاب کے پیروکاروں کو امام حنبل کی تحریر کردہ روایت پر خصوصی توجہ کرنی چاہیے کیونکہ وہ اپنے آپ کو امام احمد کا پیروکار سمجھتے ہیں۔

ربی لتقضی حاجتی.

''خدایا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اپنے نبی رحمت محمد مصطفیٰ کے وسیلہ سے تیرے حضور متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمدؐ! میں آپ کے ذریعہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری ہو۔اور اس دعا کے بعد خدا سے اپنی حاجت طلب کرو۔''

وہ شخص گیا اور اس نے اس پر عمل کیا۔ پھر وہ عثمان بن عفان کے دربار میں گیا۔ وہاں دربان نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے حضرت عثمان کے پاس لے گیا۔ حضرت عثمان نے اسے اپنے ساتھ قالین پر بٹھایا اور اس سے اس کی حاجت دریافت کی۔ اس نے اپنی ضرورت بیان کیں۔ حضرت عثمان نے اس کی حاجت پوری کی۔ پھر اس سے کہا کہ جب تجھے کوئی ضرورت پیش ہو تو آ کر بیان کیا کرو۔ (۱)

عباس عم رسولؐ کا واسطہ

صحیح بخاری میں ہے:

ان عمر بن الخطاب (رض) کان اذا قحطوا استقی بالعباس بن عبدالمطلب فقال.

اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فستقینا و انا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا قال فسیقون. (۲)

حضرت عمر کا دستور تھا کہ جب بھی خشک سالی ہوتی اور قحط پڑتا

۱۔ تحقیق النصرہ ص ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ رواہ عن الطبرانی فی معجمہ الکبیر۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الاستقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطو، و کتاب فضائل اصحاب النبی عباب مناقب العباس ۲ / ۲۰۰ و ۱ / ۱۲۴۔ سنن بیہقی، کتاب صلاۃ الاستقاء باب الاستقاء بمن رجی برکتہ دعاءَ ۳/۳۵۲۔

تو وہ عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے باران رحمت طلب کیا
کرتے تھے۔ انہوں نے کہا:
خدایا! ہم تیرے نبی کے وسیلہ سے بارش طلب کرتے تھے تو
ہمیں سیراب کرتا تھا۔ اور ہم اپنے نبی کے چچا کے وسیلہ سے
تجھ سے بارش طلب کرتے ہیں تو ہمیں سیراب کر۔
راوی کہتا ہے کہ بارش برسنے لگ جاتی تھی۔

قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت عمر نے حضرت عباس کا واسطہ دے کر دعا کیوں مانگی؟ اس کی صرف اور صرف وجہ یہی ہے کہ عباس رسول خدا کے چچا تھے۔ ہر لحاظ سے پھر بھی توسل کا مرکز آپ کی ہی ذات مبارک ہے۔

درج بالا احادیث کی موجودگی میں صفات انبیاءؑ بالخصوص خاتم الانبیاءؐ کی صفات میں کوئی اختلاف سرے سے ہونا ہی نہیں چاہیے تھا مگر یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اختلاف موجود ہے اور ہم اس کے اسباب وعلل عنقریب بیان کریں گے۔

صفات رسولؐ میں اختلاف کا سرچشمہ

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان متواتر روایات کے باوجود صفات انبیاءؑ میں اختلاف کیوں کر پیدا ہوا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مکتب خلافت میں ایسی روایات کی کوئی کمی نہیں ہے جن میں انبیاءؑ کے مقام کی تنقیص کی گئی ہے اور مکتب خلافت میں ایسی روایات بھی موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے کرامؑ بالخصوص حضرت خاتم الانبیاءؐ عام انسانوں سے بھی کمتر تھے (نعوذ باللہ)

جن لوگوں نے ان روایات کو صحیح تسلیم کیا ہے وہی صفات انبیاءؑ میں تنقیص بھی کرتے ہیں: اس مقام پر ہم انبیاء ماسلف کی تنقیص کی روایات سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف ایسی چند روایات بطور نمونہ پیش کرنا چاہتے ہیں جن میں خاتم

الانبیاءؑ کے مقام و منصب کی تنقیص و توہین کی گئی ہے اور ہم یہ بھی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری پیش کردہ روایات کی حیثیت ''مشتے از خروارے'' کی سی ہے۔ ورنہ اس مفہوم کی روایات لاتعداد ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ امام بخاری اپنی صحیح میں لکھتے ہیں:

ان رسول اللّٰه (ص) قبل ان ینزل علیه الوحی قدم الی زید بن عمرو بن نفیل سفرة فیها لحم، فابیٰ ان یأکل منها ثم قال: انی لا اکل الامما ذکر اسم اللّٰه علیه۔ [1]

''رسول خداؐ نے نزول وحی سے قبل زید بن عمرو بن نفیل کے لیے دستر خوان بچھایا اوراس میں گوشت موجود تھا۔ زید نے گوشت کھانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں صرف وہی گوشت کھاتا ہوں جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو۔''

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلان نبوت سے قبل زید بن نفیل رسول خداؐ سے زیادہ محتاط تھا کیونکہ وہ تو ایسے گوشت سے پرہیز کرتا تھا جب کہ رسول خداؐ اس سے پرہیز نہیں کرتے تھے۔

۲۔ بخاری اور مسلم کی روایت ہے:

ان رسول اللّٰه (ص) لما جاءه جبرائیل بایات ''اقرأ باسم ربک الذی خلق الی قوله. علم بالقلم'' رجع النبی الی بیته ترجف بوادره وقال لخدیجة: انی خشیت علی نفسی. فقالت له خدیجة: البشر،

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الذبائح، باب ماذبح علی النصب والاصنام ۳/ ۲۰۷۔ مسند احمد ۲/ ۶۹، ۸۶۔ واضح رہے کہ زید بن نفیل حضرت عمر کے چچا زاد اور ان کے سسر تھے۔

کلا فواللّٰہ لا یخزیک اللّٰہ ابدا' وانطلقت به الی ورقة بن نوفل و کان امرأ تنصر فی الجاهلیة فاخبره رسول اللّٰہ خبر مارأه فقال ورقة: هذا الناموس الذی انزل علی موسی. الحدیث [۱]

''جب جبرئیل امین غارحرا میں حضور کریمؐ پر اقرأ باسم ربک..... کی آیات لے کر نازل ہوئے تو رسول خداؐ کانپتے ہوئے اپنے گھر آئے اور خدیجہؑ سے فرمایا: مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ خدیجہؑ نے کہا۔ آپ کو بشارت ہو۔ خدا کی قسم۔ اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ پھر خدیجہؑ انھیں لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس آئیں۔ ورقہ بن نوفل نے زمانہ جاہلیت میں نصرانیت کو قبول کیا تھا رسول خداؐ نے جو کچھ دیکھا تھا انہوں نے وہ سب کچھ ورقہ کو سنایا۔ تو ورقہ نے کہا یہ وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔''

اس روایت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ورقہ بن نوفل کو وحی اور جبریل سے آشنائی تھی مگر صاحب وحی رسول خداؐ کو اس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ تھا اور ورقہ کی گفتگو سن کر رسول خداؐ کو تسلی ہوئی اور اگر ورقہ تسلی نہ دیتا تو آپ کا منصوبہ پہاڑ سے چھلانگ لگا کر اپنے آپ کو ختم کرنے کا تھا جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے۔

۳۔ بخاری و مسلم رقم طراز ہیں:

ان رسول اللّٰہ (ص) کان یغضب فیعلن و یسب و یؤذی من لا یستحقها و دعا اللّٰہ ان یجعلها لمن بدرت منه الیه زکاة وطهورا. [۲]

۱۔ صحیح بخاری باب بدء الوحی ۱/۳۔ وتفسیر سورہ اقرأ۔ صحیح مسلم کتاب الایمان باب بدء الوحی حدیث ۲۵۲۔ مسند احمد ۶/۲۲۳' ۲۳۳۔

۲۔ صحیح بخاری کتاب الدعوات' باب قول النبی من اذیتہ۔ صحیح مسلم کتاب البرو الصلۃ' باب من لعنه النبی ولیس له اهلا۔

رسول خداؐ غضب ناک ہو جاتے اور گالیاں دیتے تھے اور ناجائز اذیت دیتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے خدا سے دعا مانگی کہ وہ جس پر لعنت کریں تو وہ لعنت اس کے لیے پاکیزگی اور طہارت کا سبب قرار پائے۔

''سبحان اللہ! رسولؐ کا غضب ولعنت باعث طہارت ثابت ہو رہا ہے کہیں اس سے چند پردہ نشینوں کو رہائی دلانا تو مقصود نہیں ہے؟ جب رسول کی لعنت رحمت و طہارت بنتی ہے تو پھر خدا کی لعنت اس سے بھی زیادہ رحمت و طہارت کا سبب قرار پائے گی نعوذ باللہ (من المترجم)۔

۴۔ بخاری اور مسلم لکھتے ہیں:

ان بعض الیھو و سحر رسول اللّٰہ (ص) حتی یخیل الیہ انہ یفعل الشیٔ و ما فعلہ. [1]

''ایک یہودی نے رسول خداؐ پر جادو کر دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ رسول سمجھتے تھے کہ انہوں نے کوئی کام کر لیا ہے جب کہ انہوں نے کام نہیں کیا ہوتا تھا۔''

۵۔ مسلم لکھتے ہیں: رسول خداؐ ایک گروہ کے پاس سے گزرے جو کہ مادہ کھجوروں میں نر کھجوروں کا زردانہ ڈال رہے تھے آپ نے فرمایا۔ اگر تم ان کا ملاپ نہ کراؤ تو بہتر ہوگا۔ یہ سن کر انہوں نے زردانہ نہ ڈالا اور نتیجہ یہ نکلا کہ کھجوریں خراب پیدا ہوئیں۔ رسول خداؐ نے ان سے کہا ''انتم اعلم بامور دینا کم'' تم اپنے دنیاوی معاملات کو

۱۔ صحیح بخاری کتاب بدء الخلق' باب صفۃ جنود ابلیس وکتاب الطب' **ھل یستخرج السحر و باب السحر** کتاب الادب' **باب ان اللّٰہ یامر بالعدل و کتاب الدعوات' باب تکریر الدعاء**۔ صحیح مسلم باب السحر۔

مجھ سے خود بہتر سمجھتے ہو۔ [1]

۶۔ بخاری اور مسلم لکھتے ہیں:

ان رسول اللّٰہ استمع الی غناء جوأر من الانصار متھرمن ابوبکر. [2]

رسول خداؐ انصار کی لڑکیوں سے راگ سن رہے تھے کہ ابوبکر نے ان لڑکیوں کو جھڑک دیا۔

۷۔ مسلم لکھتے ہیں:

ان رسول اللّٰہ رفع عائشة علی منکبه لتنظر الی الحبشة الذین یلعبون فی المسجد فنھرھم عمر. [3]

''ایک مرتبہ حبشی مسجد میں اپنا کھیل و کرتب پیش کر رہے تھے رسول خداؐ نے بی بی عائشہ کو اپنے کندھے پر بٹھا کر بلند کیا تا کہ وہ اس کھیل کو دیکھ کر لطف اندوز ہوسکیں۔ عمرؓ نے حبشیوں کو جھڑک دیا۔''

ترمذی لکھتے ہیں: جب حضرت عمر ظاہر ہوتے تو لوگوں کا مجمع دوڑنے لگتا تھا۔ رسول خداؐ نے فرمایا:

اِنی لا نظر الی شیاطین الجن والانس قد فروا من عمر [4]

''میں دیکھ رہا ہوں کہ جن و انس کے شیاطین عمر کو دیکھ کر بھاگ رہے ہیں۔''

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب وجوب امتثال...... سنن ابن ماجہ بابا تلقیح النخل۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مقدم النبی و اصحابہ المدینۃ، کتاب العیدین، باب سنۃ العیدین لاھل الاسلام، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، باب الرخصۃ فی لعب یوم العید۔

۳۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، باب الرخصہ فی اللعب...... حدیث ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲۔

۴۔ سنن ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب عمر۔

ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیں:

۰ رسول خداؐ ایک جنگ سے مظفر و منصور ہو کر لوٹے ایک سیاہ رنگت کی کنیز دف لے کر آئی اور اس نے آنحضرتؐ کے سامنے دف بجائے اور گانا گایا۔ اتنے میں عمر آئے اس نے دف نیچے رکھ دیا اور خود اس پر بیٹھ گئی۔ یہ منظر دیکھ کر رسول خداؐ نے فرمایا:

ان الشیطان لیخاف منک یا عمر. (۱)

''اے عمر! شیطان تجھ سے ڈرتا ہے۔''

۸۔ بخاری و مسلم اپنی صحیح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا:

رحمه الله اذکرنی کذا و کذا ایة اسقطتها من سورة کذا. (۲)

''خدا اس پر رحم کرے اس نے مجھے فلاں فلاں آیت دوبارہ یاد دلا دی جو میں فلاں سورہ سے فراموش کر چکا تھا۔''

مذکورہ روایات کا ماحصل یہ ہے:

۱۔ زید بن عمرو بن نفیل رسول خداؐ سے زیادہ پرہیز گار اور محتاط تھے کیونکہ وہ

۱۔ سنن ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب عمر۔ مسند احمد ۵/۳۵۳

ان جیسی احادیث کے متعلق ہم نے اپنی کتاب ''قیام الائمة باحیاء السنة'' کی جلد دوم سوم چہارم اور پنجم میں بحث کی ہے۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الشهادات، باب شهادة الاعمی و نکاحه.

صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن، باب الامر بتعهد القرآن حدیث ۲۲۴۔

سنن ابی داؤد، کتاب التطوع، باب فی رفع الصوت بالقراء ة فی صلاة اللیل حدیث ۱۳۳۱ و کتاب الحروف والقراءات الباب الاول حدیث ۳۹۷۰۔

ایسا گوشت نہیں کھاتے تھے جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو اور وہ بتوں کے چڑھاوے کا گوشت نہیں کھاتے تھے جب کہ رسول خداؐ کھایا کرتے تھے۔ (نعوذ باللہ)

۲۔ ورقہ بن نوفل نصرانی کو پتہ چل گیا تھا کہ محمد مصطفیؐ پر جبریل خدا کا پیغام لے کر آیا ہے جب کہ رسول خداؐ کا خیال تھا کہ ان پر جنات کا سایہ ہو گیا ہے اور سورہ اقرا کی ابتدائی آیات کا تعلق بھی جنات کی تک بندی سے ہے۔

۳۔ ایک یہودی کے جادو نے آنحضرتؐ پر یہ اثر دکھایا کہ نعوذ باللہ آپ کی عقل تک معطل ہو گئی اور آپ نے جو کام نہیں کیا ہوتا تھا اس کے متعلق سمجھتے تھے کہ وہ کام سرانجام دے چکے ہیں۔ گویا آپ نے نماز نہیں پڑھی ہوتی تھی تو سمجھتے تھے کہ پڑھ چکے ہیں۔ تبلیغ آیات نہیں کی ہوتی تھی اور سمجھتے تھے کہ کر چکے ہیں چ۔ وغیرہ۔

۴۔ آپ کے حافظہ کی حالت یہ تھی کہ آپ آیات بھول چکے تھے اور ایک دوسرے مسلمان کی تلاوت سن کر آپ کو وہ آیات یاد آ گئیں۔

۵۔ دنیاوی امور سے اس قدر ناواقف تھے کہ لوگوں کو کھجوروں کے زردانہ کے ملاپ سے روک دیا۔ جب کھجوریں خراب ہوئیں تو فرمایا تم جانو اور تمھارے دنیاوی کام جانیں۔ یعنی عام معاملات جسے ایک اوسط درجہ کا شخص بھی جانتا تھا آپ ان معاملات سے بے خبر تھے۔

۶۔ آپ راگ رنگ کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور راگ سننے کو کوئی عیب نہ سمجھتے تھے مگر حضرت ابوبکر و عمر نے گانے والوں کو روک دیا اور یوں شیخین نے عالم اسلام پر احسان کیا کہ انہوں نے مسلمانوں کو طاؤس و رباب سے بچا لیا اور رسول خداؐ سے تو شیاطین نہیں ڈرتے تھے جب کہ وہ حضرت عمر کو دیکھ دوڑنے لگ جاتے تھے اور مذکورہ روایات سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

ا۔ اعلانِ نبوت سے قبل آنحضرتؐ (نعوذ باللہ) زید بن نفیل سے بھی گئے گزرے تھے۔

ب۔ نزولِ وحی کے بعد آپ ورقہ بن نوفل جتنا علم بھی نہیں رکھتے تھے اور آپ کو وحیِ الٰہی اور جبریلؑ کے متعلق کچھ بھی معلومات نہیں تھیں جب کہ ورقہ ان تمام آسمانی حقائق سے آشنا تھا۔

ج۔ آنحضرت لہو ولعب اور موسیقی وغنا سے پرہیز نہیں کرتے تھے جب کہ شیخین انتہائی احتیاط برتتے تھے اور ہر موقع پر انہوں نے ہی موسیقی سے منع کیا۔

د۔ آنحضرتؐ انتہائی کمزور حافظہ کے مالک تھے آپ کو قرآنی آیات بھول جاتی تھیں اور آپ کے صحابی آپ کو اس کی یاد دہانی کراتے تھے۔

ہ۔ آنحضرتؐ بس ایک عام فرد تھے۔ اللہ تعالیٰ انھیں یہودیوں کے جادو سے محفوظ نہیں رکھتا تھا۔

و۔ آپ مغلوب الغضب قسم کے انسان تھے اورآپ ناحق لوگوں پر غضب ناک ہو جاتے تھے اور لوگوں کو سب وشتم کرتے تھے اور لوگوں پر سوچے سمجھے بغیر لعنت کرتے تھے۔

ز۔ بعض اوقات وحیِ الٰہی میں شیاطین بھی تصرف کر دیتے تھے اور ایک مرتبہ جب کہ آپ سورہ والنجم کی آیات ''اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَالْمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی'' ''کیا تم نے لات وعزیٰ کو دیکھا اور تیرے منات کو بھی دیکھا'' تو اس وقت شیطان نے آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیے ''تلک الفرانیق العلی و ان شفا علھن لترتجی'' وہ بڑی عظمت کے مالک ہیں اور ان کی شفاعت متوقع ہے۔ (نعوذ باللہ)

مندرجہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ قطعاً مثالی شخصیت نہیں تھے اور محض اتفاق سے ہی آپ کو نبوت مل گئی تھی دنیا میں جب تک یہ روایات

رہیں گی اس وقت تک غیر مسلم افراد رسول اعظمؐ کی شخصیت کو مسخ کر کے پیش کرتے رہیں گے اور تمام غیر مسلم شاتمانِ رسول ایسی ہی روایات کا سہارا لیتے ہیں اور رحمۃ اللعالمین کی شخصیت کو داغدار بنانے کی کوشش کرتے ہیں ان ایسی ہی روایات کا اثر ہے کہ ایک سعودی باشندے نے ہم سے کہا تھا:

ویش محمد' محمد رجالا مثلی' مات

''محمدؐ کیا ہے' محمد مجھ جیسا انسان تھا اور وہ مر گیا۔'' (نعوذ باللہ)

احترامِ مصطفیؐ اور مقامِ مصطفیؐ کو کم کرنے کی کوششوں آج سے نہیں بلکہ بہت پہلے سے کی جا رہی ہیں اور ایسی ہی کوشش کے تحت خلیفۂ ثانی کے حکم سے بیعت رضوان کے درخت کو جڑ سے اکھاڑ دیا گیا تھا۔

(اس واقعہ کی تفصیل کے لیے شرح ابن ابی الحدید جلد اول ص ۵۹ کا مطالعہ فرمائیں۔)

مذکورہ روایات کی تردید

توہین پیغمبرؐ پر مبنی مذکورہ روایات کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ آیئے حضرت علی علیہ السلام سے پیغمبر اکرمؐ کی قبل نبوت ان کی زندگی کی داستان خطبہ قاصعہ کے ضمن میں سنیں:

ولقد قرن اللّٰه به صلى اللّٰه عليه وآله وسلم من لدن ان كان فطيما اعظم ملك من ملائكته يسلك به طريق المكارم و محاسن اخلاق العالم ليله و نهاره ولقد كنت اتبعه اتباع الفصيل اثرامه يرفع لی كل يوم من اخلاقه علما و يامرنی بالاقتدائبه. ولقد كان يجاور فی كل سنة بحراء فاراه ولايراه غيری ولم يجمع يومئذ فی الاسلام غير رسول اللّٰه (ص) و

خديجة وانا ثالثهما. اری نورالوحی والرسالة واشم
ريح النبوة ولقد سمعت رنة الشيطان حين نزل
الوحی عليه. صلي اللّٰه عليه وآله وسلم. فقلت يا
رسول اللّٰه ماهذه الرنة؟ قال: هذا الشيطان اليس
من عبادته انک تسمع ما اسمع و تری ماری الا
انک لست بنبي ولنک و زير و انک لعلی خير.

(نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۰)

''اللہ نے آپ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی سے فرشتوں میں
سے ایک عظیم المرتبت ملک (روح القدس) کو آپ کے ساتھ لگا
دیا تھا جو آپ کو شب و روز بزرگ خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں
کی راہ پر لے چلتا تھا اور میں ان کے پیچھے پیچھے یوں لگا رہتا
تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔ آپ ہر روز میرے لیے
اخلاق حسنہ کے پرچم بلند کرتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا
حکم دیتے تھے اور ہر سال کوہ حرا میں کچھ عرصہ قیام فرماتے تھے
اور وہاں میرے علاوہ کوئی آپ کو نہیں دیکھتا تھا۔ اس وقت
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور (ام المومنین) خدیجہؑ کے
گھر کے علاوہ کسی گھر کی چار دیواری میں اسلام نہ تھا البتہ ان
میں تیسرا میں تھا۔ میں وحی و رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت
کی خوشبو سونگھتا تھا۔''

جب آپ پر (پہلے پہل) وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ
سنی جس پر میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ یہ آواز کیسی ہے؟

آپ نے فرمایا: یہ شیطان ہے کہ جو اپنے پوجے جانے سے مایوس ہو گیا

ہے۔اے علیؑ! جو میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو فرق اتنا ہے کہ تم نبی نہیں ہو بلکہ میرے وزیر اور جانشین ہو اور یقیناً بھلائی کی راہ پر ہو۔

قارئین! خدا گواہ ہے کہ ہمیں آج تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے دوش اطہر پر مہر نبوت لگائی ہوئی تھی مگر جس کے دوش پر مہر نبوت تھی اسے تو نبوت اور وحی کا کوئی پتہ تک نہیں تھا مگر ورقہ بن نوفل نصرانی کو اس کا علم تھا؟

مہر نبوت کوئی ڈھکی چھپی علامت نہیں تھی۔ اعلان نبوت سے قبل بہت سے اہل کتاب نے انہیں دیکھا تھا اور انہوں نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی تھی۔

علاوہ ازیں اسلامی کتب میں ایسی روایات بھی موجود ہیں جن میں آپ کے دلائل نبوت کا ذکر پایا جاتا ہے۔ مثلاً کتب احادیث و سیر میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ اپنے چچا ابو طالبؑ کے ساتھ سفر شام کے لیے روانہ ہوئے تو اہل کتاب کے علماء نے آپکے چہرۂ انور کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ وہ نبی ہے جس کا ذکر تورات و انجیل میں موجود ہے۔ آپؐ دوسری مرتبہ حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر شام گئے تو بھی راہبوں نے آپ کی نبوت کی پیش گوئی کی تھی۔ آپ کے سر پر ہمیشہ بادل کا ٹکڑا سایہ کیے رہتا تھا اور جمادات و نباتات آپ کو رسول اللہ کہہ کر سلام کرتے تھے۔ (۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی بشارت دے کر گئے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ان کے یہ الفاظ موجود ہیں:

۱۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب والرضیٰ والادب۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل، باب اثبات خاتم النبوۃ، سنن ابی داؤد، کتاب اللباس۔ ترمذی۔ کتاب المناقب۔ مسند احمد، ۲/۲۲۳ و ۳/۴۳۴ و ۴۴۲ و ۴/ ۱۹۵۔ طبقات ابن سعد طبع یورپ ۱/ ق ۱/۴۳، ۷۶ و ۸۳ و ۹۸ و ۹۹ و ۱۰۰ و ۱۰۱ و ۱۰۹۔ جلد سوم ق ۱/۱۵۳۔

صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی من اخبار هرقل من ظهوره۔ سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب ماجاء فی بدء النبوۃ ۱۳/۱۰۶۔ سیرت ابن ہشام ۱/۱۹۴ و ۲۰۳۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِیْ اسْمُهٗ اَحْمَدُ...... (الصف: ٦)

''میں تمھیں ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جس کا نام احمدؐ ہوگا۔''

تعجب ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آپ کی بشارت دے کر گئے مگر خود آپ کو اپنی نبوت کا علم تک نہیں تھا اور اس کی تصدیق ورقہ بن نوفل سے کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ اس وقت تعجب اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے جب ہم قرآن مجید میں یہ دو آیات پڑھتے ہیں:

یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَ هُمْ. (البقرہ: ۱۴۶' الانعام: ۲۰)

''وہ یعنی اہل کتاب آنحضرتؐ کو ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں'' اور اس پہچان کی وجہ یہ تھی۔''

اَلرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِیْلِ. (الاعراف: ۱۵۷)

''رسول نبی امی کا تذکرہ وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب آنحضرتؐ کو اچھی طرح سے جانتے اور پہچانتے تھے۔

مگر اس کے باوجود آنحضرتؐ خود اپنی نبوت کو نہیں جانتے تھے!

مقام رسالت کو مسخ کرنے کی کوششیں وفات رسولؐ ہی سے شروع ہوگئی تھیں اور خود ساختہ روایات کے ذریعہ سے مسلمانوں کے قلوب و اذہان سے عظمت

(گذشتہ حاشیہ) صحیح بخاری کتاب البیوع' بابا کراھیة السخب فی الاسواق ۲/۱۰' کتاب التفسیر' باب تفسیر سورۃ الفتح طبقات ابن سعد طبع یورپ ۱/۱۲۳۔ سنن ترمذی' کتاب المناقب۔ باب اول۔ سنن دارمی' مقدمہ الباب الاول۔ مسند احمد ۲/۱۷۴۔ صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب نسب النبی حدیث ۲ مسند احمد ۵/۸۹ و ۹۵ و ۱۰۵۔ مسند طیالسی حدیث ۱۱۸۷ وغیر ذلک من الکتب۔

رسالت کو حقیر اور بے وقعت ثابت کرنے کی سعی نا تمام ہوتی رہی۔ آخر کار اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں کے اذہان میں مقام نبوت کی عظمت و رفعت کم ہوتی گئی جس کا اندازہ صرف ایک مثال ہی سے لگایا جا سکتا ہے۔

حجاج بن یوسف نے کوفہ میں خطبہ دیا اور اس نے قبر رسولؐ کے زائرین کی پرزور مذمت کی اور پھر اس نے یہ جملے کہے:

تبالهم! انما يطوفون باعواد ورمة بالية! هلا طافوا بقصر اميرالمومنين عبدالملك! الايعلمون ان خليفة المرء خيرمن رسوله.

''افسوس ہے ان لوگوں پر! یہ لوگ لکڑیوں اور بوسیدہ ہڈیوں کا طواف کر رہے ہیں۔'' لوگ اس کی بجائے امیر المومنین عبدالملک کے محل کا طواف کیوں نہیں کرتے۔ کیا انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ لوگوں کا خلیفہ خدا کے رسول سے افضل ہے۔'' (نعوذ باللہ من ذلک) [1]

اس کی تفصیل کتاب ہذا کی جلد سوم میں بیان کی جائے گی۔ انشاء اللہ اور آج ہم اگر لوگوں میں یہ دیکھتے ہیں کہ وہ عظمت رسولؐ سے نابلد ہیں تو اس کی وجہ یہی روایات ہیں اور قرآن کریم کی بعض آیات کی خود ساختہ تفسیر ہے اور حد یہ ہے کہ بعض مسلمانوں کی نظر سے عظمت رسولؐ اتنی اٹھ گئی ہے کہ وہ آنحضرتؐ کی محفل میلاد کو حرام اور بدعت کہتے ہیں۔

۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۱۵/ ۲۴۲۔ کامل مبرد طبع النھضۃ مصر ص ۲۲۲۔

۵۔ انبیاء و اولیاء کی محافل میلاد

عالم اسلام کی بدنصیبی ملاحظہ ہو کہ مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا بھی موجود ہے جن کی نظر میں محسن انسانیت رحمۃ للعالمین کی محفل میلاد تک منعقد کرنا بھی ناجائز ہے اور اسی مکتب فکر کے ترجمان شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز صدر شعبہ افتاء سعودی عرب نے یہ فتویٰ لکھا:

لا یجوز الاحتفال بمولد النبی (ص) ولاغیرہ لان ذلک من البدع المحدثة فی الدین......

''رسول خدا اور ان کے علاوہ کسی کی ولادت کی محفل منانا جائز نہیں ہے کیونکہ محفل میلاد بعد کی ایجاد کردہ بدعتوں میں سے ایک بدعت ہے۔''

مکتب خلافت سے وابستہ افراد کا عقیدہ آپ نے ان کے مفتی اعظم کی زبانی سنا جب کہ مکتب امامت سے وابستہ علماء اس نظریہ کو تسلیم نہیں کرتے اور وہ انبیاءؑ اور خدا کے نیک بندوں کی محافلِ میلاد کو نہ صرف جائز بلکہ مستحب سمجھتے ہیں ان کے بہت سے دلائل میں سے ہم یہاں ان کے چند دلائل پیش کرتے ہیں۔

الف: مقامِ ابراہیم

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى...... (البقرہ: ۱۲۵)

''اور تم مقام ابراہیم کو مصلیٰ بناؤ۔''

صحیح بخاری کی ایک روایت کا ماحصل

جب ابراہیم و اسماعیلؑ بیت اللہ کو بنا رہے تھے تو حضرت اسماعیلؑ پتھر لاتے اور حضرت ابراہیمؑ عمارت تعمیر کرتے تھے اور جب دیواریں زیادہ اٹھ گئیں تو اسماعیلؑ اپنے والد کے لیے یہ پتھر لائے اور حضرت ابراہیمؑ اس پر کھڑے ہو کر کعبہ کی عمارت تعمیر کرنے لگے۔ (۱)

اس روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مقام ابراہیم وہی پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام نے قدم رکھے تھے اور بیت اللہ کی تعمیر نو فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے امت اسلامیہ کو حکم دیا کہ وہ مقام ابراہیم پر نماز ادا کریں۔ اور اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ لوگ ابراہیمؑ کے قدموں کے نشانوں سے برکت حاصل کریں اور یوں ابراہیمؑ کا ذکر ہمیشہ قائم و دائم رہے۔ مقام ابراہیمؑ کو مصلی بنانے سے کوئی شرک لازم نہیں آتا۔ اگر ابراہیمی یادگار شرک کا ذریعہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے کبھی مصلی بنانے کا حکم نہ دیتا۔

ب: صفا و مروہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِاعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا. (البقرہ: ۱۵۸)

"بے شک صفا اور مروہ دونوں پہاڑیاں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لہٰذا جو شخص بھی حج یا عمرہ کرے اس کے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ ان دونوں پہاڑیوں کا چکر لگائے۔"

صحیح بخاری کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے:

جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زوجہ ہاجرہ اور اپنے فرزند اسماعیلؑ کو مکہ کی

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب یزفون النسلان فی المشی، ۲/ ۱۵۸، ۱۵۹۔

بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑا اور حضرت ہاجرہ کے پاس پانی ختم ہوا اور وہ خود پیاسی ہوئیں اور ان کا فرزند پیاسا ہوا تو بی بی اپنے بیٹے کی پیاس برداشت نہ کرسکیں اور صفا کی پہاڑی پر چڑھیں کہ شاید انھیں کوئی انسان دکھائی دے۔ مگر انہیں وہاں کوئی شخص دکھائی نہ دیا۔ پھر وہ صفا سے اتر کر وادی میں بیٹے کے پاس آئیں اور انہوں نے پوری وادی کا چکر لگایا پھر کوہ مروہ پر چڑھیں کہ شاید انھیں کوئی آدمی دکھائی دے مگر انہیں کوئی بھی دکھائی نہ دیا اور انہوں نے سات بار ایسا کیا۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

''اسی لیے لوگ صفا و مروہ کے درمیان دوڑتے ہیں۔''[1]

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ کو جناب ہاجرہ کا دوڑنا اتنا پسند آیا کہ اللہ تعالیٰ نے صفا و مروہ پر دوڑنے کو حج و عمرہ کا ایک رکن بنا دیا تاکہ جناب ہاجرہ کی سنت ہمیشہ کے لیے برقرار رہے اور ان کی کوشش کی یاد اذہان میں تازہ رہے۔

ج: رمی الجمار

احمد اور طیالسی نے اپنی اپنی مسند میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا:

ان جبریل ذهب بابراهيم (ع) الى جمرة العقبة' فعرض له الشيطان فرماه بسبع حصيات' فساخ' ثم اتى الجمرة الوسطى فعرض له الشيطان' فرماه بسبع حصيات' فساخ ثم اتى الجمرة القصوىٰ' فعرض له الشيطان فرماه بسبع حصيات' فساخ......[2]

۱۔ صحیح بخاری' کتاب الانبیاءؑ باب یزفون النسلان فی المشی ۲/۱۵۸۔ معجم البلدان مادہ زمزم' تاریخ طبری و ابن اثیر ذکر تاریخ اسماعیل۔

۲۔ مسند احمد ۱/ ۳۰۶' ۱۲۷۔ مسند طیالسی حدیث ۲۶۹۷۔ معجم البلدان' درمادہ (کعبہ) اریخ طبری و تاریخ ابن اثیر۔

''حضرت جبریلؑ حضرت ابراہیمؑ کو جمرہ عقبہ کے پاس لے
گئے تو وہاں شیطان نمودار ہوا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اسے
سات کنکر مارے۔ وہ زمین میں دھنس گیا۔ پھر آپ جمرہ وسطی
تشریف لائے تو شیطان وہاں بھی ان کے سامنے حاضر ہوا۔
آپ نے اسے سات کنکر مارے۔ وہ زمین میں دھنس گیا۔ پھر
آپ جمرہ قصویٰ آئے وہاں بھی شیطان ان کے سامنے نمودار
ہوا' آپ نے اسے سات کنکر مارے وہ زمین میں دھنس گیا۔''

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیمؑ کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ اسے حج کا رکن بنا دیا اور قیامت تک اس کی یادگار کو باقی رکھا۔

د: قربانی

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ. فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ. وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ. قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ. (الصافات: ۱۰۱ تا ۱۰۷)

''پھر ہم نے ان کو صاحب حلم فرزند کی بشارت دی۔ جب وہ
فرزند ان کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کے قابل ہو گیا تو انہوں
نے کہا کہ بیٹا میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میں تمھیں ذبح

کر رہا ہوں اب تم بتاؤ کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ فرزند نے
جواب دیا کہ بابا جو آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اس پر عمل کریں۔
انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ پھر
جب دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے
بل لٹا دیا۔ تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیمؑ تم نے اپنا خواب
سچ کر دکھایا ہم اسی طرح حسنِ عمل والوں کو جزا دیتے ہیں۔ بے
شک یہ تیرا کھلا امتحان ہے اور ہم نے اس کا بدلہ ایک عظیم
قربانی کو قرار دیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیمؑ کا جذبہ عشق اور حضرت اسمٰعیلؑ کا جذبہ اطاعت اتنا پسند آیا کہ اس نے اسماعیل کو بچا لیا اور اس وقت ایک دنبہ بھیج دیا۔ پھر رسم قربانی کو رکن حج بنا دیا اور تمام حجاج کو حکم دیا کہ وہ اس واقعہ کی یادگار کے طور پر منیٰ میں قربانی کریں۔ اس حکم کا مقصد ابراہیمی واقعہ کی یادگار کو قائم رکھنا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ ابراہیمؑ کے قدم اتنے متبرک تھے کہ جس پتھر پر انہوں نے قدم رکھے وہ پتھر مقام ابراہیم کہلایا اور اسے مسلمانوں کے لیے مصلّی بنایا گیا اور حضرت اسماعیلؑ کی جان بچانے کے لیے ان کی والدہ محترمہ صفا و مروہ میں دوڑیں تو صفا و مروہ کو ''شعائر اللہ'' کا درجہ مل گیا اور بی بی کی یادگار کو زندہ رکھنے کے لیے وہاں دوڑنے کا حکم دیا گیا اور جہاں ابراہیم علیہ السلام نے ابلیس کو کنکر مارے تو ان مقامات پر رمی جمرات کا حکم دیا گیا اور اگر بوڑھے باپ نے جوان بیٹے کو قربان کرنے کی غرض سے منیٰ میں لٹایا تو اللہ کو باپ بیٹے کا یہ انداز اتنا پسند آیا کہ مسلمانوں کو قربانی کا حکم صادر فرمایا۔ یہ سب کچھ ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ کی برکت کا مظاہرہ ہے۔

برکتِ آدمؑ اور اس کی یادگار

بعض روایات میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نو ذی الحج کو عصر کے وقت ابو البشر آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی۔ پھر جبریلؑ انہیں اپنے ساتھ مشعر الحرام میں لے گئے جہاں انہوں نے دس ذی الحج کی رات خدا سے دعائیں کرتے ہوئے اور اس کا شکر بجا لاتے ہوئے بسر کی۔ جیسے ہی صبح ہوئی تو آپ منیٰ تشریف لائے اور اپنی توبہ کی قبولیت اور گناہوں سے آزادی کے نشان کے طور پر اپنا سر منڈھوایا۔ اسی لیے اللہ نے اس دن کو ان کی نسل کے لیے یوم عید قرار دیا اور آدم علیہ السلام کے مذکورہ افعال کو رکن حج کا درجہ دیا۔ چنانچہ آج تک مسلمان نو ذی الحج کو عرفات میں ٹھہرتے ہیں۔ پھر شام کے وقت کوچ کر کے مشعر الحرام جاتے ہیں اور وہاں شب بسری کے بعد دس ذی الحج کی صبح کو منیٰ میں آ جاتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ مناسک حج حضرت آدم و ابراہیمؑ کے افعال کی یادگار ہیں اور مناسک حج میں حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے افعال کا بھی بہت بڑا حصہ شامل ہے۔چونکہ خدا کو اپنے انبیاءؑ سے بہت پیار ہے ان کے اعمال و افعال کو خدا زندہ رکھنا چاہتا ہے تمام حاجیوں کو ان کے اعمال کی یاد منانے کا حکم دیتا ہے۔

اب تک آپ نے برکت انبیاءؑ کا تذکرہ پڑھا اور اب آیئے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بعض منحوس افراد و اقوام ایسے بھی تھے کہ جن کی نحوست صرف ان تک ہی محدود نہ تھی بلکہ ان کی وجہ سے خطہ زمین بھی منحوس قرار پایا۔

منحوس افراد اپنے ساتھ مکان کو بھی نحس بنا دیتے ہیں

امام مسلم رقم طراز ہیں: کہ رسول خداؐ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر قوم ثمود کے ویران گھروں کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ آپ کے صحابی ان کنوؤں سے پانی بھر کر لائے جن سے قومِ ثمود پانی پیا کرتی تھی۔ صحابہ نے اس پانی سے آٹا گوندھا اور اس پانی سے سالن تیار کیا۔ رسولِ خداؐ نے حکم دیا کہ ہانڈیوں کو الٹ دو اور گوندھا ہوا آٹا

اپنے اونٹوں کو کھلا دو۔ صحابہ نے اس حکم پر عمل کیا۔ پھر رسول خداؐ صحابہ کو ساتھ لے کر اس کنویں پر تشریف لائے جہاں سے حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ پانی پیا کرتی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ جن لوگوں پر خدا کا عذاب نازل ہوا ہے ان کی سرزمین پر قیام نہ کیا جائے اور آپ نے فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر وہی عذاب نہ آ جائے جو ان پر آیا تھا۔ تم ان کی آبادی میں مت جاؤ۔ [1]

صحیح مسلم میں یہ الفاظ وارد ہیں:

ولا تدخلوا مساكن الذين ظلموا انفسهم الا ان تكونوا باكين حذرا ان يصيبكم مثل ما اصابهم. ثم زجرو اسرع حتى خلفها.

''ان لوگوں کے گھروں میں داخل مت ہونا جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ مگر یہ کہ روتے ہوئے وہاں سے گزرو اور ڈرو کہ کہیں ان کی طرح سے تم پر بھی عذاب نہ آ جائے۔ پھر آپ جلدی سے اس وادی سے روانہ ہو گئے۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرتؐ نے ردا سے اپنے سر کو ڈھانپ لیا اور تیزی سے سفر کرتے ہوئے اس وادی سے نکل گئے۔ اسی طرح مسند احمد میں ہے کہ آپ نے اپنی ردا سے سر کو ڈھانپ لیا اس وقت آپ کجاوہ پر سوار تھے۔

مکین کی نحوست و سعادت کا اثر

قارئین کرام!

آپ نے بلاد ثمود اور ان کے کنوؤں کا تذکرہ پڑھا۔ کچھ دیر کے لیے یہاں ٹھہر جایئے اور سوچیے کہ اس علاقہ اور اس علاقہ کے کنوؤں کو منحوس کیوں تصور

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الزهد والرقائق، باب لا تدخلوا مساكن الذين ظلموا انفسهم. حدیث ۴۰ مسند احمد ۲/ ۱۱۷، صحیح بخاری کتاب المغازی، باب نزول النبی الحجر۔ طبری درحالات ثمود طبع یورپ ۱/ ۲۵۰

کیا گیا اور اس کے پانی سے گوندھے ہوئے آٹے کی روٹیاں پکانے سے کیوں منع کیا گیا اور اس پانی سے پکے ہوئے سالن کو زمین پر کیوں انڈیلا گیا؟ اور ناقہ صالح کے کنوئیں کے پانی کو متبرک کیوں قرار دیا گیا؟ اس کا جواب صرف یہی ہے کہ منحوس لوگوں کی نحوست ان کی ذات سے تجاوز کر کے ان کے وطن اور ان کی سرزمین تک پہنچ جاتی ہے اور بابرکت چیز کی برکت اس کی ذات سے تجاوز کر کے اس کے کنویں تک سرایت کر جاتی ہے گویا ع

جمال ہم نشیں درمن اثر کرد

والا معاملہ یہاں بھی کارفرما ہے۔ ناقہ صالح کی وجہ سے وہ کنواں بابرکت بنا اور اسماعیلؑ و ہاجرہ کے قدموں سے چشمۂ زمزم کو برکت نصیب ہوئی۔ ابراہیمؑ کے قدموں کی برکت سے مقام ابراہیم کو شرف نصیب ہوا اور حضرت ہاجرہ کی وجہ سے صفا و مروہ کو عزت ملی۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے نیک بندوں کی برکت صرف ان کی ذات تک محدود نہیں رہتی بلکہ مکان بھی ان کی برکت سے متاثر ہوتے ہیں۔متبرک اشیاء کی برکت صرف مکان تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ وقت اور زمانہ بھی اس سے فیض یاب ہوتا ہے۔

روزِ جمعہ کی برکت

صحیح مسلم میں مرقوم ہے:

ان اللّٰه خلق ادم یوم الجمعة وادخله الجنة یوم الجمعة. (1)

''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جمعہ کے دن پیدا کیا اور جمعہ کے دن انہیں جنت میں داخل فرمایا''

''حضرت آدمؑ کی وجہ سے روز جمعہ کو عزت ملی اور یہ عزت

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، باب فضل الجمعہ حدیث ۱۷۔۱۸۔

قیامت تک باقی رہے گی۔“

ماہ رمضان کی برکت

رمضان المبارک انتہائی متبرک مہینہ ہے۔ اس کی برکت کا سبب قرآن مجید ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ. (البقرہ: ۱۸۵)

”ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل کے امتیاز کی واضح نشانیاں موجود ہیں۔“

قرآن مجید کی وجہ سے ماہ رمضان کو برکت و عزت نصیب ہوئی اور نزول قرآن کی وجہ سے شب قدر ہزار مہینوں سے افضل قرار پائی۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ. (القدر: ۱تا۳)

”بے شک ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا ہے اور آپ کیا جانیں یہ شب قدر کیا چیز ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔“

قرآن مجید کی برکت سے لیلۃ القدر کو برکت ملی پھر اس کی برکت صرف شب نزول تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ پورا مہینہ بابرکت بن گیا اور تمام مہینوں کا سردار قرار پایا۔

اس مقام پر ہر صاحب فکر سے ہماری یہ گزارش ہے کہ جب حضرت آدمؑ کی تخلیق کی وجہ سے جمعہ کے دن کو فضیلت ملی اور نزول قرآن کی وجہ سے شب قدر کو عزت ملی تو کیا خاتم الانبیاءؐ کی ولادت باسعادت سے اس رات اور اس مہینہ کو کوئی

عزت نہیں ملی ہو گی؟ جس رات سید الانبیاءؐ معراج پر تشریف لے گئے ہوں گے تو کیا اس رات کو کوئی عظمت نہیں ملی ہو گی؟ اور اگر مسلمان اپنے نبیؐ کی ولادت اور معراج کی خوشی کا جشن منائیں تو اس میں کون سی قباحت ہے اور اس سے اسلام کے کس رکن کی خلاف ورزی ہوتی ہے؟

بحث کے اختتام پر ہم کھلے لفظوں میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جشن ولادت، جشن معراج اور جشن بعثت ہم صرف اس لیے منعقد کرتے ہیں کہ ان ایام میں آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت اور سفر معراج اور اعلان نبوت کے ساتھ آپ کی سیرت طیبہ بیان کی جائے اور ان متبرک ایام میں ہم کھانا اس لیے پکاتے ہیں کہ غرباء و مساکین کی شکم سیری کا سامان فراہم کیا جا سکے اور اس کے ثواب کا ہدیہ رسول خداؐ کی روح پر فتوح کی خدمت میں بھیجا جائے۔ ہم ان مواقع کو رسول خداؐ کی سیرت طیبہ کے تذکرہ تک ہی مخصوص رکھتے ہیں اور ہم صوفیا کی اختراع کردہ بدعات کے نہ تو قائل ہیں اور نہ ہی ان کی خود ساختہ رسومات کی وکالت کرتے ہیں۔

۶۔ انبیاء و اولیاء کے مزارات اور قبہ و قبور

مکتبِ خلافت سے وابستہ افراد کی نظر میں قبور پر مزارات اور روضہ جات تعمیر کرنا حرام ہے اور وہ اس سلسلہ میں جو روایات پیش کرتے ہیں ان میں سے اہم ترین روایت یہ ہے:

۱۔ **عن علی قال: کان رسول اللّٰہ (ص) فی جنازۃ فقال: ایکم ینطلق الی المدینۃ فلا یدع فیھا و ثنا الا کسرہ ولا قبرا الاسواہ ولا صورۃ الالطخھا؟ فقال رجل: انا یا رسول اللّٰہ' فانطلق فھاب اھل المدینۃ فرجع. فقال علی انا انطلق یا رسول اللّٰہ. قال: فانطلق' فانطلق ثم رجع فقال یا رسول اللّٰہ لم ادع بھا وثنا الاکسرتہ ولا قبرا الاسویتہ ولا صورۃ الا لطختھا.** (۱)

''حضرت علیؑ بیان کرتے ہیں کہ رسول خداؐ ایک جنازہ میں شامل تھے کہ آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا ہے جو مدینہ جائے اور وہاں جتنے بت ہوں انہیں توڑ ڈالے اور جتنی قبریں ہوں' انہیں برابر کر دے اور وہاں جتنی تصویریں ہوں انہیں خراب کر دے؟ تو ایک شخص نے کہا۔ یا رسول اللہؐ! میں یہ کام کروں گا۔

وہ شخص گیا مگر وہ اہل مدینہ سے ڈر گیا اور واپس لوٹ آیا۔

حضرت علیؑ نے کہا: یا رسول اللہؐ! میں جاؤں گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: تم چلے جاؤ۔

حضرت علیؑ گئے' پھر واپس آئے اور رسول خداؐ سے عرض کی: یا رسول اللہؐ! میں نے تمام بت توڑ دیے ہیں اور تمام قبریں برابر کر دی ہیں اور تمام تصویریں خراب کر دی ہیں۔"

کتب میں یہ روایت بہ تکرار بیان کی گئی ہے۔ ہم نے اس کو کامل صورت میں یہاں نقل کیا ہے۔

تنقید وتبصرہ

۱۔ ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے کہ حضرت رسول خداؐ نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی تھی اور اس قبر پر بیٹھ کر خود بھی روئے تھے اور حاضرین کو بھی رلایا تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کی وفات مدینہ میں ہوئی تھی اور اس وقت آپ کی عمر صرف چھ برس کی تھی۔ اور آپ نے ترپن (۵۳) برس کی عمر میں مکہ سے مدینہ ہجرت کی اور ہجرت کے بعد والدہ ماجدہ کی قبر پر تشریف لے گئے۔

اس سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کی قبر سنتالیس برس تک صحیح سالم حالت میں تھی اور اس کا پہچاننا ممکن تھا۔ اگر قبر سطح زمین کے بالکل ہی برابر ہوتی تو آپ یا آپ کے صحابہ ان کی قبر کو نہ پہچان پاتے۔

سوال یہ ہے کہ جب آنحضرتؐ اپنی والدۂ ماجدہ کی قبر پر تشریف لائے تو آپ نے اسے سطح زمین کے برابر کرنے کا حکم صادر کیوں نہ کیا؟

۲۔ اہل مدینہ کے ایمان کے واقعات انتہائی مشہور ہیں ہم اس کی تفصیلی بحث

۱۔ مسند احمد ۱/ ۸۷' ۸۹' ۹۶' ۱۱۰' ۱۱۱' ۱۲۸' ۱۳۸' ۱۳۹' ۱۴۵' ۱۵۰۔ مسند طیالسی' حدیث ۹۹' ۱۵۵۔

میں پڑنا نہیں چاہتے لیکن اتنی بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ انصار مدینہ میں سے چند افراد نے مکہ میں دعوت اسلام کو قبول کیا تھا۔ پھر آپ نے ان کی دعوت پر حضرت مصعب بن عمیر کو اسلام کا معلم و مبلغ بنا کر مدینہ بھیجا۔ ان کی دعوت کے نتیجہ میں اسلام نے مدینہ میں کچھ ترقی کی منازل طے کیں۔ پھر انصار مدینہ کا ایک گروہ ایام حج میں مکہ آیا اور انہوں نے بیعت عقبہ کی اور انہوں نے آپ کو مدینہ ہجرت کی دعوت دی۔ آخر کار رسول مقبولؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ چند دن آپ نے قبا کی بستی میں قیام کیا اور جب حضرت علیؑ ساتھ آ ملے تو آپؐ مدینہ شہر میں تشریف لائے اور مدینہ میں آپ کی حکومت اس وقت قائم ہوئی جب آپ نے یہودی قبائل سے معاہدہ کیا۔ یہ مختصر تاریخ ہے اب آیئے سابقہ روایت کا جائزہ لیں۔

روایت کہتی ہے کہ آنحضرتؐ ایک جنازہ کی شایعت میں شامل تھے کہ آپ نے بت توڑنے، قبریں یکساں کرنے اور تصویریں خراب کرنے کے لیے حکم صادر کیا اور ایک شخص نے یہ ذمہ داری قبول کی۔ وہ مدینہ آیا۔ لیکن اہل مدینہ سے ڈر گیا اور وہ کچھ کیے بغیر واپس آ گیا۔ پھر حضرت علیؑ آئے اور انہوں نے آپ کے فرمان کی تعمیل کی اور پھر واپس جا کر آنحضرتؐ کو اس کی اطلاع بھی دی۔

(۱) روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنازہ مدینہ میں نہیں تھا۔ مدینہ سے کہیں باہر تھا۔

(۲) روایت کے اسلوب سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ابھی تک مدینہ پر آپ کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی۔

(۳) جس شخص نے قبریں یکساں کرنے اور بت توڑنے اور تصاویر خراب کرنے کا وعدہ کیا وہ مدینہ آیا لیکن وہ اپنے اقدام کے بھیانک نتائج سے گھبرا گیا

اور وہ واپس چلا گیا۔

(۴) آخر کار حضرت علیؑ اٹھے اور یہ سب کچھ کرنے کا وعدہ کیا۔ مدینہ آئے فرمان نبویؐ پر عمل کیا اور پھر واپس جنازہ کے جلوس میں آ کر شریک ہوئے اور اپنی کارروائی سے آنحضرتؐ کو آگاہ کیا۔

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ یہ واقعہ قیام قبا کے وقت کا ہو گا تو اس میں دشواری یہ ہے کہ قبا سے مدینہ طیبہ کا اچھا خاصا فاصلہ ہے اور ایک شخص جو کہ قبا سے مدینہ جاتا ہے۔ پھر گھبرا کر مدینہ سے واپس قبا آتا ہے۔ اس کے لیے اچھے خاصے وقت کی ضرورت ہے۔ پھر حضرت علیؑ جاتے ہیں اور آپ کے فرمان کے تحت بتوں کو توڑتے ہیں، تمام قبروں کو یکساں کرتے اور تمام تصاویر کو خراب کر کے واپس آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچ جاتے ہیں اور ابھی تک رسول خداؐ مشایعت جنازہ میں مصروف ہوتے ہیں۔ دنیا کے ذہین افراد سے ہمارا سوال یہ ہے کہ اس وقت مدینہ شرک و کفر سے لبریز تھا وہاں ایک آدھ بت تو نہیں ہو گا۔ بہت سے بت ہوں گے اور ایک آدھ قبر بھی نہیں ہو گی بہت سی قبور ہوں گی اور ایک آدھ تصویر کی بجائے بہت سی تصاویر ہوں گی۔ حضرت علیؑ اکیلے گئے اور تمام بتوں کو توڑا اور تمام قبروں کے نشانات کو مسمار کیا اور تمام تصاویر کو خراب کیا تو کیا شہر کے کافروں نے خاموشی سے یہ سب کچھ برداشت کر لیا ہو گا اور کوئی مزاحمت اور احتجاج نہیں کیا ہو گا؟ آخر بلند و بالا قبروں میں مدفون افراد کی اولاد بھی اس شہر میں موجود ہو گی تو کیا انہوں نے حضرت علیؑ کو ایسا کرنے کی کھلی اجازت دے دی ہو گی اور پھر لطف یہ ہے کہ حضرت علیؑ بس مختصر سے وقت میں یہ سب کچھ کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچ بھی گئے؟ کیا یہ سب کچھ ممکن بھی ہے؟ اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ آنحضرتؐ ابھی تک تشییع جنازہ میں مصروف تھے کیا کوئی عقل مند ہمیں یہ بتا سکتا ہے کہ جنازہ کا جلوس بارہ یا چودہ گھنٹے پر محیط تھا؟

اگر بالفرض جنازہ کی مشایعت اتنے طویل وقت تک جاری رہی تھی تو لازماً مرنے والا شخص کوئی مشہور و معروف شخصیت ہو گا۔ آخر مشہور شخصیت کا نام نہ لکھنے میں کون سی حکمت ہے؟

حقائق کی کسوٹی پر یہ حدیث کسی طرح سے بھی پوری نہیں اترتی اور اگر پوری اترتی ہے تو ہمیں مطمئن کیا جائے۔

(۳) اب لگے ہاتھوں اسی روایت کا تتمہ بھی سن لیجیے۔

حضرت علی علیہ السلام نے ابو الھیاج اسدی سے فرمایا۔

ابعثک فیما بعثنی رسول اللّٰہ (ص) امرنی ان اسوی کل قبر وأطمس کل صنم.

"میں تجھے اس مہم پر بھیج رہا ہوں جس مہم پر رسول خداؐ نے مجھے بھیجا تھا۔ آپؐ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ہر قبر کو یکساں کروں اور ہر بت کو پاش پاش کروں۔"

روایت کا یہ تتمہ جو کہ ایک کمزور بنیاد پر قائم ہے کسی طرح سے بھی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ

(۱) حضرت علیؑ نے ابو الھیاج اسدی کو یا تو اپنے دور حکومت میں بھیجا ہو گا یا خلفائے ثلاثہ کے عہد میں روانہ کیا ہو گا۔

(۲) خلفائے ثلاثہ کے عہد میں اگر کوئی مہم روانہ کرنی مقصود ہوتی تو وہ حضرت علیؑ کے ذریعہ سے ناممکن تھی۔

(۳) اگر یہ روایت حضرت علیؑ کے اپنے دور حکومت سے تعلق رکھتی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خداؐ اور خلفائے ثلاثہ کے عہد میں نہ تو قبریں یکساں کی گئی تھیں اور نہ ہی بت توڑے گئے تھے۔

کیا مکتب خلافت سے وابستہ افراد ہمیں یہ بتانے کی زحمت کریں گے کہ

ایران و شام اور افریقہ تک فتوحات کا سلسلہ پھیلانے والے بزرگوں نے قبائل کے بتوں کو اتنے طویل عرصہ تک باقی کیوں رہنے دیا تھا؟

اگر دونوں روایات کو بفرض محال صحیح سمجھ بھی لیا جائے تو اس کا مقصد صرف یہی ہو سکتا تھا کہ حضرت علیؑ نے خود مشرکین کی بلند و بالا قبروں کو یکساں کیا ہو گا اور ابو الھیاج کو بھی اسی مقصد کے لیے روانہ کیا ہو گا۔

مذکورہ روایات سے تو مشرکین کی قبروں کے قبہ جات منہدم کرنے کا ثبوت ملتا ہے مگر مکتب خلافت سے وابستہ افراد مومنین اور صحابہ و اہل بیت کے مزارات گرانے پر آخر اصرار کیوں کر رہے ہیں؟؟ کیا کوئی ہمیں تسلی بخش جواب دے کر مطمئن کرے گا؟

ب۔ مکتب خلافت کی مایہ ناز روایت

مکتب خلافت سے وابستہ افراد عام طور پر اس روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

عن النبی انه قال: اللهم لاتجعل قبری وثنا' لعن اللّٰه قوما اتخذوا قبور انبیائهم مساجد.

''نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: خدایا! میری قبر کو بت نہ بنانا (کہ اس کی عبادت کی جائے) اللہ اس قوم پر لعنت کرے جنھوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو مقام سجدہ بنا لیا۔''[۱]

اس روایت میں ملعون قوم کی نشاندہی نہیں کی گئی۔ البتہ دوسری روایت میں ملعون قوم کی نشاندہی کی گئی ہے۔

قاتل اللّٰه الیهود اتخذوا قبور انبیائهم مساجد. [۲]

''خدا قوم یہود کو تباہ کرے جنھوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبور کو مقام سجدہ بنالیا۔''

۱۔ مسند احمد۔ ۲/ ۲۴۶

۲۔ مسند احمد۔ ۲/ ۲۸۵

اہل تحقیق اس بات سے باخبر ہیں کہ جب بنی اسرائیل نے مصر کو چھوڑا تو وہ بہت سی مشکلات کے بعد فلسطین میں آ کر آباد ہوئے اور فلسطین ہی میں ان کی عبادت کا مرکز قائم کیا گیا جسے ''مقدس'' کہا جاتا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس مقدس کو پر شکوہ انداز میں تعمیر کر دیا مگر وہ اپنی زندگی میں اس کی تکمیل نہ کر سکے اور اس کی تکمیل حضرت سلیمانؑ کے عہد حکومت میں ہوئی۔ اسی لیے بنی اسرائیل کی فلسطین میں ایک ہی عبادت گاہ تھی جسے ہیکل سلیمانی کہا جاتا تھا جو کہ یروشلم میں واقع تھی اور بنی اسرائیل کے مشہور انبیاءؑ تو ''حبرون'' میں مدفون تھے جس کے متعلق دنیا کی کوئی تاریخ گواہی نہیں دیتی کہ ''حبرون'' میں ان کی عبادت گاہ تھی اور اگر بالفرض اسی روایت کو تسلیم بھی کر لیا جائے اور یہ کہا جائے کہ شاذ و نادر اسرائیلی اپنے انبیاءؑ کی قبروں کی عبادت کرتے تھے تو اس سے ہمارے موقف پر کوئی زد نہیں پڑتی کیونکہ ہم بھی انبیاء و اولیاء کی قبور پر سجدہ کرنے کو جائز نہیں سمجھتے اور ان کی قبور کو قبلہ بنانا بھی درست نہیں سمجھتے۔ لہٰذا یہ روایت کسی طرح سے احترام قبور کے منافی نہیں ہے۔

اس مقام پر ہم یہ بات واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمیں احادیث رسولؐ پر کوئی اعتراض نہیں بشرطیکہ وہ واقعی حدیث رسول ہو مگر ہم خود ساختہ روایت کو بھی حدیث رسولؐ ماننے پر آمادہ نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی بیان کی ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِآيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا. (الفرقان:۷۳)

''اور ان لوگوں کو جب آیات الٰہیہ کی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ بہرے، اندھے ہو کر گر نہیں پڑتے۔''

مکتب امامت کا نظریہ اور دلائل

ہم نے قبور انبیاء و اولیاء پر قبر حرام سمجھنے والے افراد کے دلائل پیش کیے۔ اب ہم ان افراد کے دلائل پیش کریں گے جو انبیاء و اولیاء کے مزارات بنانے کو جائز سمجھتے ہیں اور ان مزارات میں عبادت خداوندی کو حلال تصور کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ان علماء کی مضبوط ترین دلیل یہ ہے کہ کعبہ کے گرد طواف کرنے والے حجر اسماعیل کے گرد طواف کرتے ہیں اور اس کی دیوار کو بطور تبرک مس کرتے ہیں۔ جب کہ حجر اسماعیل کے متعلق علمائے امت کا اجماع ہے کہ حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کی قبریں وہاں ہیں۔ نمونہ کے لیے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

''سیرت ابن ہشام المتوفی ۲۱۸ھ۔ تاریخ طبری المتوفی ۳۱۰ھ ابن اثیر المتوفی ۶۳۰ھ۔ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ نے حجر اسماعیل کے متعلق یہی لکھا ہے۔

ابن ہشام کی عبارت یہ ہے:

ودفن اسمٰعیل فی الحجر مع امه هاجر .

''اسماعیلؑ اپنی والدہ ہاجرہؑ کے ساتھ حجر میں دفن ہوئے۔''

ابن اثیر کے الفاظ یہ ہیں:

و اوصٰی اسماعیل ان یدفن عند قبر امه فی الحجر.

''حضرت اسماعیلؑ نے وصیت کی تھی کہ انہیں حجر میں ان کی والدہ کے پاس دفن کیا جائے۔''

ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں:

ان اسماعیل لما بلغ عشرین سنة توفیت امه هاجر و هی ابنة تسعین سنة فدفنها اسماعیل فی الحجر و ان اسماعیل توفی بعد ابیه فدفن فی الحجر مما یلی الکعبة مع امه هاجر.

''جب حضرت اسماعیلؑ کی عمر بیس برس ہوئی تو ان کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کی وفات ہوگئی اور اسوقت بی بی کی عمر نوے برس تھی۔ حضرت اسماعیلؑ نے انہیں حجر میں دفن کیا۔ حضرت اسماعیلؑ نے اپنے والد کے بعد وفات پائی۔ انہیں بھی حجر میں ان کی والدہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔''

حجر کعبہ کے ساتھ متصل ہے۔ اس کے بعد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

قبر اسماعیل تحت المیزاب بین الرکن والمقام. (۱)

''اسماعیل علیہ السلام کی قبر کعبہ کے پرنالے کے نیچے رکن و مقام کے درمیان ہے۔''

کلاعی کی کتاب الاکتفاء ان کے بیان کا ماحصل یہ ہے۔

حضرت ہاجرہؑ' حضرت اسماعیلؑ اور ان کا فرزند نابت حجر میں مدفون ہیں۔ (۲)

حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ کی قبروں کے متعلق مشہور سیاح ابن جبیر فہری اپنے سفر نامہ میں یوں لکھتے ہیں:

''میزاب کے نیچے صحن حجر میں جو کہ بیت اللہ شریف کے قریب ہے اس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر ہے اور علامت کے لیے اس پر مستطیل سبز رنگ کا سنگِ رخام لگا ہوا ہے اور اس کے ساتھ گول سبز رنگ کا سنگ رخام دکھائی دیتا ہے اور دونوں ایک عجیب منظر پیش کرتے ہیں اور اس کے ساتھ رکن عراقی کے ساتھ ان کی

۱۔ ہم نے طبقات ابن سعد کی تین روایات کی تلخیص کر کے درج بالا عبارت تحریر کی ہے۔ طبقات ۱/ ۳۵ طبع یورپ۔

۲۔ الاکتفاء فی مغازی المصطفیؐ والثلاثۃ الخلفاء ص ۱۱۹۔ تصحیح ہنری ماسہ مطبعہ جول کربونل۔ الجزائر ۱۹۳۱ عیسوی۔ کلاعی کا نام ابوالربیع سلیمان بن موسیٰ حمیری الکلاعی تھا۔ ۵۶۵ھ میں پیدا ہوا اور ۶۳۴ھ میں وفات پائی۔ ماخوذ از مقدمہ کتاب۔

والدہ حضرت ہاجرہؑ کی قبر ہے اور اس قبر پر بھی سبز رنگ کا رخام موجود ہے جو کہ ڈیڑھ بالشت لمبائی میں ہے۔ نماز کے بعد لوگ مقام حجر میں ان قبور سے برکت حاصل کرتے ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہیے کیونکہ وہ بیت عتیق کا حصہ ہیں اور ان میں دو مقدس جسم مدفون ہیں۔ ان پر درود بھیجنے والا ان کی برکتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ ان دونوں قبروں کے درمیان سات بالشت کا فاصلہ ہے۔[۱]

قارئین کرام! یہاں تک تو آپ نے مکتب خلافت سے وابستہ علماء کی کتابوں کے حوالہ جات ملاحظہ فرمائے اور اب ہم مکتب ولایت سے وابستہ علماء کی کتابوں کے چند حوالہ جات نقل کرنا چاہتے ہیں۔

اس کے لیے کافی کلینی' من لا یحضرہ الفقیہ' علل الشرائع' وافی فیض کاشانی اور بحار کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

الکافی میں مرقوم ہے:

وفيه. أي في الحجر. قبر هاجر و قبر اسماعيل (ع)[۲]

ا۔ ابن جبیر کا نام محمد بن احمد بن جبیر کنانی الاندلسی ہے بلنسہ میں پیدا ہوا اور غرناطہ میں رہائش پذیر ہوا۔ اس کی ولادت ۵۴۰ھ میں ہوئی اور ستائیس ماہ شعبان ۶۱۶ھ کو اسکندریہ میں وفات پائی۔ وہ اپنے دور کا ادیب' شاعر اور فقیہ تھا اس نے اپنا ایک سفر نامہ مرتب کیا تھا جس کا نام "رحلۃ ابن جبیر" رکھا۔ اور اس سفر نامہ میں اس نے اپنے دو سال ساڑھے تین مہینے سفر کے مشاہدات بیان کیے اور اس نے اس سفر نامہ میں مصر' بلاد عرب' عراق شام اور صقلیہ کے مشاہدات بیان کیے۔

۲۔ فروع کافی کتاب الحج' باب حج ابراہیم و اسمٰعیل و بنائھما البیت حدیث ۱۴۔ جلد چہارم / ۲۱۰ من لا یحضرہ الفقیہ' کتاب الحج' باب علل الحج حدیث ۳۔ جلد دوم/ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔

الوافی کتاب الحج' باب حج ابراہیم و اسمٰعیل ۸/ ۲۸۔ بحار' کتاب النبوۃ' باب احوال اولاد ابراہیم...... حدیث ۴۱' ۵/ ۱۴۳۔ حدیث ۵۴۔ ۵/ ۱۴۴۔

الوافی' کتاب الحج' باب حج ابراہیم...... ۸/ ۲۸

''حجر میں جناب ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی قبریں ہیں۔''

الکافی میں مذکور ہے:

وفیه. ای فی الحجر. قبور انبیاء. (۱)

''اور حجر میں انبیاءؑ کی قبور ہیں۔''

علاوہ ازیں الکافی' الوافی اور بحار میں مرقوم ہے:

ودفن فی الحجر ممایلی الرکن الثالث عذاری بنات اسماعیل. (۲)

''رکن سوم کے قریب حجر میں حضرت اسماعیلؑ کی کنواری بیٹیاں دفن کی گئیں۔''

ابوبکر فقیہ نے اپنی کتاب البلدان میں رسول خداؐ کا یہ فرمان نقل کیا ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا:

مامن بن هرب من قومه الاهرب الی الکعبة یعبد الله فیها حتی یموت وان قبر هود و شعیب وصالح فی مابین زمزم والمقام' وان فی الکعبة قبر ثلاثمائة بنی' ومابین الرکن الیمانی الی الرکن الاسود قبر سبعین نبیا. (۳)

''جو بھی نبی اپنی قوم کے ظلم وستم سے بھاگا تو وہ بھاگ کر کعبہ آیا جہاں وہ مرتے دم تک خدا کی عبادت کرتا رہا۔ ہودؑ شعیبؑ اور صالحؑ زمزم اور مقام کے درمیان مدفون ہیں۔اور کعبہ میں تین سو نبی دفن ہیں۔ رکن یمانی سے رکن اسود تک ستر انبیاء کی قبریں ہیں۔''

قبہ وقبور کو جائز سمجھنے والے علماء ایک دلیل یہ دیتے ہیں۔

رسول خداؐ اور شیخین کی قبور روز اول ہی سے ایک حجرے میں ہیں اور آج تک آنحضرتؐ کا روضہ مبارک کسی نہ کسی شکل میں محفوظ رہا ہے۔

لہٰذا اگر قبہ و مزار بنانا حرام ہوتا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مطہر پر قبہ اور چھت موجود نہ ہوتی۔

اس مکتب فکر کے علماء "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى" (البقرہ:۱۲۵) کی آیت سے بھی اپنے موقف کی صداقت کی دلیل پیش کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں سورہ الکہف کی اس آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا. (الکہف:۲۱ـ۷)

"اور جو ان کے امر پر غالب آئے انہوں نے کہا ہم ان پر مسجد تعمیر کریں گے۔"

دور حاضر میں وہاں قبور انبیاء و اولیاء کے زائرین کو "قبورین" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ خاتم الانبیاءؑ اور ان کے صحابہ اور انبیائے سابقین کو بھی "قبورین" کے نام سے پکاریں کیونکہ ان بزرگواروں نے بھی حجر اسماعیل کا طواف کیا تھا اور حجر اسماعیل میں جناب ہاجرہ اور اسماعیل کی قبریں موجود ہیں۔

اس باب کے اختتام پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بنائے قبور کی احادیث میں اختلاف نہیں ہے اصل اختلاف احادیث کے سمجھنے میں ہے۔

اس کے بعد ہم میت پر رونے اور اس کے متعلق اختلاف کے سرچشمہ کی بحث کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ فروع کافی، کتاب الحج، باب حج ابراہیم...... حدیث ۱۶ـ۴/۲۱۰ـ الوافی، کتاب الحج، باب حج ابراہیم...... ۸/ ۲۸ـ بحار حدیث ۵۶، ۵/۱۴۴ـ

۲ـ مختصر کتاب البلدان تالیف ابوبکر احمد بن فقیہ ہمدانی المتوفی ۳۴۰ھ۔ طبع بریل لیدن ص ۱۷ـ

۷۔ مُردہ پر گریہ کرنے کا اختلاف اور اس کا سرچشمہ

میت پر رونا اور بالخصوص شہید پر رونا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔امام بخاری اپنی صحیح میں لکھتے ہیں:

ان النبی نعی زیدا وجعفرا و ابن رواحۃ للناس قبل ان یاتیھم خبرھم وقال: اخذ الرایۃ زید ناصیب' ثم اخذھا جعفر فاصیب' ثم اخذھا ابن رواحۃ فاصیب وعیناہ تذرفان...... [1]

''جنگ موتہ کی باقاعدہ خبر آنے سے پہلے رسول خداؐ نے زید اور جعفر اور ابن رواحہ کی موت کی خبر دی اور آپ نے فرمایا۔ اب زید نے علم اٹھایا ہے۔ وہ شہید ہو گیا۔ پھر فرمایا: اب جعفر نے علم اٹھایا ہے وہ بھی شہید ہو گیا۔ پھر فرمایا: اب ابن رواحہ نے علم اٹھایا ہے وہ بھی شہید ہو گیا اور اس دوران میں آپ کی آنکھیں برستی رہیں۔''

استیعاب' اسد الغابہ' اصابہ اور تاریخ طبری میں جعفر طیارؑ کی شہادت کا تذکرہ موجود ہے جس کا ماحصل یہ ہے۔

جس دن حضرت جعفرؑ اور ان کے ساتھی شہید ہوئے تو آنحضرتؐ جعفرؑ

۱۔ صحیح بخاری وکتاب فضائل اصحاب النبیؐ باب مناقب خالد بن ولید ۲/۲۰۴ طبع حلبی مصر۔

کے گھر گئے اور اس کی اولاد کو بلایا۔ آپ نے بچوں کو گلے لگایا اور رونے لگے۔

یہ منظر دیکھ کر جعفر کی زوجہ اسماء بنت عمیس نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ رو کیوں رہے ہیں؟ کیا آپ کو جعفر اور اس کے ساتھیوں کے متعلق کوئی اطلاع ملی ہے؟

رسول خداؐ نے فرمایا: جی ہاں۔ وہ آج شہید ہو گئے۔ اسماء کہتی ہیں، میں یہ خبر سن کر اٹھی اور چیخیں مارنے لگی اور میری چیخیں سن کر عورتیں جمع ہو گئیں۔ حضرت فاطمہؑ روتی ہوئی آئیں اور کہہ رہی تھیں: واعماہ! ہائے میرا چچا۔

رسول خداؐ نے فرمایا:

علی مثل جعفر فلتبک البواکی.

''رونے والی عورتوں کو جعفر جیسے انسانوں پر رونا چاہیے۔''

رسول خداؐ کا اپنے فرزند ابراہیم پر گریہ

صحیح بخاری میں ہے۔

قال انس: دخلنا مع رسول اللّٰہ (ص)...... وابراھیم یجود بنفسه فجعلت عینا رسول اللّٰہ تذرفان فقال له عبدالرحمٰن بن عوف وانت یا رسول اللّٰہ؟ فقال: یابن عوف انها رحمة ثم اتبعها باخری فقال: ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الاما یرضٰی ربنا وانا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون. [1]

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی انا بک لمحزونون، ۱/۱۵۸۔
صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمة للصبیان والعیال حدیث ۶۲۔ سنن ابن ماجۃ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی النظر الی المیت حدیث ۱۴۷۵، ۱/۴۷۳۔

''انس کہتے ہیں۔ ہم رسول خداؐ کے ساتھ داخل ہوئے...... اس وقت آپ کے فرزند ابراہیم آخری سانسیں لے رہے تھے۔ رسول خداؐ کی آنکھیں برسنے لگیں۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے آپ کو روتا دیکھ کر کہا: یا رسول اللہؐ! کیا آپ بھی رو رہے ہیں؟''

رسول خداؐ نے فرمایا۔ ابن عوف! یہ رحمت ہے پھر آپ نے فرمایا: آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمگین ہوتا ہے اور ہم زبان سے صرف وہی بات کریں گے جو ہمارے رب کو پسند ہو گی اور ابراہیم! ہم تیری جدائی پر غمگین ہیں۔

سنن ابن ماجہ میں یہ الفاظ وارد ہیں:

فانكب عليه وبكى. ''رسول خداؐ بچے پر گر پڑے اور رونے لگے۔''

ایک نواسہ پر گریہ

صحیح بخاری میں مرقوم ہے:

ان ابنة النبى (ص) ارسلت اليه: ان انبالى قبض فأتنا. فقام و معه سعد ابن عبادة ورجال من اصحابه فرفع الى رسول اللّٰه (ص) ونفسه تتقعقع ففاضت عيناه فقال سعد:

يا رسول اللّٰه ماهذا؟ فقال:

هذه رحمة جعلها اللّٰه فى قلوب عباده وانما يرحم اللّٰه من عباده الرحمآء [1]

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی (ص) **و يعذب الميت ببعض بكاء اهله عليه.** کتاب المرضیٰ، باب عیادۃ الصبیان ۴/۳۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، **باب البكاء على الميت** حدیث ۱۱ ص ۱۹۳۔ سنن نسائی، کتاب الجنائز، **باب الامر بالاحتساب والصبر** ۲/۲۶۴۔ مسند احمد ۲ ۳۰۶، ۳/۸۳، ۸۸، ۸۹۔

''رسول خداؐ کی ایک بیٹی نے آپ کو پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا فوت ہو گیا ہے آپ ہمارے پاس تشریف لائیں۔ یہ پیغام سن کر آنحضرتؐ اٹھے اور آپ کے ساتھ سعد بن عبادہ اور دیگر اصحاب بھی تھے۔ بچہ اٹھا کر نبی پاکؐ کے ہاتھوں میں دیا گیا اس وقت بچہ پر نزع کا عالم طاری تھا۔ آنحضرتؐ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔'' سعد نے کہا: یا رسول اللہؐ! یہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: یہ وہ رحمت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف رحم کرنے والوں پر ہی رحمت کرتا ہے۔

حضرت حمزہؑ پر رونے کا حکم

مغازی' واقدی اور طبقات ابن سعد کی روایات کا خلاصہ یہ ہے۔

رسول خداؐ غزوۂ اُحد سے واپس مدینہ تشریف لائے۔ آپ انصار کے گھروں سے گزرے جہاں انصاری عورتیں اپنے شہدا پر رو رہی تھیں۔ رسول خداؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور آپ بھی رونے لگے اور فرمایا: ''لیکن حمزہ پر رونے والا کوئی نہیں ہے۔'' سعد بن معاذ نے یہ بات سنی تو وہ بنی عبدالاشھل کی عورتوں کے پاس گئے اور انہیں پرسہ دینے کے لیے رسول خداؐ کے دروازہ پر لے آئے۔ انصار کی خواتین نے حضرت حمزہ پر گریہ کیا۔ رسول خداؐ نے سنا تو آپ نے انہیں دعا دی اور انہیں واپس بھیج دیا۔ اس دن کے بعد سے آج تک انصار کی کوئی بھی عورت جب کسی میت پر روتی ہے تو وہ رونے کا آغاز حمزہ سے کرتی ہے۔ پھر اپنے عزیز کو روتی ہے۔ [1]

۱۔ طبقات ابن سعد طبع دار صادر بیروت ۳/ ۱۱۔ مغازی واقدی ۱/ ۳۱۵' ۳۱۷۔ امتاع الاسماع ۱/ ۱۶۳۔ مسند احمد ۲/ ۴۰۔ تاریخ طبری۔ استیعاب۔ اسد الغابہ۔

قبر والدہ پر گریہ

زار رسول اللّٰہ (ص) قبر امہ فبکی و ابکی من حولہ:

''رسول خداؐ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اور خود روئے

اور اردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی رلایا۔''(۱)

اہل عزأ کے لیے کھانا بھیجنا

جب آنحضرت کو حضرت جعفر کی شہادت کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا:

اصنعوا لاھل جعفر طعاما فانہ قد جاء ھم مایشغلھم.

''خاندان جعفر کے لیے طعام تیار کرو کیونکہ وہ مصیبت میں مشغول ہیں۔''(۲)

ایام سوگواری کا تعیّن

آنحضرتؐ سے بالتواتر ثابت ہے کہ آپ نے عورت کے لیے شوہر کی موت پر چار ماہ اور دس دن سوگواری کے مقرر فرمائے اور شوہر کے علاوہ تین دن سوگواری کے لیے مقرر فرمائے۔

بکاء میت پر اختلاف کی وجہ

سابقہ روایات میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ رونا انسان کا فطری عمل ہے

۱۔ سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب زیارۃ قبر المشرک ۱/ ۲۶۷۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور حدیث ۳۲۳۴، ۳ / ۲۱۸۔ سنن ابن ماجۃ، کتاب الجنائز باب ماجاء فی زیارۃ قبور المشرکین حدیث ۱۵۷۲، ۱/ ۵۰۱۔

۲۔ سنن ابن ماجۃ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الطعام یبعث الی اھل البیت حدیث ۱۶۱۰۔ سنن ترمذی وقال ھذا حدیث سنن صحیح۔ سنن ابی داؤد۔ مسند احمد۔

اور شریعت اسلام بھی دین پر قائم ہے۔ اسی لیے شریعت طاہرہ نے رونے پر کوئی قدغن نہیں لگائی اور خود حضرت رسول خداؐ کسی کی وفات سے پہلے روئے اور کسی کی وفات کے بعد روئے اور آپ شہید پر چیخیں مار مار کر روئے اور شہید پر رونے کا حکم جاری فرمایا اور رونے والی عورتوں کو دعائے خیر دے کر رخصت کیا۔ اور آپ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر نہ صرف خود روئے بلکہ دوسروں کو بھی رلایا۔ آپ نے اہل میت کے لیے کھانا بھیجنے کا حکم دیا اور شوہر کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے لیے تین دن کے سوگ کا تعین فرمایا:

المختصر کسی مرنے والے پر رونا اور اس کا سوگ منانا' اس کے اہل خانہ کے لیے طعام بھجوانا سنت نبویؐ ہے۔ مگر ہمیں اس سیدھے سادے مسئلہ پر بھی اختلاف دکھائی دیتا ہے۔ آیئے ذرا جائزہ لیں کہ اس اختلاف کا سرچشمہ کیا ہے؟

جب ہم صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں دکھائی دیتا ہے کہ حضرت عمر رونے سے منع کرتے تھے اور اس ممانعت کی نسبت رسول خداؐ کی طرف کرتے تھے جب کہ دوسری طرف ام المومنین حضرت عائشہ ان کے قول سے اختلاف کرتی تھیں اور اسے ان کا واہمہ تصور کرتی تھیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابن عباس سے روایت ہے۔

جب حضرت عمر پر قاتلانہ حملہ ہوا اور وہ زخمی ہوئے تو صہیب رونے لگے اور یہ کہنے لگے: واخاہ! واصاحباہ! ہائے میرے بھائی! ہائے میرے ساتھی! صہیب کی چیخ و پکار سن کر حضرت عمر نے کہا: کیا تو مجھ پر رو رہا ہے جب کہ رسول خداؐ کا فرمان ہے۔

ان المیت لیعذب ببکاء اھله علیه.

''میت کے اہل خانہ کے رونے کی وجہ سے اس پر عذاب کیا جاتا ہے؟''

ابن عباس کا بیان ہے کہ حضرت عمر کی وفات کے بعد میں نے اس روایت کا تذکرہ ام المومنین عائشہ سے کیا تو انہوں نے کہا:

اللہ عمر پر رحم کرے۔ خدا کی قسم! رسول کریمؐ نے یہ نہیں کہا تھا کہ مومن مردے کے اہل خانہ کے رونے کی وجہ سے اللہ مرنے والے کو عذاب دیتا ہے۔ رسول خداؐ نے تو یہ فرمایا تھا:

ان اللّٰہ لیزید الکافر عذابا ببکاء اھلہ علیہ.

''اللہ تعالیٰ کافر کے اہل خانہ کے رونے کی وجہ سے کافر کے عذاب میں اضافہ کرتا ہے۔''

پھر بی بی نے کہا تمہارے لیے قرآن کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ''وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ اُخْرٰی'' کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ یہ سن کر ابن عباس نے کہا: خدا ہی ہنساتا اور رلاتا ہے۔ [1]

صحیح مسلم میں ہے کہ بی بی عائشہ کے سامنے بیان کیا گیا کہ ابن عمر رسول خداؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

ان المیت یعذب فی قبرہ ببکاء اھلہ علیہ''

''گھر والوں کے رونے کی وجہ سے میت کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے۔''

بی بی عائشہ نے کہا۔ اسے غلطی ہوئی اور وہ بات کو بھول گیا۔ رسول خداؐ نے یہ فرمایا تھا:

انہ لیعذب بخطیئتہ او بذنبہ وان اھلہ لیبکون علیہ.

''اس پر اس کی غلطی اور گناہ کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے جب کہ اس کے اہل خانہ اس پر رو رہے ہیں۔''

اس سے پہلی روایت میں ہے کہ بی بی عائشہ کے سامنے ابن عمر کا یہ قول

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی (ص) **یعذب المیت ببکاء اھلہ علیہ** ۱/۱۵۵۔ ۱۵۶۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز باب **المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ** حدیث ۲۲ ص ۶۴۱۔

پیش کیا گیا ۔

"المیت یعذب بکاء اهله علیه"

"اہل خاندان کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے۔"

بی بی عائشہ نے کہا: اللہ عبدالرحمان کے والد پر رحم کرے اس نے ایک چیز سنی لیکن اسے وہ بات یاد نہ رہی۔ اصل بات یہ ہے کہ رسول خداؐ کے سامنے سے ایک یہودی کا جنازہ گزرا اس کے اہل خاندان اس پر رو رہے تھے تو آپ نے فرمایا:

"انتم تبکون و انه لیعذب"

"تم رو رہے ہو جب کہ اس پر عذاب ہو رہا ہے۔"[1]

امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں۔

"خاندان کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے" یہ روایت عمر اور ابن عمر سے مروی ہے مگر بی بی عائشہ نے اس حدیث کا انکار کیا اور یہ کہا کہ باپ بیٹے دونوں کو اشتباہ ہوا اور ان پر نسیان طاری ہو گیا۔ [2]

حسب ذیل روایت سے ہمارے قارئین بخوبی اندازہ کر سکتے کہ رسولؐ خدا کی سنت کے مقابلہ میں حضرت عمر نے اپنا اجتہاد کیا تھا۔ روایت ملاحظہ فرمائیں:

مات میت من ال الرسول فاجتمع النساء یبکین علیه فقام عمر ینها هن و بطردهن فقال رسول اللّٰه

۱۔ صحیح مسلمؒ کتاب الجنائز، باب المیت یعذب ببکاء اهله علیه حدیث ۲۵، ۲۶ ص ۶۴۲، حدیث ۲۷ ص ۶۴۳۔ ترمذی ۴/ ۲۲۵۔ سنن ابی داؤد کتاب۔ الجنائز حدیث ۳۱۲۹، ۳/ ۱۹۴۔

۲۔ شرح نووی برحاشیہ صحیح مسلم طبع المطبعۃ المصریۃ ۶/۲۲۸، کتاب الجنائز باب المیت یعذب ببکاء اهله علیه۔

(ص) دعهن یاعمر فان العین دامعة والقلب مصاب والعهد قریب. [1]

رسول خداؐ کے خاندان میں سے ایک فرد کا انتقال ہوا تو عورتیں جمع ہو کر رونے لگیں۔ عمر اٹھ کر انہیں روکنے اور انہیں ڈرانے دھمکانے لگے۔ یہ دیکھ کر رسول خداؐ نے فرمایا:

عمر! انہیں چھوڑ دو کیونکہ آنکھ روتی ہے اور دل مصیبت زدہ ہے اور صدمہ تازہ ہے۔ حضرت عمر اپنے خود ساختہ اجتہاد میں تشدد سے بھی گریز نہیں کرتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔

کان عمر یضرب فیه بالعصا و یرمی بالحجارة ویحثي بالتراب.

''حضرت عمر رونے والوں کو ڈنڈے سے مارا کرتے تھے اور رونے والوں پر پتھر برسایا کرتے تھے اور رونے والوں کے منہ میں خاک پھینکتے تھے۔''

درج بالا بحث سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ رونے کے فطری مسئلہ کو حضرت عمر کی خود ساختہ رائے سے مربوط کیا گیا اور پھر ان کی رائے کی تائید کے لیے کئی طومار احادیث کے وضع کیے گئے۔ اس مختصر رسالہ میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ ہم ہر حدیث پر تبصرہ کریں اور ہر حدیث کو اسماء الرجال اور عقل و دانش کی کسوٹی پر پرکھیں۔ البتہ ہماری بحث سے یہ اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے کہ یہ سب کچھ حضرت عمر کا پیدا کردہ ہے۔

۱۔ سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب الرخصة فی البکاء علی المیت سنن ابن ماجه کتاب الجنائز، باب ماجاء فی البکاء علی المیت حدیث ۱۵۸۷ص ۵۵۔ مسند احمد ۲/۱۱۰، ۲۷۳، ۳۳۳، ۴۴۴۔

۸۔ چند آیاتِ قرآنی جن کی تاویل میں اختلاف ہے

اب تک آپ نے ایسے مسائل پڑھے جن کے اختلافات کا سرچشمہ متضاد احادیث تھیں اور اس باب میں ہم چند ایسی قرآنی آیات کی نشان دہی کریں گے جن کی تاویل میں اختلاف ہے۔ بطور نمونہ چند آیات ملاحظہ فرمائیں۔

الف: غیر اللہ کو پکارنا

وہابی مذہب کے بانی شیخ محمد بن عبدالوھاب نے اپنی کتاب ''الاصول الثلاثۃ و ادلتھا'' کے صفحہ چار پر لکھا ہے: آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے ان تین مسائل کا جاننا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔

۱۔ خداوند عالم نے ہمیں پیدا کیا۔

۲۔ اللہ اس پر راضی نہیں ہے کہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک کیا جائے خدا کی عبادت میں نہ کوئی ملک مقرب اور نہ ہی نبی مرسل الغرض کوئی بھی شریک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلاَ تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا. (الجن:۱۸)

''اور مساجد اللہ کے لیے ہیں لہٰذا اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا۔''

محمد بن عبدالوھاب کتاب مذکور کے صفحہ پانچ پر یوں رقم طراز ہے:

ملت ابراہیم آپ سے تقاضا کرتی ہے کہ آپ خدائے واحد کی عبادت کریں اور خدا کی عبادت دل کی گہرائیوں سے بجا لائیں۔ اور اسی عبادت کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسان کو پیدا کیا۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے:

''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ''

''اور میں نے تمام جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

اور ''یعبدون'' کے معنی ہیں مجھے واحد مانیں اور اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پر توحید کا حکم دیا ہے۔ اور توحید کا مفہوم یہ ہے کہ وہ عبادت میں یکتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کی دعوت کے ساتھ ساتھ لوگوں کو شرک سے منع فرمایا اور شرک غیر اللہ کو پکارنے کو کہا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے ابھی سورۂ جن کی آیت مجیدہ پیش کی ہے۔شیخ محمد بن عبدالوھاب ص ۴٦ پر مزید لکھتا ہے:

پرانے زمانے کے مشرکین سے ہمارے زمانے کے مشرک شرک میں زیادہ پختہ ہیں کیونکہ قرآن مجید کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے مشرک آسانی کے وقت تو شرک کرتے تھے لیکن جب ان پر کوئی تکلیف یا افتاد آ پڑتی تھی تو انہیں اپنے خود ساختہ معبود بھول جاتے اور وہ صرف اللہ ہی سے دعا مانگتے تھے جب کہ ہمارے دور کے مشرک آسانی اور مشکل میں یکساں شرک کرتے رہتے ہیں۔

انبیائے کرامؑ کے دور کے مشرکین کے طرز عمل کو قرآن مجید میں ان الفاظ سے بیان کیا گیا:

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَاهُمْ يُشْرِكُوْنَ. (عنکبوت: ٦٥)

''پھر جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو ایمان وعقیدہ کے پورے اخلاص کے ساتھ خدا کو پکارتے ہیں۔ پھر جب وہ نجات

دے کر خشکی تک پہنچا دیتا ہے تو فوراً شرک اختیار کر لیتے ہیں۔"

شیخ موصوف نے اپنے رسالہ "الدین وشروط الصلاۃ" کے صفحہ آٹھ پر لکھا ہے جس کا ماحصل یہ ہے۔ عبادت کی کئی اقسام ہیں جن میں ایک قسم پکارنا بھی ہے جیسا کہ "وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلاَ تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا" کی آیت مجیدہ اس کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

رسالہ شفاء الصدور میں شیخ موصوف کا ایک پیرو لکھتا ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیروکاروں کی محنت سے شرک کی تاریکیاں دور ہوئیں اور مکہ و مدینہ جیسے شہر شرک کی آلودگی سے پاک ہوئے اور یہ ان کی محنت کا ثمر ہے کہ آج ہمیں حرمین میں شرک کا شائبہ تک دکھائی نہیں دیتا۔

وہابیوں کی نظر میں کسی مسلمان کا "یا رسول اللہ" بفرض توسل کہنا غیر اللہ کو پکارنے کے مترادف ہے اور ان کے خیال کے مطابق اس کا یہ عمل "لَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ" کی مخالفت ہے۔

ب: غیر اللہ کا فیصلہ

اس مکتب فکر کے نزدیک غیر اللہ کا فیصلہ بھی غیر اللہ کو پکارنے کے مترادف ہے اور اس سلسلہ میں ان کے استدلال کی بنیاد بھی خوارج کے استدلال پر مبنی ہے۔ کیونکہ خوارج نے جنگ صفین میں تحکیم قبول کرنے والوں پر کفر کا فتویٰ صادر کیا تھا اور انہوں نے اپنے فتویٰ کی بنیاد ان آیات مجیدہ کو قرار دیا تھا۔

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَعَلَیْہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ. (یوسف: ٦٧)

"فیصلہ کرنا صرف اللہ کا حق ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔"

اَفَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْتَغِیْ حَکَمًا وَّ ھُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ اِلَیْکُمُ

الْكِتَابَ. (الانعام: ۱۱۴)

''کیا میں غیر اللہ کو بطور حکم تلاش کروں جب کہ اسی نے تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے۔''

خوارج کی ابتداء

جب جنگ صفین میں حضرت علیؑ کی فوج کا پلڑا بھاری ہوا اور معاویہ کو اپنی یقینی شکست دکھائی دینے لگی تو اس نے لڑائی کو ٹالنے اور جنگ کا پانسہ پلٹنے کے لیے عمرو بن العاص کے مشورہ سے قرآن مجید نیزوں پر بلند کیا اور یہ صدا دی کہ اہل عراق! جنگ بند کر دو۔ ہم قرآن کے مطابق اپنے تنازعات کا فیصلہ کریں گے۔

حضرت علی علیہ السلام' معاویہ کی مکاری کو جانتے تھے آپ نے اپنے لشکر کو جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا۔ مگر آپ کے لشکر کا ایک بڑا حصہ منحرف ہو گیا اور کہا کہ اب ہم جنگ نہیں کریں گے۔

آخر کار مجبور ہو کر حضرت علیؑ کو تحکیم قبول کرنا پڑی۔ مگر جن لوگوں نے آپ کو جنگ بندی پر مجبور کیا تھا انہوں نے یہ کہہ کر مخالفت شروع کر دی کہ فیصلہ کا حق صرف خدا کو پہنچتا ہے۔ حضرت علیؑ نے تحکیم قبول کر کے نعوذ باللہ کفر کا ارتکاب کیا ہے اور ہم نے بھی تحکیم پر انہیں مجبور کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ اب ہم اپنے کفر سے توبہ کرتے ہیں اور اگر علیؑ اپنی غلطی کا اقرار کر لیں اور ہماری طرح سے توبہ کریں تو ہم ان کا ساتھ دیں گے ورنہ ہمارے اور ان کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔

خوارج نے بی بی عائشہ' عثمان' طلحہ و زبیر' معاویہ اور عمرو بن العاص پر بھی کفر کا فتویٰ صادر کیا اور عامتہ المسلمین بھی ان کی نظر میں کافر قرار پائے۔ پھر ان لوگوں نے تلوار اٹھائی اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں مصروف ہو گئے۔ حضرت رسول خداؐ اس فرقہ کی پہلے سے خبر دے چکے تھے اور آپ نے فرمایا تھا:

یقتلون اهل الاسلام و یدعون اهل الاوثان لئن

ادر کتھم لاقتلنھم قتل عاد.

''وہ لوگ اہل اسلام سے جنگ کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے اور اگر وہ فرقہ میرے دور میں نمودار ہوا تو میں ان کو ایسے قتل کروں گا جیسا کہ اللہ نے عاد کو قتل کیا تھا۔''

بعض روایات میں ہے کہ میں انہیں ایسے قتل کروں گا جیسا کہ خدا نے ثمود کو قتل کیا تھا۔ (۱)

۱۔ رسول خداؐ کے عہد مبارک میں حضرت علیؑ نے یمن سے سونے کی ایک مقدار آنحضرتؐ کی خدمت میں روانہ کی تھی۔ آنحضرتؐ نے وہ تمام سونا چار مؤلفۃ القلوب افراد میں تقسیم کر دیا جس کی وجہ سے قریش اور انصار ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ عجیب بات ہے کہ آپ یہ سونا اہل نجد کو دے رہے ہیں اور ہمیں فراموش کر رہے ہیں! رسول خداؐ نے فرمایا: میں نے تالیف قلب کی غرض سے ایسا کیا ہے۔

پھر ایک شخص اٹھا جس کا سر منڈھا ہوا تھا اور اس نے کہا: محمدؐ! خدا سے ڈرو!

رسول خداؐ نے فرمایا: ''اگر میں بھی خدا کی نافرمانی کرنے لگوں تو خدا کی اطاعت کون کرے گا؟ خدا تو مجھے اہل زمین پر امین قرار دیتا ہے لیکن تم مجھے امین ماننے پر آمادہ نہیں ہو۔''

جب وہ شخص چلا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

ان من ضئضئی ھذا قوما یقرأون القرآن لا (یجاوز) حنا جرھم یمرقون من الاسلام مروق السھم من الرمیۃ یقتلون اھل الاسلام.

''عنقریب اس کے بھائی بندوں میں ایک قوم پیدا ہو گی جو قرآن زیادہ پڑھیں گے۔ مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسا کہ تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ ان کی علامت سر منڈھانا ہو گی۔''

صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول للہ "تعرج الملائکۃ" ۴/ ۱۸۸۔

صحیح مسلم، کتاب الزکواۃ، باب ذکر الخوارج و صفاتھم حدیث ۱۴۳ ص ۷۴۱۔

مکتبِ امامت کی طرف سے جواب

نظریہ وہابیت کے مخالفین اور مکتبِ امامت سے وابستہ علمائے دین کا موقف یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔ لہٰذا اگر قرآن مجید میں ایک مقام پر ''اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ'' کی آیت موجود ہے تو سورہ مائدہ میں یہ آیت بھی موجود ہے:

فَاِنْ جَاءُ وْکَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْھُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْھُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْکَ شَیْئًا وَاِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ. (المائدہ:۴۲)

''اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا ان سے منہ موڑ لیں اور اگر آپ ان سے منہ موڑ لیں تو وہ آپ کو ہرگز کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائیں گے اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف کے مطابق کریں۔''

اس آیت مجیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اہل کتاب میں فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے۔ اگر زوجین میں ناچاقی پیدا ہو جائے تو اس کے فیصلہ کے لیے خداوند عالم نے حکم مقرر کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِھِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَھْلِہٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَھْلِھَا اِنْ یُّرِیْدَا اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَھُمَا...... (النساء:۳۵)

''اور اگر تمہیں ان دونوں میں ناچاقی کا اندیشہ ہو تو تم ایک حکم مرد کے خاندان سے اور ایک حکم عورت کے خاندان سے روانہ کرو۔ اگر وہ اصلاح کے خواہش مند ہوں گے تو اللہ ان کے

درمیان توفیق عنایت کرے گا۔''

ہمارا موقف یہ ہے کہ مذکورہ دو آیات پہلی آیت مجیدہ کی متضاد نہیں ہیں اور ان آیات کو سمجھنے کے لیے درج ذیل مثال پر غور فرمائیں۔

حکومت نے کسی شخص کو قاضی مقرر کیا ہے تو اسے حکومت کی طرف سے یہ حق حاصل ہے کہ وہ مقدمات کا فیصلہ کرے۔ البتہ اسے اپنی طرف سے کسی دوسرے کو قاضی مقرر کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ جب کہ حکومت کے سربراہ کو یہ حق حاصل ہے کہ چاہے تو وہ خود فیصلہ کرے یا فیصلہ کے لیے کسی قاضی کو مقرر کرے۔

اسی طرح سے مالک الملک اللہ ہے اور فیصلہ کرنا اسی کا حق ہے چاہے تو وہ اپنے عدل کے تحت خود فیصلہ کرے اور اگر چاہے تو کسی کو حکم مقرر کر دے اور حکم اور قاضی کا فیصلہ بھی دراصل اس کا اپنا ہی فیصلہ ہے کیونکہ انہیں بھی خدا نے اس عہدہ جلیلہ پر فائز کیا ہے۔

انبیائے کرامؑ کو اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کرنے کا حق عنایت فرمایا ہے اور اسی طرح سے زوجین کی ناچاقی کی صورت میں حکم بننے والے افراد کو فیصلہ کرنے کا حق دیا ہے۔ بہرنوع انبیاءؑ کا فیصلہ درحقیقت خدا ہی کا فیصلہ ہے اس سے علیحدہ ہرگز نہیں ہے۔ اسی طرح سے ہم عنقریب بطور توسّل رسولؐ کو پکارنے کی بحث بھی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات ایسی بھی ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کریمی سے اپنے بندوں کو بھی عطا کی ہیں۔ جب کہ ان کا حقیقی مالک خدا ہے۔

خدا کی صفتِ ملک

مالک ہونا خدا کی شان ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلِلّٰهِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ. (المائدہ:۱۸)

''زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' اس کی

بادشاہت خدا کے لیے ہے اور اسی کی طرف بازگشت ہے۔'

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ......

(الاسراء۔ ۱۱۱۔ فرقان۔۲)

''خدا کے ہاں بیٹا نہیں ہے اور بادشاہت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔''

اور اب ان دو آیات کے بعد ان دو آیات کی تلاوت فرمائیں۔

وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ.

''اور جن پر تمہارا دایاں ہاتھ مالک ہوا ہے۔''

(النساء۔۳' ۲۴' ۲۵' ۳۶...... وغیرہ)

اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں ارشاد فرمایا:

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

(آل عمران: ۲۶)

''آپ کہہ دیں اے اللہ تو ہی مالک الملک ہے تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔ تیرے ہاتھ میں بھلائی ہے' بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اصلی مالک کائنات خدا ہے اور جب وہ چاہے تو اپنے کسی بندے کو ملکیت وحکومت عطا کر دیتا ہے۔ کسی بھی بندے سے عطا کردہ ہے۔

خالق و محی

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی زندہ کرنے والا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی تعلیمات یہ ہیں:

خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ. (الانعام:۱۰۲)

''اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔''

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ. (فاطر:۳)

''کیا اللہ کے علاوہ کوئی خالق ہے؟''

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ. (الاعراف:۵۴)

''آگاہ رہو خلق اور امر اسی کے لیے ہے۔''

وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ. (المؤمنون:۸۰)

''اور وہی تو ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔''

فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتٰى. (الشوریٰ:۹)

''اللہ ہی کارساز ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔''

درج بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ خالق صرف اللہ ہے اور مردے زندہ کرنے والا بھی اللہ ہے۔ مگر اس کے باوجود ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اذن خداوندی سے پرندہ پیدا کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنَ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ...... (المائدہ:۱۱۰)

''اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے کہا اور جب تو مٹی سے پرندے کی شکل وصورت بناتا تھا میرے حکم سے اور تو اس میں

پھونک مارتا تھا تو میرے حکم سے وہ پرندہ بن جاتا تھا اور تو
پیدائشی اندھوں اور کوڑھیوں کو میرے حکم سے تندرست کرتا تھا
اور تو میرے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبانی اپنے معجزات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَہَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ فِیۡہِ
فَیَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِ اللّٰہِ وَاُبۡرِئُ الۡاَکۡمَہَ وَالۡاَبۡرَصَ
وَاُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ. (آل عمران: ۴۹)

''میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندہ کی شکل وصورت بناتا ہوں
پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے سچ مچ پرندہ
بن جاتا ہے اور میں پیدائشی اندھوں اور مبروص افراد کو تندرست
کر دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔''

خدا کے پیدا کرنے اور زندہ کرنے اور حضرت عیسیٰؑ کے پیدا کرنے اور زندہ کرنے میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق و محی علی الاطلاق ہے اور حضرت عیسیٰؑ اس کے حکم اور اس کی عطا کردہ قوت سے پرندہ خلق کرتے تھے اور مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ خالق ہے اور اس نے اپنی شان تخلیق کے لیے زوجین کو ذریعہ بنایا اور ان کے ملاپ سے مخلوق پیدا کی اور اگر وہ چاہے تو والدین کے بغیر آدم وحوا کو پیدا کر دے اور اگر چاہے تو والد کے بغیر حضرت عیسیٰؑ کو پیدا کر دے یہ سب اس کی شان خلاقی ہے۔

مردوں کو زندہ کرنا خدا کی صفت ہے مگر خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو اپنی اس صفت کا مظہر بنایا۔ بلکہ ایک موقع پر تو زرد رنگ کے گائے کے گوشت سے بنی اسرائیل کا ایک مقتول زندہ ہوا اور اس نے اپنے قاتل کا نام و پتہ بتایا۔

حضرت عیسیٰؑ کے پرندہ بنانے سے خدا کی خالقیت پر کوئی حرف نہیں آتا اور مردے زندہ کرنے سے خدا کی صفت احیاء مشکوک نہیں ہوتی کیونکہ انہوں نے جو کچھ بھی کیا خدا کے فرمان اور اجازت سے سرانجام دیا۔

صفت ولی و شفیع

خدا ہی حقیقی ولی و شفیع ہے۔ جیسا کہ ان آیات میں بیان ہوا ہے۔

ا: اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ. (الزمر:۴۳،۴۴)

''کیا ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر سفارش کرنے والے اختیار کر لیے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ ایسا کیوں ہے چاہے یہ لوگ کوئی اختیار نہ رکھتے ہوں اور کسی طرح کی بھی عقل نہ رکھتے ہوں۔ کہہ دیجئے کہ شفاعت کا تمام تر اختیار اللہ کے ہاتھوں میں ہے اس کے پاس زمین و آسمان کا سارا اقتدار ہے اور اس کے بعد تم بھی اسی کی بارگاہ میں پلٹائے جاؤ گے۔''

ب: مَالَكُمْ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ. (السجدہ:۴)

''اس کے علاوہ کوئی تمہارا سرپرست اور سفارش کرنے والا نہیں ہے کیا تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ہے۔''

ج: لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ. (الانعام۔۵۱)

''اس کے علاوہ ان کا سرپرست اور سفارش کرنے والا کوئی نہیں۔''

د: وَذَكِّرْ بِهٖ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ. (الانعام:۷۰)

''ان کو یاد دہانی کراتے رہو مبادا کہ کوئی شخص اپنے کیے کی بنا پر
ایسے عذاب میں مبتلا ہو جائے کہ اللہ کے علاوہ کوئی سرپرست
اور سفارش کرنے والا نہ ہو۔''

قارئین کرام! آپ نے مذکورہ چار آیات میں پڑھا کہ شفاعت خدا کے ساتھ مخصوص ہے اور ان آیات میں کوئی استثناء نہیں ہے مگر قرآن مجید کی آیات ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں اور عام کو خاص اور مطلق کو مقید ثابت کرتی ہیں۔ اسی قانون قرآن کے تحت اللہ تعالیٰ نے غیراللہ سے شفاعت کی نفی نہیں کی بلکہ شفاعت کا اثبات کیا اور اسے اپنے اذن سے مشروط کیا۔ اسی حوالہ سے مندرجہ ذیل آیات کو ملاحظہ فرمائیں:

ا: مَامِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ. (یونس:۳)
''کوئی اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔''

ب: مَنْ ذَالَّذِیْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ. (البقرہ:۲۵۵)
''کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں شفاعت کرے؟''

ج: يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلاً. (طہ۔۱۰۹)
''اس دن کسی کی سفارش کام نہ آئے گی سوائے اس کے جنھیں خدا نے اجازت دے دی ہو اور وہ ان کی بات سے راضی ہو۔''

د: وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ...... (سبا:۲۳)
''اور اس دن اس کے ہاں بس اسی کی شفاعت فائدہ دے گی جسے خدا نے اجازت دی ہو۔''

ہ. لَايَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا. (مریم:۸۷)

''اس وقت کوئی شفاعت کا صاحب اختیار نہ ہو گا مگر وہ جس نے رحمان کی بارگاہ میں شفاعت کا عہد لے لیا ہے۔''

و: وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی. (انبیاء۔۲۸)

''اور وہ کسی کی شفاعت نہیں کر سکتے مگر یہ کہ خدا اس کو پسند کرے۔''

پہلی اور دوسری قسم کی آیات میں دراصل کوئی تضاد نہیں ہے۔ دونوں قسم کی آیات کو ملانے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے شفاعت کا سرچشمہ ذات خداوندی ہے اور اللہ نے اپنے صالح بندوں کو شفاعت کا اختیار دیا ہے۔ لہٰذا ان کی شفاعت بھی درحقیقت خدا کی شفاعت ہے۔

کیا خدا کے علاوہ بھی کوئی ولی ہے؟

مندرجہ ذیل آیات میں ولایت کو خدا کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے:

۱: اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یُحْیِ وَیُمِیْتُ وَمَالَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ.

(التوبہ:۱۱۶)

''بے شک زمین و آسمانوں کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور اللہ کے علاوہ تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے۔''

۲: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَالَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ. (البقرہ۔۱۰۷)

''کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت خدا کے لیے ہے اور خدا کے علاوہ تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے۔''

۳: اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْ اَوْلِیَاءَ اِنَّا اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْکَافِرِیْنَ نُزُلاً. (الکہف:۱۰۲)

''تو کیا کافروں کا خیال یہ ہے کہ یہ ہمیں چھوڑ کر ہمارے بندوں کو اپنا سرپرست بنا لیں گے تو ہم نے جہنم کو کافرین کے لیے بطور منزل مہیا کر دیا ہے۔''

اب ان آیات کے بعد اس آیت مجیدہ کی تلاوت فرمائیں:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ. (المائدہ: ۵۵)

''ایمان والو! بس تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسولؐ اور وہ صاحبان ایمان جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں، وہ تمہارے ولی ہیں۔''

ان دونوں طرح کی آیات کو ملانے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ولایت کا سرچشمہ ذات احدیت ہے البتہ اللہ نے اپنے رسولؐ اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دینے والے مومن کو تاج ولایت سے سرفراز کیا ہے۔ لہٰذا اگر ہم کہیں کہ اللہ اور رسولؐ اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دینے والی شخصیت ہمارے ولی ہیں تو اس سے کوئی شرک لازم نہیں آئے گا۔

اللہ نے والد کو بھی اس کی اولاد پر حق ولایت دیا ہے۔ اسی طرح سے اگر اللہ اپنے رسولؐ اور علیؑ مولا کو ولایت عطا کر دے تو اس پر اعتراض اور تعجب کیوں ہے؟

مذکورہ صفات کے متعلق یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ اللہ حاکم، مالک، شفیع اور ولی ہے اور اسی طرح سے اللہ اپنے بندوں میں سے کسی کو یہ صفات عطا کر دے تو اس بندہ کو مالک، حاکم، شفیع اور ولی کہنا بھی درست ہے اور اس مفہوم کو مزید سمجھانے کے لیے درج ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں:

۱: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا. (الزمر۔۴۲)

''اللہ ہی موت کے وقت جانداروں کو موت دیتا ہے۔''

۲: قُلْ يَتَوَفَّاكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ. (السجدہ:۱۱)

''آپ کہہ دیں تمہیں وہ ملک الموت وفات دے گا جو تمھارے لیے مقرر کیا گیا ہے پھر تم اپنے رب کے پاس لوٹائے جاؤ گے۔''

۳: تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ. (الانعام:۶۱)

''ہمارے نمائندوں نے اسے وفات دی اور وہ کسی طرح کی کمی نہیں کرتے۔''

ان آیات مجیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ موت دیتا ہے۔ ملک الموت موت دیتا ہے اور فرشتے موت دیتے ہیں۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے اس مثال پر توجہ فرمائیں۔

ایک بادشاہ نے ایک نیا شہر آباد کرنے کا حکم دیا۔ اس کے وزیر تعمیرات نے اس شہر کی تعمیر میں مرکزی کردار ادا کیا اور معماروں اور مزدوروں نے شہر کے مکانات تعمیر کیے۔ لہٰذا اب اگر کوئی شخص کہے کہ بادشاہ نے شہر بنایا تو اس کی بات درست ہو گی اور اگر کوئی یہ کہے کہ وزیر تعمیرات نے خوبصورت شہر بنایا تو اس کی بات بھی درست ہو گی اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ معماروں اور مزدوروں نے خوبصورت شہر تعمیر کیا تو اس کی بات بھی درست ہو گی۔ اسی طرح سے موت دینے کی نسبت اللہ کی طرف دی جائے تو بھی درست ہے اور خدا کے نمائندہ ہونے کی وجہ سے یہ نسبت ملک الموت کی طرف کی جائے تو بھی درست ہے اور اگر موت پر موکل فرشتوں کی طرف اس کی نسبت کی جائے تو بھی درست ہے۔

یہی حال باقی صفات کا ہے یعنی اگر خدا کو شفیع اور ولی کہا جائے تو بھی

درست ہے اور اگر خدا کے مقربین خاص کو شفیع اور رسول خداؐ اور حضرت علیؑ کو ولی کہا جائے تو بھی درست ہے اس سے کسی طرح کا شرک لازم نہیں آتا۔

رسول خداؐ کو پکارنا اوران سے توسّل حاصل کرنا

جیسا کہ ہم سابقہ بحث میں یہ عرض کر چکے ہیں کہ اذن الٰہی سے مقرر ہونے والے افراد کو حاکم، مالک، شفیع، خالق، محی، ممیت اور ولی ماننے سے کوئی شرک لازم نہیں آتا کیونکہ انہیں باذن اللہ یہ اختیار حاصل ہیں۔

اسی طرح سے رسول خداؐ کو خدا کی بارگاہ میں وسیلہ سمجھ کر پکارنا بھی کسی طرح سے موجب شرک نہیں ہے اور اس طرح سے آنحضرتؐ کو پکارنے سے "وَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا" کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ اس سے قبل ہم مسند احمدؒ سنن ترمذی اور ابن ماجہ اور سنن بیہقی کی یہ روایت پیش کر چکے ہیں کہ رسول خداؐ نے اپنے ایک نابینا صحابی کو بینائی کے واپس آنے کے لیے یہ دعا تلقین فرمائی:

اللھم انی اسئلک واتوجه بنبیک محمد نبی الرحمة' یا محمد انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی لتقضٰی لی اللھم فشفعه فی.

"پروردگارا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تجھے تیرے نبی رحمت محمدؐ کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے محمدؐ! میں آپ کے ذریعہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری ہو۔ خدایا! محمدؐ کو میرا شفیع بنا۔"[1]

نابینا صحابی نے یہ دعا مانگی اور اللہ نے اسے شفایاب کر دیا۔

بارگاہ خداوندی میں وسیلہ طلب کرنا ممنوع نہیں ہے بلکہ اللہ نے قرآن مجید میں وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔

۱۔ کتاب ہذا کے باب شفاعت رسول میں اس کے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ.

(المائدہ:۳۵)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی ایک علامت یہ بھی بیان کی ہے:

يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ. (بنی اسرائیل: ۵۷)

''وہ اپنے رب کے پاس پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔''

اختلافِ فکر کی دو حقیقی وجوہات

سابقہ صفحات میں ہم نے بعض اختلافی مسائل کا تذکرہ کیا اور اس کے ساتھ ساتھ فکری اختلافات کے سرچشموں کی بھی نشان دہی کی ہے مگر اس کے باوجود ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اختلاف کے مذکورہ سرچشمے صرف ظاہری اور بیرونی ہیں جب کہ اختلاف کے اصل محرک دو ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) مخلوقات کا تکبر۔

(۲) حکمران طبقہ کی طرف سے اپنی کمزوریوں کو چھپانے کے لیے رہبران کرام کی کردار کشی۔

۱۔ تکبّر۔ اختلاف کا پہلا حقیقی سرچشمہ

تکبّر کی وجہ سے روز ازل ہی سے ہادیان دین کی تنقیص کی گئی اور یہ سلسلہ خلقت آدمؑ ہی سے جاری ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ آدم کے بعد تمام فرشتوں کو سجدۂ آدمؑ کا حکم دیا لیکن ابلیس لعین نے سجدہ سے انکار کیا اور اس انکار کی وجہ تکبر تھی۔

قرآن مجید نے اس واقعہ کو ان الفاظ سے بیان کیا:

قَالَ يَا اِبْلِيْسُ مَامَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَلِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ. قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ. (ص: ۷۶،۷۵)

''خدا نے کہا اے ابلیس! تیرے لیے کیا شے مانع ہوئی کہ تو

اسے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے دست قدرت سے بنایا ہے تو نے غرور اختیار کیا یا تو واقعاً بلند لوگوں میں سے ہے؟ اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں۔''

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ. (الحجر: ٣٣)

''اس نے کہا میں ایسے بشر کو سجدہ نہیں کر سکتا جسے تو نے سیاہی مائل خشک مٹی سے بنایا ہے۔''

ابلیس لعین نے ایک طویل عرصہ تک اللہ کی عبادت کی تھی لیکن اس نے صفی اللہ کے سامنے جھکنے سے انکار کیا اور خلیفۃ اللہ کی توہین کی اور اس کا جو انجام ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ ابلیس کی طرح ہر دور میں کفار انبیائے کرامؑ کی توہین کرتے تھے اور انہیں اپنے جیسا بشر کہہ کر ان کے مقام کی تنقیص کرتے تھے۔ ایسی مثالوں سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔ حضرت نوحؑ کی قوم نے ان سے کہا:

مَانَرٰكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا...... وَمَانَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ...... (ہود: ٢٧)

''ہم تجھے اپنے جیسا ہی ایک بشر سمجھتے ہیں...... ہم اپنے اوپر تمہاری کسی فضیلت کے قائل نہیں ہیں۔''

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا. (ابراہیم: ١٠)

''تم لوگ بس ہم جیسے ہی بشر ہو۔''

کفار نے اپنے نبیؐ کے متعلق یہ جملے کہے:

مَاهٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ. (المؤمنون:۳۳)

''یہ تو تمہاری طرح کا ایک بشر ہے یہ بھی وہی غذا کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور یہ بھی وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔''

کفار ہمیشہ انبیائے کرامؑ کو بشر کہہ کر ان کی تنقیص کرتے تھے۔ اس کے جواب میں انبیائے کرامؑ نے یہ کہا تھا۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ...... (ابراہیم:۱۱)

''ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا ہم بھی تمہاری طرح سے بشر ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کر دیتا ہے۔''

متکبرین نے خاتم الانبیاءؐ کے ساتھ بھی پرانی روش جاری رکھی اور اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنے کے لیے انہیں اپنے سے کم تر سمجھا اور اس فکر کے حامل صرف کفار ہی نہیں تھے بلکہ کلمہ پڑھنے والوں میں بھی ایسے افراد موجود تھے جس کی مثال ہمیں **ذی الخویصرہ** کے واقعہ میں ملتی ہے۔

ابن حجر نے الاصابہ میں ذی الخویصرہ سردار خوارج کے حالات میں لکھا۔ انس بیان کرتے ہیں:

كان فی عهد رسول الله...... امتی رجلان.

رسول خداؐ کے عہد میں ایک شخص کے عبادت و زہد ہمیں بہت پسند آتے تھے۔ ہم نے رسول خداؐ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے اسے پہچاننے سے انکار

کیا۔ہم نے آنحضرتؐ کو اس کی تمام نشانیاں بتائیں مگر پھر بھی آپ نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا۔ ابھی ہم اس کا ذکر کر ہی رہے تھے کہ وہ شخص آ گیا۔ہم نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! وہ شخص یہ ہے۔

آپ نے فرمایا: تم مجھے اس شخص کے متعلق بتا رہے ہو جس کے چہرے پر مجھے ابلیسی علامت دکھائی دے رہی ہے۔ انس کہتے ہیں کہ وہ شخص آیا اور اس نے سلام نہ کیا۔

رسول خداؐ نے اس سے فرمایا: تجھے خدا کا واسطہ سچ سچ بتانا کیا جب تو اس محفل میں پہنچا تو تو نے اپنے دل میں یہ نہیں کہا: اس محفل میں مجھ سے کوئی بھی بہتر نہیں ہے؟اس شخص نے کہا: جی ہاں! پھر اس شخص نے نماز پڑھنا شروع کی۔

رسول خداؐ نے فرمایا: کوئی ہے جو اسے قتل کرے اور حدیث کے آخر میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: اگر یہ شخص قتل ہو جاتا تو میری امت میں اشخاص کا کبھی اختلاف نہ ہوتا۔ (۱)

۱۔ ابن حجر ذی الخویصرہ کے متعلق اصابہ میں لکھتے ہیں:

ذوالخویصرہ تمیمی کا نام حرقوص بن زہیر تھا اور وہی خوارج کا سرگروہ تھا۔ ایک بار رسول خداؐ مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے کہ اس نے کہا: یا رسول اللہؐ! عدل کریں۔

آپؐ نے فرمایا: تجھ پر افسوس! اگر میں ہی عدل نہ کروں تو اور کون عدل کریگا؟

آپؐ نے اسی کے متعلق فرمایا تھا:

ان له اصحابا يحقراحدكم صلاته مع صلاتهم و صيامه مع صيامهم يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية.

''اس کے بہت سے ساتھی ہوں گے۔ جن کی نمازوں کے سامنے تمہیں اپنی نمازیں ہیچ دکھائی دیں گی اور ان کے روزوں کے مقابلے میں تمہیں اپنے روزے کم دکھائی دیں گے اور وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسا کہ تیر نشانہ کو چیر کر نکل جاتا ہے۔''

یہی مضمون اسد الغابہ، صحیح مسلم میں بھی مذکور ہے۔

متکبرین کا یہ تکبر آج تک ہمیں دکھائی دے رہا ہے اور ہم نے سعودی عرب کے شہر رماح میں یہ الفاظ خود اپنے کانوں سے سنے تھے۔

ویش محمد' محمد رجالا مثلی' مات.

''محمد کیا ہے: محمدؐ مجھ جیسا انسان تھا جو مر گیا۔''

خلاصہ بحث

ابلیس لعین نے از راہ تکبر خدا کے نمائندے کی توہین کی اور بشر کہہ کر ان کے سجدے سے انکار کر دیا۔ قوم نوح اور قوم عاد و ثمود نے بھی انبیائے کرامؑ کی عظمت کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ ہم جیسے معمولی انسان ہیں۔ ذوالخویصرہ سرگروہ خوارج کا سینہ بھی تکبر سے بھرا ہوا تھا اور اس نے تکبر کی وجہ سے اس محفل میں سلام تک نہ کیا جس میں رسول خداؐ موجود تھے۔ اور وہی سابقہ تاریخ آج بھی دہرائی جا رہی ہے۔ مذکورہ بالا مثالوں سے ثابت ہوا کہ انبیائے کرامؑ اور ہادیان دین کی تنقیص کا حقیقی محرک جذبہ تکبر ہے۔

۲۔ ہادیانِ دین کی تنقیص کا دوسرا حقیقی محرک

امت اسلامیہ کی بدنصیبی رہی ہے کہ اس پر بدکردار افراد کا تسلط قائم رہا ہے اور اگر کبھی کوئی باکردار شخص اقتدار میں آیا بھی ہے تو وہ بھی بہت تھوڑے عرصے کے لیے آیا ہے اور جلد ہی اسے اقتدار سے محروم کر دیا گیا۔

بدکردار حکمرانوں کا طبقہ ہادیانِ دین کی بلند و بالا شخصیت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا کیونکہ اگر وہ رہبران دین کی عظمت کو تسلیم کر لیتے تو ان کی خواہشات نفسانی پر ضرب لگتی تھی اور اپنی خواہشات سے باز رہنا انہیں پسند نہیں تھا جب وہ خود عظمت سے محروم تھے تو انہوں نے اپنے کردار کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ہادیان دین کی توہین و تنقیص کا سلسلہ شروع کر دیا تا کہ انبیاء و اولیاء بھی ان جیسے دکھائی دیں۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے ایسی روایات وضع کیں۔ جن سے انبیاءؑ کا کردار مشکوک سا دکھائی دینے لگا۔ ان لوگوں نے ''اسرائیلیات'' کو حدیث نبویؐ کا رنگ دے کر ہادیان دین کو شہوت پسند ثابت کرنے کی مذموم کوششیں کیں۔

اس مقصد کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے اور آپ کی بیوی کا قصہ اور اس جیسے کئی دیگر قصے تراشے گئے اور ان تمام کوششوں کا ماحصل صرف اور صرف یہی تھا کہ انبیاءؑ کو عام انسانی سطح پر لایا جائے اور عوام یہ کہیں کہ اگر ان کے حکمرانوں کے کردار میں کوئی خامی ہے تو ایسی خامیاں انبیاءؑ کے کردار میں بھی موجود تھیں۔

عیاش حکمرانوں نے اپنی روش بدلنے کی بجائے الٹا انبیائے کرامؑ کو موردِ الزام ٹھہرایا اور قرآن مجید کی آیات کی خود ساختہ تاویلات کی گئیں اور انبیائے کرامؑ کے معجزات کا کھلے بندوں انکار کیا گیا اور لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ انبیاءؑ بس عام سے انسان ہیں اور ایک عام شخص اور نبی میں چنداں فرق نہیں ہے۔ جب کہ کتب تفسیر و حدیث' خصائص انبیاءؑ سے بھری پڑی ہیں۔

حکمران طبقہ کی اشیر باد سے صفات الٰہیہ اور صفات انبیاء کے متعلق جان بوجھ کر ابہام پیدا کیا گیا اور اس طرح کی روایات کو سرکاری سرپرستی میں کتب حدیث میں جگہ دلائی گئی اور ان تمام تر مذموم کوششوں کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اسلام کے ماننے والے ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے اور ان میں ایک دوسرے کو کافر کہنے کا رواج پڑ گیا اور ان میں چھوٹی بڑی ہزاروں لڑائیاں لڑی گئیں جن میں لاکھوں افراد قتل ہوئے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے اور کسی طرف سے اصلاح حال کی آواز بلند نہیں ہوتی۔

ان پر آشوب حالات میں ہم اتحاد ملت کی تجاویز پیش کرتے ہیں اور تمام درد دل رکھنے والے مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہماری ان تجاویز کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لیں اور اگر انہیں ہماری تجاویز معقول دکھائی دیں تو ہماری تائید کریں۔

اتحادِ امت کی تجاویز

اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دین فطرت بنایا اور اس نے ہر دور میں انبیاءؑ کے ذریعہ سے انسانوں کی رہنمائی فرمائی اور انبیائے سابقین میں سے جب کسی نبی کی تعلیمات میں تحریف ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا نبی بھیج دیتا تھا اور ہر نیا آنے والا نبی دین کو اس کی اصل اور غیر محرف شکل میں پیش کرتا تھا۔ اس سلسلہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰؐ کو خاتم الانبیاء بنا کر دنیا میں بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا اوراب قیامت تک آپ کی شریعت قائم رہے گی۔

رسول خداؐ کی شریعت کو قیامت تک رہنا تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ہر طرح کی تحریف سے محفوظ رکھا اور اس میں کسی طرح کی کمی بیشی نہ ہونے دی اور یہ قرآن روز قیامت تک اپنی اس حالت پر باقی رہے گا۔

رسول خداؐ نے اپنی سنت کے ذریعہ سے قرآن مجید کی تفسیر دنیا کے سامنے پیش کی مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ سنت نبوی کی اللہ تعالیٰ نے قرآن کی طرح سے حفاظت نہیں کی اور اس کے لکھنے والوں کو سہو و نسیان سے محفوظ نہیں رکھا اور کتب حدیث لکھنے والوں کے قلم غلطی اور لغزش سے محفوظ نہ رہے اور یوں ذخیرہ حدیث میں ملاوٹ ہوئی اور سیرت خالص شکل میں محفوظ نہ رہ سکی۔ کتب سیرت میں ایک دوسرے سے متضاد روایات بھی موجود ہیں۔ علاوہ ازیں کتب حدیث میں مجمل، مفصل اور عام و خاص ہر طرح کی روایات موجود ہیں اور کتب حدیث میں لکھنے والوں کے ذاتی خیالات بھی موجود ہیں اور اس پر بیرونی عناصر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

اختلاف حدیث کی وجہ سے مجتہدین کے اجتہاد میں اختلاف پیدا ہوا اور ہر فرقہ میں علیحدہ علیحدہ مجتہد پیدا ہوئے اور ہر فرقہ کے اہل علم نے اپنے اپنے مسلک کو درست ثابت کرنے اور اپنے علاوہ دوسروں کو نیچا دکھانے کے لیے آیات متشابہات

کی خود ساختہ تاویلات کا بازار گرم کیا اور انہیں بنیاد بنا کر آیات محکمات کو ان پر محمول کیا۔

اور یوں سیدھا سادا دین اسلام ایک پہیلی اور چیستان بن گیا اور امت اسلامیہ کا شیرازہ منتشر ہو گیا اور امت واحدہ کئی فرقوں اور مذاہب میں تقسیم ہو گئی اور ہر فرقے میں اندرونی طور پر کئی فرقوں نے جنم لیا اور نوبت یہاں تک آ گئی کہ مسلمانوں نے ایک دوسرے پر کفر و شرک کے فتوے صادر کیے اور اپنے مذہبی نظریات سے اختلاف کرنے والوں کو واجب القتل کہا اور ایک دوسرے سے جنگ کرنے کو اسلام و ایمان کا تقاضا کہا گیا اور اس طرح سے لاکھوں مسلمان اسلام کے نام پر تہ تیغ ہوئے اور لاکھوں بچے یتیم ہوئے، عصمتیں تباہ ہوئیں اور ہنستے بستے شہر کھنڈرات میں تبدیل ہوئے۔

جہاں پلوں کے نیچے اتنا پانی بہہ چکا ہو تو وہاں اصلاح احوال کی امید کیسے کی جائے اور ان حالات میں اتحادِ امت کے لیے کیا کیا جائے۔ کہ امت ایک نظریہ پر جمع ہو سکے اور اپنی عظمت رفتہ حاصل کر سکے؟

ہم دل کی گہرائیوں سے جہاں اتحادِ امت کے شدید خواہش مند ہیں وہاں یہ کہنے میں بھی ہمیں کوئی باک نہیں ہے کہ جب تک امت اپنے آبائی نظریات کو دین سمجھ کر ان پر ڈٹی رہے گی اس وقت تک اتحاد کی کوئی بھی پرخلوص کوشش کامیابی سے ہمکنار نہ ہو گی۔

اس سلسلہ میں ہماری رائے یہ ہے کہ مذاہب اسلامیہ میں سے ہر مذہب کے اہل قلم اپنے وہ نظریات تفصیل سے لکھیں جن کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا ہے۔ اختلاف کا سرچشمہ اسلام کی توضیح و تشریح ہو خواہ اس کا تعلق تاویل قرآن سے ہو یا اس کا واسطہ اجتہادات سلف سے ہو، ہر نوع ان تمام اختلافی محرکات کو پوری بالغ نظری اور خالص علمی انداز میں لکھا جائے اور ہر طرح کی افترا پردازی اور سب و شتم

سے پرہیز کیا جائے اور پھر وہ تمام تر علمی مقالات اسلامی علماء کی مجلس اعلیٰ میں پیش کیے جائیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ مذکورہ علمی مقالات جامع ازہر قاہرہ' جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ رابطۃ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ' حوزہ علمیہ نجف اشرف عراق' حوزہ علمیہ قم ایران اور خراسان و قیروان اور زیتونہ یونیورسٹی کے افاضل علماء کی خدمت میں پیش کیے جائیں اور ان مراکز علمیہ کے علماء پوری دقت و احتیاط سے ان کا مطالعہ فرمائیں اور آخر میں سب مل کر بہتر نظریات کا اعلان کریں اور یہ پورا کام مکمل جذبہ اسلامی سے سرشار ہو کر کیا جائے ۔اس میں اپنے ذاتی نظریات و میلانات کا ہرگز عمل دخل نہیں ہونا چاہیے۔

مذکورہ علماء جن نظریات کو حق قرار دیں' لوگوں کو ان کی پیروی کی دعوت دیں اور جو مسلمان ان کی رائے سے متفق نہ ہوں اسے معذور سمجھیں۔

اس طرح سے افراد امت ایک دوسرے کے قریب آ سکیں گے اور صدیوں کی رقابت ختم کرنے میں مدد ملے گی اور دلوں کا زنگ صاف ہو جائے گا۔

اور اس سلسلہ میں جب علمی مقالہ جات لکھے جائیں تو اس کی ابتدا میں شریعت اسلامیہ کے مصادر' اور سنت نبویہ تک پہنچنے کے ذرائع کو مفصل انداز میں بیان کیا جائے۔

کتاب ہذا اسی سلسلہ کی کڑی ہے

ہم نے اب تک کے مباحث میں دو مکاتب فکر کے اختلافی نظریات کا تذکرہ کیا اور اس کے ساتھ ساتھ ہم نے اختلاف کے منابع و مصادر کا بھی اختصار سے ذکر کیا ہے۔آئندہ صفحات میں ہم اختلاف کے بنیادی اسباب و علل بیان کریں گے اور کتاب ہذا کے حصہ اوّل کے ابواب میں ان پر سیر حاصل بحث کریں گے تاکہ مصلحین امت کو دونوں مکاتب فکر کی صحیح پہچان ہو سکے اور انہیں اتحاد و اتفاق کی

دعوت دینے میں آسانی ہو۔

ہمارا حاصل مطالعہ یہ ہے کہ تمام اسلامی فرقوں کو بنیادی طور پر دو مکاتب فکر میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یا بہ الفاظ دیگر بنیادی طور پر دو ہی مکتبِ فکر ہیں اور باقی تمام مسالک و مذاہب انہی کی شاخیں ہیں۔ ان میں سے ایک مکتبِ امامت ہے اور دوسرا مکتب خلافت ہے اور کتاب ہذا میں ہم نے صحابہ اور ان کی عدالت پر بحث کی ہے کیونکہ صحابہ سنت رسولؐ تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہیں اور اس سلسلہ میں ہم نے دونوں مکاتبِ فکر کے نظریات پیش کیے ہیں۔ مکتب خلافت تمام صحابہ کو عادل مانتا ہے اور تمام صحابہ سے بلا استثناء حدیث کی روایت کو درست قرار دیتا ہے۔

مکتبِ امامت میں صحابیت کے ساتھ متقی اور صادق ہونا بھی ضروری ہے اور ہر صحابی سے روایت حدیث صحیح نہیں ہے۔ مکتب امامت میں تمام صحابہ کو عادل تسلیم نہیں کیا جاتا کیونکہ صحابہ میں ایسے افراد بھی شامل تھے جو اندرونی طور پر منافق تھے اور قرآن مجید میں منافقین کے لیے بیسیوں آیات موجود ہیں بعض افراد کا نفاق اتنا پوشیدہ تھا کہ عام افراد ان کے خبث باطن سے واقف نہیں تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (التوبہ:۱۰۱)

''اور تمہارے گرد دیہاتیوں میں بھی منافقین ہیں اور اہل مدینہ میں وہ بھی ہیں جو نفاق میں ماہر اور سرکش ہیں تم ان کو نہیں جانتے ہو لیکن ہم خوب جانتے ہیں۔''

اور یوں ہم نے مسئلہ صحابیت اور عدالت کے حوالے سے فریقین کی آراء اور ان کے دلائل لکھے ہیں۔ پھر امامت و خلافت کے متعلق دونوں مکاتبِ فکر کے

نظریات کا جائزہ لیا ہے کیونکہ مذہبِ خلافت میں خلفائے اربعہ شریعتِ اسلامیہ تک پہنچنے کا راستہ ہیں اور اس سلسلہ میں ایک حدیث نبویؐ بھی پیش کی جاتی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

''میری اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرو اور اسے مضبوطی سے پکڑنا۔''

مکتب خلافت سے وابستہ افراد کے عقیدہ کے مطابق خلفائے راشدین کے اجتہاد بھی شریعت اسلامی کا مصدر ومنبع ہیں۔ مکتب امامت کے عقیدہ کے مطابق بارہ امامؑ شریعت اسلامی تک پہنچنے کا راستہ ہیں اور بارہ ائمہ کی روایات بلا اشکال قابل قبول ہے۔ اسی اہمیت کی وجہ سے طرفین کے دلائل کا جائزہ لینا بڑا ضروری ہے۔

(۲) ہم نے پوری دیانت داری سے دونوں مکاتبِ فکر کے اسلامی شریعت کے مصادر پر بحث کی ہے اور مباحث کے آخر میں ہم نے ان ثقافتی' سیاسی اور اجتماعی امور کا بھی ذکر کیا ہے جس پر دونوں مکاتبِ فکر متفق ہیں۔

(۳) ہم نے آخر میں ان الزامات کا ذکر بھی کیا ہے جو حاسدوں کی طرف سے مکتبِ امامت پر لگائے گئے ہیں اور ہم نے اصل حقیقت حال بھی واضح کی ہے۔ آخر میں ہم خداوند تعالیٰ سے دعاگو ہیں کہ وہ ہمیں دونوں مکاتبِ فکر کی روایات کی تحقیق کے لیے توفیق عطا فرمائے۔

آئندہ صفحات میں ہم عالم اسلام کے ذمہ دار علماء کے حضور اپنے مباحث پیش کرتے ہیں اور علمائے اسلام سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ غیر جانبداری سے ہمارے مباحث کا جائزہ لیں اور اگر بحث میں ہم سے کوئی غلطی صادر ہوئی ہو تو وہ ہمیں اس سے مطلع فرمائیں اور ہم علمی تنقید کا پوری خندہ پیشانی سے استقبال کریں

گے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس ذریعہ سے ہم ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے اور اس سے مدتوں کی دوریاں سمٹ کر قربتوں میں تبدیل ہوسکیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْٓ اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (یوسف :۱۰۸)

''کہہ دیجئے میرا راستہ تو یہ ہے کہ از روئے یقین و برہان سمجھ بوجھ کر اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں بھی لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہوں اور میرے پیرو بھی اور خدا پاک ہے میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔''

حصہ اوّل

فریقین کی نظر میں شریعت اِسلامیہ کے مصادر

تمہیدی کلمات

وفات پیغمبرؐ کے بعد امت اسلامیہ میں دو مکاتب فکر قائم ہوئے۔ ایک مکتب فکر اہل اقتدار کا ہے جو وفات رسولؐ کے بعد حضرت ابوبکر کی خلافت سے شروع ہو کر خلافت عثمانیہ کے اختتام تک تمام حکومتوں سے مربوط رہا۔ دوسرا مکتب فکر وہ ہے جو حضرت علیؑ سے لے کر بارہویں امامِؑ عصر تک متصل رہا، درج بالا دونوں مکاتبِ فکر میں بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے۔

کتاب ہذا میں ہم مکتبِ خلافت کو مدرسہ خلفاء اور مکتب امامت کو مدرسہ اہل بیت کے عنوان سے یاد کریں گے۔ ہم دونوں مکاتب فکر کے درمیان بنیادی اختلافات سے آغاز کریں گے اور اختلاف کی چند مثالیں دیں گے۔

اختلافی امور

عالم اسلام کی خوش قسمتی ہے کہ دونوں مکاتب فکر قرآن مجید پر متفق ہیں اور اس سلسلہ میں دونوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قرآن کے حلال و حرام فرض و مندوب کی پابندی ضروری ہے۔ البتہ ان مکاتب فکر کی تاویل اور بالخصوص متشابہ آیات کے متعلق اختلاف ہے۔ لہٰذا مکتب خلافت و مکتب امامت کا تین امور میں اختلاف ہے۔

(ا) صحابیت اور صحابہ

(۲) امامت و خلافت۔ صحابہ اور آئمہ شریعت اسلامیہ کے مصادر تک پہنچنے کا اہم ذریعہ ہیں۔

(۳) قرآن کے بعد مصادر شریعت کیا ہیں؟

مذکورہ مباحث سے قبل ہم چند اصطلاحات پر بحث کریں گے اور آغاز ان اصطلاحات سے کریں گے جو کتاب کے ابواب میں استعمال کی گئی ہیں اس کے بعد ہم ان اصطلاحات کا ذکر کریں گے جو عربی زبان کے معاجم کی تدوین میں استعمال ہوئی ہیں۔

عربی لغت اور اسلامی اصطلاحات

اصطلاحات کی تعریف

(الف) لغت عرب

(ب) اصطلاح شرعی

(ج) اہل شرع یا مسلمانوں کی اصطلاح

(د) حقیقت و مجاز

ا۔ لغت عرب

عربی زبان کے متعلق ہمیں بحث کرنے کی ضرورت اس لیے ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا اور اس سلسلہ میں ہم یہ کہتے ہیں۔ عربی زبان کے بہت سے الفاظ جنہیں ہم آج استعمال کر رہے ہیں۔ وہ الفاظ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد بھی استعمال ہوتے تھے۔ مثلاً اَکُلٌ. کھانا۔ نَوُمٌ. سونا۔ لَیُلٌ. رات۔ نَهَارٌ. دن۔

عربی زبان میں بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جن کے معانی میں بتدریج وسعت پیدا ہوئی۔ مثلاً غَنِمَ. کا ابتدا میں معنی تھا بکریوں کا حاصل کرنا۔ پھر اس کا

معنی ''کسی مشقت کے بغیر کوئی چیز حاصل کرنا'' بنا۔ اسلام میں کسی قسم کے فائدہ کے حصول کو ''غَنِمَ'' سے تعبیر کیا گیا خواہ وہ مشقت سے حاصل ہو یا بغیر مشقت کے حاصل ہو۔

بعض اوقات ایک لفظ کے معنی ایک قبیلہ کی نظر میں اور ہوتے ہیں اور دوسرے قبیلہ کی نظر میں کچھ اور ہوتے ہیں مثلاً لفظ ''اَلاَ ثْلَبُ'' اہل حجاز کے نزدیک پتھر اور بنی تمیم کے ہاں مٹی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

ہمارے زمانہ میں لفظ ''المبسوط'' اہل عراق کے نزدیک مضروب یعنی ضرب خوردہ اور اہل شام و لبنان کے نزدیک ''خوش'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جب ایک ہی لفظ علاقائی طور پر دو علیحدہ معانی میں استعمال ہوتا ہو تو اس کی وضاحت ضروری ہوتی ہے مثلاً ہم کہیں گے ''**الاثلب فی لغة تمیم کذا و فی لغة اهل الحجاز کذا**'' یعنی بنی تمیم کے نزدیک لفظ ''اثلب'' کے یہ معانی ہیں اور اہل حجاز کے نزدیک یہ معانی ہیں۔

(ب) اصطلاح شرعی

حضرت رسولؐ کریم نے عربی زبان کے بعض ایسے الفاظ استعمال فرمائے جو کہ صرف ایک محدود مقصد کے لیے استعمال ہوتے تھے لیکن آپ نے ان الفاظ کو ان کے لغوی معانی سے ہٹا کر انہیں مخصوص اصطلاحی شکل عطا کی۔ مثلاً عربی زبان میں ''اَلصَّلاَةُ'' کا لفظ مستعمل تھا جس کے معنی دعا کے ہیں۔ لیکن رسول کریمؐ نے اس لفظ کو نماز کے مفہوم میں بدل دیا اور یہ مفہوم اہل عرب کے نزدیک اس وقت رائج نہیں تھا۔ کوئی لفظ اس وقت تک اصطلاح شرعی قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک وہ لفظ قرآن و حدیث میں استعمال نہ ہوا ہو۔ اصطلاح شرعی کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ لفظ اصطلاح شرعی ہے جسے رسول خداؐ نے کسی مخصوص مفہوم و معنی کے لیے استعمال کیا ہو۔

(ج) اہل شرع کی اصطلاح

عربی لغت میں کچھ ایسے الفاظ بھی مروج ہیں جنھیں اہل شرع کی اصطلاح کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً "مجتہد" فقیہ کو کہا جاتا ہے۔ جب کہ اصل لغت میں لفظ "اجتہاد" کوشش اور لفظ "مجتہد" کوشش کرنے والے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور حدیث نبویؐ میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ آنحضرتؐ نے اپنی ایک حدیث میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

"**فضل العالم علی المجتهد مائة درجة**" **ماده جهد از نهاية اللغة.**

"ابن اثیر" "عالم کو عبادت میں کوشش کرنے والے پر سوگنا فضیلت حاصل ہے۔"

اور رسول خداؐ کی سیرت میں ہمیں یہ الفاظ دکھائی دیتے ہیں:

كان رسول اللّٰه يجتهد في العشر الاواخر مالا يجتهد في غيره. [1]

"رسول خداؐ ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت کے لیے خصوصی جدوجہد کرتے تھے جو کہ دوسرے ایام میں نہیں کرتے تھے۔"

قرآن مجید اور حدیث نبویؐ میں لفظ مجتہد فقیہ کے معنی میں استعمال نہیں ہوا۔ یہ جدید اصطلاح ہے جسے ہم اہل شرع کی اصطلاح کہہ سکتے ہیں۔ اہل شرع کی اصطلاحات میں سے کچھ اصطلاحات ایسی بھی ہوتی ہیں جو کہ صرف ایک طبقہ کے ہاں مروج ہوتی ہیں اور دوسرے طبقہ کے نزدیک بالکل نامانوس ہوتی ہیں۔ مثلا "صوم زکریا" کی اصطلاح ایک خاص حلقہ تک محدود ہے۔ اور ان کے نزدیک ایسا روزہ جس میں کھانے پینے سے پرہیز کے علاوہ انسان گفتگو سے بھی پرہیز کرے صوم زکریا کہلاتا ہے۔

اس طرح کی اصطلاح کے لیے ضروری ہے کہ انسان اس شہر یا گروہ کا بھی

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الاعتکاف، باب الاجتهاد في العشر الاواخر من شهر رمضان حديث ۱۱۷۵

حوالہ دے جن کے ہاں یہ اصطلاح مروج ہے۔ مثلاً ہم اسے اہل بغداد یا اہل قاہرہ کی اصطلاح کے نام سے تو یاد کر سکتے ہیں لیکن اسے اصطلاح مسلمین کے نام سے یاد نہیں کر سکتے۔

اسی طرح سے بعض اسلامی فرقوں میں مخصوص اصطلاحات رائج ہیں جو کہ صرف انہی میں ایک مخصوص مفہوم میں استعمال ہوتی ہیں اور دوسروں کے نزدیک ان کا وہ مخصوص مفہوم مراد نہیں لیا جاتا۔ مثلاً خوارج کی اصطلاح میں ''شادی'' اس خارجی کو کہا جاتا ہے جو تمام مسلمانوں سے جنگ کرنے کو جائز سمجھتا ہو۔ اسی طرح سے خوارج کے نزدیک لفظ ''مشرک'' سے مراد ان کے علاوہ تمام مسلمان ہیں۔

مکتب خلافت سے وابستہ بعض تنگ نظر افراد اپنے ہاں لفظ ''رافضی'' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں جس سے وہ شیعہ افراد مراد لیتے ہیں۔ اسی طرح سے مکتب امامت سے وابستہ حضرات لفظ ''ناصبی'' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں جس سے وہ ائمہ اہل بیت سے بغض رکھنے والے افراد مراد لیتے ہیں۔

اسی لیے جب مخصوص مذہبی فرقوں کی اصطلاحات کا تذکرہ ہوگا تو اسے ان کے نام ہی سے منسوب کیا جائے گا مثلاً یوں کہا جائے گا۔ ''اصطلاح خوارج'' یا ''اصطلاح مکتب خلافت'' یا ''اصطلاح مکتب امامت'' وغیرہ واضح رہے کہ مذکورہ مذہبی اصطلاحات اپنے معانی میں اس وقت ہی صحیح متصور ہوں گی جب وہ اپنے اختراع کرنے والوں کی جانب سے ہوں گی؛ اگر اس کے علاوہ کسی اور فرقہ کی طرف سے وہ لفظ استعمال ہو تو اس سے اصطلاحی مفہوم مراد نہیں ہوگا۔ مثلاً مکتب خلافت کی طرف سے اگر لفظ ''ناصبی'' استعمال ہو تو اس سے دشمن آل محمد مراد نہ ہوگا اور کوئی غیر خارجی لفظ ''شادی'' استعمال کرے تو اس سے خوارج کا اصطلاحی مفہوم مراد نہیں لیا جائے گا۔

(د) حقیقت و مجاز

جب کسی لفظ کا استعمال اس کے وضعی معنی میں ہو اور سننے والے کے ذہن

میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی نہ آئے تو اسے حقیقی معنی کہا جائے گا۔ مثلاً لفظ ''اسد'' سے شیر مراد لیا جائے اور لفظ ''صَلاۃٌ'' سے نماز مراد لی جائے تو یہ اس کا حقیقی معنی متصور ہو گا اور پہلی مثال کو ''حقیقت لغویہ'' اور دوسری مثال کو ''حقیقت شرعیہ'' کہا جاتا ہے۔

اور اگر لفظ ''اسد'' یعنی شیر بول کر اس سے بہادر شخص مراد لیا جائے تو اسے ''مجاز'' کہیں گے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں "رأیت اسد ایتکلم فی المسجد" میں نے شیر کو مسجد میں گفتگو کرتے ہوئے دیکھا۔ تو اس کلام میں لفظ شیر سے اس کا حقیقی معنی مراد نہیں لیا جائے گا بلکہ اس سے کوئی بہادر انسان مراد لیا جائے گا۔ مجاز کے لیے کلام یا مقام کا قرینہ ضروری ہے جیسا کہ اس مثال میں قرینہ "یتکلم فی المسجد" ہے کیونکہ حقیقی شیر باتیں نہیں کرتا اسی لیے اس کلام کو سن کر ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہاں شیر اپنے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۲۔ کتب لغت کی تالیف و تدوین

دوسری اور تیسری صدی ہجری میں علمائے لغت نے لغات مرتب کیں اور دور جاہلیت سے لے کر اپنے دور تک کے تمام الفاظ کے معانی تحریر کیے اور انہوں نے معانی بیان کرتے وقت یہ وضاحت بھی کی کہ یہ معنی حقیقی ہے یا یہ اصطلاح شرعی ہے یا اس معنی کا تعلق اصطلاحِ اہلِ شرع سے ہے۔ مگر اسلامی اور فقہی اصطلاحات کی وضاحت اہل لغت کی بہ نسبت فقہائے کرام نے زیادہ فرمائی جب کہ بعض غیر فقہی اصطلاحات کی وضاحت کم کی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض اصطلاحات غیر معروف بن کر رہ گئیں اور ان کے متعلق لوگ یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ ان الفاظ کا تعلق اصطلاح شرع سے ہے یا اصطلاح اہل شرع سے ہے جس کی وجہ سے اسلامی مفاہیم اور بعض احکام شرعیہ کے سمجھنے میں دقت پیدا ہوئی اور یہی دقت لفظ صحابی اور صحابہ میں بھی پائی جاتی ہے۔

بحث اوّل

صحبت اور صحابہ کے متعلق، دونوں مکاتبِ فکر کی رائے

- دونوں مکاتبِ فکر میں صحابی کی تعریف،
- دونوں مکاتبِ فکر میں عدالتِ صحابہ،
- دونوں مکاتبِ فکر کے نظریات کا خلاصہ،

فصل اوّل

دونوں مکاتبِ فکر کے نزدیک صحابی کی تعریف

مکتب خلافت میں صحابی کی تعریف

ابن حجر الاصابہ کے مقدمہ کی فصل اوّل۔ صحابی کی تعریف میں لکھتے ہیں:

الصحابی من لقی النبی (ص) مؤمنا به ومات علی الاسلام. فیدخل فی ذلک من لقیه من طالت مجالسته له او قصرت، ومن روی عنه ومن لم یرو، ومن غزامعه اولم یغزو ومن راه رؤیة ولو لم یجالسه و من لم یره لعارض کالاعمٰی. (الاصابہ ۱/۱۰۔)

''صحابی وہ ہے جس نے حالت ایمان میں نبی کریمؐ سے ملاقات کی ہو اور اس کی موت اسلام پر واقع ہوئی ہو۔''

اس تعریف کے تحت وہ افراد بھی صحابیت میں شامل ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ زیادہ وقت صرف کیا اور وہ بھی شامل ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ نہایت قلیل وقت بسر کیا اور اس تعریف کے تحت آنحضرتؐ سے روایت کرنے والا بھی صحابی ہے اور جس نے روایت نہیں کی وہ بھی صحابی ہے اور جس نے آنحضرتؐ کے ساتھ مل کر جنگ میں شرکت کی وہ بھی صحابی ہے اور جس نے جنگ نہ کی وہ بھی صحابی ہے اور جس نے ایک بار حضورؐ کو دیکھا لیکن آپ کے پاس نہ بیٹھا وہ بھی صحابی ہے اور جس نے کسی مجبوری کی وجہ سے آپ کو نہ دیکھا مثلاً اگر کسی نابینا نے آپ کو نہیں دیکھا تو وہ بھی صحابی ہے۔

ابن حجر کے کلام کا سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ صحابیت کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ (۱) حالت ایمان میں آنحضرتؐ سے ملاقات۔ (۲) اس کا خاتمہ اسلام پر ہو۔

علاوہ ازیں صحابیت کے لیے آنحضرتؐ کے پاس زیادہ عرصہ رہنا اور آپ سے حدیث کی روایت کرنا اور آپ کے ہم رکاب ہوکر جنگ میں شریک ہونا ضروری نہیں ہے۔ آنحضرتؐ کو صرف ایک بار دیکھنے سے صحابیت کا شرف حاصل ہو جاتا ہے چاہے آنحضرتؐ کے ساتھ نشست و برخاست بھی نہ ہوئی ہو۔

ابن حجر کی اس تعریف پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ دور خلفاء کے متعلق یہ الفاظ بالتواتر منقول ہیں:

"انهم كانوا في الفتوح لا يؤمرون الا الصحابة"

"خلفائے ثلاثہ فتوحات کے لیے لشکر کی سالاری صحابہ کے حوالے کیا کرتے تھے۔"

جب کہ اس دور کے متعلق ہم سب اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ ۱۰ ہجری تک مکہ اور طائف کے تمام لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور انہوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ حجۃ الوداع میں بھی شرکت کی تھی اور مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے تمام قبائل بلکہ پورا جزیرۃ العرب مسلمان ہو چکا تھا اور جزیرۃ العرب کے اکثر افراد نے آنحضرتؐ کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا تھا۔ اس لحاظ سے تو اس وقت کا پورا جزیرۃ العرب صحابیت کے دائرہ میں آتا تھا مگر اس کے باوجود ان الفاظ کا معنی و مفہوم کیا رہ جائے گا کہ خلفائے ثلاثہ لشکر کی سالاری کے لیے صحابہ کا ہی انتخاب کرتے تھے۔

صحابیت کی تعریف کو اس قدر عام کرنے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوئیں

اورعلم حدیث پر اس سے مضر اثرات مرتب ہوئے اور اگر آپ نے اثرات کا اندازہ کرنا ہوتو اس کے پہلے ہماری کتاب "خمسون ومائة صحابی مختلق" ایک سو پچاس خود ساختہ' صحابی کا مطالعہ کریں۔

مکتب امامت کے نزدیک صحابی کی تعریف

مکتب امامت سے وابستہ علماء بیان کرتے ہیں کہ لغت میں لفظ صاحب کی جمع صحب' اصحاب' صحاب اور صحابہ ہے۔ اور''صاحب'' کے معانی ''معاشر'' اور''ملازم'' کے ہیں۔ یعنی صاحب اس کو کہا جاتا ہے جس کا کسی کے ساتھ رہن سہن ہو اور جو کسی سے وابستہ ہو (لسان العرب مادہ صحب)

امام راغب اصفہانی ''المفردات'' میں لکھتے ہیں۔

"ولا يقال الالمن كثرت ملازمته وان المصاحبة تقتضى طول لبثه"

''صاحب اسی کو ہی کہا جاتا ہے جو کسی سے زیادہ وابستہ ہو اور ''مصاحبت'' طویل رفاقت کی مقتضی ہے۔''

جب دو اشخاص ایک دوسرے کے ساتھی ہوں تو اس کے لیے اضافت ضروری ہو جاتی ہے۔ مثلاً "یا صاحبی السجن" اے میرے قید خانے کے دو ساتھیو! اور اسی طرح سے ''اصحاب موسیٰ'' کہا جاتا ہے۔

زمانہ پیغمبرؐ میں کسی بھی شخص کو مطلق صحابی کہنے کا رواج نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ اضافت کو ضروری سمجھا جاتا تھا اور ''صاحب رسول اللہؐ'' اور جمع کی صورت میں ''اصحاب رسول اللہؐ'' کہا جاتا تھا۔ اسی طرح سے "اصحاب بيعة الشجره" اور ''اصحاب الصفہ'' کے الفاظ مروج تھے۔

لیکن بعد میں مکتبِ خلافت سے وابستہ افراد نے اضافت کوختم کر دیا اور صرف لفظ صحابی یا اصحاب کو رواج دیا گیا تو اس لحاظ سے لفظ صحابی یا اصحاب ایک مخصوص اصطلاح ہے جسے اصطلاحِ اہلِ شرع کہا جا سکتا ہے۔

صحابی کی پہچان کا ضابطہ کار

ابن حجر کا قول ہم پہلے پیش کر چکے ہیں اور اس پر وارد ہونے والے اعتراض کو بھی نقل کر چکے ہیں اور اس سلسلہ میں طبری اور ابن عساکر کی یہ روایت پڑھیں:

ہم سے سیف نے بیان کیا' اس نے ابو عثمان سے اور اس نے خالد اور عبادہ سے روایت کی:

وکانت الرؤساء تکون من الصحابة حتی لا یجدو من یحتمل ذلک. (طبری طبع یورپ ۱/ ۲۱۵۱۔)

''صحابہ کو ہی اقتدار دیا جاتا تھا یہاں تک کہ انہیں اس کے اٹھانے والے ہی نہیں ملتے تھے۔''

طبری' سیف سے روایت کرتے ہیں:

ان الخلیفة عمر کان لایعدل ان یؤمر الصحابة اذا وجد من یجزی عنه فی حربه فان لم یجد ففی التابعین باحسان ولا یطمع من انبعث فی الردة فی الرئاسة. (طبری طبع یورپ ۱/ ۲۴۵۷۔۲۴۵۸)

''جنگ کی سالاری کے لیے حضرت عمر غیر صحابی پر ہمیشہ صحابی کو ترجیح دیتے تھے اور اگر انہیں صحابی میسر نہ آتا تو وہ تابعین میں سے کسی کو سالار مقرر کرتے تھے اور سالاری اور گورنری کے لیے مرتد ہونے والا شخص تو طمع تک نہیں کرسکتا تھا۔''

تنقید وتبصرہ

درج بالا دونوں روایات سیف کی زبانی مروی ہیں اور سیف وضع حدیث اور زندیقی میں کافی بدنام تھا۔ (اس کے لیے ہماری کتاب ''عبداللہ بن سبا'' کا مطالعہ فرمائیں۔)

ان دونوں روایات کا راوی ہی متہم ہے اور تاریخی حقائق بھی اس کے برعکس ہیں۔ ابو الفرج اصفہانی اپنی کتاب الاغانی میں لکھتے ہیں:

اسلم امرؤ القيس على يد عمرو ولاه قبل ان يصلى الله ركعة واحدة. (الآغانی طبع ساسی ۱۴/۱۵۸)

''امراؤ القیس حضرت عمر کے ہاتھ پر اسلام لایا اور اس نے ایک رکعت نماز بھی نہیں پڑھی تھی کہ حضرت عمر نے اسے ایک علاقہ کا والی مقرر کر دیا۔''

اس روایت کی مزید وضاحت دوسری روایت میں یوں بیان کی گئی۔عوف بن خارجہ مری کا بیان ہے: حضرت عمر کے عہد حکومت میں ایک دن میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں موٹے قدموں اور گنجے سر والا ایک شخص لوگوں کو پھلانگتے ہوئے ان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور انہیں خلیفہ المسلمین کہہ کر سلام کیا۔ حضرت عمر نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟

اس نے کہا: میں عیسائی ہوں اور میرا نام امراؤ القیس بن عدی الکلبی ہے۔

حضرت عمر نے کہا: کیا چاہتے ہو؟

اس نے کہا: میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت عمر نے اس کے سامنے ارکان اسلام رکھے' اس نے قبول کیے اور

کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت عمر نے ایک نیزہ طلب کیا اور نیزہ پر پرچم باندھ کر اس سے کہا کہ میں نے تجھے نو مسلم قبیلہ قضاعہ کا والی مقرر کیا ہے۔ وہ پرچم لہراتا ہوا اسی وقت روانہ ہو گیا۔ [1]

اس واقعہ کے بعد طبری کی روایت کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے کہ حضرت عمر صحابہ کے علاوہ کسی کو بھی والی مقرر نہیں کرتے تھے جب کہ نو مسلم عیسائی صحابی نہیں تھا اور نہ ہی اسے اسلام قبول کیے ہوئے کوئی معقول عرصہ گزرا تھا مگر اس کے باوجود حضرت عمر نے اسے علاقہ شام میں رہنے والے قبیلہ قضاعہ پر حاکم مقرر کر دیا۔ اب ذرا دوسرا واقعہ بھی سماعت فرمائیں:

علقمہ بن علاثہ کلبی نے عہد پیغمبر میں اسلام قبول کیا اور کچھ دن آنحضرتؐ کی صحبت میں رہا۔ پھر حضرت ابوبکر کے عہد حکومت میں وہ مرتد ہو گیا۔ حضرت ابوبکر نے خالد بن ولید کو اس سے جنگ کے لیے روانہ کیا لیکن وہ بھاگ کھڑا ہوا۔

راوی کہتے ہیں کہ وہ پھر واپس آیا اور اس نے اسلام قبول کیا۔

ابن حجر اصابہ میں لکھتے ہیں:

علقمہ نے حضرت عمر کے عہد میں شراب نوشی کی تو حضرت عمر نے اس پر حد شرعی جاری کی۔ اسے اس کا صدمہ ہوا اور وہ مرتد ہو گیا اور ملک روم میں چلا گیا۔

رومی بادشاہ نے اس کی عزت و تکریم کی اور اس سے کہا تو عامر بن طفیل کا ابن عم ہے اسی لیے ہم تیرا احترام کرتے ہیں۔

رومی بادشاہ کے یہ الفاظ سن کر اسے غصہ آیا اور کہنے لگا کہ کیا میں اتنا غیر معروف ہوں کہ میرا تعارف عامر بن طفیل کے ذریعہ سے کرایا جائے؟

۱۔ الاغانی طبع ساسی ۱۴ / ۱۵۷۔ اسی واقعہ کو اختصار سے ابن حزم نے جمھرۃ انساب العرب میں ۲۸۴ پر بھی نقل کیا ہے۔

پھر وہ روم سے واپس آیا اور اس نے اسلام قبول کیا۔ابو الفرج الاغانی اور ابن حجر الاصابہ میں لکھتے ہیں:

علقمہ ارتداد کے بعد مسلمان ہوا اور مدینہ آیا۔ خالد بن ولید سے اس کی دوستی تھی وہ رات کے وقت مسجد میں آیا۔ اس کی ملاقات حضرت عمر سے ہوئی اور رات کی تاریکی کی وجہ سے وہ انہیں نہ پہچان سکا اور حضرت عمر اور خالد بن ولید دونوں ایک دوسرے کے ہم شکل تھے۔ علقمہ نے انہیں خالد سمجھ کر سلام کیا اور پھر کہا:

علقمہ: کیا اس نے تجھے معزول کر دیا ہے؟

حضرت عمر: کچھ ایسی ہی بات ہے۔

علقمہ: اس نے تجھے ازروئے حسد معزول کیا ہے؟

حضرت عمر: آخراب اس کا کیا علاج کیا جائے؟

علقمہ: معاذ اللہ! ہم عمر کے خلاف کیا کر سکتے ہیں ہم پر اس کی اطاعت واجب ہے اور اس کی مخالفت ناجائز ہے۔

یوں رات کی ملاقات ختم ہوئی اور صبح ہوئی حضرت عمر مسجد میں آئے اور خالد بھی مسجد میں آیا۔ کچھ دیر بعد علقمہ بھی مسجد میں داخل ہوا اور خالد کے پہلو میں آ کر بیٹھ گیا۔ جیسے ہی علقمہ آ کر بیٹھا تو حضرت عمر نے اس سے کہا:

حضرت عمر: علقمہ! تو نے خالد سے جو کہا تھا کہہ دیا؟

یہ الفاظ سن کر علقمہ کا ماتھا ٹھنکا اور اس نے خالد سے کہا معلوم ہوتا ہے کہ رات میں نے تمہارے مغالطہ میں انہی سے باتیں کی تھیں پھر اس نے حضرت عمر سے کہا:

علقمہ: مگر آپ نے اچھائی کے علاوہ اور تو کچھ نہیں سنا تھا۔

حضرت عمر: جی ہاں! اگر میں تجھے ''حوران[1]'' کا حاکم مقرر کروں تو کیا تو قبول کرے گا؟

علقمہ۔ کیوں نہیں۔

پھر حضرت عمر نے اسے ''حوران'' کی حکومت کا پروانہ لکھ دیا اور وہ حوران کا حاکم بن گیا اور اس کی موت بھی وہاں ہی واقع ہوئی۔ حطیہؑ نے اس کا مرثیہ کہا تھا۔

مذکورہ واقعات سے سیف کی کذب بیانی پوری طرح سے عیاں ہوتی ہے کیونکہ پہلی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حکومت و ولایت کے لیے صحابی ہونا ضروری نہیں تھا بلکہ نو مسلم افراد کو بھی حکومت میں شریک کیا جاتا تھا اور اسی طرح سے سیف کا یہ قول بھی جھوٹا ثابت ہوتا ہے کہ کوئی مرتد حکومت و اقتدار کے متعلق سوچ تک نہ سکتا تھا۔ جب کہ ہم نے ثابت کیا ہے کہ علقمہ بن علاثہ شرابی تھا اور اس نے ارتداد کا ارتکاب بھی کیا تھا مگر وہ حضرت عمر کی حکومت کا خیر خواہ تھا اسی لیے اسے حکومت میں شامل کیا گیا اور ''حوران'' کی حکومت اس کے سپرد کی گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ مکتب خلافت سے وابستہ افراد نے سیف جیسے زندیقوں کی روایات کو اہمیت دی ہے جس کی وجہ سے روایت حدیث میں مشکلات پیدا ہوئیں۔

ا۔ حوران۔ شام کے علاقہ میں ایک آباد و شاد منطقہ کا نام ہے۔

فصل دوم

عدالتِ صحابہ کا نظریہ

- مکتبِ خلافت کا نظریہ
- مکتبِ امامت کا نظریہ
- مومن اور منافق کی پہچان

عدالت صحابہ کے متعلق مکتبِ خلافت کا نظریہ

مکتبِ خلافت کے نزدیک تمام صحابی عادل ہیں اور تمام صحابہ سے دینی تعلیمات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ جرح و تعدیل کے امام حافظ ابو حاتم رازی اپنی کتاب ”تقدمة المعرفة لكتاب الجرح والتعديل“ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

اصحاب رسول وحی اور تنزیل کے گواہ ہیں اور تفسیر و تاویل سے واقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت و نصرت اور دین کے قیام کے لیے منتخب کیا۔ اللہ ان کی صحابیت پر راضی ہوا اور اللہ نے انہیں امت کا رہبر و پیشوا بنایا۔

صحابہ نے رسول خداؐ کی وساطت سے خدا کے کلام کو یاد کیا اور انہوں نے تمام اوامر و نواہی، محرمات و مستحبات کی تعلیم حاصل کی اور انہوں نے دین میں سمجھ بوجھ پیدا کی۔ انہوں نے رسول خداؐ سے براہ راست قرآن مجید کی تفسیر و تاویل کا علم حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص کو مدنظر رکھ کر انہیں عالم اسلام کا رہبر و رہنما مقرر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے شک و کذب، غلط بیانی اور دیگر برائیوں کو دور کیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں خطاب کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنَا کُمْ اُمَّةً وَّ سَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ. (البقرہ: ۱۴۳)

''اور اس طرح سے ہم نے تمہیں درمیانی امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔''

حضرت رسول خداؐ نے لفظ ''وَسَطًا'' کی تفسیر لفظ عادل سے فرمائی۔ لہٰذا آیت مجیدہ کے تحت صحابہ امت کے عادل افراد اور امام ہدایت اور دین میں حجت اور کتاب وسنت کے بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مسلمانوں کو ان کی پیروی کی ترغیب دی ہے اور ان کے راستہ سے انحراف کرنے والوں کو عذاب جہنم سے خبردار کیا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ قدرت ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْراً. (النساء: ۱۱۵)

''جو شخص بھی ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسولؐ سے اختلاف کرے گا اور مومنین کے راستہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا اسے ہم ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھر گیا ہے اور ہم اسے جہنم میں جھونک دیں گے جو بدترین ٹھکانا ہے۔''

اور اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ رسول خداؐ نے انہیں اپنی تعلیمات پہنچانے کی ترغیب دی اور آپ نے اپنے اصحاب کو دعا دیتے ہوئے فرمایا:

نضر الله امرأ سمع مقالتی فحفظها و وعاها حتی يبلغها غيره.

''اللہ اس شخص کو شاداب رکھے جو میری گفتگو کو سن کر یاد رکھے

اور اسے دوسروں تک پہنچائے۔''

آنحضرتؐ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

فلیبلغ الشاهد منکم الغائب.

''جو یہاں پر موجود ہے وہ غائب تک یہ پیغام پہنچا دے۔''

اور آپ نے تبلیغ آیات کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

بلغوا عنی ولو آیة.

''میری طرف سے پہنچاؤ اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔''

آنحضرتؐ کے ان فرامین پر صحابہ نے پورا پورا عمل کیا اوراسلام کی تعلیم کے لیے اطراف و اکناف میں پھیل گئے اور انہوں نے بہت سے ممالک فتح کیے اور مفتوحہ ممالک میں احکام اسلام نافذ کیے اور ہر جگہ انہوں نے آنحضرتؐ کی تعلیمات کی نشر و اشاعت کی اور اسلام کے فرائض و احکام اور حلال وحرام کو بیان کیا اور مرتے دم تک اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کی اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو اور ان کی مغفرت فرمائے۔ اس مکتب فکر کے ایک اور پیرو ابن عبدالبر اپنی کتاب ''الاستیعاب'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''تمام صحابہ کی عدالت ثابت ہے۔''

پھراس نے صحابہ کی عدالت کے لیے ایسی بہت سی آیات لکھیں جن میں صحابہ کی مدح کی گئی ہے۔ ابن اثیر اپنی کتاب اسد الغابہ کے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں:

''علم اسماء الرجال کی ضرورت اس لیے ہے کہ اسلامی احکام کی تفصیل اور حلال وحرام کی وضاحت روایات میں موجود ہے اور روایت اسناد کی صحت کے بعد ثابت ہوتی ہے اور اگر ہمیں راویان حدیث کے متعلق علم ہی نہ ہوتو ہم شدید نقصان میں پڑ

جائیں گے۔ اسی لیے ضروری ہے کہ تمام روایات کے راویوں کے صحیح وضعیف اور صادق و کاذب کا علم ہونا چاہیے۔ لیکن واضح رہے کہ ہم رواۃ پر جرح و تعدیل کے قائل ہیں لیکن جب روایت کا آخری سلسلہ کسی صحابی سے مربوط ہو جائے تو ہم صحابی کی جرح وتعدیل کی بحث نہیں کریں گے۔ ہماری نظر میں تمام صحابی عادل ہیں ان پر جرح کرنی صحیح نہیں ہے۔''

حافظ ابن حجر الاصابہ کی فصل سوم میں لکھتے ہیں:

اتفق اهل السنة على ان الجميع عدول ولم يخالف في ذلك الاشذوذ من المبتدعة.

''اہل سنت کا اتفاق ہے کہ تمام صحابی عادل ہیں اور چند اہل بدعت کے علاوہ اس کی کسی نے مخالفت نہیں کی۔''

ابو زرعہ سے یہ قول مروی ہے:

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ اصحاب پیغمبر میں سے کسی صحابی کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ شخص زندیق ہے۔ کیونکہ رسولؐ حق ہے، قرآن حق ہے اور رسول جو کچھ پروردگار کی طرف سے لائے ہیں وہ حق ہے۔ اور یہ سارے کا سارا حق ہم تک صحابہ نے پہنچایا ہے۔ اور صحابہ کتاب و سنت کے گواہ ہیں اور جو شخص ان کی تنقیص کرتا ہے تو وہ درحقیقت کتاب و سنت کے گواہوں کو کمزور کرتا ہے۔ اسی لیے کتاب و سنت کے گواہوں کی جرح سے بہتر ہے کہ ہم ایسے شخص پر جرح کریں اور اس پر زندیق ہونے کا فتویٰ صادر کریں۔ (1)

۱۔ کاش ابو زرعہ بتاتے کہ اصحاب رسول میں سے منافقین کے متعلق ان کا کیا نظریہ تھا؟

مکتبِ امامت اور عدالت صحابہ

مکتبِ امامت عدالت صحابہ کے متعلق وہی عقیدہ رکھتا ہے جو قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔صحابہ کی جماعت میں کامل الایمان افراد بھی موجود تھے جن کی اللہ تعالیٰ نے تعریف وتوصیف کی ہے۔جیسا کہ بیعت رضوان کرنے والے مومنین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَافِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا. (الفتح۔۱۸)

''یقیناً خدا صاحبان ایمان سے اسی وقت راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے پھر اس نے وہ سب کچھ دیکھ لیا جو ان کے دلوں میں تھا تو ان پر سکون نازل کر دیا اور انہیں اس کے عوض قریبی فتح عنایت کر دی۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین پر اپنی رضامندی کا ذکر کیا اور اس بیعت میں شامل منافقین پر اپنی رضا مندی کا اظہار نہیں کیا کیونکہ اس بیعت میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اور اوس بن قیظی جیسے منافق بھی شامل تھے۔[1]

صحابہ میں جہاں کامل الایمان افراد موجود تھے وہاں پر منافقین بھی موجود تھے جن کی مذمت میں قرآن مجید کی بیسوں آیات نازل ہوئیں۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمِمَّنْ حَوْلَکُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ. (التوبہ:۱۰۱)

۱۔ مغازی واقدی ص ۵۸۸۔امتاع الاسماع مقریزی ص ۲۸۴۔

''تمہارے گرد دیہاتیوں میں بھی منافقین ہیں اور اہل مدینہ میں
تو وہ بھی ہیں جو نفاق میں ماہر اور سرکش ہیں تم ان کو نہیں
جانتے ہو لیکن ہم خوب جانتے ہیں۔ ہم ان پر دوہرا عذاب
کریں گے اس کے بعد یہ عذاب عظیم کی طرف پلٹا دیے
جائیں گے۔''

گروہ صحابہ میں ایسے افراد بھی موجود تھے جنہوں نے رسول خداؐ کی ایک زوجہ پر بھی تہمت تراشی کی تھی۔ (نعوذ باللہ)۔ اور ایسے افراد بھی موجود تھے جو حضورؐ کو حالت خطبہ میں چھوڑ کر تجارت اور لہو ولعب کی طرف چلے گئے تھے جیسا کہ سورہ جمعہ میں ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذَا رَأَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَانِ انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا: (الجمعہ:۱۱)

''اور یہ لوگ جب تجارت یا لہو ولعب کو دیکھتے ہیں تو اس کی
طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپ کو تنہا کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔''

بزم صحابہ میں ایسے افراد بھی چھپے ہوئے تھے جنہوں نے غزوہ تبوک سے واپسی پر ایک گھاٹی کے قریب آنحضرتؐ کو شہید کرنے کا پروگرام تشکیل دیا تھا جس پر ''وَهَمُّوْا بِمَا يَنَالُوْا'' کی آیت نازل ہوئی۔ (۱)

۱۔ مسند احمد ۳۹۰/۵، ۴۵۳۔ صحیح مسلم ۱۲۲/۸۔۱۲۳، باب صفات المنافقین۔ مجمع الزوائد ۱۱۰/۱، ۱۹۵/۶۔ مغازی واقدی ۱۰۴۲/۳ امتاع الاسماع مقریزی ص ۴۷۷۔ تفسیر در منثور سیوطی ۲۵۸/۳۔۲۵۹ شیعہ روایات میں ہے کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کی واپسی پر پیش آیا کیونکہ رسول خداؐ نے غدیر خم میں حضرت علیؑ کی امامت و خلافت کا اعلان کیا تھا۔ اس سے منافقین کو شدید غصہ آیا اور انہوں نے آپ کو دھوکے سے شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جسے خدا نے ناکام کیا۔

مکتب اہل بیت سے وابستہ افراد کہتے ہیں کہ شرف صحابیت خواہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو پھر بھی شرف زوجیت سے کم ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی ازواج کو کھلے الفاظ سے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا. وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَا اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا. (الاحزاب۔۳۰۔۳۱)

''اے ازواج پیغمبر! جو بھی تم میں سے کھلی ہوئی برائی کا ارتکاب کرے گی اس کے عذاب کو دہرا کر دیا جائے گا اور یہ بات خدا کے لیے بہت آسان ہے اور جو بھی تم میں سے خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرے اور نیک اعمال کرے اسے ہم دہرا اجر عطا کریں گے اور ہم نے اس کے لیے بہترین رزق فراہم کیا ہے۔''

جب ازواج پیغمبر سے غلطیاں ہوئیں اور ان میں سے دو بیویوں کو قرآن مجید نے خصوصی طور پر مخاطب کر کے ان کی غلطیوں کی طرف متوجہ کیا ہے:

اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ. (سورہ تحریم:۴)

''اب تم دونوں توبہ کرو کہ تمہارے دلوں میں کجی پیدا ہو چکی ہے ورنہ اگر اس کے خلاف اتفاق کرو گی تو یاد رکھو اللہ اس کا سرپرست ہے اور جبریل اور نیک مومن اور ملائکہ سب اس کے مددگار ہیں۔''

قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ انبیائے کرامؑ کے صحابی تو رہے اپنی جگہ پر بعض انبیاءؑ کی بیویاں بھی نافرمانی کی وجہ سے دوزخ میں چلی گئی ہیں۔ جیسا کہ فرمان خداوندی ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثلاً لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِمْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ کَانَتَا تَحتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتَا هُمَا یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا وَّقِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِیْنَ. (تحریم: ۱۰)

''خدا نے کفر اختیار کرنے والوں کے لیے زوجہ نوحؑ اور زوجہ لوطؑ کی مثال بیان کی ہے کہ یہ دونوں ہمارے نیک بندوں کی زوجیت میں تھیں۔ لیکن ان سے خیانت کی تو اس زوجیت نے خدا کی بارگاہ میں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ تم بھی تمام جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔''

نافرمانی کی وجہ سے جب انبیاءؑ کی ازواج دوزخ سے محفوظ نہ رہ سکیں تو اصحاب کی ضمانت کیسے دی جا سکتی ہے؟

کچھ صحابی حوض سے ہٹائے جائیں گے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کے متعلق ارشاد فرمایا:

وانه یجاء برجال من امتی فیؤخذ بهم ذات الشمال فاقول: یارب اصحابی فیقال: انک لا تدری ماحدثوا بعدک. فاقول کما قال العبد الصالح "وَکُنتُ عَلَیْهِم شَهِیْدًا مَّادُمْتُ فِیْهِم فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِی

كُنتَ اَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيهِمْ'' (المائدہ: ۱۱۷)

فیقال: ان ھؤلاء لم یزالوا مرتدین علی اعقابھم منذفارقتھم. (۱)

''میری امت کے کچھ لوگ لائے جائیں گے۔ انہیں پکڑ کر بائیں طرف کر دیا جائے گا۔ میں کہوں گا پروردگار! میرے اصحاب ہیں۔ کہا جائے گا تو نہیں جانتا جو انہوں نے تیرے بعد تبدیلیاں کیں۔ تو اس وقت میں عبد صالح حضرت عیسیٰؑ کی طرح سے کہوں گا۔ میں جب تک ان میں رہا تو ان کا گواہ تھا اور جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگہبان تھا۔''

اس وقت کہا جائے گا آپ کے رخصت ہونے کے بعد یہ پچھلے پاؤں پھر گئے تھے۔ دوسری روایت ملاحظہ فرمائیں:

لیردن علی ناس من اصحابی الحوض حتی عرفتھم اختلجوا دونی، فاقول: اصحابی. فیقول: لاتدری مااحدثو بعدک. (۲)

''میرے کچھ صحابی میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے یہاں

۱۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ المائدۃ، باب و کنت علیھم شھیدا و کتاب الانبیاء، باب واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا. ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی شان الحشر وتفسیر سورۃ طہٰ۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الحوض ۴/۹۵، کتاب الفتن، باب ماجاء فی قول اللہ ''واتقوا فتنۃ......''۔ ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب الخطبۃ یوم النحر حدیث ۵۸۳۰ مسند احمد ۱/۴۵۳، ۳/۲۸، ۵/۴۸۔

تک کہ میں انہیں پہچان لوں گا۔ انہیں مجھ سے دور کر دیا جائے گا۔ میں کہوں گا۔ یہ میرے اصحاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کہے گا۔ تو نہیں جانتا جو انہوں نے تیرے بعد تبدیلیاں پیدا کی تھیں۔"

صحیح مسلم میں مرقوم ہے:

لیرون علی الحوض رجال ممن صاحبنی حتی اذا رأیتھم و رفعوا الی اختلجوا دونی. فلا قولن: ای رب اصحابی فلیقالن لی: انک لاتدری مااحدثوا بعدک. [1]

"مجھ سے صحبت رکھنے والے کچھ لوگ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے اور جب میں انہیں دیکھوں گا اور وہ میری طرف بڑھیں گے تو انہیں مجھ سے دور کر دیا جائے گا۔ اس وقت میں کہوں گا۔ خدایا یہ تو میرے اصحاب ہیں؟ اس کے جواب میں مجھ سے کہا جائے گا تجھے معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے تیرے بعد کیا تبدیلیاں کی تھیں۔"

مومن اور منافق کی کسوٹی

گروہ صحابہ میں منافقین موجود تھے جنہیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مومن اور منافق کی پہچان کے لیے ایک کسوٹی مقرر کی اور اللہ نے اپنے نبی کو اطلاع دی کہ وہ کسوٹی علیؑ کی ذات ہے اس سے محبت رکھنے والا مومن اور اس سے بغض رکھنے والا منافق ہو گا۔ جیسا کہ حضرت علیؑ اور ام المومنین ام سلمہؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور ابو ذر غفاریؓ اور انس بن مالکؓ اور عمران بن حصین سے منقول ہے۔ عہد پیغمبر میں منافقین کو اسی کسوٹی سے ہی پرکھا جاتا تھا حضرت ابوذرؓ کا فرمان ہے:

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبینا، ۴/۱۸۰۰ حدیث ۴۰۔

ماکنا نعرف المنافقین الا بتکذیبهم اللّٰه ورسوله والتخلف عن الصلوات والبغض لعلی بن ابی طالب.

''ہم تین علامات سے منافقین کو پہچانتے تھے۔ (۱) خدا اور رسول خداؐ کی تکذیب۔ (۲) نماز سے پیچھے رہنا۔ (۳) علی بن ابی طالبؑ سے بغض رکھنا۔''

(مستدرک علی الصحیحین ۳/۱۲۹' کنز العمال ۱۵/۹۱۔)

ابوسعید خدری نے کہا:

انا کنا لنعرف المنافقین. نحن معاشر الانصار. ببغضهم علی بن ابی طالب.

(صحیح ترمذی ۱۳/۱۶۷۔ حلیۃ الاولیاء ابونعیم ۶/۲۸۴۔)

''ہم گروہ انصار منافقین کو علی بن ابی طالبؑ کے بغض سے پہچان لیتے تھے۔'' عبداللہ بن عباس نے کہا:

انا کنا نعرف المنافقین علی عهد رسول اللّٰه (ص) ببغضهم علی بن ابی طالب. (تاریخ بغداد ۳/۱۵۳)

''رسول خداؐ کے عہد میں ہم منافقین کو علی بن ابی طالبؑ کے بغض سے پہچان لیا کرتے تھے۔''

جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے کہا:

ماکنا نعرف المنافقین الاببغض علی ابن ابی طالب

(الاستیعاب ۲/۴۶۴' ریاض النضرہ ۲/۲۸۴' تاریخ ذہبی ۲/۱۹۸ مجمع الزوائد ۹/۱۳۳)

''ہم علی ابن ابی طالبؑ کے بغض سے منافقین کو پہچان لیا کرتے
تھے۔''

حضرت رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کے لیے دعا مانگی اور کہا:

اللهم وال من والاه وعاد من عاداه۔ (مجمع الزوائد ۱۳۳/۹۔)

''پروردگارا! جو علیؑ سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور
جو علیؑ سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔''

ان حقائق کی وجہ سے مکتب امامت سے وابستہ افراد کسی بھی دشمن علیؑ صحابی کی روایت قبول نہیں کرتے کیونکہ انہیں اس امر کا اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ صحابی منافقین کی جماعت کا فرد نہ ہو۔ اس تمام تر بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مکتب خلافت میں تمام صحابی عادل ہیں اور وہ سب ستاروں کی مانند ہیں۔ سب سے احکام دین حاصل کیے جا سکتے ہیں اور ان کی عدالت پر جرح کرنے والا زندیق ہے۔ اس کے برعکس مکتبِ امامت میں صحابہ کو بھی دوسرے انسانوں کی طرح سے سمجھا جاتا ہے۔

• صحابہ میں کچھ کامل الایمان صحابی بھی تھے اور کچھ خطاکار بھی تھے۔ ان میں رسول خداؐ کے جانثار بھی تھے اور حضور اکرمؐ کے قتل کی سازش کرنے والے منافق بھی صحابیت کے بھیس میں موجود تھے۔ رسول اکرمؐ کی ایک زوجہ پر تہمت تراشنے والے بھی اول و آخر صحابی ہی تھے اور ایسے ہی صحابہ کے متعلق رسول خداؐ خود فرما کر گئے کہ قیامت کے دن یہ حوض پر میرے پاس وارد ہوں گے' پھر اچانک فرشتے انہیں مجھ سے ہٹا دیں گے میں کہوں گا کہ یہ میرے اصحاب ہیں۔ اس وقت ندائے قدرت آئے گی ان لوگوں نے آپ کے بعد دین میں تبدیلیاں کیں۔ تو اس وقت میں کہوں

گا دوری ہے اس کے لیے جس نے میری سنت کو تبدیل کیا۔

رسول خداؐ نے ایمان و نفاق کی کسوٹی حضرت علی علیہ السلام کو قرار دیا اور فرمایا جو اس سے محبت کرے وہ مومن اور جو اس سے بغض رکھے وہ منافق ہے۔

صحابہ اسی کسوٹی سے مومن اور منافق کی پہچان کیا کرتے تھے۔

مکتبِ اہل بیت کسی بھی دشمن علیؑ صحابی سے روایت لینے کو درست نہیں جانتا کیونکہ اس کے متعلق قوی ترین شبہ ہے کہ کہیں وہ منافق ہی نہ ہو۔

اس بحث کے بعد ہم مسئلہ امامت پر دونوں مکاتب فکر کی آراء پیش کریں گے۔

بحث دوم

امامت

فریقین کی نظر میں

- خلافت کیسے قائم ہوئی؟
- مکتبِ خلافت کا امام کے متعلق نظریہ
- مکتبِ اہل بیتؑ کا امامت کے متعلق نظریہ
- خلاصہ بحث

فصل اوّل

- خلافت کیسے قائم ہوئی؟
- وصیت رسولؐ لکھنے کا حکم
- وفات رسولؐ کے متعلق حضرت عمر کا موقف
- سقیفہ اور حضرت ابوبکر
- رسول خداؐ کی تدفین اور تدفین میں شریک افراد
- حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر میں پناہ لینے والے
- حضرت ابوبکر کی بیعت سے تخلف کرنے والے
- حضرت عمر کی نامزدگی اور ان کی بیعت
- شوریٰ اور حضرت عثمان کی بیعت
- حضرت علیؑ کو معلوم تھا کہ مجلس شوریٰ انہیں خلافت سے محروم رکھے گی
- خلافت علی علیہ السلام

واقعاتِ خلافت تاریخ کی رو سے

امامت و خلافت کے متعلق دونوں مکاتبِ فکر کی آراء کا جائزہ لینے سے قبل ہم ان تاریخی واقعات کو بیان کرنا چاہتے ہیں جن کا تعلق واقعات خلافت سے ہے۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ رسول خداؐ نے اپنی وفات سے قبل اہلِ روم سے جنگ کرنے کے لیے ایک لشکر تشکیل دیا جس کا سالار اسامہ بن زیدؓ کو مقرر کیا اور مہاجرین و انصار کی تمام سرکردہ شخصیات کو اس کی زیر قیادت جانے کا حکم دیا۔

ان میں ابوبکرؓ عمرؓ ابوعبیدہؓ سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زید...... جیسی شخصیات شامل تھیں۔اس لشکر نے مدینہ کے باہر تین میل کے فاصلہ پر ''جرف'' کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔لوگوں نے اسامہ بن زید کی سالاری پر اعتراض کیا اور کہا کہ اس نوخیز لڑکے کو بزرگ مہاجرین و انصار پر حاکم بنا دیا گیا ہے۔آنحضرتؐ نے جب یہ اعتراض سنا تو آپ کو سخت صدمہ ہوا اور آپ بخار کی حالت میں گھر سے باہر تشریف لائے اور منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہیں اسامہ کی سالاری پر اعتراض ہے۔تم نے اس سے قبل اس کے والد کی سالاری پر بھی اعتراض کیا تھا جب کہ خدا گواہ ہے کہ وہ سالاری کے لائق تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا بھی سالاری کے لائق ہے۔یہ کہہ کر

آپ منبر سے نیچے تشریف لائے اور جن لوگوں نے اسامہ کے ساتھ جانا تھا وہ آپ سے الوداع کر کے شہر سے باہر جانے لگے۔ابھی لشکر نے کوچ نہیں کیا تھا کہ آنحضرتؐ کی طبیعت مزید ناساز ہوگئی اور اس بیماری کی حالت میں آپ بار بار کہہ رہے تھے:

"لشکر اسامہ کو روانہ کرو۔"

اتوار کے دن آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی اور منگل کے دن اسامہ نے لشکر کو روانگی کا حکم دیا۔ ابھی لشکر روانہ نہیں ہوا تھا کہ اطلاع ملی کہ حضورؐ کا جانبر ہونا مشکل ہے اور آپ چند دنوں کے مہمان ہیں۔ یہ خبر سن کر اسامہ اور ابو عبیدہ واپس مدینہ آئے۔ [1]

وصیت لکھنے کا حکم

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں:

نبی کریمؐ کی طبیعت ناساز ہوئی۔ اس وقت گھر میں کافی لوگ موجود تھے جن میں حضرت عمر بن خطاب بھی شامل تھے۔ آپ نے فرمایا:

"کاغذ اور قلم دوات لے آؤ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں۔ اس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہوسکو گے۔"

حضرت عمر نے کہا: نبی پر درد کا غلبہ ہے جب کہ تمہارے پاس قرآن موجود ہے ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔

اس پر گھر میں موجود افراد کا اختلاف ہوگیا۔ ان میں سے کچھ وہی کہہ

۱۔ خلاصہ از طبقات ابن سعد طبع بیروت۔۲/۱۹۰۔۱۹۲۔ اس واقعہ کے باقی حوالہ جات کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب عبداللہ بن سبا کا مطالعہ فرمائیں۔

رہے تھے جو عمر نے کہا تھا۔ جب اختلاف اور شور وغوغا بڑھ گیا تو نبی کریمؐ نے فرمایا:

قوموا عنی لاینبغی عندی التنازع.

''میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ میرے پاس جھگڑا کرنا مناسب نہیں ہے۔'' (صحیح بخاری' کتاب العلم' باب کتابۃ العلم۔)

روایت بتاتی ہے:اس واقعہ کو یاد کر کے ابن عباسؓ اتنا رویا کرتے تھے کہ ان کے آنسوؤں کی وجہ سے سنگریزے تر ہو جاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ رسول خداؐ کے درد میں شدت پیدا ہوئی۔تو آپ نے فرمایا:

''میرے پاس کاغذ لے آؤ میں تمہیں ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔''

مگر لوگوں نے جھگڑا کیا جب کہ نبی اکرمؐ کے پاس جھگڑا مناسب نہیں تھا اور لوگوں نے کہا **ھجر رسول اللّٰہ**: رسول خدا ہذیان بک رہے ہیں۔ (۱)

ایک اور روایت میں ہے: کہ ابن عباسؓ کہا کرتے تھے۔

''سب سے بڑا المیہ یہ ہوا کہ لوگوں کے اختلاف اور شور وغوغا کی وجہ سے رسول خداؐ کو دستاویز لکھنے سے روک دیا گیا۔'' (۲)

۱۔ صحیح بخاری' باب جوائز الوفد من کتاب الجهاد' ۲/۱۲۰' کتاب الجزیۃ' باب اخراج الیهود من جزیرة العرب۔ صحیح مسلم' کتاب الوصیۃ' باب ترک الوصیة۔ وغیر ذلک من کتب الحدیث۔

۲۔ صحیح بخاری' کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة' باب کراهیة الخلاف' وباب قول المریض قوموا عنی من کتاب المرضیٰ۔ کتاب المغازی' باب مرض النبی' کتاب الوصیة' باب ترک الوصیة من صحیح مسلم۔

وفات پیغمبرؐ کے متعلق حضرت عمر کا نظریہ

ماہ ربیع الاول میں پیر کی دوپہر کے وقت آنحضرتؐ نے وفات پائی۔ اس وقت حضرت ابوبکر مدینہ سے باہر اپنے سخ والے مکان میں تھے اور حضرت عمر مدینہ میں موجود تھے۔ حضرت عمر جنازہ رسول پر آئے اور کچھ دیر بعد مغیرہ بن شعبہ بھی وہاں آیا:

حضرت عمر نے رسول خداؐ کے چہرہ سے کپڑا ہٹایا اور کہا:

''رسول خداؐ طویل غشی میں چلے گئے ہیں۔''

مغیرہ نے کہا: نہیں! رسول خداؐ کی وفات ہو چکی ہے۔

حضرت عمر نے کہا: رسول خداؐ کی وفات نہیں ہوئی اور تو یہ بات اس لیے کہہ رہا ہے کہ تو فتنہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ جب تک رسول خداؐ تمام منافقین کو ہلاک نہ کر دیں اس وقت تک وہ ہرگز نہیں مریں گے۔

پھر حضرت عمر نے کہا: منافقین کہہ رہے ہیں کہ رسول خداؐ کی وفات ہو گئی ہے جب کہ رسول خداؐ کی وفات نہیں ہوئی وہ حضرت موسیٰؑ کی طرح اپنے رب کے پاس گئے ہیں اور وہ چالیس راتوں کے بعد واپس آئیں گے اور جو لوگ ان کی وفات کا گمان کر رہے ہیں آپ واپس آ کر ان لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیں گے۔ اور سن لو جس نے بھی کہا کہ محمدؐ کی وفات ہو گئی ہے میں اپنی تلوار سے اس کا سر اتار دوں گا۔ آپ مرے نہیں بلکہ آسمان کی طرف چلے گئے ہیں۔

کسی نے اس وقت یہ آیت پڑھ کر انہیں سنائی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ.

"محمدؐ بس اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے
ہیں تو کیا اگر محمدؐ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم پچھلے
قدموں پر لوٹ جاؤ گے؟ (۱۔طبقات ابن سعد ۲/ ق ۲/ ۵۷۔ کنزالعمال۔)

عباس بن عبدالمطلبؓ نے کہا:

رسول خداؐ کی وفات ہو چکی ہے اور موت کے وقت میں نے آنحضرتؐ کے چہرے پر وہ نشانی دیکھی ہے جو عبدالمطلب کی اولاد کے چہرے پر موت کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔ پھر عباسؓ نے کہا: کیا تم میں سے کسی کو رسول خداؐ نے بتایا تھا کہ ان کی وفات نہ ہوگی؟ تمام حاضرین نے اس کا نفی میں جواب دیا۔

مگر اس کے باوجود حضرت عمر اپنی بات پر ڈٹے رہے اور ان کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔ پھر حضرت ابوبکر آئے اور انہوں نے یہ آیت پڑھی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ.
(الآية)

"محمدؐ بس اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔"

حضرت عمر نے کہا: کیا یہ کتاب اللہ کی آیت ہے؟

حضرت ابوبکر نے کہا: ہاں۔ پھر حضرت عمر خاموش ہو گئے۔

سقیفہ اور بیعت ابوبکر

انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع کیا اور مہاجرین بھی سقیفہ کی طرف چلے گئے اور آنحضرتؐ کے جنازہ کے پاس آپ کے قریبی رشتہ داروں کے علاوہ اور کوئی باقی نہ رہا۔ آپ کے اقرباء نے ہی آپ کو غسل و کفن دیا۔

آنحضرتؐ کے غسل و کفن میں شریک ہونے والے افراد کے نام یہ ہیں:

۱۔ حضرت علی علیہ السلام۔ ۲۔ حضرت عباسؓ۔
۳۔ فضل بن عباس۔ ۴۔ قثم بن عباس۔
۵۔ اسامہ بن زید۔ ۶۔ آنحضرتؐ کا آزاد کردہ غلام صالح۔
۷۔ اوس بن خولی انصاری۔

حضرت عمر کی زبانی سقیفہ کی کارروائی

صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب رجم الحبلیٰ ۴/۱۲۰ پر مرقوم ہے۔

حضرت عمر نے کہا:

انه كان من خبرنا حين توفى الله نبيه ان الانصار اجتمعوا فى سقيفة بنى ساعدة وخالف عنا على والزبير ومن معهما...... تغرة ان يقتلا.

''ہمارے واقعات یہ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو وفات دی تو انصار نے ہماری مخالفت کی اور وہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے اور علیؑ اور زبیر اور ان دونوں کے ساتھیوں نے بھی ہماری مخالفت کی۔ میں نے ابوبکر سے کہا۔ آپ ہمیں ساتھ لے کر انصار بھائیوں کے پاس چلیں۔''

ہم چل پڑے یہاں تک کہ ان کے پاس جا پہنچے۔ وہاں ایک شخص کمبل اوڑھے بیٹھا تھا۔ جس کے متعلق بتایا گیا کہ یہ سعد بن عبادہ ہے اور اسے بخار چڑھا ہوا ہے۔ وہاں ہم تھوڑی دیر بیٹھے تو انصار کے ایک خطیب نے تقریر کی اور اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہا:

''ہم خدا کے مددگار اور اسلام کا لشکر ہیں اور مہاجرین تم بھی......''

۱۔ غالباً اسی وجہ سے مولانا روم نے فرمایا تھا۔
چون صحابہ حب دنیا داشتند ۔ مصطفیٰ را بے کفن بگذ اشتند ۔ (از مترجم)

میں نے اس کی تقریر کا جواب دینا چاہا مگر ابوبکر نے کہا کہ تم خاموش رہو۔ پھر ابوبکر نے تقریر کی اس نے میرے تمام تر خیالات کی مجھ سے بھی بہتر انداز میں ترجمانی کی اور کہا۔تم نے اپنی جس فضیلت کا ذکر کیا ہے تم واقعی اس کے اہل ہو مگر قریش کے علاوہ امر خلافت کسی اور قبیلہ کو زیب نہیں دیتا۔قریش اپنے نسب اور اپنے گھر کی بدولت عرب کے منتخب افراد ہیں۔ میں تمہارے لیے دو افراد کا انتخاب کرتا ہوں ان میں سے تم جس کی چاہو بیعت کرلو۔ پھر انہوں نے میرا اور ابوعبیدہ کا ہاتھ پکڑا۔یعنی تم ان میں سے کسی ایک کی بیعت کرلو۔ پھر انصار میں سے ایک شخص اٹھا اور اس نے کہا: میں باخبر اور تجربہ کار شخص ہوں تم لوگ میری مانو تو ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے ہو۔

اس تجویز پر کافی شور وغوغا اٹھا۔ میں نے تفرقہ سے بچنے کے لیے ابوبکر سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ دراز کریں۔ انہوں نے اپنا ہاتھ دراز کیا تو میں نے ان کی بیعت کی اور دوسرے مہاجرین نے بیعت کی' پھر انصار نے ان کی بیعت کی اور ہم نے سعد بن عبادہ کو روند ڈالا...... آئندہ اگر کوئی شخص مشورہ کے بغیر کسی کی بیعت کرے تو بیعت کرنے والے اور بیعت لینے والے دونوں کو قتل کر دینا چاہیے۔

تاریخ طبری سے واقعات سقیفہ کی تلخیص

انصار نے جنازہ رسولؐ چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع کیا اور انہوں نے سعد بن عبادہ کو خلیفۃ الرسول مقرر کرنے کا ارادہ کیا اور اسی مقصد کے لیے بیمار سعد کو گھر سے نکال کر سقیفہ میں لے آئے۔

سعد نے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد اس نے انصار کی دینی قربانی اور ان کی فضیلت کا ذکر کیا اور دوران خطبہ اس نے کہا کہ آنحضرتؐ انصار کی

عزت کرتے تھے اور انصار نے بھی دل کھول کر اسلام کی مدد کی اور دشمنان اسلام سے جہاد کیا انصار کی تلوار ہی سے سارا عرب حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ جب رسول خداؐ کی وفات ہوئی تو آپؐ انصار سے راضی تھے۔ لہٰذا اب انصار کو چاہیے کہ دوسروں سے مشورہ کیے بغیر اقتدار وحکومت پر قابض ہو جائیں۔

جواب میں انصار نے اس کی بھرپور تائید کی اوران کی رائے کی تعریف کی اور اپنی حمایت کا یقین دلایا اور کہا ہم آپ کو ہی خلیفہ رسول منتخب کرتے ہیں۔

پھر انہوں نے کہا کہ اگر مہاجرین نے ہماری اس حکومت کو تسلیم نہ کیا اور اگر انہوں نے کہا کہ ہم رسول خداؐ کے قدیمی اصحاب ہیں اور ہم نے راہ خدا میں اپنے وطن کو چھوڑا اور ہم رسول خداؐ کا خاندان ہیں تو ہم انہیں کیا جواب دیں گے؟

اس وقت ایک انصاری نے کہا کہ اگر انہوں نے ہم سے جھگڑا کیا تو ہم ان سے کہیں گے کہ ایک امیر ہم میں سے ہونا چاہیے اور ایک امیر تم میں سے ہونا چاہیے۔

یہ گفتگو سن کر سعد بن عبادہ نے کہا یہ تمہاری پہلی کمزوری ہے۔

حضرت ابوبکر وعمر کو انصار کے اس اجتماع کی اطلاع ملی تو وہ ابوعبیدہ بن جراح کو ساتھ لے کر سقیفہ کی طرف روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ اسید بن حضیر عویم بن ساعدہ اور بنی عجلان سے تعلق رکھنے والا عاصم بن عدی بھی سقیفہ کی طرف چل پڑے۔

وہاں حضرت عمر نے تقریر کرنے کا ارادہ کیا مگر حضرت ابوبکر نے انہیں تقریر سے روک دیا اور خود تقریر کی جس میں حمد وثنا کے بعد انہوں نے مہاجرین کے فضائل بیان کیے اور کہا کہ مہاجرین نے رسول خداؐ کی تصدیق میں تم سے سبقت کی ہے اور مہاجرین ہی نے خدا کی سرزمین پر سب سے پہلے خدا کی عبادت کی ہے اور مہاجرین کا تعلق رسول خداؐ کے خاندان اور قبیلہ سے ہے اور آنحضرتؐ کی نیابت و خلافت کے بھی تمام لوگوں سے وہی زیادہ حقدار ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے انصار کی فضیلت بیان کی اور کہا مہاجرین اولین کے بعد تمہارا ہی مقام ہے۔ ہم حکمران ہوں گے اور تم ہمارے وزیر ہو گے۔

حباب بن منذر نے اٹھ کر انصار سے کہا:

اے گروہ انصار! اپنے معاملات کو اپنے ہاتھ سے مت نکلنے دو یہ لوگ تمہارے زیر سایہ زندگی بسر کرنے والے ہیں اور کسی شخص کو بھی تم سے اختلاف کا یارا نہیں ہے۔ ان کی چکنی چپڑی باتوں میں مت آؤ ورنہ تمہاری آراء میں فرق آ جائے گا اور تمہارا معاملہ کمزور پڑ جائے گا۔ اگر ان لوگوں کو ہماری امارت منظور نہیں ہے تو ہم انہیں اپنی امارت تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کرتے اور اس صورت میں ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر ان میں سے ہونا چاہیے۔

حضرت عمر نے کہا: یہ ناممکن ہے ایک نیام میں دو تلواریں اکٹھی نہیں رہ سکتیں۔ عرب اس بات کو کبھی بھی قبول نہیں کریں گے کہ نبی ایک خاندان کا ہو اور جانشین دوسرے خاندان کا ہو اور اس کے برعکس عرب ایک ہی خاندان کی نبوت و خلافت کو برداشت کر لیں گے۔ خلافت ہر لحاظ سے ہمارا حق ہے اور ہم سے محمد مصطفیٰ کی حکومت و امارت کو کوئی چھین نہیں سکتا ہم رسول خداؐ کے رشتہ دار اور ان کے خاندان کے افراد ہیں۔

حباب بن منذر نے کہا: اے گروہ انصار! اس شخص اور اس کے ساتھیوں کی باتوں میں مت آؤ اور اگر تم ان کی باتوں میں آ گئے تو یہ تمہارے حق پر قابض ہو جائیں گے اور اگر یہ لوگ تمہاری حکومت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو انہیں اپنے شہر اور اپنے علاقہ سے نکال باہر کرو۔ ان لوگوں کو اپنا زیر نگیں بناؤ۔ خدا کی قسم! اس امر کے تم ہی سب سے زیادہ حقدار ہو۔ تمہاری ہی تلواروں سے دین نے ترقی حاصل کی اور بے دین افراد تمہاری تلواروں کی وجہ سے دین میں داخل ہوئے۔ میں

ایک تجربہ کار اور جہاندیدہ شخص ہوں تم میری باتوں پر عمل کرو۔

حضرت عمر نے کہا: اگر تو نے ایسا کیا تو خدا تجھے قتل کر دے گا۔

حالات میں تلخی پیدا ہوتے دیکھ کر ابو عبیدہ نے کہا۔

اے گروہ انصار! تم اسلام کے پہلے مددگار اور ناصر ہو اور اب سب سے پہلے تبدیلی کرنے والے مت بنو۔ نعمان انصاری کے والد بشیر بن سعد خزرجی نے اٹھ کر کہا:

اے گروہ انصار! اگر چہ مشرکین کے ساتھ جہاد میں ہمارا بہت بڑا حصہ ہے اور ہمیں دین میں سبقت حاصل ہے مگر ہم نے یہ سب کچھ حصول اقتدار کے لالچ میں نہیں کیا تھا۔ ہم نے یہ تمام ایثار خدا کی رضا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے جذبہ سے سرشار ہو کر کیا تھا۔ اس کے لیے ہمیں لوگوں پر احسان جتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور ہمیں اپنی قربانیوں کا دنیا میں صلہ نہیں چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا کارساز ہے۔ محمد مصطفیٰؐ کا تعلق قریش سے تھا اور ان کی قوم ان کی خلافت کی تم سے زیادہ مستحق ہے۔ خدا کی قسم! تم مجھے اس معاملہ میں ان سے کبھی جھگڑتے ہوئے نہیں پاؤ گے۔ خدا سے ڈرو اور ان کی مخالفت نہ کرو۔

حضرت ابوبکر نے کہا: اس وقت تمہارے پاس عمر اور ابو عبیدہ موجود ہیں ان میں سے تم جس کی بیعت کرنا چاہو کر لو۔

حضرت عمر اور ابو عبیدہ نے کہا: آپ کے ہوتے ہوئے ہم کبھی حاکم نہیں بنیں گے...... الی آخر[1]

۱۔ طبری در حالات ۱۱ھ ۲/۴۵۶۔ ابن اثیر ۲/۱۲۵۔ تاریخ الخلفاء ابن قتیبہ ۱/۵ کتاب السقیفہ از جوہری نقلا من شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید فی خطبۃ (ومن کلام لہ فی معنی الانصار)

پھر عبدالرحمٰن بن عوف نے کھڑے ہو کر کہا:

اے گروہ انصار! واقعی تم صاحبان فضیلت ہو لیکن تم میں ابوبکرؓ عمر اور علی جیسی کوئی شخصیت نہیں ہے۔ یہ سن کر منذر بن ارقم نے کہا: جن کا تم نام لے رہے ہو ہم ان کی فضیلت کے منکر نہیں ہیں۔ البتہ ان میں سے ایک شخص ایسا ہے اگر وہ خلافت کا مطالبہ کرے تو اس سے کوئی بھی جھگڑا نہیں کرے گا اور وہ علی بن ابی طلبؑ ہیں۔ (تاریخ یعقوبی ۲/۱۰۳۔ الموفقیات الزبیر بن بکار ص ۵۷۹۔)

اس وقت انصار میں سے بعض نے یہ نعرہ بلند کیا کہ ہم علیؑ کے علاوہ کسی کی بیعت نہیں کریں گے۔ (تاریخ طبری ۳/۲۰۸۔ طبع یورپ ۱۸۱۸۔ تاریخ ابن اثیر ۲/۱۲۳۔)

حضرت عمر کہتے ہیں کہ چاروں طرف سے مختلف آوازیں بلند ہونے لگیں اور مجھے اختلاف کا اندیشہ ہوا۔ میں نے ابوبکر سے کہا کہ آپ ہاتھ دراز کریں میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ انہوں نے ہاتھ بڑھایا تو حضرت عمر اور ابو عبیدہ ان کی بیعت کے لیے آگے بڑھے مگر ان دونوں سے پہلے بشیر بن سعد نے آگے بڑھ کر حضرت ابوبکر کی بیعت کی۔ حباب بن منذر نے اسے پکار کر کہا:

تو اپنی قوم کی مخالفت کر رہا ہے اور تو اپنے ابن عم سے حسد کر رہا ہے۔

جب قبیلہ اوس کے فرد نے بیعت کی تو اس کے بعد اس کے قبیلہ نے بھی بیعت کی اور انہیں دیکھ کر خزرج قبیلہ کے افراد بھی بیعت میں شامل ہو گئے۔

اس وقت اسید بن حضیر نے اپنے قبیلہ سے کہا کہ تم ابوبکر کی بیعت کرو کیونکہ اگر قبیلہ خزرج اقتدار میں آ گیا تو وہ تم پر فخر کرتا رہے گا۔ تم انہیں اقتدار میں آنے کا موقع ہی نہ دو۔ (تاریخ یعقوبی ۲/۱۰۳ الموفقیات الزبیر بن بکار ص ۵۷۹)

پھر لوگ ہر طرف سے بڑھ کر ابوبکر کی بیعت کرنے لگے اور اژدہام کی وجہ

سے قریب تھا کہ سعد بن عبادہ کچلے جاتے۔

سعد کے ساتھیوں میں سے کسی نے کہا: سعد کا خیال رکھو اسے مت کچلو۔

حضرت عمر نے کہا: اسے مارڈالو۔ خدا اسے مارے۔

پھر حضرت عمر نے اس کے سر کے قریب کھڑے ہو کر کہا:

میں چاہتا تھا کہ تجھے کچل ڈالوں اور تیرے اعضاء کو جدا جدا کر دوں۔

یہ سن کر سعد کا بیٹا قیس بن سعد اٹھا اور اس نے حضرت عمر کی داڑھی کو مٹھی میں لے کر کہا: اگر سعد کا بال برابر بھی نقصان ہوا تو میں تیرے منہ میں ایک دانت بھی نہ رہنے دوں گا۔

حضرت ابوبکر نے کہا: عمر صبر کرو۔ یہاں نرمی ہی فائدہ مند ہے۔

حضرت عمر خاموش ہو گئے۔

سعد نے کہا: کاش! میں تندرست ہوتا اور میرے پاس قوت ہوتی تو میں آج شیر کی طرح گرج کر تجھے اور تیرے ساتھیوں کو حیران کر دیتا اور تجھے واپس تیرے اس شہر میں بھیج دیتا جہاں تو رعیت تھا سردار نہ تھا۔

پھر سعد نے اپنے ساتھیوں سے کہا: مجھے یہاں سے اٹھا کر لے چلو۔ ان کے ساتھی آئے اور انہیں اٹھا کر ان کے گھر لے گئے۔

(طبری ۳/۴۵۵۔ ۴۵۹۔ طبری طبع یورپ ۱/۱۸۴۳۔)

جوہری لکھتے ہیں کہ سقیفہ میں جیسے ہی حضرت ابوبکر کی بیعت ہوئی تو حضرت عمر دوڑ دوڑ کر لوگوں سے کہتے تھے کہ لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی ہے اب تم بھی ان کی بیعت کرو۔ (کتاب السقیفہ جوہری نقلا عن شرح ابن ابی الحدید ۱/۱۳۳۔)

الغرض لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی اور انہیں مسجد میں لے آئے اور جب وہ مسجد میں پہنچے تو ان کے حامیوں نے زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اس وقت حضرت علیؑ غسل پیغمبر میں مصروف تھے حضرت علیؑ نے یہ آوازیں سن کر کہا:

یہ کیسی آوازیں ہیں؟

عباس نے کہا: آج جیسا مصیبت بھرا دن پہلے کبھی طلوع نہیں ہوا کیا میں نے آپ کو پہلے نہ کہا تھا۔ (۲)

ایک ہمدرد کی خبر رسانی

سقیفہ کی کارروائی دیکھ کر براء بن عازبؓ بنی ہاشم کے دروازہ پر آیا اور کہا۔

اے گروہ بنی ہاشم! لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی ہے۔ یہ سن کر بنی ہاشم ایک دوسرے سے کہنے لگے:

یہ بات تو بڑی تعجب خیز ہے کیونکہ مسلمان ہماری عدم موجودگی میں کوئی بڑا فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ جب کہ ہم محمد مصطفیٰؐ کے صحیح وارث ہیں۔

عباس نے کہا: رب کعبہ کی قسم! اب تو انہوں نے وہ سب کچھ کر لیا ہے۔

اس سے قبل عام مہاجرین اور بزرگ انصار کو یقین تھا کہ آنحضرتؐ کی نیابت حضرت علیؑ ہی کریں گے۔ الغرض مہاجرین و انصار کو حضرت علیؑ کی خلافت میں کسی طرح کا شک نہیں تھا۔ (الموفقیات الزبیر بن بکار ص ۵۸۰۔)

مورخ طبری لکھتے ہیں:

سقیفہ کی کارروائی کے بعد قبیلہ اسلم کے لوگ مدینہ میں آئے اور ان کی وجہ سے مدینہ کی گلیاں اور بازار بھر گئے۔ انہوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی اور حضرت عمران ایام کو یاد کر کے کہا کرتے تھے۔ جب میں نے قبیلہ اسلم کو دیکھا تو مجھے اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا اور میں نے اسے خدائی مدد تصور کی۔

(طبری ۲/ ۴۵۸۔ ابن اثیر ۲/۲۲۴۔)

۲۔ ابن عبدربہ فی العقد الفرید ط/ ۲۵۸۔ ابوبکر جوہری فی کتاب السقیفۃ نقلاً عن شرح ابن ابی الحدید ۱/۱۳۲۔ زبیر بن بکار فی الموفقیات ص ۵۷۷۔ ۵۸۰۔ ۵۸۳۔ ۵۹۲۔

بیعت کے خواہش مند افراد حضرت ابوبکر کو لے کر مسجد میں آئے اور حضرت ابوبکر منبر نبوی پر بیٹھ گئے اور لوگ ان کی بیعت کرتے رہے یہاں تک کہ بدھ کی رات آ گئی اور لوگ اس مصروفیت کی وجہ سے دفن رسولؐ میں شریک نہ ہوئے۔

(الموفقیات ص ۵۷۸۔ الریاض النضر ۃ ۱/۱۶۴۔ تاریخ خمیس ۱/۱۸۸)

عمومی بیعت

سقیفہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت ہوئی اور دوسرے دن وہ مسجد میں آئے اور منبر پر بیٹھے اور ان کے خطاب سے پہلے حضرت عمر نے اٹھ کر تقریر کی اور انہوں نے حمد و ثنا کے بعد کہا کہ میں نے وفات پیغمبرؐ کا انکار کتاب اللہ اور حدیث پیغمبر کے تحت نہیں کیا تھا لیکن میں سمجھتا تھا کہ رسول خداؐ تمام معاملات کی تدبیر خود کریں گے اس دوران اُن کی وفات ہوگی۔ پھر انہوں نے کہا:

لوگو! اللہ نے تمہارے درمیان اپنی کتاب کو باقی رکھا ہے۔ اسی کتاب کے ذریعہ سے اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت کی تھی اگر تم نے اس کتاب کو مضبوطی سے تھاما تو اللہ تمہیں بھی اپنے راستے کی ہدایت دے گا۔ اللہ تعالٰی نے تمہارا حاکم اس شخص کو مقرر کیا ہے جو رسول خداؐ کے بعد باقی لوگوں سے بہتر ہے اور وہ حضورؐ کے ساتھ غار کا ساتھی ہے۔ اب تم اٹھو اور بیعت کرو۔ بیعت سقیفہ کے بعد لوگوں نے حضرت ابوبکر کی عمومی بیعت کی۔

بخاری میں ہے: ان میں سے کچھ لوگ اس سے قبل سقیفہ بن ساعدہ میں بیعت کر چکے تھے۔ مگر انہوں نے بھی عمومی بیعت کے وقت دوبارہ بیعت کی۔

انس بن مالک کا بیان ہے:

میں نے حضرت عمر کو حضرت ابوبکر سے یہ کہتے ہوئے سنا:

''آپ منبر پر بیٹھیں۔ آخر کار ابوبکر منبر پر بیٹھے لوگوں نے ان کی عمومی

بیعت کی۔ جب بیعت عمومی اپنی تکمیل کو پہنچی تو حضرت ابوبکر نے خطبہ دیا جس میں حمد و ثنا کے بعد انہوں نے کہا:

امابعد! ایھا الناس فانی قدولیت علیکم ولست بخیر کم...... الی آخرہ

''لوگو! مجھے تمہارا والی بنایا گیا ہے جب کہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں' اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر میں غلط کام کروں تو تم مجھے سیدھا کر دینا......''

تم اس وقت تک میری اطاعت کرتے رہنا جب تک میں خدا و رسول کی اطاعت کرتا رہوں اور اگر میں خدا و رسولؐ کی نافرمائی کروں تو تم پر میری اطاعت لازمی نہیں ہے۔ اٹھو نماز پڑھو خدا تم پر رحم کرے۔ (۱)

بیعت عمومی کے بعد

رسول خداؐ کی وفات سوموار کو زوال آفتاب کے وقت ہوئی۔ اس دن لوگ آپ کو دفن نہ کر سکے۔ دوسرے دن یعنی منگل کے روز لوگ خلافت سازی میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ یہ مصروفیت بدھ کے روز عصر تک قائم رہی۔

راویوں کا بیان ہے:

جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہر لحاظ سے مکمل ہو گئی تو بدھ کے روز لوگ رسول خداؐ کے جنازے کی طرف متوجہ ہوئے۔ (۲) پھر لوگ آنحضرتؐ کے گھر میں داخل ہوئے اور آپ کا جنازہ پڑھنے لگے۔ (ابن ہشام ۴/۳۴۳)

۱۔ ابن ہشام ۴/۲۴۰۔ طبری ۳/۲۰۳۔ عیون الاخبار ابن قتیبہ ۲/۲۳۴۔ الریاض النضرۃ ۱/۱۶۷۔ ابن کثیر ۵/۲۴۸۔ تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۴۸...... وغیرہ۔

۲۔ سیرت ابن ہشام ۴/۳۴۳۔ طبری ۲/۴۵۰۔ ابن اثیر ۲/۱۲۶۔ ابن کثیر ۵/۲۴۸۔ سیرت حلبیہ ۳/۳۹۲۔۳۹۴۔ سیرت حلبیہ میں جنازہ رسول کے دن کی تعیین موجود نہیں ہے۔

آپ کا جنازہ امام کے بغیر پڑھا گیا۔ لوگ گروہ کی شکل میں آتے اور آپ کا جنازہ پڑھتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ۲/ ق ۲/ ۷۰۔ کامل ابن اثیر جلد ۲ ذکر واقعات ۱۱ھ)

تدفین رسول کے شرکاء

جن افراد نے آنحضرتؐ کو غسل دیا تھا انہوں نے ہی آپ کو دفن کیا۔ اصحاب رسولؐ نے آنحضرتؐ کی تدفین میں کوئی شرکت نہ کی۔ مذکورہ افراد نے آپ کی تدفین کی۔ (ابن سعد طبقات ۲/ ق ۲/ ۷۰۔ کنز العمال ۴/ ۵۴۔ ۶۰)

کنز العمال کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

آنحضرتؐ کی تدفین چار افراد کے ہاتھوں عمل میں لائی گئی: آنحضرتؐ کی تدفین میں ابوبکر و عمر شامل نہیں تھے۔ (کنز العمال ۳/ ۱۴۰۔)

آنحضرتؐ کی قبر مطہر میں علیؑ، فضل و قثم فرزندان عباس اور آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام شقران داخل ہوئے۔ بعض روایات میں اسامہ بن زید کا نام بھی ملتا ہے اور انہی افراد نے آنحضرتؐ کو غسل دیا تھا اور آپ کو کفن پہنایا تھا اور آپ کو دفن بھی انہوں نے کیا تھا۔ (العقد الفرید ۳/ ۶۱۔ اسی مفہوم کو ذہبی نے اپنی تاریخ میں رقم کیا ہے ۱/ ۳۲۱۔ ۳۲۴۔ ۳۲۶)

بی بی عائشہ کا بیان ہے: ہمیں بدھ کی رات تک رسول خداؐ کی تدفین کے متعلق کچھ معلوم نہیں تھا یہاں تک کہ اس رات ہم نے بیلچوں کی آوازیں سنیں [1] (تب پتہ چلا کہ رسول خداؐ کی تدفین ہو رہی ہے) آنحضرتؐ کو آپ کے اہل خاندان نے دفن کیا۔ بنی غنم نے رات کے وقت اپنے گھروں میں بیلچے چلنے کی آوازیں سنی تھیں۔

۱۔ ابن ہشام ۴/ ۳۴۴۔ طبری ۲/ ۴۵۲۔ ۴۵۵۔ ابن کثیر ۵/ ۲۷۰۔ ابن اثیر فی اسد الغابہ ۱/ ۳۴ در حالات رسول۔ بعض روایات میں بیلچوں کے آوازوں کے سننے کی رات منگل کی شب کو قرار دیا گیا جیسا کہ ابن سعد نے طبقات ۲/ ق ۲/ ۷۸ پر لکھا اور صحیح روایت کے مطابق آنحضرتؐ کی تدفین بدھ کی شب ہوئی مسند احمد ۶/ ۶۲ پر مرقوم ہے کہ بدھ کی شب کے آخری حصہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔

بنی غنم کے بزرگوں نے بیان کیا: ہم نے رات کے آخری حصہ میں بیلچے چلنے کی آوازیں سنی تھیں۔ (طبقات ابن سعد ۲/ق ۲/۷۸)

دفن پیغمبر کے بعد کی روئیداد

سقیفہ میں سعد اور اس کے ساتھی شکست سے دوچار ہوئے اور علیؑ اور ان کے ساتھی ایک سیاسی اقلیت بن کر رہ گئے اور ابوبکر اور ان کا گروہ سقیفہ سے کامیاب و کامران ہو کر ابھرا۔

اس کے بعد میدان عمل میں دو افراد ابھر کر آئے۔ ایک رسول خداؐ کے سسر حضرت ابوبکر تھے اور دوسرے رسول خداؐ کے داماد اور ان کے ابن عم علی بن ابی طالبؑ تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک کی کوشش تھی کہ اپنے اردگرد زیادہ سے زیادہ مددگار جمع کرے۔

زبیر بن بکار اپنی کتاب ''الموفقیات'' میں لکھتے ہیں:

جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہوگئی اور ان کی حکومت قائم ہوگئی تو بہت سے انصار کو اپنی بیعت پر ندامت محسوس ہوئی اور انہوں نے ایک دوسرے کو ملامت کی اور علیؑ کو یاد کر کے ان کے نام کے نعرے بلند کرنے لگے۔ (الموفقیات ص ۵۸۳۔)

یعقوبی لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر کی بیعت سے بہت سے مہاجرین و انصار نے تخلف کیا اور وہ علی بن ابی طالبؑ کی طرف مائل ہوئے۔ ان لوگوں میں عباس بن عبدالمطلب' فضل بن عباس' زبیر بن عوام' خالد بن سعید' مقداد بن عمرو' سلمان فارسیؓ' ابوذر غفاریؓ' عمار بن یاسرؓ' براء بن عازب' ابی بن کعب شامل تھے۔

یہ حالات دیکھ کر حضرت ابوبکر نے عمر اور ابو عبیدہ بن جراح کی طرف پیغام بھیجا کہ اب ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

۲۔ جوہری کا بیان ہے کہ یہ مشورہ مغیرہ بن شعبہ نے دیا تھا۔ ہمارے خیال میں یہ نسبت صحیح ہے کیونکہ مغیرہ بن شعبہ جوڑ توڑ کی سیاست کا ماہر تھا۔

انہوں نے کہا:

اس کا حل یہ ہے کہ آپ عباس بن عبدالمطلب سے ملاقات کریں اور انہیں اس اقتدار میں حصہ دار بنائیں اور اس سے وعدہ کریں کہ اقتدار میں ان کا اور ان کی اولاد کا حصہ رہے گا۔ اس طرح سے علیؑ کی حمایت ختم ہو جائے گی اور تمہاری پوزیشن مضبوط ہو جائے گی۔ پھر رات کے وقت ابوبکرؓ عمرؓ ابو عبیدہ اور مغیرہ بن شعبہؓ عباس بن عبدالمطلب کے پاس گئے۔ حضرت ابوبکر نے حمد پروردگار کے بعد کہا۔

اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰؐ کو نبی اور مومنین کا سرپرست بنا کر مبعوث فرمایا اور آنحضرتؐ کو بھیج کر اللہ نے مومنین پر احسان کیا۔ پھر اللہ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ آپ نے کسی کو جانشین مقرر نہیں کیا تھا تا کہ لوگ اپنی مصلحت کو مدنظر رکھ کر کسی کو بھی چننے میں آزاد ہوں۔ پھر لوگوں نے بحیثیت حکمران میرا انتخاب کیا ہے اور میں حکمران بن گیا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد میرے شامل حال ہے اس لیے میں کسی شک، حیرت اور بزدلی کا شکار نہیں ہوں۔ اور میں نہیں چاہتا کہ مخالفت کرنے والے افراد آپ کو اپنی پناہ گاہ بنائیں اور آپ ان کے لیے مضبوط قلعہ ثابت ہوں اسی لیے آپ کے پاس دو ہی راستے ہیں:

(۱) دوسرے مسلمانوں کی طرح سے آپ بھی ہماری حمایت کریں۔

(۲) یا دوسرے مسلمانوں کو ان کی رائے سے منحرف کریں۔

اس وقت ہم آپ کے پاس یہ پیش کش لے کر آئے ہیں کہ ہم امر خلافت میں آپ کا حصہ مقرر کرنا چاہتے ہیں اور یہ حصہ صرف آپ کی زندگی تک ہی محدود نہیں ہوگا بلکہ آپ کے بعد آپ کی اولاد بھی اس میں شریک ہوگی۔ آپ رسول خداؐ کے چچا ہیں اسی لیے ہم آپ کا احترام کرتے ہیں۔ مگر یہ بات بھی آپ کو معلوم ہونی چاہیے کہ لوگوں نے آپ کی قرابت کا علم ہونے کے باوجود آپ کو امر خلافت کے

لیے منتخب نہیں کیا اور دوسری بات یہ ہے کہ رسول خداؐ جس طرح سے تمہارے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اسی طرح سے ہمارے خاندان سے بھی تعلق رکھتے تھے۔

پھر حضرت عمر بن خطاب نے کہا:

آپ کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ ہم کسی دباؤ کی وجہ سے آپ کے پاس نہیں آئے بلکہ ہم آپ کو اس الزام سے بچانے کے لیے آئے ہیں کہ کل کلاں لوگ آپ پر تفرقہ اندازی کا الزام عائد نہ کریں۔ اب تمہیں اپنے متعلق خود ہی سوچنا چاہیے۔

حضرت عباس نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد کہا:

بے شک اللہ نے محمد مصطفیٰؐ کو نبی اور مومنین کا سرپرست بنا کر مبعوث کیا اور آنحضرتؐ کو بھیج کر مومنین پر احسان کیا۔ پھر اللہ نے آنحضرتؐ کو اپنے پاس بلا لیا تاکہ انہیں اپنی نعمات سے مالا مال کرے۔ آنحضرتؐ نے جانشینی کا اعلان نہیں کیا اور اس امر کو امت کی صوابدید پر چھوڑ کر چلے گئے لیکن حضرتؐ اپنی امت سے یہ بھی توقع کرتے تھے کہ وہ حق کا ساتھ دیں گے اور کسی طرح کی کجی میں مبتلا نہ ہوں گے۔

اگر آپ نے رسول خداؐ کے ذریعہ سے اقتدار حاصل کیا ہے تو آپ نے ہمارے حق پر قبضہ کیا ہے اور اگر آپ نے مومنین کے ذریعہ سے اقتدار حاصل کیا ہے تو ہم بھی مومنین میں سے ہیں مگر ہم نے آپ کو ہرگز منتخب نہیں کیا اور آپ نے ہم سے پوچھنے کی زحمت بھی نہیں کی۔ جب ہم مومن ہو کر آپ پر راضی نہیں ہیں تو آپ کی حکومت کا جواز کیا رہ جاتا ہے؟

آپ کی بھلائی اور امت کی بہتری اسی میں ہے کہ آپ اس منصب سے دستبردار ہو جائیں تاکہ لوگ آزادی سے جس کو چاہیں منتخب کریں۔ علاوہ ازیں آپ نے مجھے اقتدار میں شرکت کے لیے پیش کش کی ہے تو اس سلسلہ میں میرا موقف یہ ہے کہ اگر یہ اقتدار مومنین کا حق ہے تو آپ کو ان کے حق میں مداخلت کا استحقاق

نہیں ہے اور اگر خلافت وحکومت ہمارا حق ہے تو ہم اس کا کچھ حصہ کیوں لیں؟ ہم شجرہ نبوت کی شاخیں ہیں اورتم شجرہ نبوت کے ہمسائے ہو۔عباس کا یہ ٹکا سا جواب سن کر اہل اقتدار واپس چلے گئے۔ (۱)

فاطمہؑ کے گھر پناہ لینے والے

حضرت عمر بن خطاب کا بیان ہے:

وانه من خبرنا حين توفى اللّٰه نبيه ان عليا والزبير ومن معهما تحلفوا عنا فى بيت فاطمة. (۲)

''ہمارے واقعات کی خبر یہ ہے کہ جب اللہ نے اپنے نبی کو وفات دی تو علیؑ وزبیر اور ان کے ساتھیوں نے ہماری مخالفت کی اور وہ فاطمہؑ کے گھر جمع ہوئے۔''

مورخین نے حضرت علیؑ وزبیر کے حامیوں کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا اور حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر میں پناہ لی۔ ان میں سے مشہور شخصیات کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱)	عباس بن عبدالمطلب	(۲)	عتبہ بن ابی لہب
(۳)	سلمان فارسی	(۴)	ابوذرغفاری
(۵)	عمار بن یاسر	(۶)	مقداد بن اسود
(۷)	براء بن عازب	(۸)	ابی بن کعب
(۹)	سعد بن ابی وقاص	(۱۰)	طلحہ بن عبید اللہ

۱۔ کتاب السقیفہ جوہری۔ الامامۃ والسیاسۃ۔

۲۔ مسند احمد ۱/۵۵۔ طبری ۲/۴۶۶۔ ابن اثیر ۲/۱۲۴۔ ابن کثیر ۵/۲۴۶۔ صفوۃ الصفوہ ۱/۹۷۔ شرح ابن ابی الحدید ۱/۱۲۳۔ تاریخ سیوطی در کیفیت بیعت ابوبکر ص ۴۵۔ ابن ہشام ۴/۳۳۸۔ تیسیر الوصول ۲/۴۱۔

ان کے علاوہ بنی ہاشم اور مہاجرین و انصار کی ایک جماعت بھی اسی گروہ میں شامل تھی۔ (۱)

کتب حدیث و سیرت اور تواریخ و صحاح و مسانید اور ادب و کلام و تراجم کی کتابوں میں بالتواتر منقول ہے کہ حضرت علیؑ اور ان کی جماعت نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا اور وہ حضرت فاطمہؑ کے گھر میں جمع ہو کر صلاح مشورے کرتے تھے۔ مگر مورخین نے حزب اقتدار کے رویہ کو چھپانے کی بھرپور کوشش کی اور اگر انہیں حقیقت لکھنی بھی پڑی تو بھی اسے سات پردوں میں چھپا کر نرم سے نرم الفاظ تلاش کر کے لکھا۔ اس سلسلہ میں بلاذری کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو علیؑ کے پاس بھیجا جب کہ علیؑ ان کی بیعت سے علیحدہ رہ کر گھر میں بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا:

''پوری سختی کر کے علیؑ کو میرے پاس لے آؤ۔''

حضرت عمر گئے اور وہاں ان دونوں کے درمیان گفتگو ہوئی۔ حضرت علیؑ نے کہا: اس ناقہ خلافت سے دودھ دوہ لے کیونکہ اس میں تمہارا حصہ ہے۔ خدا کی قسم تم اس لیے اس کی حکومت مضبوط کر رہے ہو تاکہ وہ کل یہ حکومت تمہارے سپرد کر دیں۔ (۲)

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ کے گھر کی جو بے حرمتی کی تھی اس کا احساس انہیں موت کے وقت ہوا اور انہوں نے مرض موت کے وقت میں کہا تھا:

۱۔ الریاض النضرہ ۱/۱۶۷۔ تاریخ خمیس ۱/۱۸۸۔ العقد الفرید ۳/۶۴۔
تاریخ ابو الفداء ۱/۱۵۶۔ ابن شحنہ در حاشیہ کامل ۱۱۲۔ جوہری بحوالہ ابن ابی الحدید ۱/۱۳۰۔۱۳۴ سیرت حلبیہ ۳۹۴۔ ۳۹۷۔

۲۔ انساب الاشراف ۱/۵۸۷۔

مجھے اس وقت اپنے تین کاموں پر افسوس ہو رہا ہے۔ کاش میں نے وہ کام نہ کیے ہوتے ..... کاش میں نے فاطمہؑ کے گھر کی بے حرمتی نہ کی ہوتی اگرچہ اس میں میرے خلاف جنگ کی منصوبہ بندی بھی کیوں نہ ہوتی۔ (۱)

تاریخ یعقوبی میں یہ الفاظ مرقوم ہیں:

کاش میں نے رسول خداؐ کی دختر فاطمہؑ کے گھر کو نہ کھولا ہوتا اور اس میں لوگوں کو داخل نہ کیا ہوتا اگرچہ وہ گھر جنگ کے لیے بھی بند کیوں نہ ہوتا۔ (تاریخ یعقوبی ۲/۱۱۵)

تاریخ نے ان افراد کی بھی نشان دہی کی ہے جو حضرت فاطمہؑ کے گھر میں داخل ہوئے تھے اور مورخین کے مطابق وہ حسب ذیل افراد تھے:

(۱) عمر بن الخطاب (۲) خالد بن ولید
(۳) عبدالرحمٰن بن عوف (۴) ثابت بن قیس بن شماس
(۵) زیاد بن بسید (۶) محمد بن مسلمہ
(۷) زید بن حارث (۸) سلمہ بن سلامہ بن وقش
(۹) سلمہ بن اسلم (۱۰) اسید بن حضیر (۲)

تاریخ نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ مذکورہ افراد حضرت زہراؑ کے گھر میں کیوں داخل ہوئے تھے۔ مورخین لکھتے ہیں:

۱۔ طبری ۲/۶۱۹ باب وفات ابی بکر۔ مروج الذہب مسعودی ۱/۴۱۴۔ العقد الفرید ۳/۶۹۔ کنز العمال ۳/۱۳۵۔ منتخب کنز ۲/۱۷۱۔ الامامۃ والسیاسۃ ۱/۱۸۔ کامل مبرد نقلاً عن ابی الحدید ۱/۱۳۰۔ ۱۳۱۔ اموال ابو عبید ۱۳۱۔ لسان المیز ان ۴/۱۸۹۔ ابن عساکر و مرآۃ الزمان سبط بن جوزی تاریخ ذہبی ۱/۳۸۸۔

۲۔ تاریخ طبری ۲/۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ابوبکر جوہری فی کتاب السقیفۃ قلاً عن شرح ابن ابی الحدید ۱/۱۳۰۔۱۳۴ و ۲/۸۱۹۔

مہاجرین میں سے کچھ افراد حضرت ابوبکر کی خلافت پر ناراض ہوئے۔ ان میں حضرت علیؑ و زبیر پیش پیش تھے۔ وہ مسلح ہو کر حضرت فاطمہؑ کے گھر میں داخل ہوئے۔ (۱)

حضرت ابوبکر نے ان افراد کو نکالنے کے لیے عمر بن خطاب کو بھیجا اور ان سے کہا: اگر وہ باہر نہ آئیں تو ان سے جنگ کرنا۔

حکم ملتے ہی وہ چل پڑے اور اپنے ساتھ آگ کے انگارے لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت فاطمہؑ نے ان سے کہا:

فرزند خطاب! کیا تو ہمارے گھر کو جلانے کے لیے آیا ہے؟

اس نے کہا:

جی ہاں، یا پھر آپ بھی اس حکومت کو تسلیم کریں جسے باقی لوگ تسلیم کر چکے ہیں۔ (۲)

انساب الاشراف میں یہ الفاظ وارد ہیں:

حضرت فاطمہؑ دروازے پر آئیں اور کہا:

''فرزند خطاب! میں سمجھتی ہوں کہ تو میرا دروازہ جلانا چاہتا ہے!''

اس نے کہا: جی ہاں...... (۳)

تاریخ میں عبداللہ بن زبیر کے متعلق منقول ہے کہ اس نے اپنے دور حکومت میں بنی ہاشم کے بزرگ افراد کو شعب ابی طالب میں قید کیا اور جس مکان

۱۔ الریاض النضرۃ ۱/۲۱۸ طبع مصر سن طباعت ۱۳۷۲ھ تاریخ خمیس ۲/۱۶۹ مؤسسہ شعبان بیروت۔

۲۔ ابن ابی الحدید ۱/۱۲۴۔ ابن شحنہ برحاشیہ کامل ۱۱/۱۳۔ لفظ یہ ہیں ''ومالوا مع علی بن ابی طالب''۔

۳۔ العقد الفرید ابن عبدربہ ۳/۶۴۔ ابو الفداء ۱/۱۵۶۔

۴۔ انساب الاشراف ۱/۵۸۶۔ کنز العمال ۳/۱۴۰۔ الریاض النضرۃ ۱/۱۶۷۔ تاریخ خمیس ۱/۱۷۸۔ ابوبکر جوہری بروایت ابن ابی الحدید ۱/۱۳۲۔۱۳۴۔ تاریخ ابن شحنہ برحاشیہ کامل ص ۱۱/۱۱۳۔

میں وہ قید تھے اس مکان کے اردگرد اس نے لکڑیاں جمع کرا دی تھیں اور قیدیوں سے
کہا تھا کہ اگر تم نے میری بیعت نہ کی تو میں تمہیں اس مکان میں زندہ جلا دوں گا۔

جب اس کے بھائی عروہ بن زبیر کو کسی نے ملامت کرتے ہوئے کہا تھا
کہ تمہیں یہ دھمکی دیتے ہوئے شرم نہ آئی؟

اس نے جواب میں کہا: ہم دراصل انہیں جلانا نہیں چاہتے تھے ہم تو
حضرت عمر کی طرح آگ کے ذریعہ سے انہیں ڈرانا چاہتے تھے۔ [1]

اسی واقعہ کو شاعر نیل حافظ ابراہیم نے اپنے دیوان میں یوں قلمبند کیا۔

وقولة لعلی قالها عمر   اکرم بسامعها اعظم بملقیها
حرقت دارک لا ابقی علیک بها   ان لم تبایع وبنت المصطفٰی فیها
ماکان غیر ابی حفص یفوه بها   امام فارس عدنان وحامیها

"اس گفتگو کو یاد کرو جو حضرت عمر نے حضرت علیؑ سے کی تھی۔
جس کے سننے والا بڑا مکرم اور کہنے والا بڑا محترم تھا۔ اگر تو نے
بیعت نہ کی تو میں تیرے گھر کو بنت مصطفٰی سمیت جلا دوں گا
اور اس میں کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ یہ ابوحفص کا جگر تھا
جس نے اتنی بڑی بات علیؑ جیسے دلیر اور بہادر سے کی تھی۔"

یعقوبی لکھتے ہیں:

حکومت کی طرف سے ایک جماعت آئی اور انہوں نے گھر پر حملہ کر دیا......
اسی اثنا میں علیؑ کی تلوار ٹوٹ گئی اور وہ لوگ گھر میں داخل ہو گئے۔ (تاریخ یعقوبی ۲/۱۲۶)

طبری لکھتے ہیں:

حضرت عمر حضرت علیؑ کے گھر پہنچے اس وقت گھر میں طلحہ و زبیر اور کچھ دیگر

۱۔ مروج الذھب ۱/۱۰۰۔ ابن ابی الحدید ۲۰/۴۸۱ طبع ایران ضمن قول علی "الزبیر مناحتی نشا ابنہ"

مہاجرین موجود تھے۔ زبیر تلوار سونت کر مقابلہ کے لیے نکلے' ان کا پاؤں پھسلا اور ان کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ لوگوں نے اس پر حملہ کر کے اسے پکڑ لیا۔ (۱)

ابوبکر جوہری لکھتے ہیں:

حضرت علیؑ کو پکڑ کر مسجد میں لے گئے اور حضرت علیؑ نے کہا۔

انا عبداللّٰہ و اخو رسول اللّٰہ.

''میں اللہ کا بندہ اور رسول خدا کا بھائی ہوں۔''

ان سے کہا گیا کہ تم بیعت کرو۔ انہوں نے کہا کہ امر خلافت کا میں تم سے زیادہ حقدار ہوں۔ میں تمہاری بیعت نہیں کروں گا۔ تمہیں میری بیعت کرنی چاہیے۔ تم نے انصار کے مقابلہ میں قرابت کو پیش کر کے انصار سے خلافت حاصل کی اور میں تمہارے سامنے وہی دلیل پیش کرتا ہوں جو تم نے انصار کے سامنے پیش کی تھی۔ اگر تم میں خوف خدا باقی ہے تو ہمارے ساتھ انصاف کرو۔ اور جس طرح انصار خلافت سے دستبردار ہو گئے تم بھی اسی طرح سے دستبردار ہو جاؤ۔ ورنہ جو ظلم کر سکتے ہو کرو اور تمہیں ظلم کے انجام کا بھی علم ہے۔

حضرت عمر نے کہا: ہم تجھے اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک تو بیعت نہیں کرے گا۔

حضرت علیؑ نے کہا: ناقہ خلافت کا دودھ اچھی طرح سے دوہ لے کیونکہ اس میں تیرا بھی حصہ ہے۔ آج تو اس کی حکومت کو مضبوط کر تا کہ وہ کل یہ حکومت تیرے سپرد کرے۔ خدا کی قسم! میں تیری بات تسلیم نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی بیعت کرتا ہوں۔

حضرت ابوبکر نے کہا:

۲۔ تاریخ طبری ۲/۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۶۔ اس واقعہ کو عقاد نے عبقریۃ عمر ص ۱۷۳ پر لکھا زبیر کی تلوار ٹوٹنے کا ذکر محب طبری نے الریاض النضرہ ۱/۱۶۷ پر کیا۔ یہ واقعہ تاریخ خمیس ۱/۱۸۸۔ شرح ابن ابی الحدید ۱/۱۲۲۔ ۱۳۲۔ ۱۳۴۔ ۵۸ اور کنز العمال ۳/۱۲۸ میں بھی موجود ہے۔

اگر تو میری بیعت نہیں کرتا تو میں بھی تجھے اس پر مجبور نہیں کرتا۔

ابو عبیدہ بن جراح نے کہا:

آپ اس وقت نوجوان ہیں اور یہ آپ کی قوم کے بزرگ ہیں۔ آپ کو ان جیسا تجربہ نہیں ہے اور آپ معاملات سے ان جتنی واقفیت نہیں رکھتے۔ ابوبکر معاملات چلانے میں آپ سے زیادہ طاقت ور ہے اور اس میں آپ کی بہ نسبت برداشت کرنے کا زیادہ حوصلہ ہے۔ آپ امر خلافت اس کے سپرد کر دیں اور اگر آپ زندہ رہے اور زندگی نے آپ سے وفا کی تو اس امر کو آپ ہی سنبھالیں گے کیونکہ خدا نے آپ کو فضیلت دی ہے اور آپ نبی اکرمؐ سے زیادہ قرابت رکھتے ہیں اور آپ سابق الاسلام ہیں اور آپ نے جہاد میں بہت سی خدمات سرانجام دی ہیں۔

حضرت علیؑ نے کہا:

اے گروہ مہاجرین! تمہیں خدا کا واسطہ محمدؐ کی بادشاہت اس کے گھر سے نکال کر اپنے گھروں میں نہ لے جاؤ اور حقداروں کو ان کے حق سے محروم نہ کرو اور انہیں ان کے مقام سے مت ہٹاؤ۔ خدا کی قسم! اس امر کے لیے ہم اہل بیتؑ تمہاری بہ نسبت زیادہ حقدار ہیں۔ کیا ہم میں قرآن کے قاری نہیں اور کیا ہم میں دین کو سمجھنے والے سنت کے جاننے والے اور امور رعیت کو سمجھنے والے موجود نہیں ہیں؟ ہاں ہاں خدا کی قسم یہ سب کچھ ہم میں موجود ہے۔ تم خواہشات کی پیروی نہ کرو ورنہ حق سے زیادہ دور ہو جاؤ گے۔

بشیر بن سعد نے کہا:

علیؑ! اگر انصار آپ کی یہ گفتگو پہلے سن لیتے تو ان میں سے کوئی سے دو فرد بھی آپ پر اختلاف نہ کرتے لیکن اب کیا ہو سکتا ہے اب تو وہ بیعت کر چکے ہیں۔

اس کے بعد حضرت علیؑ اپنے گھر واپس آئے اور انہوں نے بیعت نہ کی۔

جوہری لکھتے ہیں:

جب حضرت فاطمہؑ نے علیؑ و زبیر سے لوگوں کی بدسلوکی ملاحظہ کی تو آپ اپنے حجرہ کے دروازے پر آئیں اور فرمایا:

ابوبکر! تم نے بڑی جلدی رسول خداؐ کے اہل بیتؑ پر غارت گری کی ہے اور میں مرتے دم تک عمر سے گفتگو نہیں کروں گی۔ (۱)

ایک اور روایت میں مروی ہے:

''حضرت فاطمہؑ روتی اور چیختی ہوئی باہر نکلیں۔''

یعقوبی لکھتے ہیں:

حضرت فاطمہؑ باہر نکلیں اور کہا کہ خدا کی قسم! تم میرے گھر سے باہر نکلو ورنہ میں سر کے بال کھول کر خدا سے درخواست کروں گی۔ یہ سن کر حملہ آور گھر سے باہر نکلے۔ (۳)

مسعودی رقم طراز ہیں:

سقیفہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت ہوئی اور منگل کے دن ان کی از سر نو بیعت کی گئی۔ اس وقت حضرت علیؑ آئے اور ان سے کہا:

تو نے ہمارے امور خراب کر دیے اور تو نے کوئی مشورہ تک نہ کیا اور تو نے ہمارے حقوق کا کوئی خیال نہیں رکھا۔

حضرت ابوبکر نے کہا:

جی ہاں۔ اصل بات یہ ہے کہ مجھے فتنہ و انتشار کا خوف تھا۔ اسی لیے میں

۱۔ کتاب السقیفہ جوہری بحوالہ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۱/۱۳۴، ۲/۲۔۵۔

۲۔ کتاب السقیفہ ابوبکر جوہری بروایت ابن ابی الحدید ۱/۱۳۴۔

۳۔ تاریخ یعقوبی ۲/۱۲۶۔

نے یہ سب کچھ جلدی میں کیا۔ (مروج الذھب ۱/۴۱۴۔ الامامۃ والسیاسۃ ۱/۱۲۔۱۴)

یعقوبی لکھتے ہیں:ایک جماعت حضرت علیؑ کے پاس آئی اور انہوں نے آپ سے بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا: تم کل سرمنڈھوا کر میرے پاس آنا۔ دوسرے دن صرف تین افراد سرمنڈھوا کر آئے۔ (تاریخ یعقوبی ۲/۱۲۶۔ شرح نہج البلاغہ ۲/۴)

اس کے بعد حضرت علیؑ نے اپنی زوجہ کو گدھے پر سوار کیا اور رات کے وقت انصار کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے مدد طلب کی۔ انصار نے جواب میں کہا: اے بنت رسولؐ ! اب تو ہم اس شخص کی بیعت کر چکے ہیں اگر آپ کے ابن عم ابوبکر سے پہلے ہمارے پاس آتے تو ہم کسی کو بھی ان کے برابر قرار نہ دیتے۔

حضرت علیؑ نے کہا: کیا میں رسول خداؐ کی میت کو تجہیز و تکفین کے بغیر چھوڑ کر لوگوں کے پاس جاتا اور ان سے اپنی حکومت کے لیے سوال کرتا؟

حضرت فاطمہؑ نے کہا: اے ابوالحسنؑ نے جو کچھ کیا وہ بہتر ہی کیا اور جو کچھ لوگوں نے کیا وہ اس کے لیے خدا کے ہاں جوابدہ ہوں گے۔ [1]

معاویہ بن ابی سفیان نے حضرت علیؑ کو اسی بات کا طعنہ دیا تھا اور اس نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا:

مجھے تمہارا کل کا ماضی یاد ہے جب تو رات کے وقت اپنی بیوی کو گدھے پر سوار کر کے اپنے بیٹوں کو ساتھ لے کر اہل بدر اور سابقین اولین کے پاس گیا تھا اور تو نے ان کو اپنی طرف دعوت دی تھی اور تو اپنی بیوی کو ان کے پاس لے کر گیا تھا۔ اور تو نے اپنی بیوی اور بیٹوں کے ذریعہ سے صحابی پیغمبر کے خلاف مدد طلب کی تھی اور چار پانچ افراد کے علاوہ کسی نے تیری آواز پر لبیک نہیں کہا تھا۔

مجھے اپنی زندگی کی قسم! اگر تو حق پر ہوتا تو لوگ تیری پیروی کرتے۔ تو نے غلط دعویٰ کیا تھا۔ اگر میں یہ سب کچھ بھول بھی جاؤں تو مجھے تیری وہ بات نہیں بھولے گی جب ابوسفیان نے تجھے حکومت کی ترغیب دی تھی تو تو نے اس سے کہا تھا۔

۳۔ ابوبکر جوہری کتاب السقیفہ بحوالہ شرح ابن ابی الحدید ۶/۵۔ ، طبع مصر۔ ابن قتیبہ ۱/۱۲۔

''اگر مجھے چالیس افراد بھی مل جاتے تو میں ان لوگوں سے جنگ کرتا۔''

(ابن ابی الحدید ۲/ ۶۷۔ کتاب صفین نصر بن مزاحم ص ۱۸۲)

معمر نے زہری سے روایت کی ہے اس نے ام المومنین عائشہ سے روایت کی جس میں انہوں نے بی بی فاطمہ زہراؑ کے مطالبہ خمس و فدک کا تذکرہ کیا اور حضرت ابوبکر نے انہیں کچھ بھی دینے سے انکار کیا تو بی بی ان پر غضبناک ہوئیں۔ اس کے بعد بی بی نے انہیں ترک کر دیا اور ان سے کلام کرنا چھوڑ دی یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی اور جب بی بی کی وفات ہوئی تو ان کے شوہر نے انہیں رات کے وقت دفن کیا اور حضرت ابوبکر کو جنازہ کی اطلاع تک نہ دی اور خود ہی ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

بی بی فاطمہؑ کی زندگی میں لوگ حضرت علیؑ کا احترام کرتے تھے۔ جب ان کی وفات ہوئی تو لوگوں کے چہرے حضرت علیؑ سے پھر گئے۔ رسول خداؐ کے بعد بی بی چھ ماہ تک زندہ رہیں معمر کا بیان ہے کہ ایک شخص نے زہری سے کہا:

کیا علیؑ نے چھ ماہ تک بیعت نہیں کی تھی؟

زہری نے کہا: نہیں اور اس تمام عرصہ میں کسی ہاشمی نے بھی بیعت نہیں کی تھی۔

جب حضرت علیؑ نے دیکھا کہ لوگوں نے ان سے منہ پھیر لیا ہے تو وہ حضرت ابوبکر سے مصالحت پر مجبور ہو گئے۔ [1]

۱۔ اس روایت کو میں نے مندرجہ ذیل کتابوں سے بطور اختصار و خلاصہ نقل کیا ہے۔ تاریخ طبری ۲/ ۴۴۸۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر ۳/ ۳۸۔ صحیح مسلم ۱/ ۲/ ۷۲، ۵/ ۱۵۳، باب قول رسول الله لانورث ماتر کناہ صدقة۔ ابن کثیر ۵/ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ابن عبد ربہ ۳/ ۶۴۔ ابن اثیر ۲/ ۱۲۶۔ کنجی فی کنایۃ۔ الطالب ص ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ابن ابی الحدید ۱/ ۱۲۲۔ مسعودی فی مروج الذہب ۲/ ۴۱۴۔ انساب والاشراف ص ۲۵۰۔ صواعق محرقہ ۱/ ۱۲۔ تاریخ خمیس ۱/ ۱۹۳۔ الامامة والسیاسة ۱/ ۱۴۔ الاستیعاب برحاشیہ اصابہ ۲/ ۲۴۴۔ ابو الفداء ۱/ ۱۵۶۔ البدء والتاریخ ۵/ ۶۶۔ النساب الاشراف ۱/ ۵۸۶۔ اسد الغابہ درحالات ابوبکر طبع قاہرہ ۳/ ۳۳۲۔ یعقوبی ۲/ ۱۲۶۔ الغدیر ۳/ ۱۰۲ بحوالہ الفصل لابن حزم ۹۶۔ ۹۷۔

بلا ذری لکھتے ہیں۔ جب عرب مرتد ہوئے تو حضرت عثمان حضرت علیؑ کے پاس گئے۔ اور ان سے کہا:

ابن عم! جب تک آپ بیعت نہ کریں گے اس وقت تک ان دشمنون سے جنگ کے لیے کوئی بھی نہیں جائے گا۔

حضرت عثمان نے مسلسل اصرار کیا پھر انہیں لے کر حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور انہوں نے بیعت کی جس سے مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ اس کے بعد لوگ جہاد پر آمادہ ہوئے اور لشکر روانہ کیے گئے۔ (انساب الاشراف ۱/ ۵۸۷۔)

حضرت فاطمہؑ کی وفات کے بعد حضرت علیؑ کو مجبور ہو کر حضرت ابوبکر سے مصالحت کرنا پڑی لیکن آپ اپنی پوری زندگی اور بالخصوص اپنے ایام خلافت میں ان تلخیوں کو یاد کرتے رہتے تھے۔ اور حضرتؑ کا شکوہ خطبہ شقشقیہ میں عیاں ہے۔ خدا نے چاہا ہم کتاب ہذا کے آخر میں اسے نقل کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

حضرت ابوبکر کی بیعت سے اختلاف کرنے والے افراد

۱۔ فروہ بن عمرو

زبیر بن بکار نے الموفقیات میں لکھا ہے:

فروہ بن عمرو کا تعلق اس گروہ سے تھا جنہوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے تخلف کیا تھا۔ انہوں نے رسول خداؐ کی معیت میں جہاد کیا اور خدا کی راہ میں دو گھوڑے لے کر آئے تھے۔ اور وہ ہر سال اپنے کھجوروں کے باغ سے ایک ہزار وسق صدقہ دیا کرتے تھے۔ وہ اپنی قوم کے سردار تھے اور ان کا تعلق اصحاب علیؑ سے تھا اور وہ حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ جمل میں شریک ہوئے تھے۔ [1]

۱۔ فروہ بن عمرو انصاری البیاضی عقبہ میں موجود تھے اور جنگ بدر اور باقی غزوات میں بھی آنحضرتؐ کے ساتھ تھے۔ (اسد الغابہ ۴/ ۱۷۸۔)

زبیر بن بکار کا بیان ہے کہ فروہ بن عمروؓ حضرت ابوبکر کے مددگار افراد کی ملامت کیا کرتے تھے۔ (الموفقیات ۵۹۰)

ب۔ خالد بن سعید اموی

رسول خداؐ نے انہیں صفاء یمن کا والی مقرر کیا تھا۔ رسول خداؐ کی وفات کے بعد وہ اپنے دونوں بھائیوں ابان اور عمر کے ساتھ واپس چلے آئے۔

حضرت ابوبکر نے ان سے کہا: تم نے وہاں کی گورنری کیوں چھوڑ دی جب کہ رسول خداؐ کے مقرر کردہ عمال سے کوئی حکومت کا زیادہ حقدار نہیں ہے۔ تم لوگ واپس وہاں چلے جاؤ اور وہاں حکومت کا نظام چلاؤ۔

انہوں نے کہا:

ہم بنی اصیحہ ہیں رسول خداؐ کے بعد ہم کسی کے عامل نہیں بنیں گے۔ (۱)

خالد اور اس کے بھائی ابان نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی اور خالد نے بنی ہاشم سے کہا تھا: تم پاک و پاکیزہ اور بلند درخت ہو ہم تمہارے پیرو ہیں۔ (۲)

خالد نے دو ماہ تک حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی اور وہ کہتے تھے کہ رسول خداؐ نے مجھے حاکم مقرر کیا تھا اور پھر مجھے معزول نہیں کیا تھا۔ انہوں نے حضرت علی

۱۔ خالد بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبد شمس سابقین اولین میں سے تھے۔ اور وہ اسلام قبول کرنے والے تیسرے، چوتھے یا پانچویں فرد تھے۔ ابن قتیبہ نے المعارف ص ۱۲۸ پر لکھا کہ وہ حضرت ابوبکر سے پہلے اسلام لائے تھے انہوں نے حبشہ ہجرت کی اور حبشہ سے واپسی پر رسول خداؐ نے انہیں بنی مذحج سے زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور کیا اور انہیں صفاء یمن کا والی مقرر کیا۔ وفات پیغمبر کے بعد وہ اپنے بھائیوں سمیت مدینہ واپس آ گئے۔ پھر جہاد کی غرض سے شام چلے گئے۔ خالد نے اٹھائیس جمادی الثانی ۱۳ ھ کو ہفتہ کے دن اجنادین میں شہادت پائی۔ الاستیعاب ۱/۳۹۸۔۴۰۰۔ الاصابہ ۱/۴۰۶۔ اسد الغابہ ۲/۸۲۔ شرح ابن ابی الحدید ۶/۱۳۔۱۶۔

۱۔ اسد الغابہ ۲/۸۲ ابن ابی الحدید ۲/۱۳۵۔ طبع مصر چاپ قدیم۔

اور حضرت عثمان سے ملاقات کی اور انہوں نے حضرت علیؑ سے کہا:

آپ نے دوسروں کی حکومت کیسے برداشت کر لی؟

حضرت ابوبکر نے انہیں کچھ نہ کہا لیکن حضرت عمر نے ان پر سختی کی تھی۔ (۱)

خالد حضرت علیؑ کے پاس آئے اور عرض کیا:

آپ اپنا ہاتھ دراز کریں میں آپ کی بیعت کرتا ہوں کوئی آپ سے بڑھ کر محمد مصطفیٰؐ کی جانشینی کے لائق نہیں ہے۔ (۲)

جب بنی ہاشم نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی تو خالد بن سعید نے بھی بیعت کی۔ حضرت ابوبکر نے شام فتح کرنے کے لیے ایک لشکر تشکیل دیا جس کا سالار خالد بن سعید کو بنایا۔ حضرت عمر نے ان سے کہا۔ آپ خالد کو سالار بنا رہے ہیں جب کہ اس نے جو کیا وہ بھی آپ کو معلوم ہے اور جو کچھ اس نے کہا وہ بھی آپ بخوبی جانتے ہیں۔ آخر کار حضرت عمر کے اصرار کی وجہ سے ان کو سالاری سے معزول کر دیا گیا اور ان کی بجائے یزید بن ابی سفیان کو سالار لشکر مقرر کیا گیا۔ (۳)

ج۔ سعد بن عبادہ

سعد بن عبادہ انصاری مشہور صحابی تھے۔ بیعت عقبہ اور رسول خداؐ کی تمام غزوات میں شریک تھے۔ البتہ جنگ بدر کے متعلق ان کی شرکت میں اختلاف ہے۔

آپ سخاوت میں مشہور تھے۔ وفات پیغمبرؐ کے بعد ان کے قبیلہ نے انہیں خلیفہ بنانا چاہا لیکن سقیفہ کے اجلاس میں حضرت ابوبکر کے آنے سے وہ خلیفہ نہ بن

۱۔ طبری ۲/۵۸۶۔ تہذیب ابن عساکر ۵/۱۵۔ انساب الاشراف ۱/۵۸۸۔

۲۔ یعقوبی ۲/۱۲۶۔

۳۔ اسد الغابہ ۲/۸۲۔

سکے۔ انہوں نے بھی بیعت نہیں کی تھی۔ اہل حکومت کچھ دن تک خاموش رہے پھر ان کی طرف بیعت کا پیغام روانہ کیا گیا تو انہوں نے کہا: جب تک میرے ترکش میں ایک بھی تیر ہوگا میں تم پر تیر اندازی کروں گا اور اپنے نیزے کی انی کو تمہارے خون سے خضاب کروں گا اور جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہوگی میں تم پر حملے کرتا رہوں گا اور میں اپنے خاندان اور پیروکاروں سمیت تم سے جنگ کروں گا۔ اگر تمہارے ساتھ تمام انسانوں کے علاوہ جنات بھی جمع ہو جائیں تب بھی میں تمہاری بیعت نہیں کروں گا یہاں تک کہ اپنے خدا سے جا ملوں اور وہاں اپنا حساب معلوم کروں۔ (1)

جب حضرت ابوبکر کو ان کا یہ جواب سنایا گیا تو حضرت عمر نے کہا: اسے بیعت کے بغیر مت چھوڑیں اور ہر قیمت پر اس سے بیعت لیں۔

بشیر بن سعد نے کہا: سعد انکار کر چکا ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہ اپنے قول کا پکا ہے وہ قتل ہو جائے گا لیکن تمہاری بیعت نہیں کرے گا اور اگر ایسے حالات پیدا ہوئے تو وہ اکیلا ہی قتل نہ ہوگا بلکہ اس کے ساتھ اس کی اولاد اور اس کا خاندان بھی قتل ہوگا۔ تم لوگ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اسے چھوڑنا تمہارے لیے نقصان دہ نہیں ہے۔ وہ فرد واحد ہے۔

بشیر بن سعد کے مشورہ پر سعد کو چھوڑ دیا گیا۔ سعد ان کے ساتھ نماز باجماعت میں شریک نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی ان کے کسی اجلاس میں آتے تھے حضرت ابوبکر کی زندگی میں ان کا یہی طرز عمل رہا۔ جب ان کی وفات ہوئی اور حضرت عمر خلیفہ بنے تو ایک دن مدینہ کی ایک گلی میں سعد اور حضرت عمر کی

۱۔ طبری ۲/۵۸۶۔ تہذیب تاریخ ابن عساکر ۵/۵۱۔ انساب الاشراف ۱/۵۸۸۔

۲۔ طبری ۳/۴۵۹۔ ابن اثیر ۲/۱۲۶۔ کنز العمال ۳/۱۳۴ حدیث ۲۲۹۶۔ الامامۃ والسیاسۃ ۱/۱۰ سیرت حلبیہ ۴/۳۹۷۔

ملاقات ہوگئی۔ تو ان کے درمیان حسب ذیل گفتگو ہوئی:

حضرت عمر: اے سعد!

حضرت سعد: اے عمر!

حضرت عمر: وہ گفتگو تم نے کی تھی؟

حضرت سعد: جی ہاں وہ گفتگو میں نے ہی کی تھی اب اتفاق سے تم حاکم بن گئے ہو جب کہ تیرا ساتھی تیری بہ نسبت مجھے پیارا لگتا تھا اور اب میں تیرے قریب رہنے کو بھی پسند نہیں کرتا۔

حضرت عمر: اگر کسی کو ہمسایہ اچھا نہ لگے تو کیا وہ جگہ چھوڑ دے؟

حضرت سعد: پھر میں بھی تیری ہمسائیگی میں نہیں رہنا چاہتا تجھ سے اچھے ہمسائے کا جا کر پڑوسی بنوں گا۔ پھر انہوں نے مدینہ کو چھوڑ دیا۔ بلاذری لکھتے ہیں:

حضرت سعد نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی اور وہ شام چلے گئے تھے۔ حضرت عمر نے ایک شخص کو بھیجا کہ اس کو بیعت کی دعوت دے اور اگر وہ انکار کرے تو خدا سے مدد مانگ کر اس کا کام تمام کر دے۔

وہ شخص شام آیا۔ ''حوارین'' میں سعد مقیم تھے اور وہاں ایک باغ میں ٹھہرے ہوئے تھے جس کی چاروں طرف سے چار دیواری تھی۔ حضرت عمر کے بھیجے ہوئے شخص نے ان سے ملاقات کی اور انہیں بیعت کی دعوت دی۔ حضرت سعد نے کہا۔ میں قریش کی کبھی بھی بیعت نہیں کروں گا۔ اس شخص نے کہا: اگر آپ نے بیعت نہ کی تو میں آپ سے جنگ کروں گا۔

حضرت سعد نے کہا: میں پھر بھی بیعت نہیں کروں گا۔ اس شخص نے کہا۔ کیا تو اس امر سے باہر ہے جس میں پوری امت داخل ہو چکی ہے؟

حضرت سعد نے کہا۔ میں بیعت سے خارج ہوں۔

اس شخص نے انہیں ایک تیر مار کر شہید کر دیا۔ (مروج الذہب ۲/۳۰۱-۳۰۲)

کتاب تبصرۃ العوام میں مذکور ہے:

حکومت کی طرف سے محمد بن مسلمہ انصاری کو اس کام کے لیے بھیجا گیا تھا اور اس نے انہیں تیر مارا تھا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس وقت خالد بھی شام میں موجود تھے انہوں نے محمد بن مسلمہ کی مدد کی تھی۔

مسعودی لکھتے ہیں۔ حضرت سعد نے بیعت نہیں کی تھی اور وہ مدینہ چھوڑ کر شام چلے گئے جہاں ۱۵ھ میں قتل کر دیے گئے۔ [1]

عذر گناہ بدتر از گناہ

حضرت سعد کی شہادت کے بعد اہل حکومت نے مشہور کر دیا کہ انہیں جنات نے تیر مار کر قتل کر دیا تھا اور پھر ایک شعر بنا کر جنات کی طرف منسوب کر دیا گیا کہ انہوں نے سعد کے قتل کے بعد یہ شعر پڑھا تھا۔

وقتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ

ورميناه بسهمين فلم نخطی فوادہ

''ہم نے قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کیا۔ ہم نے اس پر دو تیر پھینکے ہم نے ٹھیک اس کے دل کا نشانہ لیا۔''

ابن سعد لکھتے ہیں:

سعد پیشاب کر رہے تھے کہ انہیں تیر لگے اور تیر لگتے ہی وہ مر گئے اور مرنے کے بعد ان کی جلد سبز ہو گئی تھی۔

(طبقات ابن سعد ۳/ ق ۲/ ۱۴۵ا۔ المعارف ابوحنیفہ دینوری۔ ۱۱۳)

اسد الغابہ میں مرقوم ہے:

سعد نے ابوبکر و عمر کی بیعت نہیں کی تھی اور وہ شام چلے گئے جہاں وہ

۱۔ انساب الاشراف ۱/۵۸۹۔ العقد الفرید ۳/۶۴۔۶۵ الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ۔

''حوران'' میں رہائش پذیر ہوئے اور ۱۵ھ کو ان کی وفات ہوئی۔

ان کی موت کے متعلق مورخین کا اتفاق ہے کہ وہ غسل خانے میں مردہ پائے گئے تھے اور ان کا جسم سبز ہو گیا تھا۔ ان کی موت کا پتہ اس وقت چلا جب کنوئیں سے آوازیں بلند ہوئیں جب کہ کہنے والا کسی کو دکھائی نہ دیا اور کنویں سے یہ شعر پڑھا گیا:

ہم نے خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کیا اور ہم نے اس کے دل کا صحیح نشانہ لیا۔ (اسد الغابہ درحالات سعد۔ الاستیعاب ۲/ ۳۷۔)

اس طرح بڑی بے رحمی سے پیغمبر اسلامؐ کے جانثار صحابی کو موت کے گھاٹ اتار دیا حضرت سعد کا قتل حکومت کی بدنامی کا باعث بنتا تھا اسی لیے حکومت کے بہی خواہ مورخین میں سے کچھ افراد نے اس کا ذکر تک کرنا پسند نہیں کیا جیسا کہ ابن جریر طبری' ابن کثیر اور ابن اثیر نے اپنی کتابوں میں اس واقعہ کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ جب کہ محبّ الدین طبری اور ابن عبدالبر نے ان کی موت کا تذکرہ تو کیا لیکن اسے جنات کی کاروائی قرار دیا۔ مگر مورخین اس بات کا تسلی بخش جواب دینے سے ناکام رہے کہ آخر جنات کو پیغمبر اکرمؐ کے جانثار صحابی سے عداوت کیوں تھی؟

البتہ اگر مورخین اس داستان کو یوں بیان کرتے تو شاید ان کی داستان میں وزن پیدا ہوتا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت نہ کرنے پر صالح جنات کو سعد پر شدید غصہ آیا اور انہوں نے ان کے دل کا نشانہ لے کر دو تیر برسائے جو کہ ٹھیک ٹھیک اپنے نشانے پر جا لگے اور ان کی وفات ہو گئی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر مورخین اپنی داستان میں یہ جملے لکھ دیتے تو ان کی داستان کی تکمیل ہو جاتی۔

وہ مورخین جنہوں نے سعد کے بیعت نہ کرنے کا ذکر کیا

۱۔ ابن سعد نے طبقات میں۔ ۲۔ ابن جریر نے اپنی تاریخ میں۔ ۳۔ بلاذری نے اپنی کتاب انساب کی جلد اول میں۔ ۴۔ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں۔ ۵۔ ابن عبدربہ نے العقد الفرید میں۔ ۶۔ ابن قتیبہ نے الامامۃ والسیاسۃ میں۔ ۷۔ مسعودی نے مروج الذہب میں۔ ۸۔ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ کی جلد دوم ص ۲۸ میں۔ ۹۔ محب الدین طبری نے الریاض النضرہ میں۔ ۱۰۔ ابن اثیر نے اسد الغابہ کی جلد سوم میں۔ ۱۱۔ علی بن برہان الدین نے سیرت حلبیہ کی جلد سوم میں۔ ۱۲۔ ابوبکر جوہری نے کتاب السقیفہ میں بحوالہ ابن ابی الحدید لکھا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی۔

حضرت عمر کی نامزدگی اور ان کی بیعت

حضرت ابوبکر نے زندگی کے آخری لمحات میں حضرت عثمان کو بلایا اور خلوت میں بٹھا کر کہا کہ لکھو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ عہد ہے جو ابوبکر بن ابی قحافہ نے مسلمانوں کی طرف لکھا ہے:

امابعد۔ یہ لفظ لکھ کہ حضرت ابوبکر بے ہوش ہو گئے۔ حضرت عثمان نے اپنی طرف سے یہ جملہ تحریر کیا: میں تم پر عمر بن خطاب کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں اور میں انہیں نامزد کر کے تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں۔ پھر حضرت ابوبکر کو غش سے افاقہ ہوا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے پڑھ کر سناؤ حضرت عثمان نے انہیں تمام عبارت پڑھ کر سنائی۔ عبارت سن کر حضرت ابوبکر نے تکبیر کہی۔ اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ تجھے خوف لاحق ہو گیا تھا کہ اگر میں اس غشی میں دنیا سے چلا گیا تو لوگوں میں خلافت کے متعلق انتشار پیدا ہو جائے گا۔ اسی لیے تو نے میرے دل کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ الفاظ لکھ

دیے۔حضرت عثمان نے کہا: جی ہاں۔ خدا آپ کو اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔حضرت ابوبکر نے اس تحریر پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

لوگ باہر بیٹھے ہوئے تھے حضرت عمر بھی لوگوں کے پاس کھڑے تھے کہ اتنے میں حضرت ابوبکر کا غلام ان کا وصیت نامہ لے کر باہر آیا۔

حضرت عمر نے لوگوں سے کہا: لوگو! خلیفۂ رسول کے فرمان کو دل کی گہرائیوں سے سنو اور ان کے فرمان کی اطاعت کرو اور وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے تمہاری خیر خواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

قارئین کرام! کچھ دیر کے لیے اس مقام پر ٹھہر جائیے اور سوچیے کہ یہی حضرت عمر بیماری کی حالت میں رسول خداؐ کو دستاویز لکھنے نہیں دیتے تھے اور صرف سوا دو برس کے بعد حضرت ابوبکر کی وصیت کو مسلمانوں کی خیر خواہی کی ضمانت قرار دینے لگے۔ آخر اتنا بڑا فرق کیوں ہے؟ کیا ایسا تو نہیں کہ انہیں یقین تھا کہ اگر رسول خداؐ نے دستاویز لکھ دی تو اس دستاویز سے انہیں نقصان ہوگا اور ادھر انہیں یہ یقین تھا کہ اس دستاویز میں انہیں نامزد کیا گیا ہے!

اگر رسول خداؐ کو بیماری کی حالت میں دستاویز اس لیے نہیں لکھنے دی گئی کہ اس سے آپ کو زحمت ہوگی تو یہ زحمت حضرت ابوبکر کے لیے کیوں برداشت کی گئی؟

اور اگر رسول خداؐ کی دستاویز نعوذ باللہ ہذیان کے زمرے میں آتی تھی تو حضرت ابوبکر کی عالم بیماری میں تحریر کرائی ہوئی دستاویز کس زمرے میں آئے گی؟

شوریٰ اور حضرت عثمان کی بیعت

ابن عبد ربہ ''العقد الفرید'' میں رقم طراز ہیں: جب حضرت عمر پر قاتلانہ حملہ ہوا تو ان سے کہا گیا کہ آپ کسی کو اپنا جانشین مقرر کریں۔

انہوں نے کہا: کاش اگر آج ابوعبیدہ بن جراح زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ مقرر کرتا اور اگر میرا خدا مجھ سے اس کی خلافت کے متعلق پوچھتا تو میں کہتا: پروردگار! تیرے نبی نے اس کے متعلق کہا تھا کہ وہ اس امت کا امین ہے۔

اور اگر آج ابو حذیفہ کا آزاد کردہ غلام سالم زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ بناتا اور اگر خدا مجھ سے اس کے متعلق پوچھتا تو میں کہتا پروردگار! تیرے نبی نے اس کے متعلق کہا تھا کہ سالم خدا سے محبت کرتا ہے۔ (العقد الفرید ۴/۲۷۴ اور دناہ ملخصاً)

لوگوں نے ان سے خلیفہ بنانے کا اصرار کیا تو انہوں نے کہا کہ میں چاہتا تھا کہ ایک شخص کو تمہارا حاکم بنا کر جاؤں اور مجھے اس کے متعلق امید تھی کہ وہ تمہیں حق کی راہ پر چلائے گا یہ کہہ کر انہوں نے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کیا لیکن اب میں زندگی اور موت میں تمہارا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

بلاذری ''انساب الاشراف'' میں تحریر کرتے ہیں:

حضرت عمر نے کہا کہ علیؑ، عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص کو بلاؤ۔ جب یہ تمام افراد آ گئے تو حضرت عمر نے حضرت علی و عثمان سے گفتگو کی اور کہا علیؑ ممکن ہے کہ یہ لوگ آپ کی قرابت نبوی اور آپ کے علم و فقہ کی وجہ سے آپ کو منتخب کریں۔ اگر تم خلیفہ بن جاؤ تو خوف خدا کو ہمیشہ مدنظر رکھنا۔ پھر انہوں نے حضرت عثمان سے کہا: ممکن ہے کہ یہ لوگ آپ کی دامادی اور آپ کے سن و سال کو دیکھ کر تمہیں خلیفہ منتخب کریں اور اگر تم خلیفہ بن جاؤ تو خوف خدا کو مدنظر رکھنا اور ابی معیط کے خاندان کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرنا۔ پھر انہوں نے کہا کہ صہیب کو بلاؤ۔ انہیں بلایا گیا تو آپ نے ان سے کہا:

آپ تین دن تک لوگوں کو نماز پڑھانا اور ان لوگوں کو ایک گھر میں بٹھانا۔ جب ان کا ایک شخص پر اجماع ہو جائے تو جو بھی ان کی مخالفت کرے اس کی گردن مار دینا۔

جب افراد شوریٰ حضرت عمر کے پاس سے اٹھ کر گئے تو انہوں نے کہا: اگر یہ لوگ کم بالوں والے (علی) کو منتخب کرلیں تو وہ انہیں راہ ہدایت پر چلائیں گے۔ (1)

محبّ الدین طبری ''الریاض النضرہ'' جلد دوم ص ۹۵ پر لکھتے ہیں:

خدا ان کا بھلا کرے اگر وہ کم بالوں والے (علیؑ) کو منتخب کرلیں تو ان کا بھلا ہوگا۔ اگرچہ وہ اپنی تلوار بھی حمائل کیے ہوئے ہو۔ محمد بن کعب نے کہا: جب آپ کو ان کی اہلیت کا پتہ ہے تو آپ براہ راست اسے منتخب کیوں نہیں کر لیتے؟ حضرت عمر نے کہا: کوئی بات نہیں مجھ سے بہتر شخصیت نے بھی تو انہیں منتخب نہیں کیا تھا۔

بلاذری نے ''انساب الاشراف'' ۵/ ۱۷ پر واقدی کے حوالہ سے لکھا:

حضرت عمر سے کہا گیا کہ آپ عثمان کو منتخب کیوں نہیں کر لیتے؟

انہوں نے کہا: اگر میں نے انہیں منتخب کر لیا تو وہ ابی معیط کی اولاد کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کر دے گا۔ آپ سے کہا گیا: آپ زبیر کا انتخاب کیوں نہیں کرتے؟ کہا: وہ خوشی میں مومن اور ناراضگی میں کافر ہے۔

آپ سے کہا گیا: آپ طلحہ کا انتخاب کیوں نہیں کر لیتے؟

آپ نے کہا: اسے کیسے خلیفہ منتخب کروں جب کہ اونچی ناک رکھتا ہے جب کہ حقیقت میں کچھ نہیں ہے۔

آپ سے کہا گیا: آپ سعد کا انتخاب کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ نے کہا: وہ لڑائی بھڑائی کرنے والا شخص ہے (امور خلافت سے نابلد ہے)

آپ سے کہا گیا: آپ عبدالرحمٰن بن عوف کا انتخاب کیوں نہیں کر لیتے؟

آپ نے کہا: اگر وہ اپنے خاندان پر بھی اپنا حکم جاری کر لے تو اس کے لیے یہی کافی ہے۔

۱۔ انساب الاشراف ۵/ ۱۶۔ طبقات ابن سعد ۳/ ق ۱/ ۲۴۷۔ الاستیعاب و منتخب کنز ج ۴ ص ۴۲۹

بلاذری اپنی کتاب انساب الاشراف جلد پنجم ص ۱۸ پر لکھتے ہیں:

جب حضرت عمر پر قاتلانہ حملہ ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن جدعان کے آزاد کردہ غلام صہیب کو حکم دیا کہ وہ سرکردہ مہاجرین و انصار کو ان کے پاس لائیں۔

جب سرکردہ افراد ان کے پاس آئے تو حضرت عمر نے ان سے کہا:

میں امر خلافت کو تمہارے ان چھ مہاجرین اولین کے حوالے کر کے جا رہا ہوں جن سے رسول خداؐ اپنی رحلت کے وقت راضی تھے اور چھ افراد اپنے میں سے ایک شخص کا انتخاب کریں گے۔ پھر انہوں نے چھ افراد کے نام لیے اور ابوطلحۂ زید بن سہل خزرجی کو حکم دیا کہ تم اپنے ساتھ انصار کے پچاس شمشیر بکف ساتھیوں کو ساتھ لینا اور ان چھ افراد کو ایک مکان میں بٹھا دینا اور ان سے کہنا کہ تین دن کے اندر اندر ایک شخص کا انتخاب کرلیں۔ پھر آپ نے صہیب کو حکم دیا کہ خلیفہ منتخب ہونے تک لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

ان دنوں طلحہ مدینہ میں موجود نہیں تھے وہ اپنی ''سراۃ'' [1] کی جاگیر میں گئے ہوئے تھے حضرت عمر نے کہا اگر طلحہ ان تین دنوں میں آ جائے تو بہتر ورنہ وہ شوریٰ میں شامل نہیں ہوگا اور جس کی اکثریت ہو اس کی بیعت کرنا اور جو اختلاف کرے اسے قتل کر دینا۔ طلحہ کو اطاعت دی گئی اور جلد آنے کا کہا گیا مگر وہ مدینہ میں اس وقت آئے جب حضرت عمر کی وفات ہو چکی تھی اور حضرت عثمان خلیفہ منتخب ہو چکے تھے۔ اور وہ مدینہ آ کر اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور کہا کیا میرے بغیر بھی کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے؟ حضرت عثمان ان کے پاس آئے تو طلحہ نے کہا:

اگر میں تمہیں مسترد کر دوں تو کیا تم خلافت چھوڑ دو گے؟

حضرت عثمان نے کہا: جی ہاں۔

۱۔ طائف کے قریب پہاڑی علاقہ کو اور چند دیگر مقامات کو سراۃ کہا جاتا ہے۔

طلحہ نے کہا: میں آپ کو اس منصب پر بحال رکھتا ہوں۔ پھر انہوں نے حضرت عثمان کی بیعت کر لی۔اور یہی مضمون ''العقد الفرید'' جلد سوم ص ۷۳ پر بھی مرقوم ہے۔ ''العقد الفرید'' کے ص ۲۰ پر مرقوم ہے۔

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے کہا:

طلحہ کی تائید تک میں حضرت عثمان کی خلافت کے متعلق پریشان رہا اور طلحہ نے صلہ رحمی کرتے ہوئے حضرت عثمان کی تائید کر دی تو میں مطمئن ہو گیا اور عثمان بھی طلحہ کا بے حد احترام کرتے تھے لیکن جب ان کا محاصرہ ہوا تو طلحہ نے ان کی شدید مخالفت کی۔

بلاذری ''انساب الاشراف'' ۵/ ۱۸ پر ابن سعد کی سند سے لکھتے ہیں: اقلیت کو اکثریت کی پیروی کرنی چاہیے اور جو بھی مخالفت کرے تو اس کی گردن مار دو۔ بلاذری کتاب الانساب کے ص۱۹ پر ابن مخنف کے حوالہ سے لکھتے ہیں: حضرت عمر نے شوریٰ کے ممبران کو حکم دیا کہ وہ تین دن تک صلاح مشورہ کریں۔ اگر دو آدمی ایک شخص پر اور دو آدمی دوسرے شخص کا انتخاب کریں تو وہ مزید مشورہ کریں اور اگر چار افراد ایک کا انتخاب کریں اور ایک شخص کسی دوسرے کا انتخاب کرے تو خلیفہ وہ ہو گا جسے چار کی حمایت حاصل ہو گی اور اگر دونوں طرف تین تین افراد ہوں تو خلیفہ وہ ہو گا جس کی حمایت عبدالرحمٰن بن عوف کرے گا کیونکہ عبدالرحمٰن دین اور رائے میں ثقہ ہے۔قریباً یہی مضمون العقد الفرید ۳/۷۴ پر بھی مرقوم ہے۔

ابن سعد طبقات ۳ق ۱/۴۳ پر لکھتے ہیں: حضرت عمر نے کہا اگر دونوں طرف سے تین تین افراد ہوں تو تم اس گروہ کی پیروی کرو جس میں عبدالرحمٰن بن عوف موجود ہو۔

تاریخ یعقوبی ۲/ ۱۶۰ اور انساب الاشراف بلاذری ۵/ ۱۵ پر مرقوم ہے کہ

حضرت عمر نے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ کی بیعت اچانک ہوئی اور اللہ نے اس کے شر سے بچا لیا اور عمر کی بیعت مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر عمل میں لائی گئی۔ اور میرے بعد شوریٰ ہوگا۔ اگر چار افراد کی رائے ایک طرف ہو تو باقی دو افراد کو چار کی رائے کو تسلیم کرنا چاہیے اور اگر دونوں طرف سے تین تین افراد ہوں تو تم عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے کی پیروی کرو اور عبدالرحمٰن جس کے ہاتھ پر بیعت کرے تم اس کا فرمان سنو اور اس کی پیروی کرو۔

متقی کنز العمال ۳/۱۶۰ پر لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے کہا: ''عبدالرحمٰن جس کی بیعت کرے تم اس کی بیعت کرو۔''

> اسلم راوی ہیں کہ حضرت عمر نے کہا: ''عبدالرحمٰن جس کی بیعت کرے تم اس کی بیعت کرو اور اگر کوئی انکار کرے تو اس کی گردن کاٹ دو۔''

مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے عبدالرحمٰن بن عوف کو خلیفہ گر کا کردار سونپا تھا اور عبدالرحمٰن کو انہوں نے یہ نکتہ ذہن نشین کرایا تھا کہ بیعت کے لیے سیرت شیخین کی شرط رکھنا۔

حضرت عمر جیسے ذہین آدمی کو یقین تھا کہ حضرت علیؑ سیرت شیخین کی شرط قبول نہیں کریں گے جب کہ حضرت عثمان کسی طرح کے تردد کے بغیر قبول کر لیں گے اور نتیجہ کے طور پر حضرت علیؑ خلافت سے محروم ہو جائیں گے اور خلافت کسی پکے ہوئے پھل کی طرح حضرت عثمان کی گود میں آ گرے گی۔ یہ صرف ہمارا ذاتی خیال نہیں ہے بلکہ تاریخی حقائق اس بات کی تائید کرتے ہیں اور اس نظریہ کے اثبات کے لیے ایک روایت ہی کافی ہے۔

ابن سعد طبقات میں سعید بن عاص کے متعلق لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ

ہے: سعید بن عاص حضرت عمر کے پاس گیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اپنے گھر کی توسیع کرنا چاہتا ہے لہٰذا اسے گھر کے ساتھ والی زمین عنایت کی جائے۔ حضرت عمر نے اس سے نماز فجر کے بعد کا وعدہ کیا۔ دوسرے دن سعید ان کے پاس گیا اور انہیں یاد دہانی کرائی۔

حضرت عمر اسے ساتھ لے کر اس کے گھر کے پاس آئے اور اسے کچھ زمین عنایت کی۔ سعید نے زیادہ زمین کا مطالبہ کیا تو حضرت عمر نے کہا: اس وقت میری طرف سے اتنی ہی زمین کافی سمجھ اور میرے بعد وہ شخص برسر اقتدار آئے گا جو تیری رشتہ داری کے حقوق کی نگہبانی کرے گا اور تیری حاجت پوری کرے گا۔

سعید کہتا تھا: میں نے حضرت عمر کے عہد خلافت میں ان کی عطا کردہ زمین پر ہی قناعت کی اور ان کی وفات کے بعد جب حضرت عثمان خلیفہ بنے تو انہوں نے مجھ سے صلہ رحمی کی اور میری حاجت پوری کی اور اپنی امانت میں مجھے شریک کیا۔ (طبقات طبع یورپ ۵/۲۰۔۲۱)

اس روایت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ سعید بن عاص کو پہلے ہی بتا چکے تھے کہ اندرون خانہ کیا کھچڑی پک رہی ہے اور انہوں نے واضح الفاظ میں سعید کو یہ پیغام دیا تھا کہ عنقریب تیرا ہی قریبی رشتہ دار مسند خلافت پر متمکن ہو گا۔ اور بنی امیہ کے پاس حضرت عثمان کے علاوہ کوئی دوسرا موزوں امید وار خلافت نہیں تھا۔ حضرت عثمان کی خلافت کا فیصلہ پہلے ہی سے طے کر دیا گیا تھا اور لوگوں کو دکھانے کے لیے ایک نام نہاد مجلس شوریٰ تشکیل دی گئی تھی۔ اس روایت سے استفادہ کرتے ہوئے ہم دوسری روایت بھی یہاں نقل کرنا چاہتے ہیں۔ اس روایت کو ابن سعد نے طبقات میں سعید بن عاص کے حالات زندگی میں نقل کیا۔ ایک دن حضرت عمر نے سعید بن عاص سے کہا: کیا بات ہے تو منہ موڑ کر میرے پاس سے گزر رہا

ہے کیا میں نے تیرے باپ کو قتل کیا تھا؟ میں نے تیرے باپ کو قتل نہیں کیا تھا اسے علی بن ابی طالبؑ نے قتل کیا تھا۔ واضح رہے کہ سعید کا باپ جنگ بدر میں قتل ہوا تھا۔ حضرت عمر کے اس قول سے یہ پتہ چلتا کہ وہ مقتول کی اولاد کے جذبات بھڑکا کر حضرت علیؑ کو قتل کرانا چاہتے تھے؟

علیؑ جانتے تھے کہ انہیں خلافت نہیں ملے گی

مجلس شوریٰ کی ہیئت ترکیبی ہی کچھ ایسی تھی کہ اسے دیکھ کر عام سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی سمجھ سکتا تھا کہ یہ مجلس حضرت علیؑ کو ہرگز منتخب نہیں کرے گی اور حضرت علی علیہ السلام بھی اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھے اور انہوں نے مجلس شوریٰ میں صرف اس لیے شرکت کی تھی کہ کل کلاں لوگ یہ نہ کہیں کہ علیؑ خلافت کو پسند ہی نہیں کرتے۔ بلاذری اپنی کتاب انساب الاشراف ۱۹/۵ پر لکھتے ہیں:

حضرت علیؑ نے مجلس شوریٰ کے ارکان کو دیکھ کر اپنے چچا عباس سے شکایت کرتے ہوئے کہا: ہم سے خلافت کو ہٹا دیا گیا ہے۔ حضرت عباس نے کہا۔ بھلا وہ کیسے؟

حضرت علیؑ نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ عمر یہ کہہ چکے ہیں کہ ان لوگوں کا ساتھ دینا جن میں عبدالرحمٰن شامل ہو اور اب صورت حال یہ ہے کہ سعدؓ عبدالرحمٰن کا چچا زاد ہے اور عبدالرحمٰن عثمان کا بہنوئی ہے۔ اور ان حالات میں اگر طلحہ و زبیر میرا ساتھ بھی دیں تو بھی مجھے اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا کیونکہ خلیفہ وہی ہوگا جسے عبدالرحمٰن کی حمایت حاصل ہوگی۔

ابن کلبی نے کہا: عبدالرحمٰن کی بیوی کا نام ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط تھا اور اس کی ماں اروی بنت کریز تھی اور حضرت عثمان کی والدہ بھی اروی بنت کریز تھی۔ اسی لیے حضرت علیؑ نے کہا تھا کہ عبدالرحمٰن عثمان کا بہنوئی ہے۔ ابن عبدربہ نے بھی العقد الفرید ۴/۳/۷ پر یہی مضمون لکھا ہے۔

شوریٰ کی کارروائی

حضرت عمر کی وفات کے بعد دارالمال میں شوریٰ کا اجتماع ہوا اور دروازہ پر ابو طلحہ انصاری پچاس خونخوار تلواروں کے ساتھ دروازہ پر آ کھڑا ہوا۔ طلحہ نے کارروائی کی ابتدا کی اور سب کو گواہ بنا کر کہا میں اپنا حق رائے دہی حضرت عثمان کو دیتا ہوں۔ زبیر نے کہا کہ میں اپنا حق رائے دہندگی علی بن ابی طالبؑ کو سونپتا ہوں۔ پھر سعد نے اپنا حق رائے دہی عبدالرحمٰن کے حوالے کیا۔ اور یوں مجلس شوریٰ کے ارکان صرف تین رہ گئے جن میں سے عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں اس شرط پر اپنے حق سے دست بردار ہونے پر تیار ہوں کہ آپ دونوں علی بن ابی طالبؑ اور عثمان بن عفان اپنے میں سے ایک کو منتخب کر لینے کا حق مجھے دیں یا آپ میں سے کوئی دست بردار ہو کر یہ حق لے لے۔ یہ ایک ایسا جال تھا جس میں امیر المومنین کو ہر طرف سے جکڑ لیا گیا کہ یا تو اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں یا عبدالرحمٰن کو اپنی من مانی کارروائی کرنے دیں۔ چنانچہ پہلی صورت آپ کے لیے ناممکن تھی کہ حق سے دستبردار ہو کر عثمان یا عبدالرحمٰن کو منتخب کریں۔ اس لیے آپ اپنے حق پر جمے رہے اور عبدالرحمٰن نے اپنے آپ کو اس سے الگ کر کے یہ اختیار سنبھال لیا اور امیر المومنین سے مخاطب ہو کر کہا:

ابایعک علی کتاب اللّٰہ وسنة رسول اللّٰہ وسیرة الشیخین ابی بکر و عمر.

''میں اس شرط پر آپ کی بیعت کرتا ہوں کہ آپ کتاب خدا سنت رسول اور ابوبکر و عمر کی سیرت پر چلیں گے۔''

آپ نے کہا:

بل علی کتاب اللّٰہ و سنة رسول اللّٰہ واجتهاد رأیی.

''نہیں بلکہ میں اللہ کی کتاب، رسول کی سنت اور اپنے اجتہاد پر عمل کروں گا۔''

تین مرتبہ دریافت کرنے کے بعد جب حضرت علیؑ کی طرف سے مسلسل ایک ہی جواب ملا تو عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان سے مخاطب ہو کر کہا:

کیا آپ کو یہ تینوں شرائط منظور ہیں؟

انہوں نے بلاتامل ان شرائط کو مان لیا اور عبدالرحمٰن نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہیں امیر المومنین کہہ کر سلام کیا۔ اور اس کے بعد باقی ارکان شوریٰ نے ان کی بیعت کی۔ اس وقت حضرت علیؑ کھڑے تھے آپ بیٹھ گئے۔ عبدالرحمٰن نے آپ سے کہا۔ آپ بیعت کریں ورنہ میں آپ کو قتل کر دوں گا؟ حضرت علی ناراض ہو کر دارالمال سے باہر آئے اور فرمایا:

یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم نے ہم پر زیادتی کی ہو۔ اب صبر جمیل کے علاوہ کیا چارہ ہے اور جو باتیں تم کرتے ہو اس پر اللہ ہی مددگار ہے۔ خدا کی قسم! تم نے عثمان کو اس امید پر خلافت دی ہے کہ وہ اسے کل تمہارے حوالہ کر جائے۔

(طبری ۳/ ۲۹۷۔ تاریخ یعقوبی ۱/ ۶۲۔ ابن اثیر ۳/ ۳۷۔ العقد الفرید ۳/ ۷۶)

ان واقعات کو دیکھنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا شوریٰ اسی گورکھ دھندہ کا نام ہے جو چھ آدمیوں میں منحصر ہو اور پھر تین میں اور آخر میں صرف ایک ہی فرد میں منحصر ہو کر رہ جائے اور کیا انتخاب خلافت کے لیے سیرت شیخین پر عمل کرانا ضروری ہے؟ اور آخر عبدالرحمٰن کو اس اصطلاح کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ جب کہ خلیفہ اول نے خلیفہ ثانی کو نامزد کرتے وقت یہ شرطیہ نہیں لگائی تھی کہ تمہیں میری سیرت پر چلنا ہوگا۔ تو پھر یہاں اس شرط کی کیا ضرورت تھی؟

اگر سیرت شیخین قرآن و سنت کے مطابق تھی تو عبدالرحمٰن نے اسے علیحدہ

شق بنا کر کیوں پیش کیا اور اگر قرآن و سنت کے علاوہ کوئی اور چیز تھی تو اسلامی حکمران سے اس کی توقع ہی کیوں کی گئی؟

بہرنوع شوریٰ کی کارروائی سے ہمارے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ امیر المومنین نے فتنہ و فساد کو روکنے اور اتمام حجت کے لیے اس میں شرکت گوارا کی تھی تاکہ لوگوں کی زبانوں پر تالے پڑ جائیں اور یہ نہ کہتے پھریں کہ ہم تو انہی کے حق میں رائے دینے پر آمادہ تھے مگر انہوں نے شوریٰ سے کنارہ کشی کر لی اور ہمیں سرے سے اپنے انتخاب کا موقع ہی نہ دیا۔

حضرت علی علیہ السلام کی بیعت

حضرت عثمان کے بعد جب مسلمانوں کی گردن میں کسی کی اطاعت کا قلادہ باقی نہ رہا تو انہوں نے علی بن ابی طالبؑ کے نام کے نعرے بلند کیے اور ان کی بیعت کا ارادہ کیا مورخ طبری لکھتے ہیں:

اصحاب پیغمبرؐ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور آپ سے کہا: یہ شخص قتل ہو چکا ہے اور لوگوں کے لیے امام کا ہونا ضروری ہے اور آج ہمیں آپ سے بڑھ کر کوئی مستحق خلافت دکھائی نہیں دیتا۔ آپ کو اسلام میں شرف سبقت حاصل ہے اور آپ کو پیغمبر خدا کی قرابت بھی حاصل ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا:

''تم مجھے امیر مت بناؤ۔ میرا امیر ہونے سے وزیر رہنا بہتر ہے۔''

صحابہ نے کہا:

''خدا کی قسم! اب ایسا نہ ہوگا ہم آپ کو خلیفہ بنا کر چھوڑیں گے۔''

آپ نے فرمایا:

اگر تم نے ایسا ہی کرنا ہے تو میری بیعت مسجد میں ہو گی۔ میری بیعت مخفی نہ ہو گی اور تمام مسلمانوں کی رضامندی سے ہو گی۔

ایک اور سند کے تحت مروی ہے: کہ مہاجرین و انصار کا اجتماع ہوا اس میں طلحہ و زبیر بھی شامل تھے۔ انہوں نے کہا۔ اے ابو الحسن! آپ ہاتھ دراز کریں ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: مجھے تمہاری حکومت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم جس کا بھی انتخاب کرو گے میں اس پر راضی رہوں گا، تم کسی دوسرے کا انتخاب کرو۔

صحابہ نے کہا: ہم آپ کے علاوہ کسی کا بھی انتخاب نہیں کرتے۔ الغرض صحابہ کئی بار آپ کے پاس یہ پیش کش لے کر آئے۔ مگر آپ نے ہر بار اسے مسترد کیا اور بعد میں پھر صحابہ بڑی تعداد میں جمع ہو کر آئے اور آپ سے کہا اب کافی وقت گزر چکا ہے، اگر حکومت قائم نہ ہوئی تو حالات دگرگوں ہو جائیں گے اسی لیے آپ منصب خلافت کو قبول کریں۔

آپ نے فرمایا: تم کئی بار میرے پاس آئے ہو اور میں نے ہر بار تمہیں واپس کیا ہے اس کے باوجود بھی اگر تمہارا اصرار جاری ہے تو میں تم سے ایک بات کہتا ہوں اگر تمہیں وہ بات قبول ہوئی تو میں منصب خلافت قبول کر لوں گا ورنہ مجھے کوئی ضرورت نہیں۔

صحابہ نے کہا: ہمیں آپ کی ہر بات قبول ہو گی۔ چنانچہ آپ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر بیٹھے اور لوگوں کے اجتماع سے اس طرح گفتگو کی۔

میں تمہاری حکومت قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا مگر تم نے بار بار اصرار کیا کہ میں حکومت قبول کروں اور میں تم سب کی مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا

اور ہر امر میں تمہیں ساتھ لے کر چلنا چاہتا ہوں۔ اس وقت تمہارے زنانے کی
چابیاں میرے پاس ہیں۔ میں تمہارے بغیر اس میں سے ایک درہم تک نہیں لوں
گا۔ کیا تم لوگ میرا ساتھ دو گے اور میری حکومت کو قبول کرو گے؟
سب نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: خدایا گواہ رہنا۔ پھر لوگوں نے آپ
کی بیعت کی۔ بلاذری کتاب الانساب ۵/۷۰ اور حاکم مستدرک ۳/۱۱۴ پر لکھتے ہیں:
حضرت علیؑ باہر نکلے اور اپنے گھر آئے لوگ دوڑ کر علیؑ کے پاس آئے اور
ان میں اصحاب اور غیر اصحاب دونوں طرح کے افراد شامل تھے اور سب انہیں امیر
المومنین کہہ رہے تھے۔لوگ آپ کے گھر میں داخل ہوئے اور آپ سے کہا کہ ہم
آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں آپ ہاتھ دراز کریں۔
آپ نے فرمایا: خلیفہ منتخب کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے۔ یہ حق اہل
بدر کو حاصل ہے وہ جسے چاہیں اپنا امیر منتخب کریں۔ اس وقت جتنے بھی بدری صحابی
موجود تھے وہ سب اکٹھے ہو کر حضرت کے پاس آئے اور سب نے بیک زبان ہو کر
کہا۔آپ سے بڑھ کر ہمیں کوئی دوسرا منصب خلافت کے لائق دکھائی نہیں دیتا......
جب اہل بدر کا اصرار بڑھا تو آپ منبر پر تشریف لے گئے۔ سب سے پہلے طلحہ نے
آپ کی بیعت کی۔ طلحہ کی ایک انگلی شل تھی۔ حضرت علی نے اس سے بدشگونی لی اور
کہا یہ کہیں بیعت توڑ نہ ڈالے۔
طبری لکھتے ہیں: جب سب سے پہلے طلحہ نے بیعت کی تو حبیب بن ذؤیب
نے کہا بیعت کی ابتدا مشلول ہاتھ سے ہوئی مجھے تو یہ معاملہ یوں ہوتا دکھائی نہیں دیتا......
اس کے بعد ہم مسئلہ خلافت و امامت کے متعلق دونوں مکاتب فکر کی آراء
لکھیں گے اور اس کا آغاز مکتب خلافت کی آراء سے کریں گے۔

فصل دوم

امامت مکتبِ خلافت کی نظر میں

- مکتبِ خلافت کا نظریہ اور استدلال
- مکتبِ خلافت کے پیروکاروں کی آراء
- اطاعتِ امام واجب ہے اگر چہ وہ رسولؐ کی مخالفت بھی کرتا ہو
- متاخرین پیروان خلافت کا استدلال
- امامت و خلافت کی اصطلاحات
- امرِ خلافت کے متعلق مدرسۂ خلافت کی آراء کا جائزہ
- شوریٰ کے استدلال کی تردید
- کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ میں شوریٰ کی حیثیت کا تعین
- استدلال بیعت کی تردید
- عملِ صحابہ سے استدلال کی تردید
- شوریٰ' بیعت اور عمل اصحاب کے استدلال کی تردید
- جبر و غلبہ سے خلافت کا انعقاد درست ہے' کے نظریہ کی تردید
- ظالم اور سنتِ رسولؐ کے مخالف امام کی اطاعت
- خلاصہ بحث

مکتبِ خلافت کا نظریہ اور استدلال

۱۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا:

لن بعرف هذا الأمر الا لهذا الحی من قریش هم اوسط العرب نسبا و دارا و قد رضیت لکم احد هذین الرجلین (عمر و ابی عبیدة) فبایعوا ایهما شئتم. (۱)

''یہ امر خلافت قریش کے علاوہ کسی دوسرے خاندان کو زیب نہیں دیتا۔ کیونکہ نسب اور گھرانے کے لحاظ سے وہ عرب کا ممتاز گھرانہ ہے۔ میں تمہارے لیے دو افراد (عمر اور ابوعبیدہ) کا انتخاب کرتا ہوں ان میں سے تم جس کی چاہو بیعت کرلو۔''

۲۔ حضرت عمر نے فرمایا:

فلا یفترن امرئو ان یقول انما کانت بیعة ابی بکر فلتة و تمت، الا وانها قدکانت کذلک. ولکن اللّٰه و فی شرها ولیس منکم من تقطع الاعناق الیه مثل ابی بکر، من بایع رجلا غیر مشورةمن المسلمین فلا یبایع هو ولا الذی بایعه تغرة ان یقتلا. (۲)

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب رجم الحبلی ۴/ ۱۲۰

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب رجم الحبلی ۴/ ۱۲۰

"کوئی شخص اس دھوکے میں نہ رہے اور یہ نہ کہے کہ ابوبکر کی بیعت اچانک ہوئی اور مکمل ہوگئی۔ جی ہاں! ایسا ہی تھا لیکن اللہ نے اس کے شر سے محفوظ رکھا اور تم میں ابوبکر کی طرح سے کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے جس کی طرف لوگوں کی گردنیں اٹھتی ہوں۔ جو شخص مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی کی بیعت کرے تو نہ تو اس بیعت کرنے والی کی بیعت کی جائے اور نہ ہی اس کی بیعت کی جائے جس نے اس کی بیعت کی ہے۔ ان دونوں کو مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ دہی کے جرم میں قتل کر دیا جائے۔""

۳۔ مکتب خلافت کے پیروکاروں کی آراء

قاضی القضاۃ ماوردی[1] المتوفی ۴۵۰ھ اپنی کتاب "الاحکام السلطانیہ" اور امام علامۃ الزمان قاضی ابو یعلی[2] المتوفی ۴۵۸ اپنی کتاب "الاحکام السلطانیہ" میں لکھتے ہیں:

امامت دو طریقوں سے منعقد ہوتی ہے۔ (۱) اہل حل و عقد کسی کو منتخب کریں۔۲۔ یا امام سابق کسی کو اپنا جانشین نامزد کرے۔

اہل حل و عقد کے لیے کتنے افراد کی ضرورت ہے اس کے متعلق علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ علماء کے ایک گروہ کا موقف یہ ہے:

۱۔ ماوردی کا نام ابوالحسن علی بن محمد بصری البغدادی ہے اور وہ مذہب شافعی کے جلیل القدر قاضی تھے۔ انھوں نے حکومت و اقتدار کے متعلق کتاب لکھی جس کا نام "الاحکام السلطانیہ" ہے۔

۲۔ الاحکام السلطانیہ کے مؤلف کا پورا نام شیخ ابو یعلی محمد بن حسن الفراء الحنبلی ہے۔ ہم نے احکام سلطنت کے لیے مذکورہ دو کتابوں پر باقی کتابوں کی بہ نسبت زیادہ انحصار کیا ہے کیونکہ یہ دونوں کتابیں آئین مملکت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ امام ابو یوسف کی کتاب الخراج کے بعد اپنی کتابوں میں آئین کی دفعات کی بہتر نشاندہی کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ان کتابوں میں خواہ مخواہ کی مناظرہ بازی نہیں ہے جیسا کہ اس موضوع کی دوسری کتابوں میں پائی جاتی ہے۔

ملک کے تمام شہروں میں موجود اہل حل و عقد کی رضامندی کے بغیر امامت منعقد نہیں ہوتی اور جب تک کسی بھی ملک کے تمام اہل حل و عقد جمع ہو کر کسی کا انتخاب نہ کریں اس وقت تک امامت منعقد نہیں ہوتی۔

مگر ہماری نظر میں یہ موقف صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوبکر کو حاضرین نے منتخب کیا تھا اور مدینہ سے باہر رہنے والوں سے کوئی رائے طلب نہیں کی گئی تھی۔

ایک اور گروہ کا موقف یہ ہے:

انعقادِ امامت کے لیے کم از کم پانچ اہل حل و عقد کی ضرورت ہے۔ یا ایک ایسے شخص کی تائید کی ضرورت ہے جو چار افراد کی رضامندی کی نمائندگی کر رہا ہو۔

یہ گروہ اپنے موقف کے اثبات کے لیے دو دلیلیں پیش کرتا ہے۔

(۱) حضرت ابوبکر کی بیعت پانچ افراد کے ذریعہ سے منعقد ہوئی۔ بعد میں لوگوں نے ان پانچ افراد کے انتخاب کی تائید کی تھی۔ حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنانے والے افراد حسب ذیل تھے۔

(۱) عمر بن الخطاب۔ (۲) ابو عبیدہ بن جراح۔ (۳) اسید بن حضیر۔ (۴) بشیر بن سعد۔ (۵) سالم مولیٰ ابو حذیفہ۔

اس قول کو بصرہ کے اکثر فقہاء و متکلمین کی حمایت حاصل ہے۔

.علمائے کوفہ کا نظریہ یہ ہے: خلافت تین افراد کے ذریعہ سے بھی منعقد ہو سکتی ہے اس میں ایک امید دار خلافت اور دو اس کے گواہ ہوں گے۔ جس طرح سے نکاح دو افراد کی گواہی سے قائم ہوتا ہے اسی طرح سے امامت و خلافت بھی دو گواہوں سے منعقد ہو سکتی ہے۔

ایک اور گروہ کا موقف یہ ہے: اہل حل و عقد میں سے ایک فرد کے ذریعہ سے بھی امامت کا انعقاد جائز ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وفات رسول کے بعد حضرت عباس نے حضرت علی سے کہا تھا:

آپ ہاتھ دراز کریں میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ میری بیعت کے بعد
لوگ کہیں گے کہ رسول خدا کے چچا نے رسول خدا کے ابن عم کی بیعت کر لی ہے اور
پوری امت میں سے دو افراد بھی آپ کے متعلق اختلاف نہیں کریں گے۔ [1]

حضرت عباس کی اس پیش کش سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل حل و عقد میں
سے ایک شخص کے انتخاب سے بھی خلیفہ منتخب ہوسکتا ہے۔

خلافت کے انعقاد کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ امام سابق کسی کو اپنا جانشین
نامزد کرے تو اس کی امامت بھی منعقد ہو جائے گی اور اسی پر اجماع ہے اور اس
ثبوت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو نامزد کیا۔ اس نامزدگی سے ان
امامت و خلافت ثابت ہوتی ہے۔

حضرت عمر نے اپنی جانشینی کے لیے چھ افراد پر مشتمل شوریٰ تشکیل د
تھی۔ لہٰذا اگر نامزدگی کو ناجائز قرار دیا جائے تو حضرت عمر کی خلافت ثابت نہ ہو
گی اور ان کی تشکیل کردہ چھ افراد کی مجلس شوریٰ کا جواز بھی ختم ہو جائے گا۔ [2]

معرفت امام

مذکورہ بحث کے بعد قاضی ماوردی نے معرفت امام کے متعلق علماء
اختلافات کا ذکر کیا اور آخر میں نتیجہ یہ بیان کیا کہ بعض علماء نے کہا۔

واجب علی الناس کلھم معرفة الامام بعینه واسمه
کما علیھم معرفة اللّٰه و معرفة رسوله.

”جس طرح سے خدا اور اس کے رسولؐ کی معرفت ضروری ہے
اسی طرح سے تمام انسانوں کے لیے معرفت امام بھی ضروری

۱۔ الاحکام السلطانیہ ماوردی ص ۶۔۷

۲۔ الاحکام السلطانیہ الماوردی ۱۰

ہے۔ لوگوں کے لیے امام کی شخصیت اور ان کے نام کا جاننا ضروری ہے۔

قاضی موصوف بعد میں لکھتے ہیں:

والذی علیه جمهور الناس ان معرفة الامام تلزم الکافة بالجملة دون التفصیل. [1]

اکثریت کا نظریہ یہ ہے کہ معرفت امام اجمالی طور سے سب پر واجب ہے۔ تفصیلی معرفت ضروری نہیں ہے۔

جبر و غلبہ سے امامت کا انعقاد

قاضی القضاۃ ابو یعلیٰ الفراء الحنبلی نے مذکورہ دو طریقے لکھنے کے بعد اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں لکھتے ہیں کہ بعض علماء کہتے ہیں:

انها تثبت بالقهر والغلبة ولا تفتقر الی العقد.

''امامت قہر و غلبہ سے ثابت ہوتی ہے اور اس کے لیے کسی اہل حل وعقد کے انتخاب کی ضرورت نہیں ہے۔''

پھر قاضی القضاۃ مزید لکھتے ہیں:

ومن غلب علیهم بالسیف حتی صار خلیفة وسمی امیر المؤمنین فلایحل لاحد یؤمن باللّٰه والیوم الاخر ان یبیت ولا یراه اماما کان اوفاجرا' فهو امیر المومنین.

''جو شخص تلوار کے ذریعہ سے غلبہ حاصل کر کے خلیفہ بن جائے اور اپنے آپ کو امیر المومنین کہلانا شروع کر دے تو خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھنے والے شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ایک رات اس شکل میں بسر کرے کہ اسے امام نہ مانتا ہو۔ امام

۱۔ الاحکام السلطانیہ للماوردی ۱۵۔

خواہ نیک ہو یا بد ہو۔ وہ امیر المومنین ہے اور اگر کوئی طالع آزما امام کے خلاف خروج کرے اوراس کے ساتھ بھی لوگ ہوں اور امام کے ساتھ بھی لوگ ہوں تو نماز جمعہ غلبہ حاصل کرنے والے گروہ کے ساتھ پڑھنی چاہیے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ واقعہ حرہ میں ابن عمر یزیدی لشکر کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے اور کہتے تھے "نحن من غلب" ہم اسی کے ساتھ ہیں جو غالب ہو۔"(۱)

امام الحرمین جوینی المتوفی ۴۷۸ھ کتاب الارشاد کے باب "الاختیار و وصفة وذکر من ینعقد به الامامة" میں لکھتے ہیں:

اعلموا انه لایشترط فی عقد الامامة الاجماع بل تنعقد الامامة وان لم تجمع الامة علی عقدها والدلیل علیه ان الامامة لما عقدت لابی بکر ابتدر لامضاء احکام المسلمین. ولم یتأن لانتشار الاخبار الی من نای من للصحابة فی الاقطار...... الی آخر.

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ امامت کے انعقاد کے لیے اجماع شرط نہیں ہے۔ اجماع کے بغیر بھی امامت منعقد ہوسکتی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جیسے ہی حضرت ابوبکر کی امامت قائم ہوئی تو انہوں نے مسلمانوں کے امور انجام دینے شروع کر دیئے اور انہوں نے دور دراز مقامات پر رہنے والے صحابہ کی رائے کا انتظار نہیں کیا تھا مگر آج تک ان کے اس عمل پر کسی نے تنقید نہیں کی۔ امامت کے لیے اجماع کی شرط غیر ضروری

۱۔ الاحکام السلطانیہ ۷۔۸۔ طبع جدید کے مطابق ۲۰۔۲۳

ہے اور اس کے لیے افراد کا تعین کرنا بھی بلا جواز ہے اور اجماع کی حدود مقرر کرنا بھی بے سود ہے۔ امامت کا انعقاد اہل حل و عقد میں سے ایک فرد کی بیعت سے ثابت ہے۔"(۱)

امام ابن عربی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

لا يلزم في عقد البيعة للامام ان تكون من جميع الانام بل يكفي لعقد ذلك اثنان او واحد. (۲)

"امام کی بیعت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام لوگ اس میں شامل ہوں اس کے لیے دو افراد یا ایک فرد بھی کافی ہے۔"

شیخ فقیہ امام علامہ محدث قرطبی المتوفی ۶۷۱ھ "انی جاعلٌ فی الارض خلیفة" کی تفسیر میں اٹھارویں مسئلہ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

فان عقدها واحد من اهل الحل والعقد فذلك ثابت ويلزم الغير فعله خلافا لبعض الناس حيث قال لا تنعقد الابجماعة من اهل الحل والعقد ودليلنا ان عمر عقد البيعة لابى بكر ولم ينكر احد من الصحابة ذلك. فوجب ان لا يفتقر الى عدد يعقدونه كسائر العقود. (۳)

"اگر اہل حل و عقد میں سے ایک شخص بھی کسی کو امام مقرر کر دے تو اس کی امامت جائز ہوگی اور اس کا فعل باقی لوگوں کے لیے حجت ہوگا اور اس سلسلہ میں ہم بعض افراد کے اس نظریہ کے

۱۔ الارشاد فی الکلام طبع قاہرہ ص ۴۲۴۔

۲۔ امام ابوبکر محمد بن عبداللہ اشبلی المعروف بابن العربی فی شرح سنن ترمذی ۳/۲۲۹۔

۳۔ کتاب جامع احکام القرآن طبع مصر ۱/۲۶۹-۲۷۲۔

مخالف ہیں جو کہتے ہیں کہ امامت کے لیے اہل حل و عقد کی ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو امام مقرر کیا تھا اور کسی بھی صحابی نے ان پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ باقی عقود کی طرح امامت کے لیے کسی تعداد کی ضرورت نہیں ہے۔"

امام ابو المعالی کا قول ہے:

من انعقدت له لامامة بعقد واحد فقد لزمت ولا يجوز خلعه من غير حدث و تغير امر' قال وهذا مجمع عليه.

"جس شخص کی امامت ایک فرد کے ذریعہ سے منعقد ہوئی ہو تو اس کی امامت کا تسلیم کرنا ضروری ہے اور کسی تبدیلی اور حالت کے تغیر کے بغیر اسے معزول کرنا جائز نہیں ہے۔"

امام ابو المعالی نے کہا: اس پر اجماع ہے۔

آیت خلافت کی تفسیر میں پندرھویں مسئلہ کے عنوان سے مرقوم ہے۔

اذا انعقدت الامامة باتفاق اهل الحل والعقد او بواحد على ماتقدم وجب على الناس كافة مبايعته. [1]

"جب کسی کی امامت اہل حل و عقد کے اتفاق سے منعقد ہو یا ایک بھی اہل حل وعقد کے ذریعہ سے قائم ہو (جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے) تو تمام لوگوں پر اس کی بیعت واجب ہوگی۔"

مکتب خلافت کے سب سے بڑے قاضی عضد الدین ایجی المتوفی ۷۵۶ھ مواقف میں لکھتے ہیں:

۱۔ مصدر سابق جامع احکام القرآن طبع مصر ا/۲۶۹۔۲۷۲۔

المقصد الثالث فيما تثبت به الامامة ماملخصه انها تثبت بالنص من الرسول ومن الامام السابق بالاجماع و تثبت ببيعة اهل الحل والعقد خلافا للشيعة. دليلنا ثبوت امامة ابی بکر بالبیعة.

وقال: اذا ثبت حصول الامامة بالاختيار والبيعة اعلم ان ذلک لا يفتقر الى الاجماع اذلم يقم عليه دليل من العقل اوالسمع بل الواحد والاثنان من اهل الحل والعقد کاف' لعلمنا ان الصحابة مع صلابتهم فی الدين اکتفوا بذلک کعقد عمر لابی بکر و عقد عبدالرحمن بن عوف لعثمان ولم (يشترطوا) اجتماع من فی المدينة فضلا عن اجماع الامة. هذا ولم ينكر عليهم احد و عليه انطوت الاعصار الى وقتنا هذا. [1]

تیسرا مقصد اثبات امامت کے ذکر میں۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امامتِ رسولؐ کی نص اور امام سابق کی وصیت سے بالاجماع ثابت ہو جاتی ہے اور اہلِ حل و عقد کی بیعت سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ ہماری دلیل حضرت ابوبکر کی بیعت ہے۔

اس کے بعد مؤلف کہتے ہیں:

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ امامت انتخاب اور بیعت سے منعقد ہوتی ہے

۱۔ المواقف فی علم الکلام طبع مصر ۳۵۱/۸' ۳۵۳۔

تو تمھیں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ امامت کے لیے اجماع ضروری نہیں ہے کیونکہ اس کے لیے کوئی عقلی اور سمعی دلیل موجود نہیں ہے۔ اجماع کی بجائے اہل حل وعقد میں سے ایک یا دو شخص بھی کسی کو امام بنانے کا حق رکھتے ہیں کیونکہ ہمیں یہ بات اچھی طرح سے معلوم ہے کہ صحابہ دین میں بہت پختہ تھے اس کے باوجود انہوں نے ایک شخص کے انتخاب کو ہی کافی سمجھا کیونکہ حضرت ابوبکر کا انتخاب صرف فرد واحد یعنی حضرت عمر نے کیا تھا اور اسی طرح اکیلے عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان کا چناؤ کیا تھا اور انہوں نے تمام امت تو بجائے خود بلکہ اہل مدینہ کے اجتماع کی بھی شرط عائد نہیں کی تھی اور ان کے اس عمل کو کسی نے ناپسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا اور اس وقت سے لے کر ہمارے دور تک یہی طریقِ کار رائج ہے۔ (انتہی کلامہ)

سید شریف جرجانی نے شرح مواقف میں اس کی تائید کی ہے۔

اطاعتِ امام واجب ہے اگرچہ وہ رسولؐ کی مخالفت بھی کرتا ہو

امام مسلم نیشاپوری نے اپنی صحیح میں حذیفہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

ویکون بعدی ائمة لا یهتدون بهدای ولا یستنون بسنتی و سیقوم فیهم رجال قلوبهم قلوب الشیاطین فی جثمان انس. قال قلت: کیف اصنع یا رسول اللّٰه ان ادرکت ذلک؟ قال تسمع و تطیع للامیر وان ضرب ظهرک و اخذ مالک فاسمع و اطع.

''میرے بعد ایسے امام ہوں گے جو میری ہدایت پر عمل نہ کریں گے اور میری سنت کو نہیں اپنائیں گے اور عنقریب ان میں ایسے افراد بھی ہوں گے جو شکل وصورت میں انسان دکھائی دیں گے لیکن ان کے دل شیاطین کے ہوں گے۔''

حذیفہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا: امیر کا فرمان سنو اور اطاعت کرو۔ اگرچہ وہ تمہاری پشت پر تازیانے مارے اور تم سے تمہارا مال چھین لے پھر بھی اس کا فرمان سنو اور اطاعت کرو۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:

من رأى من امامه شيئا يكرهه فليصبر فانه من فارق الجماعة شبرا ضمات' مات ميتة جاهلية.

''جو اپنے امام سے ایسا فعل دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو اسے صبر کرنا چاہیے کیونکہ جو شخص بالشت برابر بھی جماعت سے جدا ہو کر مرا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

ایک اور حدیث میں یوں مرقوم ہے:

ليس احد خرج من السلطان شبرا ضمات عليه مات ميتة جاهلية.

''جو شخص بھی حکمران سے ایک بالشت جدا ہوا اور اس حالت میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

واقعہ حرہ کے وقت عبداللہ بن عمر نے اپنے بہی خواہوں اور اہل خاندان کو جمع کر کے کہا تھا:

من خلع يدا من طاعة لقى الله يوم القيامة لاحجة له ومن مات و ليس فى عنقه بيعة مات ميتة جاهلية. (1)

''جس نے حاکم کی اطاعت سے ہاتھ کھینچا تو وہ قیامت کے دن خدا کے حضور اس طرح سے پیش ہو گا کہ اس کے پاس اپنے لیے کوئی دلیل و حجت نہیں ہو گی اور جو شخص اس حالت میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں۔''

آئمہ یعنی صاحبان اقتدار پر خروج کرنا اور ان سے جنگ کرنا اجماع مسلمین

۱۔ صحیح مسلم ۶/۲۰-۲۲۔ کتاب الامامة' باب الامر بلزوم الجماعة.

کے مطابق حرام ہے۔ اگرچہ وہ ظالم اور فاسق کیوں نہ ہو اسی مفہوم کو بہت سی احادیث میں بیان کیا گیا ہے اور اہل سنت کا اجماع ہے کہ فسق و فجور کی وجہ سے حاکم کو معزول نہیں کیا جا سکتا۔

اہل سنت کے جمہور فقہاء و محدثین اور متکلمین کا قول ہے کہ حاکم فسق و ظلم اور حقوق کے معطل کرنے کی وجہ سے معزول نہیں ہوگا اور اسے اقتدار سے جدا نہیں کیا جائے گا اور اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہے۔ احادیث میں ہے کہ ایسے حاکم کو وعظ و نصیحت کی جائے۔ (شرح صحیح مسلم وسنن بیہقی ۸۔۱۵۸۔۱۵۹ طبع قاہرہ)

قاضی ابوبکر محمد بن طیب باقلانی المتوفی ۴۰۳ھ کتاب التمہید میں امام کی معزولی کے باب میں لکھتے ہیں:

جمہور اہل اثبات اور اصحاب حدیث نے کہا: امام کو اس کے فسق و ظلم اور غصب اموال اور ناحق قتل اور حقوق کے ضیاع اور حدود کو معطل کرنے کی وجہ سے منصبِ امامت سے ہٹانا جائز نہیں ہے۔ اور اس کے خلاف خروج حرام ہے۔ البتہ اسے وعظ و نصیحت کرنی چاہیے۔ اس سلسلہ کی بہت سی حدیثیں رسول خدا سے مروی ہیں۔ رسولؐ خدا کا فرمان ہے تم حاکم کا فرمان سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارا حاکم کان کٹا حبشی ہی کیوں نہ ہو اور تم ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھو۔ ایک روایت میں مذکور ہے کہ آنحضرت نے فرمایا:

''اپنے آئمہ کی اطاعت کر گرچہ وہ تیرا مال کھائیں اور تیری پشت پر تازیانے ماریں۔''

متاخرین پیروانِ خلافت کا استدلال

بعد میں آنے والے مکتب خلافت سے وابستہ افراد اپنی خلافت و امامت کے متعلق دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ شوریٰ کی بنیادوں پر قائم تھی اور اس مکتب کے مفکرین کی آج بھی یہ رائے ہے کہ اسلامی حکومت بیعت کی بنیاد پر قائم کی جا سکتی ہے جس کی دو چار مسلمان بیعت کر لیں وہ اسلامی حاکم بن جاتا ہے اور تمام مسلمانوں پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔

یہاں تک آپ نے مکتب خلافت کے نظریات اور ان کے دلائل کا مطالعہ کیا۔

ان دلائل پر تنقید و تبصرہ سے پہلے ہم مسئلہ امامت و خلافت میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔

امامت و خلافت کی اصطلاحات

امامت و خلافت کی بحث کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل سات اصطلاحات کا سمجھنا ضروری ہے۔

(۱) شوریٰ
(۲) بیعت
(۳) خلیفہ اور خلیفۃ اللہ فی الارض
(۴) امیر المومنین
(۵) امام
(۶) امر اور اولی الامر
(۷) وصی اور وصیت

درج بالا اصطلاحات کی تعریف حسب ذیل ہے:

ا۔ شوریٰ

تشاور، مشاورت اور مشورہ کے معنی ہیں کسی دوسرے سے رابطہ کر کے اس کی رائے کو معلوم کرنا۔

''شَاوَرَهُ'' کا معنی ہے کہ اس نے دوسرے سے اس کی رائے طلب کی۔

''اَشَارَعَلَيْهِ بِالرَّاي'' کا معنی ہے کہ اس نے اپنی رائے پیش کی۔

قرآن مجید کی آیت ہے (وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ) الشوریٰ/ ۳۸۔ یعنی وہ اپنے باہمی معاملات کو شوریٰ سے طے کرتے ہیں۔

(مفردات راغب مادہ ''شور'' لسان العرب، معجم الفاظ القرآن الکریم)

قرآن مجید، حدیث نبوی اور اصطلاح مسلمین میں اس کے لغوی معانی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ البتہ شوریٰ اور مشاورت کے موارد عنقریب بیان کیے جائیں گے۔

۲۔ بیعت اور اس کا لغوی مفہوم

لغت عرب میں بیعت کا معنی ہے بیع قبول کرنے کے لیے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا۔ "صفق یدہ بالبیعة و البیع و علی یدہ صفقا" کا معنی ہے بیع کرنے کے لیے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا۔

عہد و حلف

عرب مختلف طور طریقوں سے ایک دوسرے سے عہد و پیمان کرتے تھے۔ تاریخ میں اس کی ایک مثال اس عہد و پیمان کی ملتی ہے جو بنی عبد مناف نے بنی عبدالدار کے خلاف کیا تھا۔

ابن اسحاق روایت کرتے ہیں: عبدِمناف کی اولاد نے ایک برتن میں خوشبو رکھ دی اور اس برتن کو کعبہ کے نزدیک مسجد میں رکھا۔ پھر انہوں نے اس برتن میں اپنے ہاتھ ڈبوئے اور وعدہ کیا کہ وہ حجابت اور سقایت کا عہدہ بنی عبدالدار کے پاس نہیں رہنے دیں گے۔

پھر انہوں نے اپنے خوشبو والے ہاتھ کعبہ سے مس کیے۔ اس عہد و پیمان کی وجہ سے انھیں "مطیبین" کہا گیا۔ (سیرت ابن ہشام ۱/۱۴۱۔۱۴۳)

اسی طرح کا ایک اور عہد و پیمان اس وقت ہوا جب کعبہ کی تعمیر نو ہو رہی تھی اور بنیادیں مقامِ رکن تک پہنچ گئیں تو ہر قبیلہ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ تن تنہا دیوارِ کعبہ اٹھائے اور اس عمل میں کوئی دوسرا قبیلہ اس کے ساتھ شریک نہ ہو اختلاف نے اتنا طول کھینچا کہ نوبت جنگ تک آ پہنچی۔ کشیدہ حالات دیکھ کر بنی

عبدالدار خون سے بھرا ہوا ایک برتن لائے اور انہوں نے اور بنی عدی نے باہمی عہد و پیمان کیا اور خون میں ہاتھ ڈبوئے۔ اس واقعہ کے بعد انھیں "لعقة الدم" کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ (سیرت ابن ہشام ۱/۳/۲۔)

بیعت درِ اسلام

بیع قبول کرنے کے لیے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کو عربی زبان میں بیعت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسلام میں بیعت کا مفہوم یہ ہے کہ بیعت کرنے والا بیعت لینے والے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یہ عہد کرتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت کرے گا اور "بَايَعَهُ عَلَيْهِ مُبَايَعَةً" کا معنی ہے کہ اس نے اس سے معاہدہ کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا. (الفتح: ۱۰)

"بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ خدا کی بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں کے اوپر خدا کا ہاتھ ہے جس نے بیعت توڑی تو وہ اپنا نقصان کرے گا اور جو خدا سے کیا ہوا معاہدہ پورا کرے گا تو عنقریب خدا اسے اجرِ عظیم عطا کرے گا۔"

رسولؐ خدا کی زندگی میں ہمیں بیعت کے تین مواقع دکھائی دیتے ہیں۔

الف: بیعت عقبہ اولیٰ

اسلام میں پہلی بیعت کو بیعت عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے۔ اس بیعت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے عبادہ بن صامت نے کہا: ہم نے رسول خداؐ کی بیعت

کی اور اس بیعت کے لیے رسول خداؑ نے ہم سے وہی شرائط بیان کیں جو عورتوں کی بیعت کے وقت بیان کی جاتی تھیں۔ یہ بیعت جنگ کے وجوب سے پہلے ہوئی اور اس بیعت کی شرائط یہ تھیں:

(۱) ہم خدا کے ساتھ شرک نہیں کریں گے۔

(۲) ہم چوری نہیں کریں گے۔

(۳) ہم زنا نہیں کریں گے۔

(۴) ہم اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں سے قتل نہیں کریں گے۔

(۵) ہم کسی پر بہتان تراشی نہیں کریں گے۔

(۶) کسی نیک کام میں آنحضرتؐ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

پھر آپ نے فرمایا:

اگر تم نے ان شرائط پر پورا پورا عمل کیا تو تمہیں جنت ملے گی اور اگر تم نے ان میں سے بعض شرائط کی خلاف ورزی کی تو تم پر حد شرعی جاری کی جائے گی اور یہ حد شرعی گناہ کا کفارہ ہو گی۔ اگر تم نے اپنے گناہ کو پوشیدہ رکھا تو حد شرعی سے بچ جاؤ گے اور تمہارا حساب خدا کے ذمہ ہو گا۔ وہ چاہے تو عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف کر دے۔ تاریخ میں اس بیعت کو بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ب: بیعتِ عقبہ ثانیہ

اس بیعت کی تفصیل بتاتے ہوئے کعب بن مالک نے کہا: ہم مدینہ سے حج کے لیے نکلے اور ہم نے رسولؐ خدا سے عقبہ میں ملاقات کرنے کا وعدہ کیا تھا اس لئے ہم تہائی رات گزرنے کے بعد چھپتے چھپاتے عقبہ کے قریب گھاٹی میں پہنچے۔

ہماری تعداد تہتر مردوں اور دو عورتوں پر مشتمل تھی۔ رسولؐ خدا ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ کے چچا عباس بھی آپ کے ہمراہ تھے۔رسولؐ خدا نے گفتگو کی اور قرآن مجید کی تلاوت کی اور ہمیں توحید اور اسلام کی دعوت دی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: میں تم سے اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری ہر اس چیز سے حفاظت کرو گے جس سے اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔

براء بن معرور نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: جی ہاں! ہمیں آپ کی یہ شرط منظور ہے۔ ہم آپ کو ہر اس چیز سے محفوظ رکھیں گے جس سے ہم اپنی عورتوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔ آپ ہم سے بیعت لیں۔ خدا کی قسم! ہم جنگجو لوگ ہیں...... ابو الہیثم بن تیہان نے کہا: یا رسول اللہ! کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی آمد کی وجہ سے یہودیوں سے ہمارے تعلقات منقطع ہو جائیں اور اللہ آپ کو فتح و کامرانی عطا کر دے تو آپ ہمیں چھوڑ کر واپس مکہ چلے جائیں۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: نہیں ایسا نہ ہو گا تمہارا خون میرا خون اور تمہاری حرمت میری حرمت ہو گی۔

رسول خداؐ نے فرمایا: تم بارہ افراد کا انتخاب کرو تاکہ وہ اپنی قوم پر نقیب ہوں۔ پھر اہل یثرب نے بارہ افراد کا انتخاب کیا جن میں سے نو کا تعلق خزرج سے تھا اور تین کا تعلق اوس سے تھا۔

رسول خداؐ نے ان بارہ افراد سے فرمایا:

تم اپنی قوم کے کفیل ہو جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کے حواری ان کی امت کے کفیل تھے اور میں تمام مسلمانوں کا کفیل ہوں۔

انہوں نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ! ایسا ہی ہو گا۔

مورخین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آنحضرت کے ہاتھ پر پہلے کسی نے بیعت کی تھی بعض مورخین کے نزدیک سعد بن زرارہ نے بیعت کی تھی اور بعض مورخین کے مطابق سب سے پہلے ابوالہیثم بن تیہان نے بیعت کی تھی۔

(سیرت ابن ہشام ۲/۴۷-۵۶۔)

ج: بیعتِ رضوان

ہجرت کے ساتویں سال رسول خداؐ اپنے صحابہ سمیت عمرہ کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ تیرہ سو یا سولہ سو صحابی تھے اور آپ کے پاس ستر قربانی کے جانور تھے۔ اس سفر میں آپ زیادہ ہتھیار لے کرنہیں گئے تھے اور آپ نے فرمایا کہ میں ہتھیار لے کرنہیں جانا چاہتا کیونکہ میں عمرہ کی غرض سے جا رہا ہوں۔ آپ نے ذی الحلیفہ کے مقام سے احرام باندھا اور مکہ کی طرف چل پڑے ابھی آپ مکہ سے نو میل دور حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تھے تو آپ کو معلوم ہوا کہ کفارِ مکہ جنگ پر آمادہ ہیں اور وہ کسی بھی قیمت پر آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔

آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم میری بیعت کرو۔ چنانچہ ایک درخت کے نیچے آپ نے صحابہ سے بیعت لی اور صحابہ نے اس بات پر بیعت کی کہ جنگ کی صورت میں فرار نہیں کریں گے۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ نے موت پر بیعت لی تھی۔

بعدازاں قریش نے مذاکرات کے لیے اپنا وفد روانہ کیا اور کافی بحث وتمحیص کے بعد فریقین میں مصالحت ہوگئی اور اس صلح کو صلح حدیبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (امتاع الاسماع مقریزی ص ۲۷۴-۲۹۱۔)

اس بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ رسول خدا نے تین بار بیعت لی تھی۔

(۱) آپ نے اسلام قبول کرنے کے لیے پہلی بیعت لی تھی۔

(۲) آپ نے دوسری بیعت اسلامی حکومت کے قیام کے لیے لی تھی۔

(۳) آپ نے تیسری بیعت جہاد میں ثابت قدم رہنے کے لیے لی تھی۔

یہ تیسری بیعت دراصل دوسری بیعت کی تجدید تھی کیونکہ رسولؐ خدا اپنے اصحاب کو عمرہ کرنے کے لیے لے گئے تھے اور عمرہ کی بجائے جنگ کا خطرہ پیدا ہو گیا تو جس مقصد کے لیے آپ انہیں ساتھ لے کر آئے تھے وہ مقصد بدل گیا تھا۔ اسی لیے آپ نے ان سے نئے کام کے لیے بیعت کی ضرورت محسوس کی۔ اس بیعت کی وجہ سے اہل مکہ خوف زدہ ہو گئے اور انہیں چار و ناچار صلح کرنا پڑی۔

اس بحث کا اختتام ہم ایسی چھ احادیث سے کرنا چاہتے ہیں جن کا تعلق بیعت اور اطاعت امام سے ہے۔

۱۔ ابن عمر نے روایت کی:

كنانبايع رسول الله (ص) على السمع والطاعة ثم يقول لنا "فيما استطعت".

"ہم رسول خدا کی بیعت سمع و طاعت پر کیا کرتے تھے۔ پھر آپ ہمیں کہتے تھے کہ جتنی تمہیں استطاعت ہو۔"(۱)

"یعنی بیعت اس شرط پر ہوتی ہے کہ بیعت کرنے والا معاہدہ کرتا تھا کہ میں مقدور بھر آپ کا فرمان سنوں گا اور اس پر عمل کروں گا۔"

۲۔ ایک روایت جو کہ حضرت علیؑ سے مروی ہے اس میں "**ما استطعتم**" کے الفاظ وارد ہیں یعنی تم مقدور بھر سمع و طاعت کرو گے۔(۲)

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب البیعۃ حدیث ۵۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب البیعۃ **على السمع والطاعة فيما استطاع** حدیث ۹۰۔ سنن نسائی، کتاب البیعۃ، **باب البيعة فيما يستطيع الانسان**۔

۲۔ سنن النسائی، کتاب البیعۃ، **باب البيعة في يايستطيع الانسان**.

۳۔ جریر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت نے کہا ''قل فیما استطعت'' کہہ کہ میں اپنی استطاعت کے مطابق سمع و طاعت کروں گا۔ (۱)

۴۔ ہرماس بن زیاد کا بیان ہے کہ میں نے اپنے بچپنے میں بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا تو رسول خداؐ نے مجھ سے بیعت نہ لی۔ (۲)

ابن عمر راوی ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا:

علی المرء المسلم السمع والطاعة فیما احب وکره الا ان یومر بمعصیة فاذا بمعصیة فلا سمع ولا طاعة. (۳)

''پسند اور ناپسند دونوں حالتوں میں مرد مسلم پر سمع و اطاعت واجب ہے سوائے اس کے کہ اسے معصیت خداوندی کا حکم دیا جائے اور جب امیر معصیت کا حکم دے تو اس وقت سمع و اطاعت واجب نہیں ہے۔''

۵۔ ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

سیلی امورکم بعدی رجال یطفئون السنة و یعملون بالبدعة و یؤخرون الصلاة عن مواقیتها فقلت یا رسول اللّٰہ ان ادرکتهم کیف افعل؟ قال تسأ لنی یا

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب البیعۃ حدیث ۵۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب بیعة الصغیر. سنن نسائی، کتاب البیعة، باب بیعة الغلام۔

۳۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام باب السمع والطاعة للامام مالم تکن معصیة حدیث ۳۔
صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الاما ''فی غیر معصیۃ حدیث ۱۸۳۹۔
سنن ابن ماجۃ، کتاب الجھاد، باب الطاعة فی معصیة اللّٰہ حدیث ۲۸۶۳۔ سنن النسائی، کتاب البیعة، باب جزاء من امر بمعصة. مسند احمد ۲/۱۷/۱۴۲۔

بن ام عبد کیف تفعل؟ لا طاعة لمن عصی اللّٰه. (۱)

''میرے بعد تمہارے امور کے مالک وہ لوگ بنیں گے جو سنت کو بجھائیں گے اور بدعت پر عمل کریں گے اور نماز کو اوقات پر ادا نہیں کریں گے۔''

میں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر مجھے ان کا زمانہ دیکھنا پڑ جائے تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟

آپ نے فرمایا: ام عبد کے فرزند! یہ بات مجھ سے پوچھ رہا ہے کہ تجھے کیا کرنا چاہیے؟ جو خدا کی نافرمانی کرے اس کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔

۶۔ عبادہ بن صامت سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

فلا طاعة لمن عصی اللّٰه تبارک و تعالی...... (۲)

''جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اس کی اطاعت ضروری نہیں ہے۔''

مسئلہ بیعت کی بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کے تین ارکان ہیں۔

۱۔ بیعت کرنے والا۔۲۔ بیعت لینے والا۔۳۔ وہ امر جس کے لیے بیعت کی جا رہی ہے۔ ان تین ارکانِ بیعت کے بعد بیعت کرنے والا' بیعت لینے والے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہے اس کا طریقۂ سنتِ پیغمبر میں موجود ہے۔

لفظ بیعت کا تعلق اصطلاحات شرعیہ سے ہے۔ ہمارے دور کے اکثر افراد کو بیعت کے متعلق کچھ زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اسلام میں بیعت منعقد ہونے کی تین شرائط ہیں:

(۱) بیعت کرنے والا بیعت کے قابل ہو اور وہ اپنی رضا و رغبت سے بیعت کرے۔

۱۔ سنن ابن ماجہ ۲/۹۵۶' حدیث ۲۸۶۵۔ مسند احمد ۱/۴۰۰۔ لیس طاعة لمن عصی اللّٰه

۲۔ مسند احمد ۵/۳۲۵۔

(۲) جس کی بیعت کی جا رہی ہو اس کی بیعت صحیح ہو۔

(۳) بیعت کسی جائز کام کے لیے لی جائے۔

اس بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ اور پاگل کی بیعت درست نہیں ہے کیونکہ وہ غیر مکلّف ہیں۔ جبر سے بیعت لینا بھی ناجائز ہے کیونکہ بیعت' بیع کی مانند ہے جس طرح سے اجباری بیع حرام ہے اسی طرح سے جبری بیعت اور تلوار کے سائے میں لی جانے والی بیعت بھی ناجائز ہے۔

جو شخص علانیہ فسق و فجور کرتا ہو اس کی بیعت بھی صحیح نہیں ہے اور خلاف شریعت کام کے لیے بھی بیعت لینا اور بیعت کرنا ناجائز ہے۔

بہر نوع بیعت ایک مخصوص اسلامی اصطلاح ہے اور شریعت اسلام میں اس کے احکام مذکور ہیں۔

۳۔ خلیفہ اور خلیفۃ اللہ فی الارض

الف: خلیفہ اور خلافت

لغت عرب میں خلافت دوسرے کی نیابت کو کہا جاتا ہے۔ [۱]

اور خلیفہ کسی کے جانشین اور قائم مقام کو کہا جاتا ہے۔ [۲]

اور قرآن مجید کی ان آیات میں لفظ خلیفہ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

ا۔ سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) **وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ. (۶۹)**

''اور یاد کرو اس نے تمہیں قومِ نوحؑ کے بعد زمین میں جانشین بنایا ہے۔''

ا۔ مفردات راغب مادہ (خلف)

۲۔ نہایۃ اللغۃ ابن اثیر۔ لسان العرب مادہ (خلف)

۲. وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ. (۷۴)

''اور اس وقت کو یاد کرو جب اس نے تم کو قوم عاد کے بعد جانشین بنایا۔''

۳. فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتَابَ. (۱۶۹)

''اس کے بعد ان میں ایک نسل پیدا ہوئی جو کتاب کی وارث بنی۔''

ب۔ سورہ مریم میں ارشاد وقدرت ہے:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ...... (۵۹)

''پھر اس کے بعد ان کی جگہ پر وہ لوگ آئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا۔''

ج۔ سورہ انعام میں ارشاد فرمایا:

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّايَشَآءُ. (۱۳۲)

''اگر وہ چاہے تو تم سب کو دنیا سے اٹھا لے اور تمہاری جگہ پر جس قوم کو چاہے لے آئے۔''

قرآن مجید میں اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات موجود ہیں۔حدیث نبوی میں بھی لفظ خلیفہ اور خلفاء جانشین کے معانی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ پیغمبر خدا نے فرمایا:

اللهم ارحم خلفائی' اللهم ارحم خلفائی' اللهم ارحم خلفائی.

خدایا میرے خلفاء پر رحم فرما' خدایا میرے خلفاء پر رحم فرما' خدایا میرے خلفاء پر رحم فرما۔

آپ سے پوچھا گیا: آپ کے خلفاء کون ہیں؟

آپ نے فرمایا:

الذین یأتون من بعدی یروون حدیثی و سنتی. [1]

''میرے خلفاء وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور میری حدیث اور میری سنت کی روایت کریں گے۔''

دورِ صحابہ میں بھی لفظ خلیفہ اپنے لغوی اور لفظی معنیٰ ہی میں استعمال ہوتا رہا جیسا کہ:۔

(۱) خلیفہ اول کے عہد کے متعلق ابن اثیر نہایت اللغۃ میں لکھتے ہیں:

ایک اعرابی حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور ان سے کہا کیا آپ رسولؐ خدا کے خلیفہ ہیں؟

حضرت ابوبکر نے کہا: نہیں۔

اعرابی نے کہا: پھر آپ کیا ہیں؟

انہوں نے کہا: **انا الخالفة من بعده.**

نہیں میں خلیفہ نہیں بلکہ ان کے بعد ''خالفہ'' ہوں۔

ابن اثیر لکھتے ہیں: ''خالفہ'' اس چیز کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی فائدہ اور بھلائی نہ ہو۔ حضرت ابوبکر نے ازراہ تواضع اپنے آپ کو ''خالفہ'' کہا تھا۔

(لسان العرب بحوالہ ابن اثیر)

۲۔ خلیفہ ثانی کے عہد کے متعلق سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں:

''ان کے حالات اور فیصلوں کی فصل''

عسکری نے الاوائل' طبرانی نے الکبیر اور حاکم نے مستدرک میں لکھا۔

یک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ سے پوچھا کہ یہ بتاؤ حضرت ابوبکر جب کوئی تحریری فرمان جاری کرتے تو وہ (من خلیفة رسول

۱۔ اس حدیث کے مصادر پر جلد دوم میں تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔

اللہ) یعنی خلیفہ رسول کی طرف سے' لکھا کرتے تھے اور جب حضرت عمر کوئی تحریری فرمان جاری کرتے تو وہ "من خلیفة ابی بکر" یعنی ابوبکر کے جانشین کی طرف سے' لکھا کرتے تھے۔ سب سے پہلے "من امیر المومنین" امیر المومنین کی طرف سے ایسے کے الفاظ کس نے استعمال کیے؟ ابوبکر بن سلیمان نے کہا: مجھ سے ''شفاء'' نے بیان کیا اور وہ مہاجر خاتون تھیں' جب حضرت ابوبکر کوئی تحریری فرمان جاری کرتے تو سرنامہ پر لکھتے "من خلیفة رسول اللّٰہ" اور جب عمر خلیفہ بنے تو وہ یہ عبارت لکھا کرتے تھے "من خلیفة خلیفة رسول اللّٰہ" یعنی جانشین رسولؐ کے جانشین کی طرف سے' لیکن وہ اس تحریر پر خود بھی مطمئن نہیں تھے۔ انہوں نے اپنے عامل عراق کی طرف خط لکھا کہ وہ دو عقل مند اشخاص کو ان کے پاس بھیجے جن سے عراق کے حالات معلوم ہو سکیں۔ عامل عراق نے لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم کو بھیجا۔ جب وہ مدینہ آئے اور مسجد نبوی میں پہنچے تو ان کی ملاقات عمرو بن العاص سے ہوئی اور انہوں نے اس سے کہا: ''امیر المومنین سے ہمارے لیے اجازت حاصل کرو'' امیر المومنین کا لفظ سن کر عمرو بن العاص بہت خوش ہوا اور کہا تم نے ان کے لیے بہترین لفظ کا انتخاب کیا ہے۔

عمرو حضرت عمر کے پاس گیا اور کہا ''السلام علیک یا امیر المومنین'' حضرت عمر نے کہا: تو نے یہ نام کہاں سے تلاش کر لیا ہے؟

عمرو نے انہیں واقعہ کی اطلاع دی اور کہا ہم مومن ہیں اور آپ ہمارے امیر ہیں۔ اس دن کے بعد حکمرانوں کے لیے لفظ امیر المومنین رائج ہوا۔ (1)

نووی اپنی کتاب تہذیب میں لکھتے ہیں:

حضرت عمر نے لوگوں سے کہا: تم مومن ہو اور میں تمہارا امیر ہوں۔ اسی لیے ان کا نام امیر المومنین رکھا گیا۔ ورنہ اس لفظ سے پہلے انہیں "خلیفة خلیفة رسول اللّٰہ" کہا جاتا تھا۔

لفظ امیر المومنین رائج ہوتے ہی لوگوں نے سابقہ الفاظ چھوڑ دیے کیونکہ وہ کافی طویل تھے۔

ب۔ خلیفۃ اللہ فی الارض

ا۔ اسلامی اصطلاح میں

اسلامی اصطلاح میں ’’خلیفۃ اللہ فی الارض‘‘ کا لفظ اس کے لیے بولا جاتا ہے جسے خدا نے لوگوں میں سے چن لیا ہو اور اسے لوگوں کا امام اور حاکم بنایا ہو۔

سورۂ البقرہ میں یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلَا ئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً...... (۳۰)

’’اور اس وقت کو یاد کرو جب تیرے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنا رہا ہوں۔‘‘

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو زمین پر خلیفہ بنایا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ دوسری تاویل صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ آیت کے ظاہری الفاظ کے مطابق نہیں ہے اور اگر یہی مفہوم مراد لیا جائے تو پھر قرآن مجید کی ۲۱ آیت کے متعلق کیا کہا جائے گا۔

یَادَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنَاکَ خَلِیْفَۃً فِیْ الْاَرْضِ : (صٓ:۲۶)

’’اے داؤدؑ! بے شک ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا۔‘‘

اگر پہلی آیت کا مفہوم یہ لیا جائے کہ اللہ نے نوع انسان کو خلیفہ بنایا ہے تو داوُدؑ کی خلافت کا مقصد کیا رہ جائے گا کیونکہ نوع انسان کی خلافت داوُدؑ سے پہلے بھی تھی۔

داوُدؑ کے زمانہ میں بھی تھی اور داوُد کے بعد بھی قائم رہے گی اور اس صورت میں خلافت داوُد کا اعلانِ لغو قرار پائے گا۔ اسی لیے ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نوع انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ نہیں بنایا صرف آدم علیہ السلام کو ہی اللہ نے یہ شرف عطا کیا تھا۔

جس طرح سے خلافت داوُد کے اعلان سے اولادِ داوُد کی خلافت ثابت نہیں ہوتی اسی طرح سے خلافت آدم کے اعلان سے بھی تمام اولاد آدم کی خلافت ثابت نہیں ہوتی۔ آئمہ اہلِ بیت کی روایات میں بھی یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

اللہ کے مقرر کردہ خلفاء لوگوں کے امام ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلفاء فی الارض کو لوگوں کا رہنما مقرر کیا اور انہیں کتاب و نبوت عطا فرمائی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ لوطؑ اسحاقؑ اور یعقوبؑ کے متعلق خبر دیتے ہوئے سورہ الانبیاء میں ارشاد فرمایا:

وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بَرَكْنَا فِيْهَا لِلْعَالَمِيْنَ. وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِيْنَ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ. (۷۱. ۷۲. ۷۳)

"ہم نے ابراہیمؑ اور لوطؑ کو نجات دے کر اس سرزمین کی طرف لے آئے جس میں عالمین کے لیے برکت کا سامان

موجود تھا۔ اور پھر ابراہیم کو اسحاق اور ان کے بعد یعقوب عطا کیے اور سب کو صالح اور نیک کردار قرار دیا اور ہم نے ان کو پیشوا قرار دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ان کی طرف کارِ خیر کرنے' نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی کی۔ یہ سب کے سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے سورہ الانعام میں ارشاد فرمایا:

وَتِلْکَ حُجَّتُنَا اٰتَیْنٰھَا ھَا اِبْرَاھِیْمَ عَلٰی قَوْمِہٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ وَوَھَبْنَالَہٗ اِسْحَاقَ وَ یَعْقُوْبَ کُلًّا ھَدَیْنَا وَنُوْحًا ھَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّیَّتِہٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمَانَ وَاَیُّوْبَ وَیُوْسُفَ وَمُوْسٰی وَھَارُوْنَ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ وَزَکَرِیَّا وَیَحْیٰ وَعِیْسٰی وَاِلْیَاسَ کُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِیْنَ وَاِسْمَاعِیْلُ وَالْیَسَعَ وَیُوْنُسَ وَلُوْطًا وَکُلًّا فَضَّلْنَا عَلٰی الْعَالَمِیْنَ وَمِنْ اٰبَآئِھِمْ وَذُرِّیَّاتِھِمْ وَاِخْوَانِھِمْ وَاجْتَبَیْنَاھُمْ وَھَدَیْنَھُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ. ذٰلِکَ ھُدَ اللّٰہِ یَھْدِیْ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَلَوْ اَشْرَکُوْا لَبِحطَ عَنْھُمْ مَّاکَانُوْا یَعْمَلُوْنَ. اُوْلٰئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنَاھُمُ الْکِتَابَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ فَاِنْ یَّکْفُرْ بِھَا ھٰؤُلَآءِ فَقَدْ وَکَّلْنَا بِھَا قَوْمًا لَّیْسُوْا بِھَا بِکٰفِرِیْنَ. (الانعام:۸۳ تا ۸۹)

''یہ ہماری دلیل ہے جسے ہم نے ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی اور ہم جس کو چاہتے ہیں اس کے درجات بلند کرتے ہیں۔ بے شک تمہارا پروردگار صاحب حکمت بھی ہے

اور صاحبِ علم بھی ہے۔ ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ و یعقوبؑ
دیئے اور سب کو ہدایت بھی دی اور اس سے پہلے نوحؑ کو
ہدایت دی پھر ابراہیمؑ کی اولاد میں داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ،
یوسفؑ، موسیٰؑ اور ہارونؑ قرار دیے۔ ہم اسی طرح نیک عمل
کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں اور زکریاؑ یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور
الیاسؑ کو بھی رکھا جو سب کے سب نیک کرداروں میں سے
تھے۔ اور اسماعیلؑ، الیسعؑ، یونسؑ اور لوطؑ بھی بنائے اور سب کو
عالمین سے افضل و بہتر بنایا اور پھر ان کے باپ دادا، اولاد اور
برادری میں سے اور خود انہیں بھی منتخب کیا اور سب کو سیدھے
راستہ کی ہدایت کر دی۔ یہی خدا کی ہدایت ہے وہ جس بندے
کو چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے اور اگر یہ لوگ شرک اختیار کر لیتے
تو ان کے بھی سارے اعمال برباد ہو جاتے، یہی وہ لوگ ہیں
جنہیں ہم نے کتاب، حکومت اور نبوت عطا کی ہے۔ اب اگر
یہ لوگ ان باتوں کا بھی انکار کرتے ہیں تو ہم نے ان باتوں کا
ذمہ دار ایک ایسی قوم کو بنایا ہے جو انکار کرنے والی نہیں ہے۔"

خدا کا اصول ہے وہ جسے زمین میں خلیفہ مقرر کرتا ہے وہ لوگوں میں فیصلے کرتا ہے اور وہ لوگوں کا رہنما اور امام ہوتا ہے۔ کتابِ خدا کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت کرتا ہے اور خدا کی شریعت کی تبلیغ کرتا ہے۔ خلفاء اللہ کا سب سے اہم ترین فریضہ تبلیغ ہے جیسا کہ سورہ نحل میں ارشاد قدرت ہے:

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ. (۳۵)

"تو کیا رسولوں کی ذمہ داری واضح اعلان کے علاوہ کچھ اور بھی
ہے"

سورہ نور (۴۔۵) اور سورہ عنکبوت (۱۸) میں ارشاد ہے:

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ.

''رسول کی ذمہ داری واضح اعلان کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔''

اسی طرح سے سورہ آل عمران' المائدۃ' الرعد' ابراہیم' النحل' الشوریٰ' الاحقاف اور التغابن میں بھی رسول کی ذمہ داری واضح اعلان تک ہی محدود رکھی گئی ہے۔ خدائی آیات کی تبلیغ یا تو رسول خود کرتا ہے یا تبلیغ کے لیے کسی کو اپنا وصی مقرر کر کے اس سے آیات کی تبلیغ کراتا ہے۔

سورہ برأت کی تبلیغ

اس کی مثال ہمیں سورہ برأت کی ابتدائی دس آیات کی تبلیغ کے سلسلہ میں ملتی ہے اور اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ مسند احمد میں یہ الفاظ ہیں:

عن علی قال: لما نزلت عشر آيات من براء ة على النبی (ص) دعا النبی (ص) ابابكر فبعثه بها ليقرأ ها على اهل مكة ثم دعانی النبی (ص) فقال لی: ادرک ابابكر فحيثما لحقته فخذ الكتاب منه فاذهب به الى اهل مكة فاقرأه عليهم فلحقته بالجحفة فاخذت الكتاب منه ورجع ابوبكر الى النبی (ص) فقال يا رسول الله نزل فی شئ؟ قال: لاولكن جبرئيل جاء نی فقال: لن يؤدی عنک الا انت اورجل منک. [1]

(مسند احمد ۱/۱۵۱۔ تحقیق احمد محمد شاکر ۲/۳۲۲ حدیث ۱۲۹۶)

حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

جب سورہ برأت کی ابتدائی دس آیات نبی کریم پر نازل ہوئیں تو آپ نے

وہ آیات ابوبکر کے حوالے کیں اور فرمایا ان آیات کو اہل مکہ کے سامنے پڑھ کر سناؤ۔

پھر آپ نے مجھے بلا کر فرمایا: ابوبکر سے ملو اور آیات اس سے لے لو اور تم خود مکہ جا کر مکہ والوں کے سامنے وہ آیات پڑھ کر سناؤ: یہ حکم سن کر میں روانہ ہوا اور جحفہ میں اس سے جا ملا اور میں نے وہ آیات اس سے لے لیں۔ ابوبکر نبی کریمؐ کے پاس واپس آئے اور کہا۔ یا رسول اللہ! کیا میرے متعلق کوئی چیز نازل ہوئی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں! بات یہ ہے کہ جبریل میرے پاس آئے اور کہا۔ آپ کی طرف سے آیات کی تبلیغ آپ خود کر سکتے ہیں یا وہ کر سکتا ہے جو آپ میں سے ہو۔

ب۔ درمنثور سیوطی میں ابو رافع سے روایت ہے:

رسولؐ خدا نے سورہ برأت کی آیات ابوبکر کو دے کر بھیجا اور فرمایا کہ یہ آیات حج کے موقع پر لوگوں کو پڑھ کر سناؤ۔ جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا۔

ان آیات کی تبلیغ آپ خود کریں یا وہ شخص کرے جو آپ میں سے ہو۔ رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو ان کے پیچھے روانہ کیا یہاں تک کہ مکہ و مدینہ کے درمیان حضرت علی ان سے جا ملے اور اس سے وہ آیات لے لیں۔ گویا ابوبکر اپنے دل میں ناراض ہوئے رسول خدا نے فرمایا:

ابوبکرؓ! ان آیات کی تبلیغ میں خود کر سکتا ہوں یا وہ کر سکتا ہے جو مجھ سے ہو۔ (تفسیر درمنثور سیوطی ۳/۲۱۰)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرم نے اپنے صحابی ابوبکر کو سورہ برأت کی ابتدائی دس آیات دے کر ۹ ہجری میں بھیجا اور فرمایا کہ وہ ان آیات کی تلاوت کریں اور مشرکین تک خدا کا پیغام پہنچائیں۔ ابھی حضرت ابوبکر راستہ ہی میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو نازل فرمایا اور انہوں نے آنحضرتؐ کو خدا کا یہ پیغام پہنچایا کہ ان آیات کی تبلیغ آپ خود کریں یا اسے روانہ کریں جو آپ میں سے ہو۔

مقصد یہ ہے کہ آیات کی تبلیغ براہ راست رسول کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا تبلیغ آیات یا تو خود کریں یا اس کو تبلیغ کا حکم دیں جو ان میں سے ہو اور ان کا حصہ ہو اور وہ شخصیت علی بن ابی طالبؑ کی تھی۔

آنحضرتؐ نے علیؑ کو اپنا وصی بنا کر روانہ کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ تبلیغ رسالت میں آنحضرتؐ کے وصی تھے اور اگر خدا نے چاہا تو ہم بحث وصیت میں اس پر سیر حاصل گفتگو کریں گے۔

معجزاتِ خلفاء

اللہ تعالیٰ اپنے خلفاء کو ایسے خارق عادات اور افعال سے نوازتا ہے جس سے عام انسان عاجز ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جسے خلیفہ اور امام اور اپنی کتاب و شریعت کا مبلغ بنا کر بھیجتا ہے تو اسے کچھ نشانیاں عطا کرتا ہے اور وہ نشانیاں اس کی صداقت کا مظہر ثابت ہوتی ہیں۔ ایسی نشانی کو اسلامی اصطلاح میں معجزہ کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسل کو مختلف معجزات عطا فرمائے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورہ الاعراف میں فرمایا:

۱. فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَاهِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ. (الاعراف: ۱۰۷)

''موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو وہ اژدہا بن گیا۔''

وَنَزَعَ یَدَه' فَاِذَ هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ. (الاعراف: ۱۰۸)

''اور موسیٰ نے آستین سے ہاتھ نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لیے چمکتا ہوا ہاتھ بن گیا۔''

وَاَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰی اِذِاسْتَسْقَاهُ قَوْمُه' اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْحَجَرَ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا قَدْ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ. (الاعراف: ۱۶۰)

''جب قوم موسیٰ نے ان سے پانی طلب کیا تو ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ تو اپنا عصا پتھر پر مار۔ چنانچہ اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور ہر قبیلہ نے اپنا اپنا گھاٹ جان لیا۔''

ب۔ سورہ شعراء میں فرمایا:

فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ. (۳۲)

''موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو وہ اژدہا بن گیا۔''

فَاَلْقٰی مُوْسٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَایَاْفِكُوْنَ. (۴۵)

''موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو وہ ان کے جھوٹ موٹ کے سانپوں کو نگلنے لگا۔''

فَاَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ. (۶۳)

''پھر ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا دریا میں مار دیں۔ چنانچہ دریا شگافتہ ہو گیا اور ہر حصہ ایک پہاڑ جیسا نظر آنے لگا۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت عیسیٰؑ بن مریم کو بھی معجزات سے نوازا۔ جیسا کہ سورہ المائدہ میں ارشاد قدرت ہے۔

......اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ الكِتٰبَ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلاً وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْئَةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ...... (۱۱۰)

''جب میں نے روح القدس سے تمہاری تائید کی کہ تم لوگوں

سے گہوارہ میں اور ادھیڑ عمر میں ایک انداز سے باتیں کرتے
تھے اور ہم نے تم کو کتاب، حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم دی
ہے اور جب تم ہماری اجازت سے مٹی سے پرندہ کی شکل بناتے
تھے اور اس میں روح پھونک دیتے تھے تو وہ ہماری اجازت
سے پرندہ بن جاتا تھا اور تم ہماری اجازت سے پیدائشی اندھوں
اور کوڑھیوں کو تندرست کر دیتے تھے اور ہماری اجازت سے
مردوں کو زندہ کرتے تھے۔''

سورۂ آل عمران میں حضرت عیسیٰ کا یہ فرمان موجود ہے:

...... **وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ**...... (۴۹)

''اور میں اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کرتا ہوں اور جو کچھ تم
کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو تمہیں
اس کی خبر دیتا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے سورہ الانبیاء میں داؤد و سلیمان علیہما السلام کے متعلق فرمایا:

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ......(۷۹)

''اور ہم نے داؤدؑ کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا کہ وہ تسبیح
کریں اور پرندوں کو بھی مسخر کر دیا تھا۔''

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ...... **وَمِنَ الشَّيَاطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَ يَعْمَلُوْنَ عَمَلاً دُوْنَ ذٰلِكَ**...... (۸۲.۸۱)

''اور سلیمانؑ کے لیے تیز و تند ہواؤں کو مسخر کیا جو اس کے حکم
سے چلتی تھیں...... اور ہم نے بعض جنات کو بھی مسخر کر دیا جو

سمندر میں غوطے لگایا کرتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے تمام ہادیان دین کو معجزات عطا نہیں کیے تھے جیسا کہ ہودؑ لوط اور شعیب علیہم السلام کے متعلق قرآن مجید میں کسی معجزہ کا تذکرہ نہیں ملتا۔ بعض انبیائے کرام معاشرہ میں اس قدر کمزور تھے کہ وہ لوگوں میں فیصلہ کرنے کے قابل نہیں تھے بلکہ حق تو یہ ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت خاتم الانبیاء اعلان نبوت کے آغاز میں لوگوں کے فیصلے کرنے سے قاصر رہے تھے۔ انبیاء و مرسلین خواہ صاحب معجزہ ہوں یا نہ ہوں' خواہ لوگوں میں فیصلے کریں یا نہ کریں اس کے باوجود فریضۂ تبلیغ میں سب یکساں تھے اسی لیے یہ کہنا درست ہے کہ خلیفۃ اللہ خدا کی طرف سے مبلغ ہوتا ہے۔

کتاب خدا میں خلیفۃ اللہ کا یہی مفہوم ہے کہ وہ خدائی احکام کا مبلغ ہوتا ہے اور آنحضرتؐ نے بھی حدیث وسنت بیان کرنے والوں کو اپنا خلیفہ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ آپ کی مشہور حدیث ہے۔

اللھم ارحم خلفائی' اللھم ارحم خلفائی' اللھم ارحم خلفائی. قیل لہ یا رسول اللّٰہ من خلفاؤک؟ قال: الذین یأتون بعدی یروون حدیثی و سنتی.

خدایا! میرے خلفاء پر رحم فرما' خدایا میرے خلفاء پر رحم فرما' خدایا میرے خلفاء پر رحم فرما۔

آپ سے پوچھا گیا: آپ کے خلفاء کون ہیں؟

آپ نے فرمایا: میرے خلفاء وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور میری حدیث وسنت کو بیان کریں گے لہٰذا خلیفۃ اللہ وہ ہے جسے خدا تبلیغ دین کے لیے متعین فرمائے اور خلیفۃ الرسول وہ ہے جو آنحضرتؐ کی حدیث اور سنت کی تبلیغ کرے۔

لہٰذا قرآن و سنت میں خلیفۃ اللہ اور خلیفۃ الرسول کی اصطلاح انہی معنوں میں استعمال ہوئی ہے۔

۲۔ اصطلاحِ مسلمین میں خلیفہ اور خلیفۃ اللہ کا مفہوم

اس مقام سے قبل ہم واشگاف کر چکے ہیں کہ حضرت ابوبکر اپنے آپ کو خلیفہ رسولؐ کہلاتے تھے اور ان کے بعد حضرت عمر اپنے آپ کو خلیفۃ الرسول کہلاتے تھے۔ بعد میں انہوں نے اپنے لیے امیر المومنین کا لقب اختیار کر لیا اور لمبے چوڑے نام سے دستبردار ہو گئے۔ پھر ہر حکمران اپنے آپ کو امیر المومنین کہلانے لگا اور یہ سلسلہ آخری عثمانی خلیفہ تک جاری رہا۔

ذیل میں ہم اموی اور عباسی دور کے حکمرانوں کے القاب کا جائزہ لیتے ہیں اموی اور عباسی دور میں حاکم اعلیٰ کو ''خلیفۃ اللہ'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

حجاج بن یوسف نے نماز جمعہ کے خطبہ میں کہا:

فاسمعوا واطیعوا الخلیفة اللّٰه و صفیه عبدالملک بن مروان. (سنن ابی داوٗد ۲/۲۱۰ حدیث ۴۶۴۵ باب فی الخلفآء۔)

''لوگو! تم خلیفۃ اللہ اور خدا کے منتخب بندے عبدالملک بن مروان کے فرمان کو سنو اور اس کی اطاعت کرو۔''

ایک مرتبہ مہدی عباسی کے دربار میں ذکر کیا گیا کہ اموی خلیفہ ولید زندیق تھا۔ یہ الفاظ سن کر مہدی نے کہا:

خلافة اللّٰه عنده اجل من ان یجعلها فی زندیق:

(تاریخ ابن اثیر ۱۰/۷۔۸)

''اللہ کی خلافت اس سے کہیں بلند و برتر ہے کہ وہ زندیق کو مل جائے۔''

مقصد یہ ہے کہ ولید خلیفۃ اللہ تھا اور خلیفۃ اللہ کبھی زندیق نہیں ہو

سکتا۔اموی اور عباسی عہد میں حکمرانوں کو خلیفۃ اللہ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا اور شعراء اپنی نظموں میں انہیں خلیفۃ اللہ کہا کرتے تھے۔

جریر نے عمر بن عبدالعزیز کی شان میں ایک قصیدہ کہا تھا جس میں اس نے خلیفۃ اللہ کا لفظ استعمال کرتے ہوئے کہا:

خلیفة اللّٰه ماذا تامرون بنا لسنا الیکم ولا فی دار منتظر

(شرح شواہد المغنی سیوطی طبع منشورات دار مکتبۃ الحیاۃ بیروت ۱/۱۹۷)

''اے خلیفۃ اللہ! آپ ہمارے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ ہم آپ کی طرف نہیں ہیں اور ''منتظر'' کے گھر میں بھی نہیں ہیں۔''

اگرچہ عمر بن عبدالعزیز ایک دیندار حکمران تھا مگر اس نے بھی جریر کی حوصلہ شکنی نہیں کی تھی۔ اسی طرح سے مروان بن ابی حفصہ نے ابوجعفر منصور عباسی کی مدح کرتے ہوئے کہا تھا:

مازلت یوم الهاشمیة معلنا بالسیف دون خلیفة الرحمن

فمنعت حوزته و کنت وقاء ه من وقع کل مهند وسنان (۲)

''میں جنگ ہاشمیہ میں میں تلوار لے کر خلیفۃ الرحمٰن کی حفاظت کرتا رہا۔ میں نے اس کے مرکز کی حفاظت کی اور ہر تیز تلوار اور نیزے سے اسے محفوظ رکھا۔'' (الکنی والالقاب قمی ۱/۲۵۲)

اس نظم میں بھی شاعر نے منصور دوانیقی کو خلیفۃ الرحمٰن کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

عہد عثمانی میں مسلمانوں کے حاکم اعلیٰ کو صرف خلیفہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور لفظ خلیفہ میں اللہ یا رسول کی اضافت شامل نہیں کی جاتی تھی۔

ہمارے زمانہ میں نوع انسان کو ''خلیفته اللّٰه فی الارض'' کہا جاتا ہے اور اسی طرح سے ''استخلف' یستخلف'' جیسے الفاظ سے بھی بنی نوع انسان کی

خلافت ارضی مراد لی جاتی ہے۔ عثمانی دور میں حکمران کو لفظ خلیفہ سے تعبیر کیا جاتا تھا اس سے خلافت رسول مراد لی جاتی تھی۔

امت اسلامیہ میں جہاں سینکڑوں خلفاء گزرے ہیں وہاں پہلے چار خلفاء کو خلفائے راشدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کے دور حکومت کو خلافت راشدہ کہا جاتا ہے۔

مکتبِ خلافت میں لفظ ''خلیفہ'' اور ''خلیفة اللّٰہ فی الارض'' کے معنی میں کئی تبدیلیاں آئیں جب کہ مکتب امامت میں ''خلیفة اللّٰہ فی الارض'' سے اصطلاحِ اسلام کا مفہوم مراد لیا جاتا ہے۔ یعنی مکتب امامت میں ''خلیفة اللّٰہ فی الارض'' اس شخصیت کو کہا جاتا ہے جسے خدا نے اپنی طرف سے دین کی تبلیغ کے لیے رہنما مقرر کیا ہو۔

مکتبِ خلافت کا نظریہ یہ ہے کہ رسول خدا نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا تھا اور اپنے جانشین کا انتخاب امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا تھا۔

اور اس کے برعکس مکتبِ امامت کے پیروکاروں کا موقف یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی امت کو حیرانی و سرگردانی میں نہیں چھوڑا تھا اور آپ نے گزشتہ انبیاء کی طرح اپنا جانشین مقرر کیا تھا اور ہم امامتِ علی کے دلائل اپنے مقام پر دیں گے۔ اس مقام پر ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مکتبِ خلافت میں لفظ خلیفہ کے جو معنی متعین کیے گئے ہیں وہ معانی حدیث نبوی میں کہیں دکھائی نہیں دیتے۔

۴۔ امیر المومنین

ہم سابقہ صفحات میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ لقب سب سے پہلے حضرت عمر کے لیے استعمال ہوا۔ بعد ازاں ہر مسلمان بادشاہ اپنے آپ کو امیر المومنین کہلانے لگا اور یہ لفظ عثمانیوں کے دور خلافت کے آخر تک رائج رہا۔

۵۔ امام

امام رہنما اور پیشوا کو کہا جاتا ہے خواہ رہنما اچھا ہو یا برا ہو‘ حق پر ہو یا باطل پر ہو‘ کہلاتا امام ہی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد قدرت ہے:

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُوْلٰئِكَ يَقْرَءُ وْنَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلاً وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلاً.

(بنی اسرائیل۔ ۷۱۔۷۲)

”قیامت کا دن وہ ہوگا جب ہم ہر انسانی گروہ کو اس کے پیشوا کے ساتھ بلائیں گے اور اس کے بعد جن کا نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اپنے صحیفہ کو پڑھیں گے اور ان پر ریشہ برابر ظلم نہیں ہوگا اور جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ قیامت میں بھی اندھا اور بھٹکا ہوا رہے گا۔“

باطل کے رہنما کو بھی امام کہا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

فَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَا اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ.

”کفر کے سربراہوں سے جہاد کرو کہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔“ (التوبہ:۱۲)

اسلام کی اصطلاح میں امام خدا کے مقرر کردہ رہنما کو کہا جاتا ہے اور وہ رہنما انسان بھی ہوسکتا ہے اور کتاب بھی ہوسکتی ہے۔ انسان کے امام ہونے پر یہ آیات دلالت کرتی ہیں:

وَاِذِا بْتَلٰى اِبْرَاهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمَاتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ قَالَ لَا يَنَالُ

عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ. (البقرہ:۱۲۴)

''اور اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے چند کلمات کے ذریعہ ابراہیم کا امتحان لیا اور انہوں نے پورا کر دیا تو اس نے کہا ہم تم کو لوگوں کا امام بنا رہے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ میری ذریت؟ ارشاد ہوا کہ یہ عہدۂ امامت ظالمین تک نہیں جائے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ جَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا...... (الانبیاء:۷۳)

''اور ہم نے ان سب کو پیشوا قرار دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔''

قرآن مجید میں آسمانی کتاب کو بھی امام کہا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰی اِمَامًا وَّ رَحْمَةً...... (ہود:۱۷)

''اور اس کے پہلے موسیٰ کی کتاب گواہی دے رہی ہے جو پیشوا اور رحمت تھی۔''

مذکورہ تین آیات کا ماحصل یہ ہے کہ امام وہ ہے جو انسانوں کو خدا کی راہ دکھائے۔ اور اگر ہدایت کرنے والی کتاب امام ہو تو اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ ہو جیسا کہ قرآن مجید اور تورات اور انبیائے کرام کی دوسری کتابیں ہیں۔ یقیناً یہ آسمانی کتابیں سیدھا راستہ دکھاتی ہیں اور انسان کی رہنمائی کرتی ہیں لہٰذا یہ امام ہیں۔ اور جب انسان امام ہو تو اس کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ خدا کا مقرر کردہ ہو جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو خدا نے امام بنایا اور امامت کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ خدا کا نافرمان نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے امامت کے لیے یہ اصول بیان کیا ہے۔

لَایَنَالُ عَھْدِیْ الظَّالِمِیْنَ.

''میرا عہدۂ امامت ظالموں تک نہیں جائے گا۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ امامت خدا کا عہد ہے اور ظالم کبھی امام نہیں بن سکتا اور ہر غیر معصوم کسی نہ کسی شکل میں ظالم ہوتا ہے۔ لہٰذا عہدۂ امامت کے لیے غیر معصوم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ امام کے لیے معصوم ہونا ضروری ہے۔

۶۔ امر اور اولی الامر

لفظ امر اور اولی الامر کے سمجھنے کے لیے ہم اس کے لغوی معانی کے عمق میں جا کر بحث کریں گے کہ آیا یہ دونوں لفظ شرعی اصطلاح ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ہم کتاب وسنت اور عرف مسلمین سے استشہاد کریں گے۔

الف: لغوی معانی

لفظ امر کے لغوی معانی سمجھنے کے لیے ابن ہشام اور طبری کی اس روایت پر توجہ فرمائیں۔

رسول خدا کا دستور تھا کہ آپ ایام حج میں جب کہ تمام قبائل عرب مکہ میں جمع ہوتے تھے تو آپ قبائل کے پاس جا کر انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے اور انہیں اپنے متعلق بتاتے تھے کہ آپ نبی مرسل ہیں اور مختلف قبائل کو اپنی تصدیق کی دعوت دیتے تھے اور ان سے اپنی مدد اور حفاظت کی درخواست کرتے تھے۔

راوی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ بنی عامر بن صعصعہ کے پاس گئے اور انہیں دعوت اسلام دی اور اپنے آپ کو ان کے سامنے پیش کیا یعنی اپنی مدد اور حفاظت کے لیے انہیں کہا۔ اس قبیلہ کے ایک شخص بحیرہ بن فراس نے کہا۔

خدا کی قسم! اگر اس جوان کو میں قریش سے لے جاؤں تو میں اس کے ذریعہ سے تمام عرب کو چبانے کے قابل ہو جاؤں گا۔

پھر اس نے کہا: آپ یہ بتائیں اگر ہم آپ کی پیروی کریں اور اللہ آپ

کو آپ کے مخالفین پر غالب بھی کر دے تو کیا آپ ہم سے یہ وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کے بعد ''امر'' ہمارے پاس ہو گا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: ''امر'' خدا کے پاس ہے وہ جہاں چاہے گا رکھ دے گا۔

اس شخص نے کہا:

(یہ کہاں کا انصاف ہے کہ) آپ کی حفاظت کے لیے عربوں کے سامنے سینے ہم پیش کریں اور جب آپ غالب ہو جائیں تو ''امر'' ہمارے غیروں میں چلا جائے؟

ہمیں آپ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس روایت میں لفظ امر استعمال ہوا ہے اور لفظ امر کو استعمال کرنے والا عربی تھا اور وہ جانتا تھا کہ ''امر'' سے مراد سیادت اور عرب پر حکومت ہے۔ اس نے آنحضرتؐ کو اپنے قبیلہ کی طرف سے مشروط پیش کش کی تھی کہ اگر آپ اپنے بعد حکومت و سیادت ہمارے قبیلہ کے حوالے کرنے پر آمادہ ہوں تو ہم آپ کی مدد کرنے پر تیار ہیں۔

اس کے جواب میں رسول خداؐ نے فرمایا کہ ''امر'' یعنی سیادت وحکومت میرے اپنے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے ''صاحب امر'' بنائے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔ اس واقعہ کو ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے اور ہم یہاں اس کا خلاصہ تحریر کر رہے ہیں:

رسول خداؐ نے ہوذہ بن علی حنفی کو خط تحریر فرمایا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے آپ کے خط کے جواب میں لکھا۔

آپ جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں وہ انتہائی حسین وجمیل ہے۔ میں اپنی قوم کا شاعر اور خطیب ہوں اور عرب مجھ سے ڈرتے ہیں۔ آپ ''امر'' میں مجھے کچھ حصہ دار بنائیں تو میں آپ کی پیروی کروں گا۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا:

لوسألني سيابة من الارض مافعلت.

(طبقات ابن سعد ا/ ۲/ ۱۱ طبع یورپ)

''اگر یہ مجھ سے ویران زمین کا معمولی سا ٹکڑا بھی طلب کرے
تو میں نہیں دوں گا۔''

''ہوذہ'' نے ''امر'' میں کچھ حصہ داری طلب کی تھی جسے رسولؐ خدا نے مسترد کر دیا تھا۔ صاحبان فہم سمجھ سکتے ہیں کہ ہوذہ نے رسول خداؐ سے اقتدار و سیادت میں ساجھے داری کا تقاضا کیا تھا جسے آپ نے ٹھکرا دیا تھا۔

ان دونوں روایات کو مدنظر رکھنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ لغت عرب میں لفظ ''امر'' سیادت وحکومت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

ب: لفظ امر درعرفِ مسلمین

مسلمانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ سقیفہ میں لفظ ''امر'' کا بہت زیادہ اطلاق ہوا تھا۔ چنانچہ سعد بن عبادہ نے انصار سے کہا تھا۔

استبدوا بهذا الامر دون الناس......

''اس امر پر لوگوں کو شریک کیے بغیر قبضہ کر لو۔''

اس کے جواب میں انصار نے یہ لفظ کہے تھے:

نوليک هذا الامر.

''ہم یہ ''امر'' تیرے حوالے کرتے ہیں۔''

پھر انصار میں مزید مباحثہ ہوا اور یہ سوال اٹھایا گیا کہ اگر مہاجر ان کے اس اقتدار کو تسلیم نہ کریں اور وہ یہ کہیں۔

نحن عشيرته واولياؤه فعلام تنازعوننا هذا الامر من بعده؟

ہم آنحضرت کا خاندان ہیں۔تم ان کے بعد ہم سے یہ ''امر'' کیوں چھین

رہے ہو۔ حضرت ابوبکر نے بھی سقیفہ میں لفظ ''امر'' کو دو مرتبہ استعمال کیا۔ انہوں نے کہا:

ولن یعرف هذا الامر الالهذا الحی من قریش......

''قریش کے اس قبیلہ کے علاوہ یہ ''امر'' اور کسی کو زیب نہیں دیتا۔''

قریش کے متعلق حضرت ابوبکر نے فرمایا:

هم احق الناس بهذا الامر من بعده ولاینازعهم ذلک الاظالم.

''قریش اس ''امر'' کے تمام لوگوں سے زیادہ حقدار ہیں اور اس کے لیے کوئی ظالم ہی ان سے جھگڑا کرے گا۔''

سقیفہ میں حضرت عمر نے لفظ ''امر'' کی بجائے لفظ ''امارت'' استعمال کرتے ہوئے کہا تھا:

من ذا نیازعنا سلطان محمد و امارته ونحن اهله وعشیرته.

''محمدؐ کی سلطنت اور اقتدار کے لیے ہم سے کون جھگڑ سکتا ہے جب کہ ہم ان کے اہل اور ان کا خاندان ہیں۔''

حباب بن منذر نے حضرت عمر کے جواب میں کہا تھا:

لا تسمعوا مقالة هذا و اصحابه فیذهبوا بنصیبکم من هذا الامر...... فانتم واللّٰه احق بهذا الامر.

''اس شخص اور اس کے ساتھیوں کی باتیں مت سنو ورنہ وہ اس ''امر'' میں سے تمہارا حصہ لے جائیں گے...... خدا کی قسم اس ''امر'' کے تم ہی زیادہ حقدار ہو۔''

بشیر بن سعد نے مہاجرین کے موقف کی تائید کرتے ہوئے کہا تھا:

لا یرانی اللّٰہ انا زعهم هذا الامر ابدا.

''اس ''امر'' میں قریش سے جھگڑتے ہوئے خدا مجھے نہیں دیکھے گا۔''

ج: لفظ امر در نصوصِ اسلامیہ

پیغمبر اکرم کی احادیث میں لفظ ''امر'' بہت سے مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ خدا نے چاہا تو ہم آئندہ مباحث میں اس پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔ سردست ہم آپؐ کا وہ جواب نقل کرنا کافی سمجھتے ہیں جو آپؐ نے عامری کے سوال کے سلسلہ میں دیا تھا۔

ان الامر للّٰہ یصعه حیث یشاء.

''امر'' خدا کی ملکیت ہے وہ جہاں چاہے اسے رکھے۔''

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ اَطِیْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ. (النساء ۸:۵۹)

''ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔''

لغت عرب، عرفِ مسلمین اور نصوصِ اسلامیہ میں لفظ ''امر'' امر امامت اور مسلمانوں کی حکومت کے معانی میں استعمال ہوا ہے اسی لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شرعِ اسلامی میں لفظِ ''امر'' اس معنی و مفہوم میں استعمال ہوا ہے جس معنی و مفہوم میں لغتِ عرب اور عرفِ مسلمین میں استعمال ہوا ہے۔ اسی لیے ہم لفظ ''ولی الامر'' کو اصطلاحِ شرعی کہہ سکتے ہیں اور ''اولی الامر'' سے امام مراد ہے جو نبی اکرم کے جانشین کے فرائض سرانجام دے۔

لفظ ''اولی الامر'' کے معانی پر فریقین کا اتفاق ہے البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ'' اولی الامر'' کون ہیں۔ ''کتبِ اہل بیتؑ کا نظریہ یہ ہے کہ'' اولی الامر'' سے مراد وہ ائمہ ہیں جو خدا کی طرف سے منصوص ہیں اور جو ہر طرح کی لغزش اور گناہ سے پاک ہیں۔ خدا نے انہیں مقامِ عصمت پر فائز کیا ہے۔ وہ ''اولی الامر'' ہیں۔

اس کی تفصیل باب اولی الامر میں بیان کی جائے گی۔ ان شاء اللہ مکتب خلافت کا نظریہ یہ ہے کہ ''اولی الامر'' سے مراد وہ حاکم ہے جس کی مسلمانوں نے بیعت کی ہو اور اس کی اطاعت واجب ہے۔

اسی نظریہ کی اساس پر لوگوں نے یزید بن معاویہ کی اطاعت کی اور نواسہ رسولؐ کو ذبح کیا۔ خاندان پیغمبرؐ کے خیام لوٹے اور آلِ محمد کو قید کر کے شہر بہ شہر پھرایا گیا۔ اسی نظریہ کے ماننے والوں نے ''اولی الامر'' کی اطاعت سے سرشار ہو کر تین دن تک مدینہ منورہ کو تاراج کیا اور ہزاروں عصمتیں پامال کیں اور تین دن تک اطاعتِ ''اولی الامر'' میں مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے گئے اور اسی نظریہ کا ثمر یہ برآمد ہوا کہ ''اولی الامر'' کی امامت و قیادت کو مستحکم کرنے کے لیے منجنیق سے کعبہ شریف پر سنگ باری کی گئی۔

۷۔ وصیت اور وصی

ایک شخص اپنی زندگی یا مرض الموت میں کسی شخص کے ذمہ کوئی کام لگائے تو اس عمل کو وصیت اور وصیت کرنے والے کو ''مُوْصِیْ'' اور جس کام کے لیے وصیت کی گئی ہو اسے ''مُوْصٰی بِہٖ'' اور جس شخص کو وصیت کی جائے اسے ''وَصی'' کہا جاتا ہے۔

لفظ وصیت اور اس کے ہم معنی الفاظ سے وصیت کی جاتی ہے مثلاً ایک شخص دوسرے سے کہے **''اوصیک بعدی برعایۃ اھلی ادارۃ مدرستی''** میں تجھے اپنے بعد اپنا مدرسہ چلانے کی وصیت کرتا ہوں۔

اس کے علاوہ وصیت ہم معنی الفاظ سے بھی صحیح ہے۔ مثلاً کوئی شخص کہے:

اطلب منک بعدی ان تفعل کذا و کذا.

''میں تجھ سے تقاضا کرتا ہوں کہ تو میرے بعد فلاں فلاں کام سرانجام دینا۔''

وصیت کرنے والا کبھی دوسروں کو خبر دیتا ہے کہ میں نے فلاں کو اپنا وصی مقرر کیا ہے اور عربی زبان میں اس مفہوم کی ادائیگی کے لیے ''اَوْصَیْتُ' عَھِدْتُ اور اَوْکَلْتُ'' کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ قرآن مجید اور حدیث نبوی میں بھی لفظ وصیت اپنے وضعی معانی میں استعمال ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۨالْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَمَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَا اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ. فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (البقرہ: ۱۸۰'۱۸۱'۱۸۲)

''تمہارے اوپر یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت سامنے آئے تو اگر کوئی مال چھوڑا ہے تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے وصیت کر دے یہ صاحبان تقویٰ پر ایک طرح کا حق ہے۔ اس کے بعد جو شخص وصیت سن کر تبدیل کر دے گا اس کا گناہ تبدیل کرنے والے پر ہوگا خدا سب کا سننے والا اور سب کے حالات سے باخبر ہے۔ پھر اگر کوئی شخص وصیت کرنے والے کی طرف سے طرفداری یا ناانصافی کا خوف رکھتا ہو اور وہ وارثوں میں صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ

نہیں ہے اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔"
سورہ مائدہ میں بھی وصیت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ......

(المائدہ:۱۰۶)

"اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت سامنے آ جائے تو گواہی کا خیال رکھنا کہ وصیت کے وقت دو عادل گواہ تم میں سے ہوں۔"

اسی طرح سے سورۃ النساء کی گیارہویں اور بارہویں آیات میں بھی وصیت کا ذکر موجود ہے۔

سنت نبوی میں بھی وصیت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں پیغمبر اسلام کی سے حدیث مروی ہے:

ماحق امرئ مسلم له شئ يوصى فيه ان يبيت ليلتين الاو وصيته مكتوبة عنده.

"جس کسی مسلمان کے پاس وصیت کے قابل کوئی چیز ہو تو اسے دو راتیں بھی وصیت لکھے بغیر بسر نہیں کرنی چاہیں۔"

(صحیح بخاری ۲/۸۳۔ صحیح مسلم بشرح النووی ۱۱/۷۴)

اسلامی فقہ میں وصیت کا مستقل باب موجود ہے اسی لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وصیت اور وصی کے الفاظ کا تعلق اسلامی اصطلاحات سے ہے۔ تورات و انجیل میں انبیائے کرام کی وصیتیں موجود ہیں' جن میں انہوں نے اپنے اوصیاء کو تبلیغ شریعت کی وصیت کی ہے۔

انبیائے سابقین کی طرح سے حضرت رسول خدا نے بھی حضرت علی کو تبلیغ

شریعت اور امت پر شفقت کی وصیت فرمائی اور پھر حضرت علی کے ذریعہ سے گیارہ آئمہ کو تبلیغ دین کی وصیت فرمائی اور نبی کریم نے اپنی وصیت کو مخفی نہیں رکھا تھا۔ آپ نے اپنے اوصیاء کا مسلمانوں کو تعارف کرایا۔ اس کے لیے کبھی آپ نے لفظ ''وصی'' استعمال کیا اور کبھی اس کے ہم معنی الفاظ استعمال فرمائے۔

نبی کریم نے اپنی وصیت کا اتنا زیادہ ذکر کیا کہ حضرت علیؑ کے لیے لفظ ''وصی'' ایک لاحقہ سا بن گیا۔ اس مضمون کی احادیث ہم باب نصوص میں بیان کریں گے اور ان لوگوں کے نظریہ کی علمی تردید بھی کریں گے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول خداؐ نے کسی کو اپنا وصی مقرر نہیں کیا تھا اور امت کو وارث کے بغیر چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مکتبِ خلافت کی آراء کا جائزہ

امامت و خلافت کی سات اصطلاحات کی تعریفات کے بعد ہمارے لیے فریقین کی آراء کا جائزہ لینا آسان ہو چکا ہے اور ہم مکتب خلافت کی آراء سے اس بحث کا آغاز کرتے ہیں۔

مکتب خلافت کا نظریہ اور استدلال

(۱) حضرت ابوبکر نے اپنی خلافت کے لیے یہ دلیل پیش کی:

امرِ خلافت قریش کے علاوہ کسی دوسرے خاندان کو زیب نہیں دیتا کیونکہ وہ گھر اور نسب کے لحاظ سے عرب کا محترم قبیلہ ہے۔ میں نے تمہارے لیے ان دو افراد (عمر اور ابوعبیدہ) کا انتخاب کیا ہے۔ تم ان دو میں سے جس کی چاہو بیعت کرلو۔

(۲) حضرت عمر نے کہا:

کوئی شخص یہ کہہ کر لوگوں کو دھوکہ نہ دے کہ ابوبکر کی بیعت اچانک ہوئی اور قائم ہو گئی۔ جی ہاں ابوبکر کی بیعت ایسے ہی تھی لیکن اللہ نے اس کے شر سے محفوظ رکھا لیکن تمہارے اندر ابوبکر جیسی شخصیت موجود نہیں ہے جس کی طرف لوگوں کی گردنیں اٹھتی ہوں۔ لہٰذا جو شخص مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی کی بیعت کرے تو بیعت کرنے والے اور بیعت لینے والے کی بیعت نہ کی جائے گی اور ان دونوں کو

دھوکہ دہی کے جرم کی وجہ سے قتل کر دیا جائے۔ (بخاری کتاب الحدود باب رجم الحبلی)

مذکورہ استدلال کا جائزہ

ہم نے دونوں خلفاء کے استدلال کا خلاصہ پیش کیا۔ حضرت ابوبکر کا استدلال کسی علمی بنیاد پر قائم نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ اس سلسلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا استدلال ''قبائلی منطق'' پر قائم تھا۔

وفات رسولؐ کے بعد انصار نے رسول خدا کے غسل وکفن کو چھوڑ کر سقیفہ میں ہنگامی اجتماع کیا تھا اور ان کے اجتماع کا مقصد سعد کو خلیفہ بنانا تھا۔ انصار نے سقیفہ میں یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ سعد باقی مسلمانوں سے افضل ہے لہٰذا اسے خلیفہ منتخب کیا جائے۔

انصار کا موقف یہ تھا کہ باقی مسلمان ان کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں اور انہوں نے شجرۂ اسلام کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے اسی لیے خلافت ان کا حق ہے۔

کچھ دیر بعد جب مہاجرین سقیفہ میں پہنچے تو انہوں نے بھی ان کے ہی استدلال کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنا موقف ان الفاظ میں پیش کیا کہ خاندان قریش نسب اور اپنے گھر کی وجہ سے عرب کا محترم خاندان ہے اور ان سے محمد مصطفیؐ کی حکومت و اقتدار کو علیحدہ کرنا درست نہیں ہے اور مزید یہ کہ وہ آنحضرت کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا خلافت ان کا حق ہے۔

حباب بن منذر کا یہ کہنا ''منا امیر و منکم امیر'' ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے ہو اور مہاجرین کا جواب میں یہ کہنا کہ ''نحن الامراء و انتم الوزراء'' ہم حکمران ہوں گے اور تم وزیر ہو گے بھی اسی منطق کا کرشمہ تھا۔

زیادہ واضح الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انصار کے پاس ان کی اجتماعی خدمات تو موجود تھیں، لیکن ان کے پاس سعد بن عبادہ کی فضیلت اور ان کے استحقاق خلافت کی کوئی دلیل نہیں تھی۔ اسی طرح سے مہاجرین کے پاس ان کی اجتماعی اسلامی خدمات موجود تھیں لیکن حضرت ابوبکر کی خلافت کے لیے ان کے پاس کوئی ٹھوس دلیل موجود نہیں تھی اور اگر حضرت ابوبکر کی خلافت کے لیے ان کے پاس کوئی ٹھوس دلیل موجود ہوتی تو حضرت ابوبکر خلافت کے لیے حضرت عمر اور ابوعبیدہ کے نام کبھی تجویز نہ کرتے۔ علاوہ ازیں خاندان قریش کی ہر دلعزیزی بیان کرنے کی بجائے اپنی خلافت کے اثبات کے لیے قرآن مجید کی آیت یا رسول خدا کی کوئی حدیث بیان کرتے۔

مگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سقیفہ میں دونوں امیدواروں کے استحقاقِ خلافت کے لیے انصار و مہاجرین کے مجموعی فضائل بیان کیے گئے اور خلافت کے امیدواروں کی ذاتی خصوصیات اور ان کا استحقاقِ خلافت ثابت کرنے کے لیے کسی فریق کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی اور اگر کسی فریق کے پاس دلیل ہوتی تو وہ اس دلیل کو بیان کر کے مخالف کو خاموش کر سکتا تھا۔ لیکن سقیفہ میں اس طرح کی کوئی کوشش سرے سے نہیں کی گئی۔

قبیلہ اوس کے سردار اسید بن حضیر نے یہ محسوس کیا کہ اگر سعد خلیفہ بننے میں کامیاب ہو گیا تو قبیلہ خزرج برتری حاصل کر لے گا۔ اسی لیے اس نے اپنے قبیلہ والوں سے کہا کہ خزرج کی برتری سے تو یہ بہتر ہے کہ ہم مہاجرین کی حکومت کو قبول کر لیں۔

یوں قبائلی عصبیت نے یہاں بھی اپنا کام کر دکھایا اور خاندانی رقابت نے سعد کی کامیابی کو ناکامی میں بدل دیا۔

قبیلہ اوس کا حضرت ابوبکر کی بیعت کرنا کسی آیت و حدیث کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ خاندانی رقابت کا نتیجہ تھا۔

بعد ازاں ایک اور بدو قبیلہ ''اسلم'' مدینہ میں آیا جنہوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی اور یوں ان کی حکومت قائم ہو گئی۔

حضرت عمر ان واقعات کے چشم دید گواہ تھے۔ اسی لیے انہوں نے برسر عام اپنے خطبہ میں کہا تھا کہ ابوبکر کی بیعت کسی باہمی مشورہ کا نتیجہ نہیں تھی اور نہ ہی کسی نص پر قائم تھی اور نہ ہی اس کے لیے اجماعِ مسلمین کا تکلف کیا گیا تھا بلکہ ان کی بیعت اچانک اور بلا سوچے سمجھے عمل میں آئی تھی اسی لیے آئندہ اگر کسی نے ایسا کیا تو اسے مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ دہی کا مرتکب سمجھا جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔

واقعہ سقیفہ کی یہ ہے ساری کارروائی اور یہ ہے سقیفائی استدلال کی کل کائنات۔

اور جہاں استدلال کی نوعیت اس قدر غیر منطقی ہو تو اس استدلال کے نتیجہ میں قائم ہونے والی خلافت کے متعلق کیا کہا جائے گا؟

مکتب خلافت کا امر خلافت کے متعلق فیصلہ یہ ہے کہ خلافت کے حصول کے چار ذرائع ہیں جو اس طرح سے ہیں۔

(الف) شوریٰ

(ب) بیعت

(ج) عمل صحابہ کی اتباع

(د) قہر و غلبہ

اور لطف یہ ہے کہ مکتبِ خلافت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مذکورہ تمام ذرائع جائز

ہیں اور ان میں سے کسی ذریعہ سے بھی اگر کوئی خلیفہ منتخب ہو جائے تو اس کی اطاعت واجب ہے اگر چہ خلیفہ گناہانِ کبیرہ کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو اور احکامِ الٰہی کی کھلے بندوں مخالفت ہی کیوں نہ کرتا ہو۔

شوریٰ کے استدلال کی حقیقت

خلافت کے لیے سب سے پہلے حضرت عمر نے ''شوریٰ'' کو متعارف کرایا۔ لیکن انہوں نے اس طرح کی کوئی دلیل نہیں دی تھی کہ خلافت کا انعقاد شوریٰ سے بھی جائز ہے۔ لیکن یہاں بھی ''مدعی سست اور گواہ چست'' والا معاملہ ہے شوریٰ قائم کرنے والی شخصیت نے تو کوئی دلیل پیش نہیں کی تھی۔ البتہ ان کے پیرو شوریٰ کے لیے قرآن مجید کی دو آیات پیش کرتے ہیں اور حضرت رسول کریمؐ کی سیرت میں بھی شوریٰ کا کافی عمل دخل بتاتے ہیں اور ان کے علاوہ نہج البلاغہ سے حضرت علیؑ کے ایک فرمان سے بھی استدلال کرتے ہیں اور ہم یہاں ترتیب وار ان کے چاروں دلائل کا جواب دیتے ہیں۔

الف: کتاب اللہ اور شوریٰ

مکتب خلافت کے پیروکار شوریٰ کے اثبات کے لیے قرآن مجید کی یہ دو آیات پیش کرتے ہیں:

۱ . وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ. (الشوریٰ ۳۸)

''اور وہ آپس کے معاملات میں مشورہ کرتے ہیں۔''

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو حکم دیا۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ...... (آل عمران ۱۵۹)

''اور ان سے امر (جنگ) میں مشورہ کرو۔''

اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ پہلی آیت سورہ شوریٰ کی اڑتیسویں (۳۸) آیت کا ایک حصہ ہے جس کا اختتام ان الفاظ پر کیا گیا "وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُوْنَ" "یعنی اہل ایمان ہمارے عطا کردہ رزق میں سے کچھ حصہ خرچ کرتے ہیں۔"

پہلی بات یہ ہے کہ اس آیت میں مشورہ کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ اس کی ترغیب ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا کہ اہل ایمان آپس کے معاملات میں مشورہ کرتے ہیں۔ یعنی ان کا مشورہ ان امور تک محدود ہوتا ہے جو ان کے باہمی امور ہوں جب کہ مسئلہ خلافت و امامت مومنین کا باہمی امر ہی نہیں ہے جسے وہ شوریٰ سے طے کریں۔

مسئلہ خلافت و امامت کا تعلق نص سے ہے اور جب خدا اور رسول خدا کوئی فیصلہ کر دیں تو وہاں باہمی مشورہ کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلاَ مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُه‘ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه‘ فَقَدْ ضَلَّ ضَلاَلاً مُّبِيْنًا. (الاحزاب۔۳۶)

"اور کسی مومن مرد یا عورت کو اختیار نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسول کسی امر کے بارے میں فیصلہ کر دیں تو وہ بھی امر کے بارے میں صاحب اختیار بن جائے اور جو بھی خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہو گا۔"

قرآن مجید نے ایمان کا معیار یہ بتایا ہے کہ مؤمن وہ ہے جو رسول خداؐ کے فیصلہ کو کھلے دل سے تسلیم کرے جیسا کہ سورۂ نساء میں ارشاد خداوندی ہے:

فَلاَ وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا. (٦٥)

''بس آپ کے پروردگار کی قسم! یہ ہرگز صاحب ایمان نہ بن سکیں گے جب تک آپ کو اپنے اختلافات میں حکم نہ بنائیں اور پھر جب آپ فیصلہ کر دیں تو اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی کا احساس نہ کریں اور آپ کے فیصلہ کے سامنے سراپا تسلیم ہو جائیں۔''

جب رسول خداؐ نے اپنی زندگی ہی میں اپنی خلافت و وصایت کا فیصلہ کر دیا تھا تو اس کی موجودگی میں شوریٰ کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔''

ب: ''شَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ'' کا مفہوم

مکتبِ خلافت سے وابستہ افراد سورہ آل عمران کی آیت مجیدہ کا ایک حصہ پڑھ کر شوریٰ کا اثبات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو حکم دیا ''وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ'' اور ان سے امر میں مشورہ کرو۔ یہ آیت شوریٰ کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔

اس سلسلہ میں ہماری گزارش یہ ہے کہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۹ سے ۱٦٦ تک کی آیات کا تعلق عہد نبوی کی غزوات سے ہے اور ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت کا تذکرہ کیا۔ بعض آیات میں اہل ایمان سے گفتگو کی گئی اور اس میں خصوصی گفتگو مجاہدین سے کی گئی اور بعض آیات میں رسولؐ خدا سے خصوصی گفتگو کی گئی اور اس کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَھُمْ وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ

الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِکَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْلَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ. (آل عمران:۱۵۹)

''پیغمبر یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم ہو ورنہ اگر تم بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے لہٰذا اب انہیں معاف کر دو۔ ان کے لیے استغفار کرو اور ان سے امر جنگ میں مشورہ کرو اور جب ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو کہ وہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

اس مقام پر آیت کریمہ کا انداز بتا رہا ہے کہ جنگ احد سے فرار کرنے والے اس قابل بھی نہیں تھے کہ انہیں بزمِ پیغمبر میں جگہ دی جاتی اور سرکار ان سے گفتگو کرتے ۔لیکن رب العالمین نے تبلیغِ اسلام کی مصلحتوں کے پیش نظر تمام باتوں کو نظر انداز کر کے نرم گفتگو' اچھے برتاؤ اور حُسنِ سلوک کا حکم دیا تا کہ مسلمانان اسلام پیغمبر اسلام سے فرار نہ کرنے پائیں یہاں تک کہ اتمام حجت کے لیے مشورہ کا حکم بھی دے دیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اگر ہمارے مشورہ سے جنگ ہوتی تو کامیابی نصیب ہوتی۔ تو اب مشورہ بھی کر لیا کرو تا کہ حجت تمام ہو جائے لیکن خبرداران کے مشورہ پر انحصار کبھی نہ کرنا اور جب عزم مصمم ہو جائے تو بھروسہ صرف خدا پر کرنا کیونکہ وہ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور دوسروں پر اعتماد کرنے والوں سے نفرت کرتا ہے۔

اس کے بعد ''شَاوِرْهُم فِي الْاَمرِ'' میں وسعت پیدا کر کے اس سے خلافت کو شوریٰ کے ساتھ مربوط کرنا ایک کھلی جہالت ہے۔

بہر نوع اس آیت مجیدہ میں آنحضرت کو جنگ کے امور کے متعلق مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی واضح کیا گیا کہ ان کے مشورہ کو تسلیم کرنا بھی ضروری نہیں ہے اور اس مشورہ کا تعلق کسی طور پر بھی مسئلہ امامت و خلافت سے نہیں ہے۔

ج: مشاورتِ رسولؐ سے استدلال

رسول خداؐ اپنے صحابہ سے صرف غزوات کے متعلق مشورہ کرتے تھے۔ جیسا کہ ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں:

فلم ار احدا کان اکثر مشاورة (لاصحابه) من رسول اللّٰه (ص) وکانت مشاورته اصحابه فی الحرب فقط. (کتاب المغازی واقدی ۲/۵۸۰)

"میں نے رسولؐ خدا سے زیادہ کسی دوسرے کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا اور آپ اپنے اصحاب سے صرف جنگ کے متعلق ہی مشورہ کیا کرتے تھے۔"

جنگ بدر کے متعلق آپ کی مشاورت کا قصہ مشہور ہے۔

ا۔ غزوۂ بدر

حضرت رسول کریمؐ نے قریش کے تجارتی قافلہ کو روکنے کے لیے مدینہ سے سفر کیا اور اس سفر میں آپ کے ساتھ تین سو تیرہ افراد تھے۔ جب ابوسفیان کو پتہ چلا تو اس نے راستہ تبدیل کر دیا اور مکہ اطلاع کر دی جس کے نتیجہ میں ایک ہزار کا لشکر تیار ہو کر مکہ سے باہر نکلا۔ اب رسول خداؐ کے سامنے دو راستے تھے۔ پہلا راستہ تو یہ تھا کہ آپ خاموشی سے مدینہ چلے جاتے اور دوسرا راستہ یہ تھا کہ اپنے غیر

مسلح قلیل ساتھیوں کے ساتھ اپنے سے تین گنا مسلح افراد سے جنگ کرتے۔

چنانچہ ابن ہشام لکھتے ہیں:

آپ کو پتہ چلا کہ قریش ایک لشکر لے کر اپنے قافلہ کی حفاظت کے لیے روانہ ہو چکے ہیں۔ آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا اور انہیں قریش کے لشکر کی آمد سے مطلع کیا۔

اس پر ابوبکر صدیق کھڑے ہوئے انہوں نے اچھی باتیں کیں۔ پھر عمر بن خطاب اٹھے انہوں نے اچھی باتیں کیں۔ پھر مقداد کھڑے ہوئے۔

ابن ہشام نے مقداد اور انصار کی گفتگو نقل کی۔ لیکن انہوں نے حضرت ابوبکر اور عمر کی گفتگو نقل نہیں کی۔ صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں:

فتكلم ابوبكر فاعرض عنه' ثم تكلم عمر فاعرض عنه فقام المقداد......

''ابوبکر نے گفتگو کی تو آپ نے منہ پھیر لیا پھر عمر نے گفتگو کی تو آپ نے منہ پھیر لیا۔ پھر مقداد نے گفتگو کی۔''

امام مسلم نے یہ لکھنے پر قناعت کی کہ شیخین کا مشورہ آپؐ کو ناپسند آیا اور آپؐ نے منہ پھیر لیا لیکن امام مسلم کو یہ لکھنے کی توفیق نہ ہوئی کہ شیخین نے کیا کہا تھا؟ آیئے دیکھیں شیخین نے ایسی کیا بات کہی تھی جو آنحضرت کی طبع نازک پر گراں گزری تھی۔ **مغازی الواقدی وامتاع الاسماع للمقریزی** میں مذکور ہے کہ حضرت عمر نے کہا:

یا رسول اللّٰہ! انها واللّٰہ قریش وعزها واللّٰہ ماذلت منذ عزت واللّٰہ ماامنت منذ کفرت واللّٰہ لا تسلم

عزھا ابدا ولتقا تلنک فاتھب لذلک اھبتہ واعد لذلک عدتہ.

''رسول اللہ! خدا کی قسم قریش اور اس کی عزت کی کیا بات ہے۔ قریش نے جب سے عزت پائی ہے کبھی ذلیل نہیں ہوئے اور جب سے انہوں نے کفر کیا' ایمان نہیں لائے خدا کی قسم! قریش اپنی عزت سے کبھی دست بردار نہیں ہوں گے اور وہ آپ سے جنگ کریں گے اس کے لیے آپ تیاری کریں اور جنگ کا سامان جمع کریں۔ (معلوم ہوتا ہے کہ اس ''خیر خواہانہ'' مشورہ کی وجہ سے آنحضرتؐ نے ان سے منہ موڑ لیا تھا)''

پھر مقداد بن عمرو کھڑے ہوئے اور کہا:

یا رسول اللہؐ! آپ حکم خدا کا سہارا لے کر چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم بنی اسرائیل کی طرح آپ سے یہ نہیں کہیں گے کہ (آپ اور آپ کا رب جنگ کرے ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں) ہم آپ سے کہتے ہیں:

اذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلاَ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ......

''آپ اپنے رب کو لے کر چلیں اور جنگ کریں ہم بھی آپ دونوں کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے۔'' (المائدہ: ۲۴)

اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبوت کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر آپ ہمیں ''برک العماد'' تک بھی لے جانا چاہیں تو بھی ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔ (برک العماد نامی جگہ مکہ سے پانچ راتوں کی مسافت پر واقع ہے اور سمندر کے قریب ہے)

حضرت رسول خداؐ نے اس کے حق میں دعا دی۔ پھر آنحضرتؐ نے لوگوں

سے فرمایا: مجھے مشورہ دو۔

اس سے آپ چاہتے تھے کہ انصار کچھ بولیں کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ شاید انصار مدینہ سے باہر جنگ کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے کیونکہ انہوں نے آپ سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ شہر میں رہ کر آپ کی اس طرح سے حفاظت کریں گے جیسا کہ وہ اپنی بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

پھر آنحضرتؐ نے دوبارہ فرمایا: لوگو! مجھے مشورہ دو۔

یہ سن کر سعد بن معاذ اٹھے اور کہا:

انصار کی طرف سے میں جواب دیتا ہوں اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہم سے ہی مخاطب ہیں۔

آپ نے فرمایا: جی ہاں!

سعد نے کہا:

یا رسول اللہؐ! ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور آپ کی تصدیق کی ہے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ جو چیز لائے ہیں وہ حق ہے۔ ہم نے سمع و طاعت کا آپ سے معاہدہ کیا ہے۔ آپ خدا کا نام لے کر چلیں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر آپ اس سمندر میں بھی کودنے کا حکم بھی دیں گے تو ہم بلا دریغ سمندر میں کود جائیں گے اور ہمارا ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ آپ کو اختیار ہے جس سے چاہیں رشتہ جوڑیں اور جس سے چاہیں رشتہ توڑیں ہمارے اموال میں سے جو چاہیں لے لیں اور جو مال آپ لیں گے وہ ہمارے گھر میں بچے ہوئے مال سے زیادہ عزیز ہو گا۔ مجھے اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ہمیں اپنے دشمن سے جنگ کرنے کا کوئی خوف نہیں ہے۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہنے والے لوگ ہیں۔ خدا نے چاہا تو ہمارے عمل سے

آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک محسوس ہو گی۔

ہم سے محمدؐ نے بیان کیا اس نے کہا کہ ہم سے واقدی نے بیان کیا اس نے کہا۔ مجھ سے محمد بن صالح نے بیان کیا اس نے عاصم بن عمرو بن قتادہ سے' اس نے محمود بن لبید سے روایت کی اس نے کہا کہ سعد نے کہا: یا رسول اللہؐ! ہم اپنے پیچھے اپنی قوم کے ایسے افراد چھوڑ کر آئے ہیں۔ جن کی آپ سے محبت اور اطاعت کسی طور پر بھی ہم سے کم نہیں ہے اور وہ جہاد کے بھی خواہش مند ہیں۔ اگر ہماری قوم کے افراد کو یہ علم ہوتا کہ آپ کی دشمن سے معرکہ آرائی ہونے والی ہے تو وہ ہرگز پیچھے نہ رہتے۔ انہوں نے تو یہ سمجھا تھا کہ اس سفر کا مقصد صرف قافلہ کو روکنا ہے۔

اب ہم آپ کے لیے ایک چھپر سا بنا دیتے ہیں اور وہاں آپ کے لیے سواریاں بھی کھڑی کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد ہم دشمن سے جنگ کریں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں جنگ میں کامیابی عطا کی تو بہتر اور اگر خدانخواستہ ہم مارے گئے اور دشمن کامیاب ہو گیا تو آپ کے پاس سواریاں موجود ہوں گی۔ آپ ان پر سوار ہو کر مدینہ چلے جائیں۔ جب نبی اکرمؐ نے سعد کے یہ جذبات سن کر اسے دعائے خیر دی اور فرمایا سعد! اللہ بہتر فیصلہ کرے گا۔ جب مشورہ تمام ہوا تو آنحضرتؐ نے فرمایا:

خدا کی برکت کا سہارا لے کر چل پڑو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ دو گروہوں میں سے ایک گروہ میرے ہاتھ میں دے گا۔ خدا کی قسم! اس وقت گویا میں مشرکین کے قتل کے مقامات دیکھ رہا ہوں۔

راوی کا بیان ہے کہ اس دن رسول خداؐ نے ہمیں مشرکین کے قتل کے مقامات دکھائے اور فرمایا یہاں فلاں قتل ہو گا اور یہاں فلاں قتل ہو گا۔ خدا کی قسم ہر قتل ہونے والا اسی جگہ پر قتل

ہوا جہاں رسول خدا نے اس کے قتل کی پیش گوئی فرمائی تھی۔

جب حضور اکرمؐ نے مشرکین کے قتل کے مقامات کی نشان دہی کی تو صحابہ کو یقین ہو گیا کہ فیصلہ ان کے ہاتھ سے نکل چکا ہے اور انہیں جنگ کا سامنا ہے اور نبی کریم کے فرمان کو سن کر انہیں فتح ونصرت کی امید بندھی۔

غزوہ بدر کے مشورہ کا تفصیلی حال آپ نے پڑھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول خدا کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی جنگ کے متعلق بتا دیا تھا اور آپ کو جنگ کے انجام سے بھی باخبر کر دیا تھا۔ لہٰذا رسول خدا نے مجلس مشاورت لوگوں کے مشورہ سے مستفید ہونے کے لیے ہرگز منعقد نہیں کی تھی۔ آپ کی مجلس مشاورت کا مقصد صرف یہی تھا کہ صحابہ کو یہ بتایا جائے کہ قافلہ ان کے ہاتھ سے نکل چکا ہے اور انہیں اب جنگ کا سامنا ہے۔

آپ نے صحابہ کو ذہنی طور پر جنگ کے لیے تیار کرنے کے لیے مجلس مشاورت منعقد کی تھی اور لوگوں کے مشورہ سے استفادہ ہرگز مطلوب نہ تھا۔

۲۔ جنگ احد

تاریخ بتاتی ہے کہ جنگ احد کے موقع پر آپ کو مجبوراً صحابہ کے مشورہ پر عمل کرنا پڑا جس کے بھیانک نتائج برآمد ہوئے تھے۔

واقدی نے مغازی اور مقریزی نے امتاع الاسماع میں لکھا: ہے کہ رسولؐ خدا منبر پر تشریف لے گئے اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

میں نے خواب دیکھا کہ میں مضبوط قلعہ میں موجود ہوں اور میں نے دیکھا کہ میری تلوار ذوالفقار دھار کی جگہ سے ٹوٹ گئی ہے اور میں نے ایک ذبح شدہ بیل دیکھا اور میں نے دیکھا کہ میں ایک مینڈھے کا تعاقب کر رہا ہوں۔

صحابہ نے کہا: یا رسول اللہؐ! آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر نکالی ہے؟

آپ نے فرمایا: مضبوط قلعہ سے مراد شہر مدینہ ہے۔ تم اسی شہر ہی میں ٹھہرے رہو اور دھار کی جگہ سے تلوار ٹوٹنے کا مقصد یہ ہے کہ مجھ پر کوئی مصیبت ٹوٹنے والی ہے اور ذبح شدہ بیل کی تعبیر یہ ہے کہ میرے اصحاب میں سے کچھ قتل ہوں گے اور مینڈھے کے تعاقب سے مراد یہ ہے کہ ہم مشرکین کے سردار کو ان شاء اللہ قتل کریں گے۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

تلوار ٹوٹنے کی تعبیر یہ ہے کہ میرے خاندان میں سے ایک مرد قتل کیا جائے گا۔

پھر آپ نے صحابہ سے فرمایا: اب تم مشورہ دو ہمیں دشمن کے مقابلہ کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

حضور اکرمؐ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ ہمیں مدینہ نہیں چھوڑنا چاہیے اور عبداللہ بن ابی اور دیگر مہاجرین و انصار میں سے بہت سے افراد کی بھی یہی رائے تھی۔

سرکار رسالت مآب نے فرمایا:

تم مدینہ میں ٹھہرو اور عورتوں اور بچوں کو پتھروں کے بنے ہوئے مکانات میں منتقل کر دو۔ اگر دشمن شہر میں داخل ہوا تو اس کی بہ نسبت اس شہر کو ہم بہتر طور پر جانتے ہیں۔ ہم شہر کی گلیوں میں دشمن کا مقابلہ کریں گے اور چھتوں سے ان پر پتھر برسائیں گے۔

بہت سے نوجوان جو کہ بدر میں شامل نہ تھے اور وہ شہادت کے طلب گار تھے انہوں نے آپ کی تجویز سے اختلاف کیا اور مشورہ دیا کہ ہمیں اپنے گھر میں چھپ کر لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہم میدان میں دشمن سے دو بدو مقابلہ کرنا

چاہتے ہیں۔

حضرت حمزہؓ سعد بن عبادہ اور نعمان بن مالک بن ثعلبہ نے کہا کہ یا رسول اللہؐ! اگر ہم نے آپ کے مشورہ پر عمل کیا تو دشمن یہ سمجھے گا کہ ہم اس سے خوفزدہ ہو گئے ہیں۔ اس سے ان کی جرأتیں بڑھ جائیں گی۔ جنگ بدر میں آپ کے ساتھ صرف تین سو افراد تھے اس کے باوجود بھی اللہ نے آپ کو فتح عطا کی اور آج تو ہماری تعداد کہیں زیادہ ہے۔ ہم تو اس دن کی خدا سے تمنا کیا کرتے تھے اور آج ہماری تمنا مجسم ہو کر ہمارے سامنے آ چکی ہے۔ لہٰذا ہمیں مدینہ سے باہر جنگ کرنی چاہیے۔

صحابہ نے صرف یہ جذباتی مشورہ ہی نہیں دیا بلکہ جنگی لباس پہن کر بھی آ گئے اور حضرت حمزہ نے کہا: مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک مدینہ سے باہر جا کر کافروں سے جنگ نہ کرلوں۔

چنانچہ حضرت حمزہ نے اپنی قسم پر پورا عمل کیا اور جمعہ اور ہفتہ کا دن روزہ سے بسر کیا۔ ان کے علاوہ ابوسعید خدری کے والد مالک بن سنان اور نعمان بن مالک بن ثعلبہ اور ایاس بن اوس بن عتیک نے بھی مدینہ سے باہر کھلے میدان میں جنگ کرنے کا مشورہ دیا۔

رسول خداؐ نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور آپ نے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے ثابت قدمی دکھائی تو تمہیں کامیابی نصیب ہو گی۔

آپ کے یہ جملے سن کر بہت سے جذباتی افراد خوش ہوئے اور غیر جذباتی افراد غمگین ہوئے۔ پھر آپ نے عصر کی نماز پڑھائی۔ لوگ پوری تیاری کر کے مسجد میں جمع ہو گئے۔ رسول خداؐ اپنے گھر گئے تو آپ کے ساتھ ابوبکر و عمر بھی تھے۔

انہوں آپ کو عمامہ بندھوایا اور آپ کو جنگی لباس پہنایا۔ آپ گھر میں تھے جب کہ صحابہ نے اپنی صفیں درست کر لی تھیں۔ یہ حالت دیکھ کر سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر لوگوں کے پاس آئے اور ان سے کہا:

تم نے اپنی باتوں کی وجہ سے رسول خداؐ کو باہر نکلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ جب کہ آسمان سے ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔ تم اپنی ضد کو چھوڑ دو اور فیصلہ رسول خداؐ کے پاس رہنے دو اور رسول خدا جو فیصلہ کریں تم اس پر عمل کرو۔ تمہیں رسول خدا کی خواہش کی پیروی کرنی چاہیے۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رسول خداؐ جنگی لباس پہن کر باہر آئے۔ آپ نے زرہ پہنی ہوئی تھی اور تلوار حمائل کی ہوئی تھی: اس وقت اصرار کرنے والوں نے کہا: یا رسول اللہؐ! ہم آپ کی مخالفت نہیں کرنا چاہتے۔ آپ جو مناسب سمجھیں فیصلہ کریں ہم آپ کے فیصلہ کی پیروی کریں گے۔

رسول خداؐ نے فرمایا:

میں نے تمہیں اپنی رائے سے آگاہ کیا لیکن تم نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا اور اب میں جنگی لباس پہن چکا ہوں اور جب کوئی نبی جنگی لباس پہن لے تو اسے اتارنا نامناسب ہے۔ اب جو خدا کی مرضی ہو گی وہی ہو گا اور اب خدا ہی فیصلہ کرے گا اور اگر تم نے صبر و استقامت سے کام لیا تو فتح تمہاری ہو گی۔

جنگ احد کی مجلس مشاورت سے بھی یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ رسول خداؐ کو صحابہ کے اصرار پر مدینہ سے باہر نکلنا پڑا اور اگر آپ ان کے جذبات کی قدر نہ کرتے تو ان میں کمزوری اور بزدلی پیدا ہو جاتی۔

۳۔ غزوۂ خندق اور مشاورت

واقدی اور مقریزی جنگ خندق کے متعلق لکھتے ہیں:

رسول خدا نے صحابہ سے مشورہ کیا اور آپ جنگ کے متعلق ان سے ہمیشہ مشورہ کیا کرتے تھے..... سلمان فارسی نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ دونوں مورخین نے اسی جنگ کے تناظر میں ایک اور مشورہ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کفار و مشرکین کی طرف سے مدینہ کے محاصرہ نے طول کھینچا تو رسول خدا نے بارگاہ احدیت میں عرض کیا:

پروردگار! میں تجھے تیرا عہد اور وعدہ یاد دلاتا ہوں۔ خدایا اگر ہمیں شکست ہوگئی تو زمین پر تیری عبادت نہیں ہوگی۔

پھر رسول خداؐ نے قبیلہ غطفان کے دو سرداروں عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ اپنی فوج کا محاصرہ ختم کرائیں تو مدینہ کے باغات کے پھلوں کا ایک تہائی ان کے حوالہ کیا جائے گا۔

قبیلہ غطفان کے سرداروں نے کہا ہم تہائی پر آمادہ نہیں ہیں البتہ اگر مدینہ کے باغات کا آدھا پھل ہمارے حوالے کریں تو ہم محاصرہ ختم کر دیں گے۔

رسول خدا نے تہائی حصہ سے زیادہ دینے پر آمادگی ظاہر نہ کی۔ آخر کار وہ اس حصہ پر راضی ہو گئے اور وہ معاہدہ کے لیے اپنی قوم کے دس افراد لے کر آپ کے پاس آئے اور معاہدہ کے لیے قلم دوات بھی لائی گئی اور حضرت عثمان کو معاہدہ کی عبارت لکھنے پر مامور کیا گیا۔

ابھی زبانی گفتگو جاری تھی کہ اسید بن حضیر آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ عیینہ رسول خداؐ کی طرف ٹانگیں دراز کر کے لیٹا ہوا تھا۔ اسید بن حضیر نے اس سے کہا:

او لومڑی کے بیٹے! اپنی ٹانگیں سمیٹ لے۔ تیری یہ جرأت کہ تو رسول خداؐ کے سامنے ٹانگیں دراز کر کے لیٹے۔ خدا کی قسم! اگر رسول خداؐ موجود نہ ہوتے تو میں تیرے گھٹنوں پر نیزہ مار دیتا۔

بعد ازاں اسید بن حضیر نے رسول خداؐ سے عرض کی:

یا رسول اللہؐ! اگر خدا کی طرف سے یہی حکم نازل ہوا ہے تو آپ اس پر عمل کریں اور اگر خدا کی طرف سے حکم نہیں ہے تو ہم انہیں کچھ بھی دینے پر آمادہ نہیں ہیں۔ ہمارا اور ان کا فیصلہ تلوار کرے گی۔ ان لوگوں نے ہم سے پہلے یہ امیدیں کب رکھیں تھیں کہ اب رکھنے لگے ہیں؟

رسول کریمؐ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے خلوت میں مشورہ کیا۔ تو ان دونوں نے کہا اگر یہ آسمانی حکم ہے تو آپ اس پر ضرور عمل کریں اور اگر یہ خدا کا حکم نہیں اور آپ کی اپنی یہی خواہش ہے تو بھی ہم آپ کی اطاعت کریں گے اور اگر آپ مشورہ طلب کرتے ہیں تو ان کے لیے ہمارے پاس صرف تلوار ہے۔

رسولؐ خدا نے فرمایا:

میں نے دیکھا کہ تمام عرب تمہاری مخالفت پر کمر بستہ ہو چکا ہے اسی لیے میں نے چاہا کہ انہیں راضی کروں اور ان سے جنگ نہ کروں۔

دونوں صحابیوں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! دور جاہلیت میں یہ لوگ بدترین غذا کھاتے تھے اس وقت بھی یہ ہم سے مدینہ کے پھل قیمت کے بغیر حاصل نہ کر سکتے تھے تو آج جب کہ خدا نے ہمیں آپ کی وجہ سے عزت دی ہے تو ہم ان کی ذلت آمیز شرط کو قبول کیوں کریں؟ ہمارے پاس ان کے لیے صرف تلوار ہے۔ رسول خدؐ نے فرمایا: معاہدہ کی تحریر کو پھاڑ دو۔ سعد نے اس تحریر کو پھاڑ دیا یہ دیکھ کر عیینہ او حارث اٹھ کھڑے ہوئے رسول خداؐ نے فرمایا: تم واپس چلے جاؤ اب ہمارے درمیان

تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔

اس تمام واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشاورت کا مقصد صرف یہ تھا کہ مدینہ کا محاصرہ کرنے والے قبائل میں اختلاف پیدا کیا جائے اور اس ذریعہ سے انہیں محاصرہ اٹھانے پر مجبور کیا جائے اور حضور اکرمؐ نے کچھ ایسی ہی باتیں نعیم بن مسعود سے بھی کی تھیں اور اس نے ان باتوں کو خوب پھیلایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنی قریظہ اور قریش میں اختلافات پیدا ہو گئے اور کفار کو محاصرہ ختم کرنا پڑا۔

ہم نے بدر، احد اور خندق کی مجالس مشاورت کی تفصیل اس لیے بیان کی تاکہ ہمارے قارئین کو بخوبی معلوم ہو جائے کہ رسول خداؐ زندگی کے کسی بھی مرحلہ پر لوگوں کے مشورہ کے محتاج نہیں تھے۔ اور اصل بات یہ ہے کہ انسان مشورہ کی ضرورت اس وقت محسوس کرتا ہے جب وہ کسی شک وشبہ میں مبتلا ہو اور تنہا کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکتا ہو اور مشورہ اسی سے کیا جاتا ہے جو علم و تجربہ میں زیادہ ہو۔ اپنے سے کم علم اور کم فہم شخص سے مشورہ نہیں لیا جاتا۔

حضرت رسول خداؐ براہ راست وحی الٰہی سے تائید یافتہ تھے اور آپ کبھی بھی شک وشبہ میں مبتلا نہیں ہوتے تھے کیونکہ خداوند عالم قدم قدم پر ان کی رہنمائی کرتا تھا۔

علاوہ ازیں اگر رسول کریم مشورہ کرتے بھی تو کس سے کرتے؟ کیا صحابہ کا علم وفہم و تجربہ رسول خداؐ سے زیادہ تھا؟

اس کا جواب نفی میں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ رسول خداؐ نے غزوات کے متعلق صحابہ سے اس لیے مشورہ کیا کہ اس سے ان کی تالیف قلب مقصود تھی اور آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ آپ پر ڈکٹیٹر شپ کا الزام لگائیں اور قرآن کریم میں بھی اسی تناظر میں آپ کو مشورہ کا حکم دیا گیا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْكُنتَ فَظًّا غَلِيْظَ
الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ
وَاسْتَغْفِرْلَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ
عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ. (آل عمران:۱۵۹)

"یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم ہو ورنہ اگر تم
بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ جاتے۔
لہٰذا اب انہیں معاف کر دو اور ان کے لیے استغفار کرو اور ان سے
امر جنگ میں مشورہ کرو اور جب ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔
بے شک اللہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

آنحضرتؐ کو مشورہ کا حکم اس لیے دیا گیا کہ اس سے آپ کی نرمی اور شفقت مزید واضح ہو کر سامنے آ جائے اور اس سے خدا کی بے پایاں رحمت کا اظہار ہو سکے۔

مشورہ کبھی تو آپ کی نرمی کی شان کے اظہار کے لیے کیا گیا اور کبھی آپ نے مسلمانوں کی تربیت کے لیے ان سے مشورہ کیا جیسا کہ جنگ احد کے موقع پر آپ نے کیا تھا اور اس مشورہ کا اثر یہ ہوا کہ جذباتی مسلمانوں کو بھی اپنی غلطی تسلیم کرنی پڑی اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ہم آپ کی مخالفت کے متحمل نہیں ہیں۔ اب آپ ہی جو فیصلہ کریں گے ہم اس پر دل و جان سے عمل کریں گے۔

اس کے جواب میں رسول خدا نے فرمایا:

اب ایسا ممکن نہیں ہے تم نے میری رائے کو ٹھکرا دیا اور اب میں نے جنگی لباس پہن لیا ہے اور نبی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ جنگی لباس پہن کر اسے اتار دے اب جو فیصلہ بھی ہو گا خدا کی طرف سے ہو گا۔

آپ جانتے تھے کہ صحابہ کی رائے صحیح نہیں ہے مگر اس کے باوجود آپ نے ان کی اکثریت کی رائے پر اس لیے عمل کیا تاکہ وہ کمزوری اور شک سے محفوظ رہیں۔ جنگ خندق میں مشورہ کرنے کا مقصد دشمنوں میں پھوٹ ڈالنا تھا' جس میں آپ پوری طرح سے کامیاب ہوئے۔

۲۔ استدلالِ بیعت کا تجزیہ

سابقہ صفحات میں ہم لفظ بیعت پر تفصیلی بحث کر چکے ہیں اور وہاں ہم نے یہ عرض کیا تھا کہ ''بیعت'' بھی بیع کی طرح ہے۔ بیعت کے لیے رضا مندی اور اختیار ضروری ہے اور جس طرح سے کوئی بھی بیع جبراً واقع نہیں ہوتی اسی طرح سے بیعت بھی تلوار اور فوجی قوت کے بل بوتے پر نہیں ہوتی۔

- بیعت معصیت خداوندی میں نہیں ہوسکتی۔
- خدا کے فرمان کی مخالفت میں بیعت صحیح نہیں ہے۔
- خدا کے نافرمان کی بیعت بھی درست نہیں ہے۔

ہمارے قارئین بخوبی جانتے ہیں کہ رسول خدا کے بعد حضرت ابوبکر کی بیعت کی گئی۔ حضرت عمر کی بیعت اور ان کی نامزدگی حضرت ابوبکر کی خلافت پر موقوف ہے کیونکہ حضرت عمر کو حضرت ابوبکر نے اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔ اسی طرح سے حضرت عثمان کی خلافت اور بیعت حضرت عمر کی خلافت پر موقوف ہے کیونکہ جس شوریٰ نے انہیں خلیفہ نامزد کیا تھا وہ شوریٰ حضرت عمر کی تشکیل کردہ تھی اور ان کے ذہن رسا نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ جس کی بیعت عبدالرحمٰن بن عوف کرے وہ خلیفہ ہوگا اور جو اس کی خلافت سے اختلاف کرے اسے قتل کر دیا جائے۔

المختصر حضرت عثمان کی خلافت حضرت عمر کی خلافت پر موقوف ہے اور

حضرت عمر کی خلافت حضرت ابوبکر کی خلافت پر موقوف ہے اور اگر اس عمارت کی پہلی اینٹ ہی درست نہ ہوئی تو ساری عمارت ہی ٹیڑھی دکھائی دے گی۔

ہمیں پہلی خلافت کے متعلق یہ علم ہے کہ وہ جنازۂ رسول کو چھوڑ کر سقیفہ میں قائم ہوئی تھی اور فرد واحد نے اس خلافت کو قائم کیا تھا۔ اور انصار کی خاندانی رقابت سے اس کی آبیاری ہوئی اور بنی اسلم نامی بدو قبیلہ کی وجہ سے اس میں استحکام پیدا ہوا۔ سقیفائی خلافت کے مخالفین جو کہ حضرت فاطمہؑ کے گھر میں پناہ لیے ہوئے تھے' انہیں منتشر کرنے کے لیے حضرت زہراؑ کے دروازہ پر لکڑیاں اور آگ لائی گئی اور ہمیں یہ بھی علم ہے کہ جب تک دختر رسولؐ زندہ رہیں اس وقت تک بنی ہاشم نے سقیفائی حکومت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔

علاوہ ازیں سقیفائی خلافت کا کمال یہ تھا کہ انسانوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے بعد انہوں نے جنات کو بھی اپنا دوست بنایا اور یہی وجہ تھی کہ جنات کو سقیفائی حکومت کا مخالف سعد بن عبادہ ایک آنکھ نہ بھایا اور انہوں نے رات کی تاریکی میں تیر برسا کر اس کا کام تمام کر دیا۔ مدینہ میں بیعت اس طرح سے لی گئی اور آیئے دیکھیں مدینہ سے باہر بیعت کس طرح سے لی گئی۔

اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ جن لوگوں نے حضرت ابوبکر کی خلافت سے انکار کیا تو حکومت وقت نے انہیں مانعین زکوٰۃ قرار دے کر ان کا قتل کر دیا۔ ان کی عورتوں کو کنیز بنایا گیا اور ان کے گھروں کو تاراج کیا گیا۔

اس سلسلہ میں مالک بن نویرہ کا واقعہ انتہائی مشہور ہے۔ مالک نہ صرف ایک صحابی تھے بلکہ رسولؐ خدا نے انہیں ان کی قوم پر حاکم بھی مقرر کیا تھا۔ اس بے چارے کا قصور صرف یہی تھا کہ اس نے سقیفہ کے سائے میں بننے والی حکومت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے خالد بن ولید کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا۔ خالد لشکر لے کر رات کے وقت ان کے گھروں کے قریب پہنچا تو

مالک کے خاندان نے ہتھیار اٹھا لیے۔

(الاصابہ در حالات مالک بن نویرہ ۳۳۶/۳۔ شخصیت نمبر۔ ۷۶۹۸۔)

خالد کے لشکر نے کہا کہ ہم پر حملہ نہ کرنا ہم مسلمان ہیں۔ ادھر مالک کے اہل خاندان نے کہا کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ خالد نے کہا جب ہم دونوں ہی مسلمان ہیں تو یہ تلواریں بے نیام کیوں ہیں؟ تم ہتھیار رکھ دو۔

پھر عشاء کی نماز کا وقت ہوا تو مالک کے خاندان نے بھی ان کے ساتھ مل کر نماز پڑھی۔ خالد کے حکم سے مالک کو گرفتار کر لیا گیا اس کی بیوی اپنے شوہر کو دیکھنے کے لیے آئی تو مالک نے کہا کہ کاش تو یہاں نہ آتی۔ اب مجھے یقین ہے کہ خالد مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ مالک کی بیوی انتہائی حسین و جمیل تھی۔ چنانچہ وہی ہوا جس کا مالک کو خدشہ تھا۔ خالد نے مالک کو قتل کر دیا اور ابھی اس کی لاش بھی ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی کہ اس کی بیوی کو اپنی کنیز بنا لیا اور داد عشرت دینے لگا۔

سقیفائی جرنیل کی ''انسان دوستی'' کے لیے یہی کافی ہے کہ خالد نے اپنی شادی کا ولیمہ دیا اور مالک اور اس کے ساتھیوں کے سروں کو دیگ کے نیچے پتھروں کی جگہ رکھا گیا اور اس پر ولیمہ کا کھانا تیار ہوا۔ [1]

قبائل کندہ کا حشر

زیاد بن لبید بیاضی حضرت ابوبکر کی طرف سے عامل زکوٰۃ تھا۔ اس نے بنی کندہ کے جوان کی اونٹنی زکوٰۃ میں لے لی۔ اس جوان کو وہ اونٹنی بہت عزیز تھی۔ اس نے زیاد سے کہا کہ تم میرے اونٹوں کے گلے میں سے کوئی بھی دوسری اونٹنی لے لو اور یہ اونٹنی مجھے واپس کر دو۔

۱۔ تاریخ طبری طبع یورپ ۱/۱۹۲۷۔۱۹۲۸۔ تاریخ یعقوبی طبع بیروت ۲/۱۳۱۔ تاریخ ابو الفداء ص ۱۵۸۔ وفیات الاعیان در حالات ''وثیمہ''۔ فوات الوفیات۔ مکمل واقعہ کے لیے ہماری کتاب ''عبداللہ بن سبا'' کا مطالعہ فرمائیں۔

زیاد نے جوان کا مطالبہ مسترد کر دیا اور اونٹنی پر مال زکوۃ کا نشان لگا دیا۔ پھر اس جوان نے زیاد کے سلوک کی اپنے قبیلہ کے سردار حارثہ بن سراقہ سے شکایت کی۔ حارثہ بن سراقہ' زیاد کے پاس گیا اور اس سے درخواست کی کہ وہ جوان کی اونٹنی واپس کر دے اور اس کی جگہ دوسری اونٹنی لے لے۔ مگر زیاد اپنی ضد پر اڑا رہا۔

جب زیاد کسی بھی طرح سے بات ماننے پر آمادہ نہ ہوا تو حارثہ بن سراقہ نے وہ اونٹنی کھول کر جوان کے حوالے کر دی اور اس سے کہا: تو اپنی اونٹنی لے جا میں اس سے خود نمٹ لوں گا۔ پھر حارثہ نے زیاد سے کہا: تجھے اس ہٹ دھرمی پر شرم آنی چاہیے۔ ہم نے رسول خداؐ کی زندگی میں ان کی اطاعت کی تھی اور اگر آپ کی وفات کے بعد آپ کے خاندان کا کوئی فرد مسند خلافت پر ہوتا تو اس کی بھی ضرور پیروی کرتے۔ ہم ابو قحافہ کے فرزند کی اطاعت اور بیعت پر رضا مند نہیں ہیں۔ پھر اس نے چند اشعار پڑھے جن میں سے ایک شعر یہ تھا:

اطعنا رسول الله اذ کان بیننا   فیا عجبا ممن یطیع ابابکر

"جب تک رسول خداؐ ہمارے درمیان موجود تھے ہم نے ان کی اطاعت کی۔ مجھے تو ابوبکر کی اطاعت کرنے والوں پر تعجب ہوتا ہے۔"

بنی کندہ کے ایک اور سردار حارث بن معاویہ نے زیاد سے کہا:

تو ایک ایسے شخص کی اطاعت کی دعوت دے رہا ہے جس کی اطاعت کا رسول خداؐ نے ہمیں کوئی حکم نہیں دیا تھا اور نہ ہی تمہیں اس کے متعلق کچھ فرمایا تھا۔

زیاد نے کہا:

تو سچ کہتا ہے مگر ہم نے ابوبکر کا انتخاب کیا ہے۔

حارث بن معاویہ نے زیاد سے کہا:

اچھا مجھے یہ بتاؤ تم نے رسول خدا کے اہل بیتؑ کو نظر انداز کیوں کیا؟

جب کہ آنحضرتؐ کا خاندان ہی آپ کا وارث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"وَاُوْلُو الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ"

''خدا کے قانون کے مطابق رشتہ دار ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں۔''

زیاد نے کہا: مہاجرین و انصار اپنے معاملات کو تجھ سے بہتر سمجھتے ہیں۔

حارث نے کہا: خیر جانتا تو میں بھی ہوں تم نے اہل بیت رسول سے حسد کیا ہے اور میرا دل یہ بات ماننے پر آمادہ نہیں ہے کہ رسول خدا اپنا جانشین مقرر کیے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے ہوں اب تو ہمارے پاس سے چلا جا کیونکہ تو ایسی خلافت کی دعوت دیتا ہے جس میں خدا کی رضا شامل نہیں ہے۔ پھر حارث نے یہ شعر پڑھا:

كان رسول الله هو المطاع فقد مضٰى
صلى عليه الله لم يستخلف.

''رسول خدا ہمارے حکمران تھے اب وہ دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ انہوں نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔''

زیاد نے زکوٰۃ کے اونٹ مدینہ روانہ کیے بعد ازاں خود مدینہ گیا اور حضرت ابوبکر کو واقعات کی اطلاع کی۔

حضرت ابوبکر نے چار ہزار کا لشکر اس کے ساتھ روانہ کیا۔ زیاد لشکر کو ساتھ لے کر حضرموت کی طرف روانہ ہوا اور راستے میں قبائل کندہ کا قتل عام کیا اور انہیں قیدی بنایا اور قبیلہ کندہ کی ایک شاخ بنی ہند پر اس نے یلغار کی اور ان کے مردوں کو قتل کیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔

پھر بنی کندہ کی ایک اور شاخ بنی عقیل پر ان کی بے خبری کے عالم میں حملہ کیا۔ جب زیاد کا لشکر نمودار ہوا تو اس قبیلہ کی عورتیں چیخنے لگیں اور اس کے مردوں نے مقابلہ کیا۔ کچھ دیر تک مقابلہ جاری رہا آخر کار سرکاری لشکر کو فتح ہوئی اور مخالفین کی بڑی تعداد قتل ہوئی اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا گیا۔

اشعث بن قیس کا تعلق بھی قبیلہ کندہ سے تھا جب اسے اپنے قبیلہ کی بربادی کا علم ہوا تو وہ ایک لشکر لے کر آیا اور اس نے زیاد سے اپنے تمام قیدی بزور شمشیر آزاد کرا لیے اور انہیں ان کے گھروں میں بھیج دیا۔

حضرت ابوبکر کو اشعث کی حرکت کا علم ہوا تو انہوں نے اشعث کو خط لکھا جس میں اسے اپنی حکومت تسلیم کرنے کا مشورہ دیا۔

جب قاصد خط لے کر اشعث کے پاس آیا تو اس نے قاصد سے کہا۔ عجیب بات ہے اگر ہم ابوبکر کی حکومت کی مخالفت کریں تو ہمیں کافر کہا جائے اور اگر ابوبکر ہماری قوم کو قتل کر دے تو وہ مسلمان رہے!!

قاصد جو کہ حکومت کا کچھ زیادہ ہی خیر خواہ تھا' اس نے اشعث سے کہا۔

تو واقعی کافر ہے کیونکہ تو نے جماعت مسلمین کی مخالفت کی ہے۔ اشعث کے چچا زاد کے ایک غلام نے جب یہ جواب سنا تو وہ برداشت نہ کر سکا اس نے تلوار سے قاصد کی گردن اڑا دی۔ اشعث نے غلام کو آفرین کہی۔

زیاد نے حضرت ابوبکر کو خط لکھا کہ آپ کا قاصد مارا گیا ہے اور ہم مخالفین کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں اس خط کے بعد حضرت ابوبکر نے حاضرین سے مشورہ کیا تو ابو ایوب انصاری نے کہا ان لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اگر وہ جمع ہونا چاہیں تو بڑی تعداد میں جمع ہو سکتے ہیں۔ آپ اپنے لشکر کو واپس بلا لیں اور اس سال انہیں کچھ نہ کہیں۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ برس وہ اپنی مرضی سے زکوۃ دینے

لگ جائیں گے۔ حضرت ابوبکر نے کہا:

خدا کی قسم! اگر وہ زکوٰۃ کی ایک رسی بھی روکیں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا اور انہیں حق تسلیم کرنے پر مجبور کر دوں گا۔ پھر حضرت ابوبکر نے ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو خط لکھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر زیاد کی مدد کو پہنچے اور راستے میں عولوں کے وفادار قبائل کو بھی اپنے ساتھ شامل کرے اور اشعث کی سرکوبی کرے۔ عکرمہ نے مکہ سے دو ہزار کا لشکر ساتھ لیا اور قبائل کندہ کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا۔ اہل دبا کو علم ہوا کہ عکرمہ قبائل کندہ کی سرکوبی کے لیے لشکر لے کر جا رہا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہم یہ ظلم وستم برداشت نہیں کر سکتے۔ پھر انہوں نے شورش بپا کر کے حضرت ابوبکر کے حاکم کو اپنے شہر سے نکال دیا اور اپنے علاقہ کا نظم ونسق خود سنبھال لیا۔ حضرت ابوبکر کو اہل دبا کی شورش کا علم ہوا تو انہوں نے عکرمہ کو خط لکھ کر حکم دیا کہ زیاد کی مدد سے پہلے تم اہل دبا کی سرکوبی کرو۔ خط ملتے ہی عکرمہ اہل دبا کی طرف روانہ ہوا اور حکومتی فوج اور اہل دبا میں زبردست رن پڑا۔

اہل دبا نے اپنی کمزوری محسوس کی تو وہ قلعہ میں چلے گئے۔ جہاں عکرمہ نے ان کا محاصرہ کیا اور اہل قلعہ نے اسے صلح کا پیغام بھیجا اور زکوٰۃ دینے پر اپنی رضا مندی کا اظہار کیا۔ عکرمہ اپنی قوت کے نشہ میں مخمور تھا۔ اس نے ان کی پیش کش مسترد کر دی۔ آخر کار کافی جدوجہد کے بعد حکومتی فوج قلعہ میں داخل ہوگئی اور تمام معززین شہر کو قتل کر دیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر کے مدینہ روانہ کیا۔

حضرت ابوبکر کا ارادہ تھا کہ قیدی مرد قتل کر دیے جائیں اور عورتوں کو کنیز بنا کر تقسیم کر دیا جائے۔ مگر حضرت عمر نے اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا: خلیفہ رسول! یہ لوگ مسلمان ہیں اور یہ حلفیہ بیان دیتے ہیں کہ انہوں نے اسلام سے انحراف نہیں کیا تھا اسی لیے ان کے لیے ایسا فرمان جاری کرنے سے اجتناب کریں۔

حضرت ابوبکر نے تمام قیدیوں کو زندان بھیج دیا اور ان کی وفات کے بعد حضرت عمر کے دور خلافت میں انہیں رہائی نصیب ہوئی۔

اہل دبا کی مہم سے فارغ ہو کر ابوجہل کا بیٹا عکرمہ زیاد کی مدد کے لیے روانہ ہوا۔ مقام زرقان میں معرکہ کارزار گرم ہوا۔ جہاں اشعث تاب مقاومت نہ لا سکا اور باقی ماندہ لوگوں کے ساتھ قلعہ بخیر میں قلعہ بند ہو گیا۔ مگر دشمن بھی پیچھا چھوڑنے والے نہ تھے۔ انہوں نے قلعہ کے گرد محاصرہ ڈال دیا۔ جب محاصرہ نے طول کھینچا اور قلعہ میں خوراک اور پانی کا ذخیرہ ہوا تو اشعث چپکے سے ایک رات قلعہ سے باہر نکلا اور زیاد اور عکرمہ سے یہ ساز باز کی کہ اگر اسے اور اس کے گھر کے نو آدمیوں کو امان دے دی جائے تو قلعہ کا دروازہ کھلوا دے گا۔

یہ شرمناک معاہدہ طے ہونے کے بعد قلعہ کا دروازہ کھول دیا گیا تو زیاد اور عکرمہ کی فوجیں ان پر ٹوٹ پڑیں۔ اس معرکہ میں آٹھ سو آدمی مارے گئے کئی عورتوں کے ہاتھ قلم کیے گئے اور ایک ہزار قیدی عورتوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر مدینہ روانہ کیا گیا۔ [1]

۳۔ عمل صحابہ سے استدلال کی تردید

عمل صحابہ حجت نہیں ہے اور نہ ہی وہ کتاب و سنت کی طرح سے اسلامی شریعت کا سرچشمہ ہے۔ جب کہ رسول خدا کا قول و فعل دین میں حجت ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے فرمایا:

۱۔ یہ واقعات فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۲۔۱۲۳۔ فتوح ابن اعثم ۱/۵۷۔ ۵۸۔ میں مرقوم ہیں ہم نے اپنے الفاظ میں ان کا جامع خلاصہ تحریر کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''عبداللہ بن سبا'' کا مطالعہ فرمائیں۔

۱۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الاحزاب:۲۱)

رسول خدا تمہارے لیے قابل تقلید نمونہ ہیں۔

۲۔ مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا.

(الحشر:۷)

"جو کچھ رسول تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے منع کریں رک جاؤ"

عمل صحابہ کے لیے قرآن مجید میں ایسی کوئی آیت موجود نہیں ہے اور اگر بالفرض عمل صحابہ کو دین میں حجت مان لیا جائے تو پھر پریشانی یہ ہوگی کہ صحابہ میں سے کس صحابی کی پیروی کی جائے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے مسائل میں صحابہ کا ایک دوسرے سے اختلاف تھا۔ مثلاً وفات پیغمبر کے دن رسولؐ خدا کے چچا نے حضرت علیؑ سے کہا تھا کہ آپ ہاتھ بڑھائیں میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔

اور اسی دن حضرت عمر نے سقیفہ بن ساعدہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت کی تھی۔ اب اس اختلاف کی صورت میں مسلمان کس صحابی کے عمل اور رائے پر عمل کریں اور کس کے عمل کو ترک کریں؟

اسی طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے مقابلہ میں طلحہؓ زبیر اور معاویہ نے جنگ کی تھی اور دونوں طرف سے صحابی موجود تھے۔ اس حالت میں مسلمان آخر کس صحابی کی پیروی کریں اور کس کی پیروی نہ کریں؟

ان تمام تر مشکلات سے بچنے کا صرف یہی راستہ ہے کہ ہم صدق دل سے یہ نظریہ رکھیں کہ صحابہ غیر معصوم تھے اور ان کا عمل امت کے لیے حجت نہیں تھا۔

فرمانِ علیؑ سے استدلال کی حقیقت

مکتبِ خلافت کے پیروکار جب سقیفائی خلافت کو قرآن و حدیث سے ثابت کرنے میں ناکام ہوتے ہیں تو وہ نہج البلاغہ سے حضرت علی علیہ السلام کے

ایک خط کا اقتباس پیش کر کے اپنی خلافت کو سند جواز دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ بن ابی سفیان کے نام ایک خط لکھا جس میں آپ نے تحریر فرمایا:

انه بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علی ما بایعوھم علیه فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یرد. و انما الشوریٰ للمھاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل و سموه اماما کان ذلک للّٰه رضی فان خرج من امرھم خارج بطعن او بدعة ردوه الی ماخرج منه فان ابی قاتلوه علی اتباعه غیر سبیل المومنین و ولاه اللّٰه ماتولّٰی......

(نہج البلاغہ حصہ مکاتیب مکتوب ۶)

جن لوگوں نے ابوبکرؓ عمر اور عثمان کی بیعت کی تھی' انہوں نے میرے ہاتھ پر اسی اصول کے مطابق بیعت کی جس اصول پر وہ ان کی بیعت کر چکے تھے اور اس کی بنا پر جو حاضر ہے اسے پھر نظر ثانی کا حق نہیں اور جو بروقت موجود نہ ہو اسے رد کرنے کا اختیار نہیں۔

اور شوریٰ کا حق صرف مہاجرین و انصار کو ہے' وہ اگر کسی پر ایکا کر لیں اور اسے خلیفہ سمجھ لیں تو اسی میں اللہ کی رضا و خوشنودی سمجھی جائے گی۔ اب جو کوئی اس کی شخصیت پر اعتراض یا نیا نظریہ اختیار کرتا ہوا الگ ہو جائے تو اسے وہ سب اسی طرف واپس لائیں گے' جدھر سے وہ منحرف ہوا ہے اور اگر انکار کرے تو اس سے لڑیں کیونکہ وہ مومنوں کے طریقے سے ہٹ کر دوسری راہ پر ہولیا ہے اور جدھر وہ پھر گیا ہے' اللہ تعالیٰ بھی اسے اُدھر ہی پھیر دے گا......'' الی آخرہ

امیر المومنین علیہ السلام کے اس خط کو پیش کر کے مکتب خلافت کے وکلاء یہ استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا کہ ان کی خلافت بیعت، شوریٰ اور اجماع مہاجرین و انصار کی اساس پر قائم ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی کی نظر میں خلافت کی اساس بیعت، شوریٰ اور مہاجرین و انصار کا اجماع ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ سید رضی رحمۃ اللہ علیہ کا نہج البلاغہ میں یہ اسلوب ہے کہ وہ حضرت امیر علیہ السلام کا مکمل خطبہ یا خط نقل نہیں کرتے بلکہ وہ حضرت کے خطبات و خطوط میں سے صرف اسی حصے کا انتخاب کرتے ہیں جسے وہ بلاغت کے اعلیٰ مقام پر فائز سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہج البلاغہ میں ہمیں لفظ "مِنھَا" بار بار دکھائی دیتا ہے۔ حضرت کا پورا خط نصر بن مزاحم نے کتاب صفین میں نقل کیا ہے جس کی عبارت حسب ذیل ہے:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. اما بعد. فان بیعتی بالمدینة لزمتک و انت بالشام لانه بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علی مابویعوا علیه، فلم یکن للشاهد ان یختار ولا للغائب ان یرد. وانما الشوریٰ للمهاجرین والانصار فاذا اجتمعوا علی رجل فسموه کان ذلک للّٰه رضی فان خرج من امرهم خارج بطعن او رغبة ردوه الی ماخرج منه. فان ابی قاتلوه علی اتباعه غیر سبیل المؤمنین و ولاه اللّٰه ویصلیه جهنم وساء ت مصیرا. وان طلحة والزبیر بایعانی ثم نقضا بیعتی وکان نقضهما کردهما فجاهد تهما علی ذلک حتی جاء الحق

وظہر امحر اللّٰہ وھم کارھون. فادخل فیما دخل فیہ المسلمون فان احب الامور الی فیک العافیۃ الا ان تتعرض للبلآء فان تعرضت لہ قاتلتک واستعنت اللّٰہ علیک و قد اکثرت فی قتلۃ عثمان فادخل فیما دخل فیہ المسلمون' ثم حاکم القوم الی احملک و ایاھم علی کتاب اللّٰہ. فاما تلک التی تریدھا فخدعۃ الصبی عن اللبن. ولعمری لئن نظرت بعقلک دون ھواک لتجدنی ابرا قریش من دم عثمان واعلم انک من الطلقا الذین لا تحل لھم الخلافۃ والاتعرض فیھم الشوریٰ و قدارسلت الیک جریر بن عبداللّٰہ وھو من اھل الایمان والھجرۃ فبایع ولا قوۃ الا باللّٰہ.

(کتاب صفین نصر بن مزاحم طبع قاہرہ ص ۲۹)

''مدینہ میں قائم ہونے والی میری خلافت کا تجھے شام میں تسلیم کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ جن لوگوں نے ابوبکرؓ عمر اور عثمان کی بیعت کی تھی انہوں نے میرے ہاتھ پر اسی اصول کے مطابق بیعت کی جس اصول پر ان لوگوں کی بیعت کی گئی تھی۔ اس بنا پر جو حاضر ہے اسے نظر ثانی کا حق نہیں اور جو بروقت موجود نہ ہو اسے رد کرنے کا اختیار نہیں اور شوریٰ کا حق صرف مہاجرین و انصار کو ہے۔ وہ اگر کسی پر ایکا کر لیں اور اسے خلیفہ سمجھ لیں تو اسی میں اللہ کی رضا و خوشنودی سمجھی جائے گی۔ اب جو کوئی اس کی شخصیت پر اعتراض یا انحراف کرتا ہوا الگ ہو جائے تو اسے

وہ سب اسی طرف واپس لائیں گے' جدھر سے وہ منحرف ہوا ہے اور اگر انکار کرے تو وہ اس سے لڑیں کیونکہ وہ مومنوں کے طریقہ سے ہٹ کر دوسری راہ پر ہو لیا ہے اور جدھر وہ پھر گیا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے ادھر ہی پھیر دے گا اور اسے دوزخ میں ڈالے گا جو بدترین ٹھکانہ ہے۔''

اور طلحہ و زبیر نے بھی میری بیعت کی تھی پھر انہوں نے میری بیعت کو توڑ دیا تھا۔ ان کا بیعت توڑنا ان کے ارتداد کے مترادف تھا جس کی وجہ سے میں نے ان سے جہاد کیا یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا فرمان غالب آیا جب کہ وہ اس سے متنفر تھے۔ تو بھی اسی میں داخل ہو جس میں دوسرے مسلمان داخل ہوئے ہیں۔ میں تیرے متعلق عافیت کو پسند کرتا ہوں ہاں اگر تو خود ہی آزمائش میں آ جائے تو میں تجھ سے جنگ کروں گا اور تیرے خلاف خدا سے مدد طلب کروں گا۔ تو نے قاتلین عثمان کا زیادہ ذکر کیا ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ تو بھی باقی مسلمانوں کی طرح سے ہماری اطاعت میں شامل ہو جا اور اس کے بعد تو ہم سے فیصلہ طلب کر۔ اس صورت میں میں کتاب اللہ کے مطابق تیرا اور ان کا فیصلہ کروں گا۔ اس حل کے علاوہ جس طرح سے تو چاہتا ہے تو یہ تو ایک دھوکہ ہے جیسا کہ بچے کو دودھ چھڑانے کے لیے دھوکہ دیا جاتا ہے۔ (میں تیرے اس دھوکے میں آنے کا نہیں ہوں)

مجھے اپنی بقا کی قسم اگر تو اپنی خواہش سے ہٹ کر عقل کی نگاہ سے دیکھے تو تجھے دکھائی دے گا کہ میں باقی تمام قریش کی بہ نسبت خون عثمان سے زیادہ بری الذمہ ہوں۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تیرا تعلق ''طلقاء'' کی اس جماعت سے ہے جن کے لیے خلافت ناجائز ہے اور جن کا شوریٰ میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ میں نے تیری طرف جریر بن عبداللہ کو روانہ کیا ہے۔ وہ اہل ایمان و ہجرت ہے۔ تو اس کے

ہاتھ پر بیعت کر۔ خدائے بزرگ و برتر کے علاوہ کوئی قوت نہیں ہے۔
اس پورے خط کو پڑھ کر انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے حریف معاویہ کو ہر طرح سے لاجواب کیا کیونکہ معاویہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا شد و مد سے قائل تھا اور سابقہ حکومتیں بیعت، شوریٰ اور اجماع صحابہ پر قائم تھیں۔ آپ نے معاویہ کے سامنے اس کا مسلمہ نظریہ رکھ کر اس پر حجت تمام کی اور یہ وہی طرزعمل ہے جسے **فرض الباطل مع الخصم حتی تلزمه الحجة** (حریف کے سامنے اس کے غلط مسلمات کو پیش کر کے اس پر حجت قائم کرنا) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ کسی مرحلہ پر امیر المومنین نے خلافت کی حجت کا معیار شوریٰ اور رائے عامہ کو نہیں سمجھا ورنہ جن خلافتوں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ مہاجرین و انصار کے اتفاق رائے سے قرار پائی تھیں۔ آپ اس رائے عامہ کو سند و حجت سمجھتے ہوئے ان کو صحیح اور درست تسلیم کرتے۔ مگر آپ کا دور اوّل ہی سے بیعت کا انکار کرنا کہ جس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ اس کی دلیل ہے کہ آپ ان خود ساختہ اصولوں کو خلافت کا معیار نہ سمجھتے تھے۔ اس لیے آپ ہر دور میں اپنے استحقاق خلافت کو پیش کرتے رہے کہ جو رسول اللہ سے قولاً وعملاً ثابت تھا۔ مگر معاویہ کے مقابلہ میں اسے پیش کرنا سوال و جواب کا دروازہ کھول دینا تھا۔ اسی لیے آپ نے اس خط کے ذریعہ اسی کے مسلمات و معتقدات سے اسے قائل کرنا چاہا ہے تاکہ اس کے لیے تاویلات کے الجھاوے ڈالنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے ورنہ وہ تو یہ چاہتا ہی تھا کہ کسی طرح بات بڑھتی جائے تاکہ کسی موڑ پر اس کے متزلزل اقتدار کو سہارا مل جائے۔
۲۔ آپ کے خط کا ایک جملہ یہ ہے:
"فاذا اجتمعوا علی رجل فسموه اماما کان ذلک

للّٰہ رضی“

”جب وہ کسی پر ایکا کر لیں اور اسے خلیفہ تسلیم کر لیں تو اسی میں خدا کی رضا و خوشنودی سمجھی جائے گی۔“

بعض نسخوں میں اس طرح سے وارد ہے: ”وکان ذلک رضی“ یعنی مہاجرین و انصار کا اجماع اس وقت قابل قبول ہے جب ان کی رضا و رغبت اس میں شامل ہو اور اگر تلوار کے زور پر کسی کو اپنے ساتھ شامل کیا جائے تو ایسا اجماع کسی صورت قابل قبول نہیں ہے۔

اور اگر ”کان ذلک للّٰہ رضی“ کا جملہ ہی صحیح تسلیم کیا جائے تو بھی ہم اس پر مکمل ایمان رکھتے ہیں کیونکہ حضرتؑ نے اس جملہ سے یہ واضح کیا ہے کہ جس شخص پر تمام مہاجرین و انصار کا ایکا ہو تو اس میں خدا کی خوشنودی سمجھی جائے گی۔

اور جس خلافت میں سرے سے حضرت علی شامل ہی نہ ہوں اور جوانانِ جنت کے سردار جس خلافت کے مخالف ہوں اور خاتون جنت جس خلافت کو تسلیم نہ کرتی ہوں تو وہ خلافت عام مسلمانوں کی نمائندہ تو کہی جا سکتی ہے لیکن خدا کی خوشنودی اور رضا کی مظہر نہیں کہلا سکتی نہ ہی اسے خلافتِ مرسل کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔

دعوتِ انصاف

مکتبِ خلافت کے وکلاء سے ہماری درخواست ہے کہ سقیفائی حکومت کے اثبات کے لیے جب وہ نہج البلاغہ کے اس خط سے استدلال کرتے ہیں تو انہیں نہج البلاغہ کے دوسرے خطبات وکلمات یاد کیوں نہیں آتے جن میں حضرت نے شیخین کی خلافت پر تنقید کی ہے اور ان کی خلافت کو خلافِ ضابطہ و اصول قرار دیا ہے۔

نہج البلاغہ کے باب الحکم میں مرقوم ہے:

جب وفات پیغمبر کے بعد آپ کو سقیفہ کی کاروائی کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: انصار نے کیا کہا تھا؟ آپ کو بتایا گیا کہ انصار نے کہا تھا۔ ''منا امیر و منکم امیر'' ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے ہونا چاہیے۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا: تو تم نے ان کے سامنے یہ دلیل کیوں نہ پیش کی کہ رسول خدا نے ان کے متعلق وصیت کی تھی کہ ان کے نیکو کار سے بھلائی کی جائے اور ان کے گناہ گار سے درگزر کیا جائے؟

لوگوں نے کہا: اس میں انصار کے موقف کے خلاف کون سی دلیل پائی جاتی ہے؟

آپ نے فرمایا: اس میں دلیل یہ ہے کہ اگر انہوں نے ہی حاکم بننا ہوتا تو ان کے متعلق وصیت ہی کیوں کی جاتی؟

پھر آپ نے فرمایا: قریش نے کیا دلیل پیش کی؟

آپ کو بتایا گیا کہ قریش نے یہ دلیل دی تھی کہ وہ شجرۂ رسول ہیں۔

حضرت نے فرمایا:

شجر سے تو دلیل دی گئی ہے لیکن انہوں نے اس شجر کے ثمر کو ضائع کر دیا ہے۔ (ثمر سے مراد اہل بیت رسول ہیں۔)

نہج البلاغہ کے باب الحکم میں آپ کا یہ مختصر فرمان بھی مرقوم ہے:

واعجباه اتكون الخلافة بالصحابة ولاتكون بالصحابة والقرابة!!

''تعجب ہے کہ صحابیت کی بنیاد پر تو خلافت مل جائے لیکن صحابیت اور قرابت دونوں کی موجودگی میں خلافت نہ ملے!''

سید رضی کہتے ہیں کہ اس مفہوم کے اشعار بھی حضرت سے مروی ہیں:

فان کنت بالشوریٰ ملکت امورھم
فکیف بھذا والمشیرون غیب
وان کنت بالقربیٰ حججت خصیمھم
فغیرک اولیٰ بالنبی واقرب

''اگر تم شوریٰ کے ذریعہ لوگوں کے سیاہ وسفید کے مالک ہو گئے تو یہ کہیے جب کہ مشورہ دینے کے حقدار افراد ہی سرے سے موجود نہیں تھے اور اگر قرابت کی وجہ سے تم اپنے حریف پر غالب آئے ہو تو پھر تمہارے علاوہ دوسرا نبی کا زیادہ حقدار اور ان سے زیادہ قریبی ہے۔''

(نہج البلاغہ۔ باب الحکم ۱۸۰ تحقیق عمر ابو الفضل ابراہیم)

خطبہ شقشقیہ

نہج البلاغہ کا نام لے کر سقیفائی حکومت کا جواز تلاش کرنے والوں کو ہم نہج البلاغہ کے خطبہ شقشقیہ کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ اس خطبہ میں حضرت نے اچھی طرح سے حقائق واشگاف کئے ہیں ذیل میں ہم اس عظیم خطبہ کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

اما واللّٰه لقد تقمصھا ابن ابي قحافة وانه ليعلم ان محلي منھا محل القطب من الرحى ينحدر عني السيل ولا يرقى الى الطير فسدلت دونھا ثوبا و طويت عنھا كشحا و طفقت ارتائي بين ان اصول بيد جذاء او اصبر على طغية عمياء. يھرم فيھا الكبير ويشيب فيھا الصغير ويكدح فيھا مؤمن حتى

يلقى ربه فرأيت ان الصبر على هاتا احجٰى فصبرت
و فى العين قذى و فى الحلق شجا ارى تراثى نهبا
حتى مضى الاول لسبيله فادلٰى بها الى فلانٍ بعده
(ثم تمثل بقول الأعشى)

شتان مايومى على كورها...... ويوم حيان اخى جابر
فيا عجبا بينا هو يستقليها فى حياته اذعقدها لاخر
بعد وفاته لشد ما تشطر اضرعيها فصيرها فى حوزة
خشنآء يغلظ كلامها و يخشن مسها و يكثر العثار
فيها والاعتذار منها فصاحبها كراكب الصعبة ان
اشنق لها خرم و ان اسلس لها تقحم فمنى الناس
لعمر اللّٰه بخبط و شماس و تلون واعتراض
فصبرت على طول المدة و شدة المحنة حتى اذا
مضٰى لسبيله جعلها فى جماعة زعم انى احدهم فيا
للّٰه وللشورىٰ متى اعترض الريب فى مع الاول منهم
حتى صرت اقرن الى هذه النظائر لكنى اسففت اذا
سفوا وطرت اذا طاروا.

فصغى رجل منهم لضغنه ومال الاخر لصهره مع هن وهن
الى ان قام ثالث القوم نافجاحضنيه بين نثيله و
معتلفه وقام معه بنوابيه يخضمون مال اللّٰه خضمة
الابل نبتة الربيع الى ان انتكث فتله واجهز عليه
عمله وكبت به بطنته فمارا عنى الا (والناس)
كعرف الضبع الى نيشالون على من كل جانب حتى

لقد و طئ الحسنان و شق عطفای مجتمعین حولی
کربیضة الغنم فلما نهضت بالامر نکثت طائفة
ومرقت اخری و قسط اخرون کانهم لم یسمعوا
کلام اللّٰه حیث یقول تلک الدار الاخرة نجعلها
للذین لا یریدون غلوا فی الارض ولا فسادا والعاقبة
للمتقین) بلی واللّٰه لقد سمعوها و وعوها ولکنهم
حلیت الدنیا فی اعینهم وراقهم زبرجها اما والذی
فلق الحبة وبرأ النسمة لولا حضور الحاضر و قیام
الحجة بوجود الناصر وما اخذ اللّٰه علی العلماء ان لا
یقار و اعلی کظة ظالم ولا سغب مظلوم لالقیت حبلها
علی غاربها ولسقیت اخرها بکأس اولها والالفیتم
دنیا کم هذه ازهد عندی من عفطة عنز. نهج البلاغه
خطبہ۳

''خدا کی قسم! فرزند ابو قحافہ نے پیراہن خلافت پہن لیا حالانکہ میرے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی کے اندر اس کی کیلی کا ہوتا ہے۔ میں وہ (کوہِ بلند ہوں) جس پر سے سیلاب کا پانی گزر کر نیچے گر جاتا ہے اور مجھ تک پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ (اس کے باوجود) میں نے خلافت کے آگے پردہ لٹکا دیا اور اس سے پہلو تہی کر لی اور سوچنا شروع کیا کہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کروں یا اس بھیانک تیرگی پر صبر کر لوں جس میں سن رسیدہ بالکل ضعیف اور بچہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور مومن اس میں جدوجہد کرتا ہوا اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ مجھے اس اندھیر پر صبر ہی قرین عقل نظر آیا۔ لہٰذا

میں نے صبر کیا۔ حالانکہ آنکھوں میں (غبار اندوہ کی) خلش تھی اور حلق میں (غم و رنج کے) کے پھندے لگے ہوئے تھے میں اپنی میراث کو لٹتے دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ پہلے نے اپنی راہ لی اور اپنے بعد خلافت ابن خطاب کو دے گیا۔ (پھر حضرت نے بطور تمثیل اعشی کا شعر پڑھا)

''کہاں یہ دن جو ناقہ کے پالان پر کٹتا ہے اور کہاں وہ دن جو جہاں برادر جابر کی صحبت میں گزرتا تھا۔'' تعجب ہے کہ وہ زندگی میں تو خلافت سے سبکدوش ہونا چاہتا تھا لیکن اپنے مرنے کے بعد اس کی بنیاد دوسرے کے لیے استوار کرتا گیا۔ بیشک ان دونوں نے سختی کے ساتھ خلافت کے تھنوں کو آپس میں بانٹ دیا۔ اس نے خلافت کو ایک سخت و درشت محل میں رکھ دیا۔ جس کے جرکے کاری تھے۔ جس کو چھو کر بھی درشتی محسوس ہوتی تھی۔ جہاں بات بات میں ٹھوکر کھانا اور پھر عذر کرنا تھا۔ جس کا اس سے سابقہ پڑے وہ ایسا ہے جیسے سرکش اونٹنی کا سوار مہار کھینچتا ہے تو (اس کی منہ زوری سے) اس کی ناک کا درمیانی حصہ ہی شگافتہ ہوا جاتا ہے جس کے بعد مہار دینا ہی ناممکن ہو جائے گا) اور اگر باگ کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے تو وہ اس کے ساتھ مہلکوں میں پڑ جائے گا۔ اس کی وجہ سے بقائے ایزد کی قسم! لوگ کجروی، سرکشی، متلون مزاجی اور بے راہ روی میں مبتلا ہو گئے۔ میں نے اس طویل مدت اور شدید مصیبت پر صبر کیا یہاں تک کہ دوسرا بھی اپنی راہ لگا اور خلافت کو ایک جماعت میں محدود کر گیا اور مجھے بھی اس جماعت کا ایک فرد خیال کیا۔ اے اللہ! مجھے اس شوریٰ سے کیا لگاؤ؟ ان کے سب سے پہلے کے مقابلہ ہی میں میرے استحقاق و فضیلت میں کب شک تھا۔ جو اب ان لوگوں میں میں بھی شامل کر لیا گیا ہوں مگر میں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ جب وہ زمین کے نزدیک ہو کر پرواز کرنے لگیں تو میں نے بھی اسی طرح کرنے لگوں اور جب وہ اونچے ہو کر اڑنے لگے تو میں بھی اسی طرح

پرواز کروں۔ (یعنی حتی الامکان کسی نہ کسی صورت سے نباہ کرتا رہوں) ان میں سے ایک شخص تو کینہ و عناد کی وجہ سے منحرف ہو گیا اور دوسرا دامادی اور بعض ناگفتہ بہ باتوں کی وجہ سے اِدھر جھک گیا۔ یہاں تک کہ اس قوم میں تیسرا شخص پیٹ پھلائے سرگین اور چارے کے درمیان کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ اس کے بھائی بند اٹھ کھڑے ہوئے جو اللہ کے مال کو اس طرح نگلتے تھے جس طرح اونٹ فصل ربیع کا چارہ چرتا ہے یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا۔ جب اس کی بنی ہوئی رسی کے بل کھل گئے اور اس کی بد اعمالیوں نے اس کا کام تمام کر دیا اور شکم پری نے اسے منہ کے بل گرا دیا۔ اس وقت مجھے لوگوں کے ہجوم نے دہشت زدہ کر دیا جو میری جانب بجو کے ایال کی طرح ہر طرف سے لگاتار بڑھ رہا تھا یہاں تک کہ عالم یہ ہوا کہ حسنؑ اور حسینؑ کچلے جا رہے تھے اور میری ردا کے دونوں کنارے پھٹ گئے تھے۔ وہ سب میرے گرد بکریوں کے گلے کی طرح گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ مگر اس کے باوجود جب میں امر خلافت کو لے کر اٹھا تو ایک گروہ نے بیعت توڑ ڈالی اور دوسرا دین سے نکل گیا اور تیسرے گروہ نے فسق اختیار کر لیا۔ گویا انہوں نے اللہ کا یہ ارشاد ہی سنا نہ تھا کہ "یہ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے قرار دیا ہے جو دنیا میں نہ (بے جا) بلندی چاہتے ہیں نہ فساد پھیلاتے ہیں اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔" ہاں ہاں خدا کی قسم! ان لوگوں نے اس آیت کو سنا تھا اور یاد کیا تھا لیکن ان کی نگاہوں میں دنیا کا جمال کھب گیا اور اس کی سج دھج نے انہیں لبھا دیا دیکھو۔ اس ذات کی قسم! جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور ذی روح چیزیں پیدا کیں اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی اور مدد کرنے والوں کے وجود سے مجھ پر حجت تمام نہ ہو گئی ہوتی اور وہ عہد نہ ہوتا جو اللہ نے علماء سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون قرار سے نہ بیٹھیں تو میں اس خلافت کی باگ ڈور اسی کے

کندھے پر ڈال دیتا اور اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس پیالے سے اس کو اوّل نے سیراب کیا تھا اور تم اپنی دنیا کو میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ناقابل اعتنا پاتے۔

جب آپ یہاں تک پہنچے تو ایک عراقی نے آپ کے سامنے ایک کاغذ رکھا آپ اسے دیکھنے لگ گئے۔ جب آپ فارغ ہوئے تو ابن عباس نے کہا۔

مولا! آپ نے جہاں سے خطبہ چھوڑا تھا وہاں سے آگے ارشاد فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا: ابن عباس! وہ ایک شقشقیہ (توتھڑا) تھا جو نکلا اور پھر قرار پکڑ لیا۔ ابن عباس کہتے ہیں: مجھے آج تک کسی کلام کے متعلق اتنا دکھ کبھی نہیں ہوا جتنا کہ اس کے متعلق ہوا کیونکہ حضرت جو بیان کرنا چاہتے تھے وہ پورا بیان نہ کر سکے۔"

نہج البلاغہ کے مکتوب کا سہارا لے کر شوریٰ ثابت کرنے والے حضرات کو چاہیے کہ وہ نہج البلاغہ کے اس خطبہ کو بھی نگاہوں میں رکھیں۔

۴۔ کیا جبر و غلبہ سے خلافت کا انعقاد درست ہے؟

اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت وحکومت کے علاوہ باقی جتنی بھی حکومتیں قائم ہوئیں وہ سب کی سب جبر و غلبہ کے اصول کے تحت قائم ہوئی تھیں اور ہر دور میں "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کا اصول کارفرما رہا ہے اور یہ سلسلہ ابتدائے امر سے لے کر آخری ترک عثمانی خلیفہ تک قائم رہا۔ مکتب خلافت کے علماء نے یہ اصول تحریر کیا ہے:

من غلب علیهم بالسیف حتی صار خلیفة وسمی امیر المومنین فلا یحل لاحد یؤمن باللّٰه والیوم الاخر ان یبیت ولا یراه اماما براکان او فاجرا.

اور اپنے آپ کو امیر المومنین کہلانے لگ جائے تو خدا اور
آخرت پر ایمان رکھنے والے کسی بھی شخص کے لیے حلال نہیں
ہے کہ وہ ایک رات اس حالت میں بسر کرے کہ اسے امام نہ
سمجھتا ہو اور خلیفہ چاہے نیک ہو یا بد ہو مگر اسے امام سمجھنا
ضروری ہے۔"

اس قاعدہ و قانون کو وضع کرنے والے افراد کے متعلق میں فیصلہ نہیں کر سکتا کہ اسلامی قانون کے یہ خود ساختہ محافظ اسلامی معاشرہ کی بات کر رہے ہیں یا جنگل کے قانون کی بات کر رہے ہیں؟

یہ قانون کسی جنگل میں تو نافذ ہو سکتا ہے مگر کسی باشعور معاشرہ میں اس قانون کو رائج نہیں کیا جا سکتا اور اسی قانون کا ثمر یہ ملا کہ آج مسلمان کہلا نے والے افراد یزید بن معاویہ جیسے فاسق و فاجر' ظالم کو خلیفہ و امام کہہ رہے ہیں اور یزید کی حمایت میں کتابیں لکھی جا رہی ہیں اور یزید کو سچا ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے۔

اس موضوع پر ویسے تو بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور بلی تھیلے سے باہر آ چکی ہے' اور ماضی قریب میں یزید لعین کی حمایت میں وزارت اوقاف سعودی عرب کی طرف سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کے ٹائیٹل کی فوٹو سٹیٹ آپ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

ہمارے تمام قارئین کو معلوم ہے کہ یزید بن معاویہ کائنات کا بدترین شخص تھا۔ اس نے نواسہ' پیغمبر کو شہید کرایا۔ اہل حرم کو قید کرایا اور ان کی شہر بہ شہر تشہیر کرائی اس لعین نے کعبہ شریف پر سنگ باری کرائی اور اسی کے عہد حکومت میں واقعہ حرہ پیش آیا جس میں تین دن تک مسجد نبوی میں گھوڑے بندھے رہے اور مسلسل

تین دن تک شامی فوج شہر مدینہ کو لوٹتی رہی۔ ہزاروں عصمتیں برباد ہوئیں اور صحابہ کرام کی ایک ہزار کنواری بیٹیاں مائیں بنیں۔

اور آج ہمیں یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوتا ہے کہ حرمین شریفین کو تباہ و برباد کرنے والے شخص کی حمایت میں حرمین ہی سے کتاب لکھی گئی ہے۔

یہ سب کچھ اس غلط اصول کے ماننے کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے یزید جیسے اسلام دشمن شخص کو بھی آج امیر المومنین کے لقب سے یاد کیا جا رہا ہے۔

سنت رسولؐ کے مخالف کی اطاعت

مکتبِ خلافت کا نظریہ ہم نے پیش کیا جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر حکمران واجب الاطاعت ہوتا ہے اور وہ زمین پر خدا کا نائب اور ''ظل اللہ'' ہوتا ہے اور حاکم کے خلاف خروج کرنا حرام ہے۔

مکتبِ اہل بیت کا نظریہ اس نظریہ کے بالکل برعکس ہے اور مکتب اہل بیت میں بہت سی روایات موجود ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ ظالم اور فاسق و فاجر کی اطاعت کرنا حرام اور اس کے خلاف خروج کرنا واجب ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا:

من رأى سلطانا جائرا مستحلا لحرم الله ناكثا عهده مخالفا لسنة رسول الله (ص) يعمل في عباد الله بالاثم والعدوان فلم يغير عليه بفعل ولاقول كان حقا على الله ان يدخله مدخله. [1]

۱۔ امام حسین نے یہ حدیث اپنے اس خطبہ میں بیان فرمائی جو آپ نے لشکر حر کے سامنے دیا اور یہ خطبہ تاریخ طبری، ابن اثیر اور مقتل خوارزمی میں موجود ہے۔

''جو شخص کسی ایسے حکمران کو دیکھے جو ظالم ہو اور حرمات خداوندی کا احترام نہ کرتا ہو اور اپنے عہد کو توڑ دیتا ہو اور سنت رسول کا مخالف ہو اور بندگان خدا سے گناہ اور زیادتی روا رکھتا ہو اس کے باوجود بھی اگر کوئی مسلمان اپنے قول و فعل سے اسے تبدیل نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ وہ اسے بھی اس ظالم حکمران کے ٹھکانے میں داخل کر دے۔''

ہم پوری دیانت داری سے سمجھتے ہیں کہ سلاطین کی سمع و طاعت کی روایات صدر اول کے ظالم حکمرانوں کی حمایت میں وضع کی گئیں اور سلاطین نے ایسی روایات کی مکمل سرپرستی کی کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ ان کی بداعمالیوں کے خلاف کسی طرف سے کوئی آواز نہ اٹھے اور عوام کو مسلمین کے دلوں سے جذبۂ حریّت ختم کر کے اپنے دروازے کا غلام بنا دیا جائے۔

سلاطین تو چاہتے ہی تھے کہ اس طرح کی روایات کو سر عام لایا اور ادھر ایسے (روایانِ احادیث بھی موجود تھے جو رسول خدا پر افتراء باندھنے میں کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے اور انہیں صرف اس بات سے غرض تھی کہ حکمران طبقہ ان کی خدمت سے خوش رہے اور انہیں انعام و اکرام سے نوازتا رہے۔

اموی دور میں ان روایات کی خوب نشر و اشاعت کی گئی اور جب دوسری صدی ہجری کے آخر میں کتب حدیث مدون ہونے لگیں تو یہ روایات بھی صحاح و مسانید میں شامل کر لی گئیں اور اس کے ساتھ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ یہ روایات ازروئے سند و متن صحیح ہیں۔ اس کے نتیجہ میں بندہ مسلم کی آزادیٔ ضمیر سلب ہوئی اور اسے سلاطین کا تابع مہمل بنا دیا گیا اور حکمران کی ہر خواہش پر عمل کرنا دین کا تقاضا قرار پایا اسی طرح مسلمانوں کو سلاطین کا غلام بنانے والی روایات کی شرحیں لکھوائی

گئیں اور مساجد و مدارس میں ان کی تدریس ہوتی رہی اور مسلمانوں کی کئی نسلیں بدترین آمریت وملوکیت کو خدائی حکومت کہہ کر اس کی خدمت میں مصروف رہیں۔

ایسی ہی بے سروپا روایات کو اموی و عباسی' سلاجقہ و غزنوی حکمرانوں نے خوب سراہااور مسلمانوں کی تقدیر کے مالک بن گئے اور انہیں اسلامی دنیا سے کسی مخالفت کا اندیشہ نہ رہا۔ ایسی ہی روایات نے مسلمانوں کو پستی کے اتھاہ گڑھوں میں ڈال دیا اور امت اسلامیہ پر بدبختی ونکبت کے تاریک سائے چھا گئے اور مسلمان کسی بھی طرح کی حرکت وجنبش کے قابل نہ رہے کیونکہ ان کے اذہان خوئے غلامی کا چوغہ پہن چکے تھے اور حکمرانوں کے خلاف آواز اٹھانے کو خدا و رسول کے خلاف بغاوت تصور کیا جاتا تھا۔

عملی طور پر علمائے اسلام کے دو گروہ تشکیل پائے ایک طرف سے مکتب خلافت کے پیروکاروں کا گروہ تھا جو حکمرانوں کی اطاعت کو خدا و رسول کی اطاعت قرار دیتا تھا اور دوسری طرف سے مکتب اہل بیتؑ کے پیروکاروں کا گروہ تھا جن کا پیغام یہ تھا کہ ظالم اور فاسق حکمران کی اطاعت ناجائز ہے۔

پہلا طبقہ حکمرانوں کا حمایتی تھا اسی لیے حکمران طبقہ نے ہر دور میں اس گروہ کو انعام و اکرام سے نوازا اور انہیں کلیدی عہدوں اور پرکشش مناصب پر فائز کیا۔ جب کہ دوسرا گروہ حکمرانوں کوزیادہ اہمیت دینے پر آمادہ نہیں تھا اسی لیے حکمرانوں نے ہمیشہ ان کی توہین و تذلیل کی اور ہر دور میں انہیں پابند سلاسل رکھا گیا اور انہیں اپنے زندانوں کی زینت بنایا گیا۔ انہیں سر پھرا قرار دے کر انہیں سرعام قتل کیا گیا اور صلیب پر لٹکایا گیا۔ انہیں جلاوطن کیا گیا اور ان کے کتب خانوں کو نذر آتش کیا گیا اور پوری حکومتی قوت سے ان کی گھمبیر آواز کو دبانے کی کوشش کی

امت اسلامیہ کے افرادی اور قدرتی منابع کا استحصال کرتے رہیں۔

امتِ اسلامیہ کو اس دور میں سوچنا چاہیے کہ ان دو مکاتب فکر میں سے کون سا مکتب ان کا خیر خواہ ہے اور کون سا مکتب ان کی بجائے صرف حکمرانوں کی کاسہ لیسی کو اپنا دینی فریضہ سمجھتا ہے؟

خلاصہ بحث

روز سقیفہ ''قبائلی منطق'' ہی کار فرما تھی اور انصار و مہاجرین صرف اپنے قبیلوں کی خدمات ہی شمار کراتے رہے اور اپنے امیدوار کی خصوصیات بیان کرنے میں ناکام رہے اور آخر کار بڑی تند و تیز بحث کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی اور خود ان کے اپنے الفاظ میں یہ بیعت کسی اجماعی مشورہ کا نتیجہ نہ تھی بس یہ اچانک وارد ہونے والے بیعت تھی جس کے شر سے خدا نے محفوظ رکھا۔

حضرت ابوبکر نے زندگی کے آخری لمحات میں حضرت عمر کو تحریری طور پر نامزد کیا اور آج ہر صاحب فکر پریشان ہے کہ حضرت ابوبکر بیماری کے عالم میں حضرت عمر کو نامزد کر سکتے تھے تو رسول خداؐ نے اپنی بیماری کے عالم میں کاغذ و قلم طلب کیا تو انہیں تحریر لکھنے سے کیوں باز رکھا گیا؟

حضرت عمر نے خلافت کے لیے شوریٰ تشکیل دی اور ان کے پاس اس مخصوص قسم کی شوریٰ کی کتاب و سنت میں سے کوئی دلیل موجود نہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ مجلس شوریٰ حضرت عمر کے ذہن رسا کی افتراعی اپج تھی اور ان کے اجتہاد کا نتیجہ تھی۔

حضرت عمر نے اجتہاد کرتے ہوئے صرف چھ افراد کو ہی مستحق خلافت سمجھا اور چھ سے زیادہ افراد کو لائق خلافت نہیں سمجھا۔ آپ نے اجتہاد کیا تو آپ کو

خلافت کے مستحق صرف مہاجر نظر آئے جب کہ آپ کو انصار میں ایک شخص بھی حقدارِ خلافت دکھائی نہیں دیا۔ اجتہاد تو کیا مگر خلافت سازی کے تمام اختیارات عبدالرحمٰن بن عوف کے سپرد کر دیے اور کہا اگر دو شخص ایک پر متفق ہوں اور دو شخص کسی دوسرے پر اتفاق کر لیں اور دونوں طرف سے ووٹ برابر ہوں تو تم اس گروہ کی پیروی کرو جس میں عبدالرحمٰن موجود ہو۔ آپ نے مزید اجتہاد کیا تو کہا:

''جب عبدالرحمٰن کسی کی بیعت کرے تو تم بھی اس کی بیعت کرو اور جو اختلاف کرے اسے قتل کر دو۔''

اب جن لوگوں نے حضرت عمر کے اجتہاد کو کتاب و سنت کی طرح سے اسلامی شریعت کا سرچشمہ تسلیم کیا تو انہوں نے یہ فتویٰ صادر کیا۔ ''امامت چھ افراد کی شوریٰ سے منعقد ہوسکتی ہے اور پانچ افراد اگر ایک فرد کی بیعت کر لیں تو اس کی امامت جائز ہو گی۔'' اور اس مکتب کے حامل افراد ''**وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ**'' کی آیت کو بطور سند پیش کرتے ہیں۔ جب کہ مکتب امامت سے وابستہ علماء اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شوریٰ کی اجازت ان امور میں دی ہے جن کے متعلق خدا و رسول کی طرف سے نص قطعی موجود نہ ہو۔ جب مسئلہ خلافت و امامت کے لیے رسول خدا کی نصوص قطعیہ موجود ہیں لہٰذا نصوص کی موجودگی میں کسی قسم کے شوریٰ کا کوئی جواز نہیں ہے۔

مکتبِ خلافت کے پیروکار اپنے نظریہ کے ثبوت کے لیے ''**وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ**'' کی آیت بھی پیش کرتے ہیں۔

اور مکتبِ امامت کے پیروکاروں کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو جس مشورہ کا حکم دیا ہے وہ زندگی کے تمام شعبوں کے لیے نہیں تھا اس کا تعلق صرف امور جنگ سے تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو صحابہ کے مشورہ پر عمل

کرنے کا پابند بھی نہیں کیا۔ شوریٰ کا مقصد مسلمانوں کی تربیت اور مشرکین کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ شوریٰ کا حکم ایک شرعی مسئلہ کے اجراء کی تعیین کی غرض سے ہے، حکم شرعی کی پہچان کے لیے نہیں ہے۔

مکتب خلافت کے پیروکار ایک طرف شوریٰ کو ضروری سمجھتے ہیں مگر وہ آج تک مجلس شوریٰ کی تشکیل اور اس کے ممبران کی تعداد اور اس کے طریقۂ کار کے متعلق کوئی لائحہ عمل بیان نہیں کر سکے۔ جب کہ حضرت عثمان کو منتخب کرنے والی شوریٰ کو کسی طور بھی شوریٰ نہیں کہا جا سکتا۔

بیعت جبر و غلبہ سے بھی درست نہیں ہے اور کسی معصیت کے لیے بھی بیعت صحیح نہیں ہے اور خدا کے کسی نافرمان کی بیعت بھی جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر سیرت اصحاب کو بھی کتاب و سنت کی طرح سے شریعت اسلامی کا سرچشمہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر جبر و غلبہ سے بھی امامت کا انعقاد صحیح ہو گا اور کسی امر معصیت کے لیے بھی بیعت جائز ہو گی اور فاسق و فاجر کی امامت و خلافت بھی درست قرار دی جا سکے گی اور اگر سیرت صحابہ کو اسلامی شریعت کا سرچشمہ تسلیم نہ کیا جائے تو مذکورہ امامت و خلافت کی کوئی گنجائش باقی نہیں۔

مکتب خلافت سے وابستہ افراد حضرت علی علیہ السلام کے ایک خط کو بطور سند پیش کرتے ہیں جب کہ اس کی حقیقت صرف اتنی سی ہی ہے کہ آپ نے اس خط میں معاویہ کے عقیدہ ہی کو اس کے خلاف بطور حجت بیان کیا ہے اور دنیا کے تمام دانش مند افراد اس منطق کو درست قرار دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں جس اجماع میں اہل بیتؑ مصطفیٰ اور بالخصوص حضرت علیؑ اور حسنین کریمینؑ شامل ہوں، وہ اجماع حجت ہے اور وہ رضائے الٰہی کا مظہر ہے۔ جیسا کہ امام علیہ السلام نے اس کی خود وضاحت فرمائی ہے۔

مکتب خلافت سے وابستہ قاضیوں کا یہ فتویٰ کہ جو تلوار لے کر غلبہ حاصل کرے وہ امیر المومنین ہے اور اس کی اطاعت ضروری ہے خواہ وہ نیک ہو یا بدکار' دراصل ان کی تاریخی کجروی کا اظہار ہے۔

اور جس نے بھی مسلمان خلفاء کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ مکتبِ خلافت ہمیشہ چڑھتے سورج کی پجاری رہی۔ اس نے ہر صاحب اقتدار کو خوش آمدید کہا' ہر مقتدر کو خلیفۃ اللہ اور ظل اللہ تسلیم کیا چاہے وہ یزید جیسا بدکار بھی کیوں نہ ہو۔ چاہے وہ خانہ کعبہ پر سنگ باری کرائے یا مدینہ طیبہ کو تباہ و برباد کرے یا صحابہ کرام کی عصمتوں اور ناموس کو تباہ کرے اور خواہ فرزند رسولؐ کو قتل کرائے اور خواہ پیغمبر کی بیٹیوں کی شہر بہ شہر تشہیر کرائے۔ پھر بھی وہ خلیفۃ اللہ اور امیر المومنین ہے اور اس کی اطاعت واجب ہے اور اس کی اطاعت سے انحراف اسلام سے منحرف ہونے کے مترادف ہے یہاں تک تو ہم نے مکتب خلافت اور ان کے دلائل کا جائزہ پیش کیا اور اب ہم مکتبِ امامت کی آراء و دلائل پیش کرنا چاہتے ہیں۔

فصل سوم

امامت و خلافت
در
مکتبِ اہلِ بیت

- تعیّن اولی الامر کے لیے رسول کریمؐ کا اہتمام
- آنحضرتؐ کا وصی، وزیر، ولی عہد اور جانشین کون؟
- وصیت کی روایات چھپانے کی مذموم کوششیں
- سنت رسولؐ کی ان روایات سے سلوک جو مکتبِ خلافت کی مخالفت میں تھیں
- "سیف" کی روایات تاریخ طبری سے دوسری کتب تاریخ میں کیسے منتقل ہوئیں؟
- خلافت کی دیگر احادیث
- وصی موسیٰ اور وصی محمد کی مشابہت
- قرآن مجید میں لفظ ولی و اولی الامر
- علیؑ اور اولادِ علیؑ، رسولؐ خدا کی طرف سے حقیقی مبلغ اسلام

فصل دوم میں ہم نے مکتبِ خلافت کے نظریات امامت و خلافت پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس فصل میں ہم مکتبِ اہل بیتؑ کی طرف سے پیش کردہ شرائط امامت و خلافت کو پیش کریں گے۔ مکتبِ اہل بیتؑ کا نظریہ امامت' یہ ہے کہ نبی کریمؐ کے بعد امت کا امام وہ ہوسکتا ہے معصوم عن الخطاء ہو اور وہ خدا کی طرف سے مقرر کردہ ہو اور نبی اکرمؐ کی طرف سے اس کے لیے نص موجود ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

وَاِذِ ابۡتَلٰی اِبۡرَاھِمَ رَبُّہٗ بِکَلِمَاتٍ فَاَتَمَّھُنَّ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ قَالَ لَا یَنَالُ عَھۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ. (البقرہ: ۱۲۴)

''اوراس وقت کو یاد کرو جب خدا نے چند کلمات کے ذریعہ ابراہیم کا امتحان لیا اور انہوں نے پورا کر دکھایا تو اس نے کہا کہ ہم تم کو لوگوں کا امام اور قائد بنا رہے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ میری ذریت؟ ارشاد ہوا کہ میرا عہد ظالمین کے لئے نہیں ہے۔''

اس آیت مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امامت ایک خدائی عہد ہے اور اللہ کا عہد جس سے ہوتا ہے وہ امام ہوتا ہے۔ مگر عام افراد کو عہد الٰہی کا علم نہیں ہوتا کہ خدا نے کسے عہدۂ امامت پر مامور کیا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے عہد کے متعلق اپنے نبی کو اطلاع دیتا ہے اور نبی اپنی امت کو امام کا تعارف کراتا ہے۔ یہ آیت مجیدہ بیان کرتی ہے کہ ''ظالم'' امام نہیں ہوسکتا اور جس شخص کے متعلق معلوم ہو جائے کہ اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے یا کسی دوسرے پر ظلم کیا ہے تو وہ شخص عہدہ امامت کے لائق نہیں رہے گا۔

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ امامت ایک خدائی عہدہ ہے اور امام مقرر کرنے کا حق صرف خدا کو ہی حاصل ہے۔رسولؐ تقررِ امامؑ کی اطلاع دیتا ہے او امامؑ کے لیے باعصمت ہونا ضروری ہے۔ آئمہ اہل بیت میں یہ دونوں شرطیں بدرجہ اتم موجود ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

عصمتِ اہلِ بیت علیہم السلام

اللہ تعالیٰ نے اہل بیتؑ یعنی محمد و علی و فاطمہ وحسن وحسین صلوات اللہ علیہم کے متعلق اعلان کیا کہ یہ ذوات عالیہ تمام گناہوں سے معصوم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا (الاحزاب:۳۳)

"بس اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہل بیت کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جیسے پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔"

آیت کی شانِ نزول

حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؑ کا بیان ہے:

لما نظر رسول اللّٰه والی الرحمة هابطة وقال "ادعوالی' ادعوالی" فقالت صفية من يا رسول اللّٰه (ص)؟ قال "اهل بيتی عليا و فاطمة والحسن والحسين" فجئی بهم فالقی عليهم النبی کساء ثم رفع يديه ثم قال اللهم هُولاء الی فصل علی محمد وآل محمد و انزل اللّٰه عزوجل اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا. (مستدرک الصحیحین ۳/۱۴۷)

جب رسولؐ خدا نے رحمت خداوندی کو اترتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:
میرے لیے بلاؤ' میرے لیے بلاؤ۔ صفیہ نے کہا۔ یا رسول اللہؐ! کسے بلائیں؟
آپؐ نے فرمایا: میرے اہل بیت علیؑ و فاطمہؑ وحسن و حسینؑ کو بلاؤ۔ انہیں بلایا گیا تو آپ نے ان پر اپنی چادر ڈالی پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے کہا۔ پروردگار یہ میری اہل بیت ہیں یہ سب میری طرف سے ہیں تو محمدؐ اور آل محمدؐ پر رحمت نازل فرما۔ اللہ تعالیٰ نے انما یرید اللّٰہ.......... الی آخرہ کی آیت نازل فرمائی۔
حضرت عائشہ کی روایت میں مذکور ہے کہ رسول خداؐ کی چادر اونٹ کے سیاہ بالوں سے بنی ہوئی منقش چادر تھی۔ (۱)
صحابی واثلہ بن اسقع کی روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

ان رسول اللّٰہ ادنیٰ علیا و فاطمة واجلسهما بین یدیه و اجلس حسنا و حسینا کل واحد منهما علی فخذه...... الحدیث.

"رسول خدا نے علی و فاطمہ کو قریب کیا اور ان دونوں کو اپنے سامنے بٹھایا اور حسن وحسین کو اپنی رانوں پر بٹھایا...... الحدیث" (۲)
ام المومنین ام سلمہ کا بیان ہے:

نزلت هذه الایة فی بیتی (انما یرید اللّٰہ لیذهب عنکم الرجس......) و فی البیت سبعة جبرئیل و میکائیل و علی و فاطمة والحسن و الحسین و انا علی باب

۱۔ صحیح مسلم ۱۳۰/۷۔ باب فضائل اہل بیت النبی۔ مستدرک حاکم ۱۴۷/۳۔ تفسیر ابن جریر۔ درمنثور سیوطی در ذیل تفسیر آیت تطہیر۔ تفسیر کشاف و تفسیر بیر در ذیل آیت مباہلہ۔ سنن بیہقی ۱۴۹/۲۔

۲۔ سنن بیہقی ۱۵۲/۲۔ مسند احمد ۱۰۷/۴۔ مستدرک حاکم ۴۱۶/۲۔ ۱۴۷/۳۔ و مجمع الزوائد ۱۶۷/۹۔ تفسیر ابن جریر و تفسیر سیوطی در ذیل آیت تطہیر اسد الغابہ ۲۰/۲۔

البیت. قلت: یا رسول اللّٰہ الست من اھل البیت؟
قال انک الی خیر'انک من ازواج النبی. (1)

''انما یرید اللّٰہ...... کی آیت میرے گھر میں نازل ہوئی اس وقت گھر میں جبرئیلؑ و میکائیلؑ وعلیؑ و فاطمہؑ وحسنؑ وحسینؑ اور میرے سمیت سات افراد تھے اور میں اس وقت گھر کے دروازے پر بیٹھی تھی۔ میں نے کہا: یا رسول اللہؐ! کیا میں آپ کی اہل بیتؑ میں سے نہیں ہوں؟ آپ نے فرمایا: تو بھلائی کی طرف ہے۔تو ازواج نبی میں سے ہے۔''

آیت تطہیر کا شان نزول درج بالا استناد و رواۃ کے علاوہ عبداللہ بن عباس' عمر بن ابی سلمہ پروردۂ پیغمبر' ابو سعید خدری' سعد بن ابی وقاص اور انس بن مالک سے بھی مروی ہے:

امام حسن مجتبیٰ نے ہر سر منبر ارشاد فرمایا کہ آیت تطہیر ہمارے حق میں نازل ہوئی۔ (۲)

امام زین العابدین علیہ السلام نے شام میں ایک شامی سے فرمایا۔
کیا تو نے آیت تطہیر نہیں پڑھی؟
اس نے کہا: پڑھی ہے۔
آپ نے فرمایا: آیت تطہیر ہمارے حق میں نازل ہوئی۔ (۳)

۱۔ تفسیر سیوطی ۵/۱۹۸۔۱۹۹۔ سنن ترمذی ۱۳/۲۸۴۔ مسند احمد ۶/۳۰۶۔ اسد الغابہ ۴/۲۹ و ۲/۲۹۷۔ تہذیب التہذیب ۲/۲۹۷ تاریخ بغداد ۹/۱۲۶۔ مسند احمد ۶/۲۹۲۔
۲۔ مستدرک حاکم ۳/۱۷۲۔ مجمع الزوائد ۹/ ۱۴۶۔۱۷۲۔
۳۔ تفسیر طبری در ذیل آیت تطہیر۔

عملِ رسولؐ

آیت تطہیر کے نازل ہونے کے بعد کئی ماہ تک پیغمبر اکرم کا معمول رہا کہ آپ ہر نماز کے وقت علی و بتول علیہا السلام کے دروازے پر آتے تھے اور اس آیت کی تلاوت کرتے تھے۔ ابن عباس بیان کرتے ہیں:

میں نے دیکھا کہ آیت تطہیر کے نزول کے بعد رسول خداؐ مسلسل چھ ماہ تک ہر نماز کے وقت علیؑ کے دروازے پر آتے تھے اور فرماتے تھے:

اسلام علیکم و رحمة اللّٰہ و برکاته اهل البیت. انما یرید اللّٰہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهرکم تطهیرا. الصلاة رحمکم اللّٰہ. (۱)

اے اہل بیتؑ تم پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔ اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیتؑ تم سے ہر طرح کی ناپاکی کو دور رکھے اور تمہیں ایسا پاک و طاہر رکھے جیسا کہ طہارت کا حق ہے۔ اللہ تم پر رحم فرمائے نماز کا وقت ہے۔

ابو الحمراء کا بیان ہے:

مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ رسول خداؐ پورے آٹھ مہینے روزانہ نماز فجر کے وقت علی بن ابی طالب کے دروازے پر جاتے تھے اور اپنا ہاتھ علی کے دروازہ کے کناروں پر رکھ کر فرماتے تھے نماز کا وقت ہو گیا ہے پھر آپ انما یرید اللّٰہ لیذھب...... کی آیت تلاوت کرتے تھے۔ (۲)

ابو برزہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول خدا کے ساتھ سات مہینے نماز پڑھی

۱۔ تفسیر در منثور سیوطی در ذیل وأمر اهلک بالصلاة.

۲۔ الاستیعاب ۲/۵۹۸۔ اسد الغابہ ۵/۱۷۴۔ مجمع الزوائد ۹/۱۶۸ ابو الحمراء رسول خداؐ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اس کا نام ہلال بن حارث تھا۔

اور آپ جب بھی نماز سے فارغ ہوتے فاطمہؑ کے دروازے پر جاتے اور آیت تطہیر کی تلاوت کرتے تھے۔ (۱)

انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول خداؐ نے یہ عمل چھ ماہ تک دہرایا۔ (۲)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان معصوم شخصیات کو متعین کیا جو زمانہ پیغمبر میں موجود تھیں اور رسول خداؐ نے معصومینؑ پر اپنی چادر پھیلا کر اپنی ازواج کو بتایا کہ یہ حضرات بھی میری طرح معصومؑ ہیں۔ پھر رسالت مآبؐ نے دیکھا کہ چادر پھیلانے کا عمل گھر میں کیا گیا ہے اسے عام صحابہ نے نہیں دیکھا اسی لیے آپ اپنے صحابہ کو آیت تطہیر کے وارث دکھانے کے لیے چھ یا آٹھ ماہ تک روزانہ علیؑ و بتولؑ کے دروازہ پر تشریف لاتے رہے اور ان کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے آیت تطہیر کی تلاوت کرتے تھے اس سے آپ کا مقصد اول و آخر یہی تھا کہ میرے تمام صحابی دیکھ لیں کہ آیت تطہیر کے وارث علیؑ و بتولؑ اور حسنینؑ کریمین ہیں۔

ہم اپنے قارئین کرام سے درخواست کرتے ہیں کہ چند لمحات کے لیے یہاں رک جائیے اور دیکھیے رسول خدا ہر نماز کے وقت علیؑ و بتولؑ کے دروازہ پر آ کر آیت تطہیر پڑھتے تھے۔ ایک دن میں پانچ نمازیں ہوتی ہیں اور ایک ماہ میں ایک سو پچاس نمازیں ہوتی ہیں اور چھ ماہ میں نو سو نمازیں بنتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام نو سو بار علی و بتول کے دروازے پر تشریف لے گئے اور وہاں کھڑے ہو کر آیت تطہیر کی تلاوت کی۔

۱۔ مجمع الزوائد ۹/۱۶۹۔ کتاب میں "سبعة عشر شهرا" کے الفاظ ہیں یعنی سترہ ماہ تک رسول خداؐ یہی عمل دہراتے رہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ کتابت کی غلطی سے ایسا لکھا گیا اور اصل لفظ "سبعة اشهر" ہے۔

۲۔ مسند احمد ۳/۲۵۲۔ طیالسی ۷/۲۷۴ حدیث ۲۵۰۹۔ اسد الغابہ ۵/۵۲۱۔ تفسیر ابن جریر و درمنثور سیوطی در ذیل آیت تطہیر۔

مگر یہ دیکھ کر ہمیں شدید تعجب ہوتا ہے کہ جو عمل رسول خداؐ نے نو سو بار کیا اور اپنی امت کو نو سو مرتبہ تطہیر والوں کا دروازہ دکھایا' اس کے باوجود آج بھی مسلمان آیت تطہیر میں دوسروں کو شامل کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ جب مسلمان نو سو دفعہ کے مسلسل عمل کو یاد نہ رکھ سکے تو وہ رسول خدا کے ایک دو بار کے عمل کو کیسے یاد رکھیں گے؟

قرآن مجید کی یہ آیت اور رسول خدا سے مروی اس کی عملی و قولی تفسیر عصمت اہل بیتؑ کی واضح ترین دلیل ہے۔

کردارِ اہل بیتؑ کی عظمت

ہمارے قارئین اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ کتب تاریخ مکتب خلافت سے وابستہ افراد نے مرتب کی ہیں اور اموی و عباسی خلفاء کی تاریخ لکھنے والے علماء اس حقیقت سے واقف تھے کہ سلاطین' آل محمدؑ کے مخالف تھے اور انہیں ہر وقت اذیت دینے کی فکر میں رہتے تھے اور آل محمدؑ کو زندانوں میں رکھتے تھے اور انہیں شہید کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ آلِ محمدؑ کا تذکرہ تک دنیا میں موجود نہ رہے۔ انہوں نے ہر طرح سے آل محمد کو مٹانے کی مذموم کوشش کی اور آل محمدؑ ہمیشہ ان کے ظلم و ستم سہتے رہے اور اموی سلاطین کو آل محمد ؑ سے اس قدر عداوت تھی کہ جمعہ و عیدین کے خطبات میں امیر المومنین اور حسنین کریمینؑ پر سب و شتم کیا کرتے تھے۔ مگر اس کے باوجود ان کے پروردہ مورخین کی کتابیں پڑھیں۔ آپ کو ان کی کتابوں میں آل محمدؑ کی مظلومیت دکھائی دے گی ان کی زندگی میں آپ کو کوئی غلطی اور خطا نظر نہیں آئے گی۔ آل محمدؑ کے بدترین دشمن بھی ان کے کردار کی کوئی غلطی یا ہلکی سی لغزش آج تک پیش نہیں کر سکے اور اس کی مد

وجہ صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ہر رجس کو دور رکھا ہے اور انہیں تطہیر کا وارث قرار دیا ہے۔

اہل بیت کی عصمت کے اثبات کے لیے آیت تطہیر ہی کافی ہے اور یہی آیتِ مجیدہ رہتی دنیا تک اہل بیت کی عصمت و طہارت کو ثابت کرتی رہے گی۔ عصمتِ اہلِ بیت کی بحث کے بعد ہم رسولؐ خدا کی چند نصوص پیش کرنا چاہتے ہیں جو امامت اہلِ بیت پر دلالت کرتی ہیں اور رسولؐ خدا کے فرمان کے متعلق اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ آپ کی تمام تر گفتگو وحی الٰہی کے تابع ہوتی تھی اور آپ اپنی خواہش کے تحت کبھی کلام نہیں کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى.

(النجم:۳۔۴)

''اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا اس کا کلام وہی وحی ہے جو مسلسل نازل ہوتی رہتی ہے۔''

تعیین اولی الامر کے لیے رسولؐ کریم کا اہتمام

تعیین اولی الامر کی احادیث نقل کرنے سے قبل ہم یہ دیکھیں گے کہ رسولؐ خدا کو امرِ خلافت کی کتنی فکر رہتی تھی۔

رسولؐ خدا کی جانشینی کا معاملہ نہ تو آپ کی نگاہوں سے اوجھل تھا اور نہ ہی اس وقت کے لوگوں سے مخفی تھا۔ رسولؐ خدا نے ایام حج میں بنی عامر بن صعصعہ کو اسلام کی دعوت دی تو ان کے ایک سردار بحیرہ نے کہا تھا کہ اگر آپ اپنی جانشینی ہمارے سپرد کرنے کا وعدہ کریں تو ہم آپ کی ہر طرح سے مدد کرنے پر تیار ہیں۔

اور اسی طرح کا مطالبہ ہوذہ حنفی نے بھی آپ سے کیا تھا۔تاریخ و سیرت میں ان افراد کا یہ مطالبہ موجود ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس وقت کے افراد بھی منصب خلافت سے بے بہرہ نہیں تھے اور اگر بالفرض وہ اس منصب کی قدر و قیمت سے بے بہرہ ہوتے تو وہ آپ سے خلافت کا مطالبہ ہی کیوں کرتے؟

یہ تصویر کا ایک رخ ہے اوراس تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ بھی اپنے جانشین کے لیے ہمیشہ زمین ہموار کرتے تھے اور آپ نے عقبہ ثانیہ کی بیعت میں انصار سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ آپ کے جانشین کی اطاعت کریں گے۔

بخاری و مسلم نے صحیحین میں، نسائی اور ابن ماجہ نے اپنے سنن میں، مالک نے موطا میں اور احمد نے مسند میں یہ روایت کی ہے۔[1] جب کہ بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔

قال عبادة بن الصامت: بایعنا رسول اللّٰہ (ص) علی السمع والطاعة فی (العسر والیسر) والمنشط والمکره و ان لا ننازع الامر اھله......

"عبادہ بن صامت نے کہا کہ ہم نے رسول خداؐ کی بیعت کی کہ ہم آپ کا فرمان سنیں گے اور اس کی اطاعت کریں گے چاہے ہمیں تنگی ہو یا آسانی ہو۔ اور ہم خوشی اور غم میں سمع و طاعت سے کام لیں گے اور یہ کہ ہم حکمرانی کے اہل سے جھگڑا نہیں کریں گے۔"

یہ روایت عبادہ بن صامت کی ہے اور عبادہ رسول خداؐ کے نقباء میں سے ایک نقیب تھے اور آنحضرتؐ نے عقبہ ثانیہ کے موقع پر مدینہ کے ستر افراد سے بیعت کی تھی اور آپ نے ان سے فرمایا تھا کہ تم اپنے میں سے بارہ افراد کا انتخاب کرو۔ چنانچہ اہل مدینہ نے بارہ افراد کا انتخاب کیا تھا اور ان میں عبادہ بن صامت بھی شامل تھے۔

آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا تھا کہ تم بارہ میرے نقیب ہو اور جس طرح

---

۱. صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب کیف یبایع الامام الناس حدیث نمبر ا، ۱۶۳/۴ . صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیةٌ و تحریمھا فی المعصیة حدیث نمبر ا ۴، ۴۲. سنن نسائی، کتاب البیعة، باب البیعة علی ان لا ننازع الامراھله. سنن ابن ماجه، کتاب الجهاد، باب البیعة حدیث نمبر ۲۸۶۶ . مؤطا مالک، کتاب الجهاد، باب الترغیب فی الجهاد حدیث ۵ مسند احمد نمبر۵ / ۳۱۴. ۳۱۶. ۳۱۹. ۳۲۱ بمعه جلد نمبر۴/ ۴۱۱. سیر اعلام النبلاء در حالات عبادہ نمبر ۳/۲. تھذیب ابن عساکر نمبر۷/ ۲۰۷ ۲۱۹

سے حضرت عیسیٰ کی طرف سے ان کے حواری ان کی امت کے کفیل تھے اسی طرح سے تم بھی اہل مدینہ کے کفیل ہو۔ چنانچہ اہل مدینہ کے بارہ نقباء میں سے ایک نقیب نے اپنی شرائط بیعت بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہماری بیعت کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ ہم صاحبان امر سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ اس حدیث صحیح کے مطابق رسول خداؐ نے انصار کے سامنے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ صاحبان امر سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ مگر ہم تاریخ کے اوراق میں یہ دلخراش واقعہ بھی دیکھتے ہیں کہ وفات رسولؐ کے فوراً بعد انصار نے سقیفہ میں جو اجتماع منعقد کیا تھا اس کا مقصد ہی صاحبانِ امر سے جھگڑنا تھا۔

آیئے ہم دیکھیں کہ وہ "امر" کیا تھا جس کے متعلق رسول خدا نے انصار سے بیعت لی تھی کہ وہ صاحب امر سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ یہ وہی امر ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ...... (النساء. ۵۹)

"ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ اور جو تم میں سے صاحبانِ امر ہوں ان کی اطاعت کرو۔"

حضرت رسولؐ خدا نے انصار سے بیعت لیتے وقت یہ اقرار لیا تھا کہ وہ صاحبانِ امر سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ مگر اس روایت میں ہمیں یہ بات کہیں دکھائی نہیں دیتی کہ آپ نے ان کے سامنے اپنے جانشین اور ولی امر کا نام بھی لیا ہو اور نام نہ لینے میں یہ حکمت تھی کہ آپ کے جانشین کا تعلق قبیلہ انصار سے نہیں تھا اور آپ نے حکمت نبوت سے یہ محسوس کیا کہ اگر ابھی سے انہیں اپنے جانشین کے متعلق بتا دیا گیا تو ممکن ہے کہ ان میں سے بعض افراد اسے برداشت نہ کر سکیں۔

اسی لیے آپ نے ان کے سامنے اپنے جانشین کا نام نہیں لیا اور اس کے عوض ان سے یہ شرط تسلیم کرائی کہ جیسے ہی جانشین کا اعلان کیا جائے گا وہ اسے دل و جان سے قبول کریں گے اور اس سے کسی طرح کا جھگڑا نہ کریں گے۔

دعوت ذوالعشیرہ اور مسئلہ خلافت

اصل حقیقت یہ ہے کہ رسول خداؐ اس بیعت عقبہ سے بہت عرصہ پہلے دعوت ذوالعشیرہ میں اپنے جانشین کا اعلان کر چکے تھے جیسا کہ طبری‘ ابن عساکرؒ ابن اثیر‘ ابن کثیر اور متقی نے اس دعوت کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ طبری کے یہ الفاظ ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ. (الشعراء:۲۱۴)

''اے پیغمبر اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔'' کی آیت نازل ہوئی تو رسول خداؐ نے مجھے بلا کر فرمایا:

علی! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قربی رشتہ داروں کو تبلیغ دین کروں جس کی وجہ سے میں انتہائی پریشان ہوا اور میں نے کہا کہ میں جب بھی دین کی تبلیغ کروں گا مجھے تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا اسی لیے میں خاموش رہا۔ پھر میرے پاس جبریل آئے اور اس نے کہا: محمدؐ! اگر آپ نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل نہ کی تو آپ کا رب آپ کو عذاب دے گا۔ لہٰذا اب تم ایک صاع (تین کلو گرام) آٹے کی روٹیاں پکواؤ اور بکری کی ایک ران کا سالن تیار کرو اور دودھ کا ایک پیالہ لاؤ‘ پھر تم عبدالمطلب کی اولاد کو دعوت دو میں ان سے گفتگو کروں گا اور انہیں خدا کا پیغام پہنچاؤں گا۔

میں نے رسول خداؐ کے فرمان کی تعمیل کی اور میں نے اولادِ عبدالمطلب میں سے کم و بیش چالیس افراد کو دعوت طعام دی اور ان میں آپ کے چچا ابو طالب، حمزہ، عباس اور ابولہب بھی شامل تھے۔

جب تمام لوگ آ گئے تو رسول خداؐ نے مجھے فرمایا کہ تم تھوڑا سا کھانا لے آؤ۔ میں کھانا لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس میں سے گوشت کے ایک ٹکڑے کو اپنے دانتوں سے ریزہ ریزہ کیا اور پھر اسے کھانے کے کنارے رکھ دیا اور حاضرین سے فرمایا کہ خدا کا نام لے کر کھانا کھاؤ۔

سب لوگوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا جب کہ کھانا ویسے کا ویسا ہی بچا رہا اور اس میں صرف ان کی انگلیوں کے نشان دکھائی دیتے تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں علیؑ کی جان ہے کھانا صرف اتنا تھا کہ جسے ایک آدمی ہی کھا سکتا تھا مگر حضورؐ کی برکت سے سب کو کافی ہو گیا۔

پھر آپ نے مجھے فرمایا کہ حاضرین کو دودھ پلاؤ۔ میں دودھ کا پیالہ لے کر آیا۔ سب نے جی بھر کر دودھ پیا جب کہ دودھ کی مقدار صرف ایک آدمی ہی کو کافی ہو سکتی تھی۔

پھر رسول خداؐ نے گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تو ابولہب آپ سے پہلے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔ تمہارے ساتھی نے تم پر بہت سخت قسم کا جادو کیا ہے۔ اس کے یہ الفاظ سن کر سب لوگ اٹھ کر چلے گئے اور رسول خداؐ گفتگو نہ کر سکے۔ دوسرے دن رسول خداؐ نے مجھ سے فرمایا: کل اس شخص نے مجھے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا جسے تم نے بھی سنا تھا اور میں چاہتا ہوں کہ تم آج بھی کل کی طرح سے دعوت کا انتظام کرو اور ان سب لوگوں کو دعوت پر بلاؤ۔

حضرت علیؑ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کے فرمان کی تعمیل کی اور لوگوں کو

اکٹھا کیا۔ جب سب لوگ آ گئے تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ کھانا میرے پاس لاؤ۔ میں کھانا لے کر گیا تو آپ نے کل کی طرح سے ایک گوشت کے ٹکڑے کو اپنے دانتوں سے ریزہ ریزہ کیا اور اسے کھانے میں شامل کیا۔ پھر لوگوں کو کھانا کھانے کا حکم دیا۔

سب لوگوں نے جی بھر کر کھانا کھایا۔ پھر آپ نے مجھ سے دودھ طلب کیا۔ میں دودھ کا پیالہ لایا۔ سب نے خوب اچھی طرح سے دودھ پیا۔ پھر رسول خداؐ نے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

اے اولاد عبدالمطلب! پورے عرب میں میں کسی جوان کو نہیں جانتا جو اپنی قوم کے پاس مجھ سے بہتر پیغام لے کر آیا ہو۔ میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی دعوت دوں تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میری مدد کرے اور وہ میرا بھائی' میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ بنے؟ تمام لوگ خاموش رہے۔ اس وقت میں سب سے کم سن تھا اور میری آنکھیں آشوب زدہ تھیں اور میری پنڈلیاں کمزور تھیں' میں نے اٹھ کر کہا۔ یا رسول اللہؐ! میں آپ کا بوجھ بانٹا گا۔ رسول خدا نے میری گردن سے پکڑ کر فرمایا:

ان هذا اُخی و وصیی و خلیفتی فیکم فا سمعوا له و اطیعوا.

"یہ میرا بھائی اور میرا وصی اور تمہارے درمیان میرا خلیفہ ہے۔
تم اس کے فرمان کو سنو اور اطاعت کرو۔"

حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ لوگ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو طالب سے کہنے لگے محمدؐ نے تجھے حکم دیا ہے کہ تو اپنے بیٹے کا فرمان سن اور اس کی اطاعت کر۔

دعوت ذوالعشیرہ اعلانِ نبوت کے تیسرے سال منعقد ہوئی اور اسی اجلاس میں رسول خداؐ نے کھل کر اپنی نبوت کا پیغام دیا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تھی اور اسلام کی اس کھلی دعوت کے وقت ہی رسول خداؐ نے اپنے خاندان کے افراد کو اپنے جانشین اور امت کے امام کا تعارف کرا دیا تھا۔

دعوت ذوالعشیرہ کے دس سال بعد جب رسول خداؐ نے اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے عقبہ ثانیہ میں انصار سے بیعت لی تو ان کے سامنے اپنے جانشین کا اعلان نہیں کیا تھا بلکہ اس کی بجائے ان سے یہ وعدہ لیا تھا کہ وہ اپنے صاحبانِ امر سے اختلاف اور تنازعہ نہیں کریں گے۔

انصار کے سامنے بیعت عقبہ کے وقت رسول خداؐ نے اپنے جانشین کا تعارف اس لیے نہیں کرایا تھا کہ آپ جانتے تھے کہ ان کے معاشرہ کی بنیاد قبائلی نظام پر قائم ہے۔ اسی لیے مصلحت نبوت آپ کو اجازت نہیں دیتی تھی کہ آپ ان کے سامنے کسی ایسے خلیفہ کا اعلان کریں جو انصار میں سے نہ ہو۔ اب اس مقام پر ایک خوبصورت سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب رسول خداؐ اپنی فراست نبوت سے جانتے تھے کہ دعوت ذوالعشیرہ کے بھرے مجمع میں سے علیؑ کے علاوہ کوئی بھی ان کی مدد پر تیار نہ ہوگا تو پھر آپ نے حاضرین کے سامنے یہ اعلان کیوں کیا کہ آیا تم میں سے کوئی ہے جو میری مدد کرے وہ میرا وصی، وزیر اور بھائی اور جانشین ہوگا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنگ بدر کے انجام سے پہلے ہی باخبر کر دیا تھا اور آپ کو مشرکین کے قتل کے مقامات تک دکھائے جا چکے تھے مگر اس کے باوجود بھی آپ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا اور مقصد یہ تھا کہ ان کے نفوس کی تربیت بھی ہو جائے اور ان کے مافی الضمیر کا اظہار بھی ہو جائے۔

اسی طرح سے آپ کو وصایت و خلافت کے حقدار کا بھی علم تھا مگر آپ

نے حاضرین کے سامنے اپنی مدد و اعانت کی شرط رکھی اور فرمایا جو میری مدد کرے گا وہ میرا بھائی، وصی اور میرا خلیفہ ہو گا۔

اگر آپ اس طرح کا اعلان کیے بغیر حضرت علیؑ کی خلافت و وصایت کا اعلان کر دیتے تو ممکن ہے کہ حاضرین میں سے کچھ لوگ یہ کہتے کہ ہم بھی رسول خداؐ کی مدد پر آمادہ تھے مگر رسول خداؐ نے ہم سے کچھ کہے سنے بغیر ہی علیؑ کی وصایت و خلافت کا اعلان کر دیا تھا، اسی لیے آپ نے اتمام حجت فرمائی اور عملی طور پر ثابت کیا کہ میں نے علیؑ کو ویسے ہی وصایت و خلافت کا عہدہ نہیں دیا بلکہ اس نے یہ عظیم عہدہ اپنی خدمات کی وجہ سے حاصل کیا ہے۔

دعوت ذوالعشیرہ میں آپ نے اپنے خلیفہ کا اعلان کیا اور بیعت عقبہ میں انصار سے یہ اقرار لیا کہ وہ آپ کے بعد آپ کے جانشین کی مخالفت نہیں کریں گے۔ ان دونوں واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول خداؐ اپنی جانشینی کے مسئلہ کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔

غزوات میں رسولؐ خدا کے جانشین

کتب سیرت و تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خداؐ اپنی جانشینی کے مسئلہ کے متعلق انتہائی حساس تھے اور آپ جب بھی غزوات کے لیے چند روز کے لیے مدینہ سے باہر جاتے تو آپ اپنا جانشین مقرر کر کے مدینہ سے روانہ ہوتے تھے۔

تاریخ میں آپ کو ایک بھی ایسا موقع دکھائی نہیں دے گا جب آپ نے خلیفہ مقرر کیے بغیر مدینہ چھوڑا ہو۔ ذیل میں ہم سالانہ ترتیب سے آپ کے جانشینوں کا ذکر کرتے ہیں۔

۲ھ

۱۔ ماہ صفر ۲ھ میں آپ کو جہاد کی اجازت ملی تو آپ قریش کے تجارتی قافلہ کو روکنے کے لیے چند صحابہ کو ساتھ لے کر مقام ودان وابوا تک گئے اور اس مہم میں آپ کے پندرہ دن صرف ہوئے۔ اس مہم کے موقع پر آپ نے قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔

۲۔ ماہ ربیع الاول ۲ھ میں آنحضرت غزوہ ''بواط'' کے لیے گئے تو آپ نے قبیلہ اوس کے ایک سردار سعد بن معاذ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔

۳۔ کرز بن جابر نے مدینہ کی چراگاہ کو تاراج کیا تھا۔ آنحضرتؐ اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور آپ نے مقام ''سفوان'' تک اس کا تعاقب جاری رکھا مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔اس مہم کے موقع پر آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کو اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا۔

۴۔ ماہ جمادی الاول یا جمادی الثانی ۲ھ میں آپ قریش کے تجارتی قافلہ کو جو کہ شام کی طرف جا رہا تھا' روکنے کی غرض سے مقام ''ذی العشیرہ'' تک گئے تھے۔ مگر قافلہ آپ کے ہاتھ نہ آیا اور جب یہ قافلہ شام سے واپس مکہ آ رہا تھا تو اس وقت جنگ بدر واقع ہوئی۔ اس مہم کے دوران آپ نے ابوسلمہ مخزومی کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ (۱)

۵۔ غزوہ بدر کبریٰ کے سلسلہ میں آنحضرتؐ انیس دن کے لیے مدینہ سے غائب رہے اور آپ نے اپنی عدم موجودگی میں ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین نامزد کیا۔

۱۔ مقام عشیرہ مدینہ منورہ سے ایک سو دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ کتاب التنبیہ۔

۶۔ غزوہ بنی قینقاع کے وقت آپ نے ابولبابہ انصاری کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۷۔ جنگ بدر کی شکست کی وجہ سے ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک میں اس جنگ کا بدلہ نہ لوں گا اس وقت تک نہ خوشبو لگاؤں گا اور نہ ہی اپنی بیوی سے مقاربت کروں گا۔

چنانچہ وہ اپنی قسم کو پورا کرنے کے لیے دو سو سوار لے کر مدینہ کے قریب آیا۔ آنحضرتؐ کو اس کی نا ٓمد کا علم ہوا تو آپ ایک لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ ادھر ابوسفیان کو بھی رسول خداؐ کی آمد معلوم ہوگئی تو اس نے واپسی کی راہ لی اور اپنے اونٹوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ''ستو'' کی تھیلیاں پھینک کر چلا گیا۔

عربی زبان میں ''ستو'' کو سویق کہا جاتا ہے۔ اسی لیے اس مہم کو غزوہ سویق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس مہم پر روانہ ہوتے وقت بھی آپ نے ابو لبابہ انصاری کو اپنا جانشین نامزد کیا۔

۳ھ

۸۔ رسول خدا پندرہ محرم ۳ھ کو سلیم و غطفان قبائل کی سرکوبی کے لیے قَرقَرَۃُالکُدر کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں آپ کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس مہم کے دوران آپ نے ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۹۔ جمادی الثانی ۳ھ میں آپ دس دن کے لیے **غزوہ فران** کے لیے مدینہ سے غائب رہے اور آپ نے اس عرصہ کے لیے ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۱۰۔ قبیلہ غطفان کی شرارتوں کے سدباب کے لیے آپ **''ذی امر نجد''** کی طرف روانہ ہوئے اور اس مہم میں آپ کے دس دن صرف ہوئے۔ آپ نے اس عرصہ کے لیے عثمان بن عفان کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۱۱۔ غزوہ احد کے لیے آپ مدینہ سے صرف ایک دن کے لیے غائب ہوئے اور آپ نے اس مدت کے لیے ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۱۲۔ آپ غزوہ حمراء الاسد کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ مقام مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ آپ کو معلوم ہوا کہ ابوسفیان ایک لشکر لے کر مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو آپ اس سے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ابوسفیان آپ کی آمد سن کر بھاگ گیا۔ آپ وہاں تین دن تک رہے پھر مدینہ واپس آ گئے۔ اس دوران میں آپ نے ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۴ھ

۱۳۔ اس سال آپ کو غزوہ بنی نضیر پیش آیا۔ آپ نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کیا۔ پھر ایک معاہدہ کے بعد انہیں وہاں سے جلا وطن کر دیا۔ اس غزوہ کے دوران میں آپ نے ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۱۴۔ آنحضرتؐ غزوہ بدر ثالثہ کے لیے سولہ دن تک مدینہ سے غائب رہے اور آٹھ دن تک مقام بدر پر ابوسفیان اور اس کے لشکر کا انتظار کرتے رہے جب کہ ابوسفیان لشکر لے کر مکہ سے عسفان تک آیا۔ پھر لڑائی کیے بغیر واپس چلا گیا۔ اس مہم کے لیے آپ نے عبداللہ بن رواحہ انصاری کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۵ھ

۱۵۔ غزوہ ذات الرقاع کے لیے آپ پندرہ دن تک مدینہ سے باہر رہے۔ آپ دس محرم ۵ھ کو مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ شرارتی قبائل آپ کی آمد کی خبر سنتے ہی پہاڑوں اور گھاٹیوں میں جا چھپے اور آپ لڑائی کیے بغیر

مدینہ واپس تشریف لائے۔ ان ایام کے لئے آپ نے عثمان بن عفان کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۱۶۔ آپ غزوہ دومۃ الجندل کے لیے اسی سال روانہ ہوئے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں کا حاکم اکیدر بن عبدالملک جو کہ عیسائی مذہب سے تعلق رکھتا تھا' مدینہ کے تجارتی قافلوں کو تنگ کر رہا تھا۔ اسی لیے آپ لشکر لے کر اس کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے اور آپ کی یہ مہم حکومت روم کے خلاف پہلی مہم تھی اور اس مہم پر روانگی کے وقت آپ نے عبداللہ بن ام مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۱۷۔ آپ غزوہ بنی مصطلق کے لیے اٹھارہ دنوں کے لیے مدینہ سے غائب ہوئے تو آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۱۸۔ جنگ خندق کے دوران میں جب کہ آپ مدینہ ہی میں قیام پذیر تھے اور مدینہ کے تحفظ کے لیے خندق کے قریب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے تو آپ نے اس مہم کے آغاز کے وقت ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۱۹۔ غزوہ بنی قریظہ کے سلسلہ میں آنحضرتؐ نے ان کا پندرہ دن تک محاصرہ کیا تھا اور محاصرہ کا آغاز تیئیس ذی القعدہ سے ہوا تھا۔ اس عرصہ کے لیے آپ نے ابو رہم غفاری کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۶ھ

۲۰۔ اس سال آپ غزوہ بنی لحیان کے لیے روانہ ہوئے اور بنی لحیان قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ ہے اور وہ عسفان کے قریب رہائش پذیر تھے۔ اس مہم میں آپ کے چودہ دن صرف ہوئے اور دشمن کی طرف سے کسی قسم

کی مزاحمت دیکھنے میں نہ آئی۔ اس عرصہ کے لیے آپ نے ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۲۱۔ آپ غزوہ ذی قرد کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ مقام مدینہ سے دو دن کی مسافت پر واقع ہے اور اس مہم میں آپ کے پانچ دن صرف ہوئے اس عرصہ کے لیے آپ نے ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۲۲۔ غزوہ حدیبیہ کے موقع پر آپ نے ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا اور یہاں جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی تھی اور مشرکین مکہ سے معاہدہ طے پایا تھا۔

۷ھ

۲۳۔ غزوہ خیبر کے موقع پر آپ نے سباع بن عرفطہ کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ خیبر مدینہ سے چھیانوے میل کے فاصلہ پر یہودیوں کا مضبوط گڑھ تھا اور اس کے آس پاس بھی یہودی آبادی رہائش پذیر تھی۔ آپ نے خیبر کو فتح کیا پھر وادی القریٰ کا محاصرہ کیا اور اسے بھی فتح کیا اور اسی مہم کے آخر میں آپ نے اہل یتماء سے مصالحت فرمائی۔

۲۴۔ آپ عمرہ قضا کی ادائیگی کے لیے چھ ذی القعدہ ۷ھ کو مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس عرصہ کے لیے آپ نے سباع بن عرفطہ غفاری کو اپنا جانشین نامزد کیا۔

۸ھ

۲۵۔ غزوہ مکہ کے وقت آپ نے ابو رہم غفاری کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۲۶۔ فتح مکہ کے بعد آپ غزوہ حنین کے لیے روانہ ہوئے اور اس پورے عرصہ میں ابو رھم غفاری آپ کی نیابت کرتے رہے۔

۲۷۔ غزوہ تبوک کے وقت آپ نے حضرت علی بن ابی طالب کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ تبوک مدینہ سے نوے فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ جنگ تبوک آنحضرتؐ کی زندگی کی آخری جنگ تھی۔

اگر خیبر اور وادی القریٰ کے غزوات کو علیحدہ علیحدہ شمار کیا جائے تو آپؐ کی زندگی میں غزوات کی تعداد اٹھائیس ہو گی ورنہ ستائیس ہو گی۔

سن دو ہجری سے سن آٹھ ہجری تک کے خلفاء کا ذکر ہم نے مسعودی کی کتاب ''التنبیہ والاشراف'' سے نقل کیا ہے۔ حضور اکرمؐ کے مقرر کردہ خلفاء کے ناموں میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے لیکن غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت علیؑ کی جانشینی کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے۔

امام الحنابلہ مسند میں سعد بن ابی وقاص کی روایت سے لکھتے ہیں جب رسول خداؐ تبوک کی طرف روانہ ہونے لگے تو آپ نے حضرت علیؑ کو مدینہ میں اپنا جانشین نامزد کیا۔ حضرت علیؑ نے کہا: میری تو خواہش تھی کہ میں آپ کے ساتھ ہی باہر نکلتا۔

آپؐ نے فرمایا:

اوما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا بنی بعدی.

''کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تجھے مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔''

(مسند احمد ۱۔۱۷۷)

امام بخاری اپنی کتاب صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب غزوہ تبوک میں، سعد بن ابی وقاص کی زبانی لکھتے ہیں۔

رسول خداؐ تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے علیؑ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

علیؑ نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ **الا ترضیٰ ان تکون منی بمنزلة هارون من موسٰی الا انه بنی بعدی.** کیا تو راضی نہیں کہ تجھے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہو جو ھارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ (1)

(صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب غزوۃ تبوک ۳/۵۸)

اسی حدیث منزلت کو امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں سعد بن ابی وقاص کی زبانی نقل کیا ہے۔

سعد کہتے ہیں کہ رسول خداؐ نے ایک جنگ کے موقع پر حضرت علیؑ کو اپنا جانشین مقرر کیا تو حضرت علیؑ نے عرض کی ''آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ پیچھے چھوڑ رہے ہیں؟''

رسول خداؐ نے فرمایا:

وما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلة هارون من موسٰی الا انه نبوة بعدی.

۱۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضل علی بن ابی طالب حدیث ۳۲۔ مسند ابو داؤد طیالسی ۱/۲۹۔ حلیۃ الاولیاء ابونعیم ۷/۱۹۵۔۱۹۶۔ مسند احمد ۱/۱۷۳۔۱۸۲۔۳۳۰ و جلد چہارم ص ۱۵۳۔ تاریخ بغداد ۱۱/۴۳۲۔ خصائص نسائی ۸،۱۶۔ طبقات ابن سعد ۳/ق ۱/۱۵۔

''کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تجھے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھی لیکن میرے بعد نبوت نہ ہوگی۔''

اس تمام تر بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی مدینہ سے ایک یا زیادہ دنوں کے لیے روانہ ہوئے تو آپ جانشین مقرر کیے بغیر نہیں گئے۔ ہم دیکھتے ہیں جنگ احد جو کہ مدینہ کے بالکل قریب واقع ہوئی تھی اور آپ صرف ایک دن کے لیے وہاں روانہ ہوئے تھے تو اس قلیل ساخت اور قلیل وقت کے لیے بھی آپ نے خلیفہ مقرر کیا اور پھر یہ دیکھ کر ہمیں فراست رسولؐ کی داد دینا پڑتی ہے کہ آپ غزوہ خندق کے دوران جب کہ آپ مدینہ ہی میں قیام پذیر تھے اور آپ کی ذمہ داریاں بڑھ گئی تھیں تو آپ نے اس موقع پر بھی اپنا جانشین بنایا اور اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی مصروفیت بڑھنے کی وجہ سے اہل شہر کے معاملات معطل نہ ہوں۔

اب ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ کر فیصلہ کریں کہ جب رسول خداؐ ایک دن کے لیے بھی کہیں جاتے تو بھی آپ کسی نہ کسی کو جانشین مقرر کرتے تھے' خدارا سوچیے کہ جس ذات عالیہ کو امت کی اتنی زیادہ فکر ہو وہ امت میں جانشین مقرر کیے بغیر دنیا سے کیسے رخصت ہو سکتے ہیں؟ اور عقل سلیم یہ بات ماننے پر آمادہ نہیں ہے کہ رسول کریمؐ امت کو سہارے اور مرجع کے بغیر چھوڑ جائیں اور کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہ کریں اور یوں امت میں سر پھٹول ہوتی رہے!

وصیت درِ امم سابقہ

اس بحث کا آغاز ہم انبیائے سابقین کی سیرت سے کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی امتوں کے لیے کوئی وصی مقرر کیے تھے یا نہیں؟

مسعودی نے حضرت آدم سے لے کر حضرت خاتم الانبیاء تک انبیاء و اولیاء کے پورے سلسلہ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ مسعودی لکھتے ہیں:

- حضرت آدم کے وصی ہبۃ اللہ تھے جنہیں عبرانی میں شیث کہا جاتا ہے۔
- ابراہیم علیہ السلام کے وصی حضرت اسماعیلؑ تھے۔
- حضرت یعقوب کے وصی حضرت یوسفؑ تھے۔
- حضرت موسیٰ کے وصی یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف تھے۔ ان کے زمانہ خلافت میں حضرت موسیٰ کی زوجہ صفورا نے ان کے خلاف بغاوت کی تھی۔
- حضرت عیسیٰؑ کے وصی شمعون تھے۔
- خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی حضرت علی بن ابی طالب اور ان کی نسل کے گیارہ امام تھے۔

(اثبات الوصیہ مسعودی، مطبع حیدریہ نجف اشرف ص ۵-۷۰)

اور ہم یہاں تین اوصیاء کے ذکر پر اکتفا کرنا چاہتے ہیں۔

ا۔ شیثؑ کے نام آدمؑ کی وصیت

یعقوبی حضرت آدمؑ کی شیثؑ کے نام وصیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لما حضر ادم الوفاة...... جعل وصيته الى شيث.

''حضرت آدمؑ نے اپنی وفات کے وقت شیث کو اپنا وصی مقرر کیا۔''

طبری لکھتے ہیں: ھبۃ اللہ کو عبرانی زبان میں شیث کہا جاتا ہے اور آدم علیہ السلام نے انہیں اپنا وصی مقرر کیا تھا اور آپ نے اپنی وصیت تحریر کر کے ان کے حوالے کی تھی اور اس تحریر میں آپ نے انہیں اپنا وصی مقرر کیا تھا۔ مسعودی رقم طراز ہیں: جب حضرت آدم اپنی وصیت شیث کے حوالے کر چکے تو اس سے فرمایا۔ اس وصیت کی حفاظت کرنا اور اس کی تحریر پر عمل کرنا۔ پھر حضرت آدم کی وفات ہوگئی۔ ابن اثیر لکھتے ہیں:

''شیث'' عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا عربی میں ترجمہ ''ہبۃ اللہ'' بنتا ہے اور آپ حضرت آدم کے وصی تھے۔ جب حضرت آدم کی وفات ہونے لگی تو انہوں نے شیث کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں:

شیث کے معنی ''ہبۃ اللہ'' کے ہیں۔ حضرت آدم نے اپنی وفات کے وقت اپنا عہد ان کے سپرد کیا تھا۔

ب۔ حضرت موسیٰ کی یوشع پر نص

توراۃ میں ہے کہ حضرت یوشع بن نون' حضرت موسیٰ کے ساتھ طور سینا پر براجمان تھے اور انہوں نے گیوسالہ بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی۔

تورات کے باب گنتی کے ستائیسویں باب کی یہ آیات ملاحظہ فرمائیں۔

موسیٰ نے خداوند سے کہا کہ! خداوند سارے بشر کی روحوں کا خدا کسی آدمی کو اس جماعت پر مقرر کرے جس کی آمد و رفت ان کے رو برو ہو اور وہ ان کو باہر لے جانے اور اندر لے آنے میں ان کا راہبر ہو تا کہ خداوند کی جماعت ان بھیڑوں کی مانند نہ رہے جن کا کوئی چرواہا نہیں۔ خداوند نے موسیٰ سے کہا تو نون کے بیٹے یشوع کو لے کر اس پر اپنا ہاتھ رکھ کیونکہ اس شخص میں روح ہے۔ اور اسے الیعزر کاہن اور ساری جماعت کے سامنے کھڑا کر کے ان کی آنکھوں کے سامنے وصیت کر۔ اور اپنے رعب داب سے اسے بہرہ ور کر دے تا کہ بنی اسرائیل کی ساری جماعت اس کی فرماں برداری کرے۔ وہ الیعزر کاہن کے آگے کھڑا ہوا تا کہ جو اس کی جانب سے خداوند کے حضور اوران کا حکم دریافت کرے گا اسی کے کہنے سے وہ اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت کے لوگ نکلا کریں اور اسی کے کہنے سے لوٹا بھی کریں۔ سو موسیٰ نے خداوند کے حکم کے مطابق عمل کیا اور اس نے یشوع کو لے کر اسے الیعزر کاہن اور ساری جماعت کے سامنے کھڑا کیا۔ اور اس نے اپنے ہاتھ اس پر رکھے اور جیسا خداوند نے اس کو حکم دیا تھا اسے وصیت کی۔

تورات' گنتی' باب ۲۷۔ آیات ۱۵۔۲۳۔ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی۔ لاہور۔ تورات کے سفر یوشع میں ان کی غزوات کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔

عربی زبان میں یشوع اور یوشع کو لفظ ''الیسع'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور سورہ انعام کی آیت ۸۶ اور سورہ صٓ کی آیت ۴۸ میں ان کا نام لیا گیا ہے۔ تاریخ یعقوبی میں مذکورہ ہے۔

جب حضرت موسیٰ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ یوشع بن نون کو ''قبۃ الرمان'' میں داخل کرے اور اسے برکت دے اور اس

کے لیے اپنا ہاتھ اس کے جسم پر رکھے تا کہ اس میں برکت منتقل ہو جائے اور اسے وصیت کرے کہ وہ بنی اسرائیل میں ان کا قائم مقام ہو۔

وصی موسیٰ اور وصی مصطفیٰ میں مشابہت

رسولؐ خدا مثیل موسیٰ ؑ تھے اور ان کے وصی مثیل یوشع ؑ تھے۔ حضرت علیؑ اور یوشع میں بہت سی مشابہت پائی جاتی ہے۔

۱۔ حضرت یوشع موسیٰ کے ساتھ تورات لینے کے لیے کوہ طور پر گئے تھے اسی طرح سے نزول وحی کے وقت حضرت علی ؑ بھی رسول خداؐ کے ساتھ غار حرا میں تشریف لے گئے تھے۔

۲۔ حضرت یوشع نے باقی بنی اسرائیل کی طرح گئو سالہ کی عبادت نہیں کی تھی اسی طرح سے حضرت علی نے بھی پوری زندگی میں کبھی بت پرستی نہیں کی تھی۔

۳۔ حضرت یوشع اپنے دور کے موحد کامل تھے اور حضرت علی بھی اپنے زمانہ کے موحد اعظم تھے۔

۴۔ حضرت موسیٰ نے خدا سے درخواست کیا کہ وہ بنی اسرائیل پر کسی کو مقرر کرے تا کہ وہ ان بھیڑوں کی مانند نہ رہیں جن کا کوئی چرواہا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ یوشع کو اپنا جانشین مقرر کریں اور ان کی جانشینی کا اعلان سرعام کریں تا کہ کسی کو ان کی خلافت میں شک نہ رہے۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاء کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی امت کو بھیڑوں کے اس گلہ کی طرح سے نہ چھوڑیں جن کا کوئی چرواہا نہ ہو بلکہ ان پر علی بن ابی طالب کو مقرر کر کے جائیں اور حضرت علی کی تقرری کسی بند کمرے میں نہیں ہوئی بلکہ کھلے میدان میں (خم غدیر) لاکھوں کے مجمع میں ہوئی۔

۵۔ حضرت موسیٰ کو خدا نے حکم دیا تھا کہ وہ یوشع پر ہاتھ رکھ کر ان کی خلافت کا

اعلان کریں اور ادھر حضرت محمد مصطفیٰ کو خدا نے حکم دیا کہ وہ علی کا بازو پکڑ کر حاضرین کو دکھائیں۔

ان مشابہتوں کو دیکھ کر رسول خدا کا وہ فرمان بالکل سچا دکھائی دیتا ہے۔

میری امت پر بھی وہی حالات طاری ہوں گے جو بنی اسرائیل پر طاری ہوئے تھے اور اس میں بال برابر فرق نہیں ہوگا۔

اس حدیث کے مصادر کے لیے ہماری کتاب ''خمسون و مائۃ صحابی مختلق'' کی دوسری جلد کا مطالعہ فرمائیں۔

ج۔ شمعون وصی عیسیٰ کی روایت

کتاب مقدس میں شمعون نام کے دس افراد کا تذکرہ ملتا ہے جن میں سے ایک شمعون پطرس ہے اور ایک شمعون کا نام تورات میں سمعون ہے۔ انجیل متی میں ہے۔ پھر اس (حضرت عیسیٰ) نے اپنے بارہ شاگردوں کو پاس بلا کر ان کو ناپاک روحوں پر اختیار بخشا کہ ان کو نکالیں اور ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری کو دور کریں۔ اور بارہ رسولوں کے نام یہ ہیں۔ پہلا شمعون جو پطرس کہلاتا ہے......

(انجیل متی باب ۱۰۔ آیت ۱۔۲)

انجیل یوحنا کی یہ آیات ملاحظہ فرمائیں۔

اور جب کھانا کھا چکے تو یسوع نے شمعون پطرس سے کہا۔ اے شمعون! یوحنا کے بیٹے کیا تو ان سے زیادہ مجھ سے محبت رکھتا ہے؟ اس نے اس سے کہا: ہاں خداوندا تو تو جانتا ہی ہے کہ میں تجھے عزیز رکھتا ہوں۔ اس نے اس سے کہا۔ تو میری بھیڑیں چرا۔ اس نے دوبارہ اس سے پھر کہا: اے شمعون یوحنا کے بیٹے کیا تو مجھ سے محبت رکھتا ہے؟ اس نے کہا ہاں خداوند تو تو جانتا ہی ہے کہ میں تجھ کو عزیز رکھتا ہوں۔ اس نے اس سے کہا تو میری بھیڑوں کی گلہ بانی کر۔ اس نے تیسری بار اس

سے کہا اے شمعون یوحنا کے بیٹے کیا تو مجھے عزیز رکھتا ہے؟ چونکہ اس نے تیسری بار اس سے کہا کیا تو مجھے عزیز رکھتا ہے اس سبب سے پطرس نے دلگیر ہو کر اس سے کہا اے خداوند تو تو سب کچھ جانتا ہے تجھے معلوم ہی ہے کہ میں تجھے عزیز رکھتا ہوں۔ یسوع نے اس سے کہا تو میری بھیڑیں چرا۔ (انجیل یوحنا باب ۲۱۔ آیت ۱۵۔۱۷)

بھیڑیں چرانا امت کی رہنمائی کے لیے کنایہ ہے۔ قاموس کتاب مقدس میں ہے:

مسیح نے اسے کنیہ کی ہدایت پر متعین کیا۔

اسلامی کتابوں میں بھی شمعون کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ یعقوبی نے ان کا تذکرہ کیا ہے اور ان کا نام ''سمعان الصفا'' بیان کیا۔ مسعودی لکھتے ہیں:

وہ رومیہ پطرس میں قتل ہوئے اور یونانی زبان میں ان کا نام شمعون ہے اور عرب اسے ''سمعان'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کتاب معجم البلدان میں ''دیر سمعان'' کے متعلق مرقوم ہے:

''دیر سمعان'' دمشق کے نواح میں واقع ہے اور یہ گرجا ''سمعان'' کے نام سے منسوب ہے اور وہ نصاریٰ کے اکابر میں سے تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ شمعون الصفا تھے۔

ہم نے انبیائے سابقین میں سے بطور نمونہ تین انبیائے کرام کے اوصیاء کا ذکر کیا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اللہ کے نبی تھے اور آپ کے اخلاق کریمہ سے یہ توقع ہی نہیں کی جا سکتی کہ آپ اپنی امت کو بے وارث بنا کر چھوڑ جائیں اور کسی کو اس ریوڑ کا چرواہا مقرر نہ کریں۔ آپ کی سیرت طیبہ سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ آپ ایک دن کے لیے کہیں باہر جاتے تو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کر کے جاتے تھے۔

چنانچہ آپ نے اپنی اُمت میں اپنا جانشین مقرر کیا اور متعدد بار اشارۃً کنایۃً اور صریحاً سے اس کا تذکرہ کیا۔ لیکن سیاست وقت نے ہر دور میں آپ کی

وصیت کو چھپانے کی کوشش کی اور جب روایت چھپ نہ سکی تو اس کی تاویل گڑ لی گئی اور یوں امت اسلامیہ کو حقیقی جانشینانِ رسولؐ کی رہنمائی سے محروم ہونا پڑا۔

وصیت و خلافتِ علیؑ بزبانِ نبیؐ

ہم نے اس باب کے آغاز میں دعوت ذی العشیرہ کا ذکر کیا اور اس ضمن میں عرض کی کہ جب حضرت علیؑ نے بھرے مجمع میں رسول خداؐ کی حمایت و نصرت کا وعدہ کیا تو رسول خداؐ نے فرمایا:

ان هذا اخی ووصیی و خلیفتی فیکم فاسمعوا له واطیعو.

''یقیناً یہ میرا بھائی' میرا وصی اور تم میں میرا جانشین ہے تم اس کا فرمان سنو اور اس کی اطاعت کرو۔''

رسول خدا نے یہ الفاظ فرما کر اپنے وصی اور اپنے جانشین کا اعلان کر دیا تھا اور آپ نے لوگوں کو حضرت علی کی اطاعت کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. (الحشر:۷)

''اور جو کچھ رسول تمہیں دے دے وہ لے لو اور جس سے تمہیں منع کرے اس سے رک جاؤ۔''

طبرانی نے سلمان سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول خداؐ سے عرض کیا یا رسول اللہؐ! ہر نبی کا وصی ہوتا ہے اور آپ کا وصی کون ہے؟ آپ یہ سن کر خاموش رہے۔ پھر بعد میں آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: سلمان! میں تیزی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے لبیک کہی۔ آپ نے فرمایا: جانتا ہے کہ موسیٰ کا وصی کون تھا؟

سلمان نے کہا: جی ہاں۔ یوشع بن نون۔

رسول خداؐ نے فرمایا: جانتا ہے کہ یوشعؑ ہی موسیٰؑ کے وصی کیوں نامزد ہوئے تھے؟

سلمان نے کہا کیونکہ وہ اپنے دور کا سب سے بڑا عالم تھا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا:

فان وصیی و موضع سری و خیر من اترک بعدی و ینجز عدتی و یقضی دینی علی بن ابی طالب.

میرا وصی اور میرے راز کا مقام اور جنہیں اپنے بعد چھوڑ کر جاؤں گا' ان سب سے بہتر اور میرے وعدے پورے کرنے والا اور میرے قرض ادا کرنے والا علی بن ابی طالب ہے۔ (۱)

ابو ایوب انصاری کا بیان ہے کہ رسول خداؐ نے اپنی دختر حضرت فاطمہؑ سے فرمایا:

اما علمت ان اللّٰہ عز و جل اطلع علی اھل الارض

۱۔ المعجم الکبیر ۶/۲۲۱۔ مجمع الزوائد ۹/۱۱۳۔ تذکرہ سبط بن جوزی ص ۴۳' باب حدیث النجوی نقل از کتاب الفضائل احمد بن حنبل۔ اور روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

انس نے کہا کہ ہم نے سلمان سے کہا کہ تم رسول خداؐ سے پوچھو کہ آپ کا وصی کون ہے؟ سلمان نے یہی سوال رسول خداؐ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا۔

موسیٰ بن عمران کا وصی کون تھا؟

سلمان نے کہا۔ وہ یوشع بن نون تھا۔

رسول خداؐ نے فرمایا:

ان وصی و وارثی و منجز و عدی و علی بن ابی طالب.

میرا وصی اور میرا وارث اور میرے وعدے پورے کرنے والا علی بن ابی طالب ہے۔

(الریاض النضرہ محب طبری ۲/۲۳۴۔)

فاختار منهم اباک فبعثه نبیا' ثم اطلع الثانیه فاختار بعلک فا وحی الی فانکحته و اتخذته و صیا. [1]

کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین والوں پر نظر ڈالی تو ان میں سے تیرے باپ کو منتخب کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اہل زمین پر نظر ڈالی تو تیرے شوہر کا انتخاب کیا اور اللہ نے مجھے وحی کی اسی لیے میں نے اس کا عقد تیرے ساتھ کیا اور میں نے اسے اپنا وصی مقرر کیا ہے۔"

ابوسعید کا بیان ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:

ان وصی و موضع سری و خیر من اترک بعدی و ینجز عدتی و یقضی دینی علی بن ابی طالب. [2]

"بے شک میرا وصی اور میرے راز کا مقام اور جنہیں اپنے بعد چھوڑ کر جا رہا ہوں ان میں سب سے بہتر اور میرے وعدے پورے کرنے والا اور میرا قرض ادا کرنے والا علی بن ابی طالب ہے۔"

انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور پھر مجھ سے فرمایا:

۱۔ مجمع الزوائد ہیثمی ۲۵۳/۸۔ علاوہ ازیں اسی کتاب کی جلد نہم ص ۱۶۵ پر ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا۔ **و وصی خیر الاوصیاء و احبهم الی اللّٰه وهو بعلک.** میرا وصی تمام اوصیاء کا سردار ہے اور وہ تیرا شوہر ہے۔ اس کے علاوہ یہ حدیث منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد ۳۱/۵ اور کنزالعمال' کتاب الفضائل' الفصل الثانی' فضائل علی بن ابی طالب حدیث ۱۱۶۳۔ ۲۰۴/۱۲۔ موسوعۃ اطراف الحدیث من المعجم الکبیر طبرانی ۲۰۵/۴۔ جمع الجوامع سیوطی حدیث ۴۲۶۱۔ میں بھی موجود ہے۔

۲۔ کنز العمال' کتاب الفضائل' الفصل الثانی' فضائل علی بن ابی طالب حدیث ۱۱۹۲۔ جلد دوم ص ۲۰۹۔

اول من يدخل عليک من هذا الباب امام المتقين و سيدالمسلمين و يعسوب الدين وخاتم الوصيين...... فجاء علی. فقال من جاء يا انس فقلت علی فقام اليه مستبشر فاعتنقه. (الحدیث) [1]

''اس دروازہ میں سے جو سب سے پہلے داخل ہوگا وہ متقین کا امام اور مسلمانوں کا سردار اور دین کا رہبر اور آخری وصی ہوگا۔ کچھ دیر بعد علیؑ آئے۔ رسول خداؐ نے مجھ سے پوچھا' انس! کون آیا ہے؟ میں نے کہا علیؑ آئے ہیں۔ رسول خداؐ خوش ہوکر اٹھے اور علیؑ کو گلے لگایا۔''

صحابی بریدہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا:

لكل نبی وصی و وارث و ان عليا و صی و وارثی. [2]

''ہر نبی کا وصی اور وارث ہوتا ہے اور علیؑ میرا وصی اور وارث ہے۔''

بیہقی کی کتاب المحاسن والمساری میں ایک روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

ان جبريل جاء بهدية من الله ليهديها الرسول الی ابن عمه و وصيه علی بن ابی طالب. الحديث [3]

''جبریل امین اللہ کی طرف سے ایک ہدیہ لے کر آئے تا کہ وہ

۱۔ حلیۃ الاولیاء ۱/۶۳۔ تاریخ ابن عساکر ۲/۴۸۶۔ شرح نہج البلاغہ طبع اول ۱/۴۵۰ الحراف الحدیث بحوالہ اتحاف السادۃ المتقین زبیدی ۷/۴۶۱۔

۲۔ مخطوطہ تاریخ دمشق ابن عساکر مصورۃ المجمع العلمی الاسلامی ج ۱۲/ق ۱/۱۶۳۔ الریاض النضرہ ۲/۲۲۴۔

۳۔ المحاسن والمساوی محمد بن ابراہیم بیہقی طبع قاہرہ ۱/۶۴۔۶۵۔

ہدیہ رسولؐ اپنے ہاتھ سے اپنے ابن عم اور اپنے وصی علی بن ابی طالب کو پہنچائیں۔''

امم سابقہ میں علیؑ کی وصایت

اس واقعہ کو نصر بن مزاحم نے اپنی کتاب وقعۃ الصفین اور خطیب نے تاریخ بغداد میں نقل کیا ہے اور نصر بن مزاحم کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام اپنے لشکر کو ساتھ لے کر صفین کی طرف جا رہے تھے۔ راستہ میں ان کا گزر ایک صحرا سے ہوا جہاں ان کا پانی ختم ہو گیا اور پورا لشکر پیاس سے بے چین ہو گیا۔ حضرت اپنے لشکر کو لے کر ایک چٹان کے قریب آئے آپ نے اپنے ساتھیوں سمیت اسے ہٹایا تو اس سے شیرین پانی برآمد ہوا جسے تمام لشکر نے دل کھول کر پیا۔ اس کے قریب ایک گرجا بنا ہوا تھا۔ جب راہب کو پتہ چلا تو اس نے کہا۔ یہ گرجا اسی پانی سے بنایا گیا تھا اور پھر پانی کو چھپا دیا گیا تھا اس پانی کو نبی یا نبی کے وصی کے علاوہ کوئی برآمد نہیں کر سکتا۔ [1]

اس خبر کی تائید درج ذیل روایت سے ہوتی ہے۔ اس روایت کو نصر بن مزاحم نے کتاب الصفین اور ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے۔ نصر کے الفاظ یہ ہیں۔

جب حضرت علیؑ صفین کے لیے جا رہے تھے اور رقہ کے قریب ایک جگہ سے ان کا گزر ہوا جسے ''بلیخ'' کہا جاتا تھا اور وہ مقام فرات کے کنارے واقع تھا۔ وہاں ایک صومعہ تھا جس میں ایک راہب رہتا تھا۔ آپ کو دیکھ کر وہ راہب اپنی خانقاہ

۱۔ وقعۃ صفین طبع المدنی مصر ص ۱۴۵۔ تاریخ بغداد ۱۲/۳۰۵۔ آج اس دیر کے کھنڈرات پر مسجد براثا بن چکی ہے۔ اور یہ مسجد شہر بغداد کے محلہ کرخ کے قریب واقع ہے اور اس کے قریب دریائے دجلہ بہتا ہے۔ روایت کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت دریائے دجلہ یہاں سے بہت دور بہتا تھا اور یہ جگہ بے آب و گیاہ صحرا شمار کی جاتی تھی۔

سے باہر آیا اور آپ سے کہا ہمارے پاس ایک وصیت نامہ ہے جسے ہم نے بطور میراث اپنے آباء و اجداد سے حاصل کیا ہے۔ اور اس دستاویز کو حضرت عیسٰی کے صحابیوں نے لکھا تھا۔ اگر آپ چاہیں تو میں وہ دستاویز آپ کے سامنے لے آؤں؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: جی ہاں۔ راہب وہ دستاویز لے کر آیا جس میں یہ عبارت تحریر تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا نے اپنے فیصلوں میں ایک فیصلہ یہ کیا ہے کہ وہ امیین میں ایک رسول مبعوث کرے گا جو انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے گا اور خدا کے راستہ کی رہنمائی کرے گا۔ وہ تندخو اور بدمزاج نہ ہو گا اور خواہ مخواہ بازاروں میں پھرنے والا نہ ہو گا۔ وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے گا۔ وہ برائی کے بدلے معاف کر دے گا اور درگزر کرے گا۔ اس کی امت پر بلندی وپستی میں خدا کی حمد کرنے والی ہو گی اور ان کی زبانوں سے ہمیشہ تہلیل وتکبیر وتسبیح کی صدائیں بلند ہوں گی اور جو بھی اس نبی سے دوری اختیار کرے گا' خدا اسے اس پر فتح ونصرت عطا کرے گا اور جب خدا اسے وفات دے گا تو اس کی امت میں اختلاف پیدا ہو گا پھر اتفاق پیدا ہو گا اور جب تک خدا چاہے گا ان میں اتفاق رہے گا پھر ان میں اختلاف پیدا ہو گا اسی اختلاف کے زمانہ میں اسی دریائے فرات کے کنارے سے امت رسولؐ میں سے ایک شخص کا گزر ہو گا جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا ہو گا اور وہ حق کے مطابق فیصلہ کرنے والا ہو گا اور فیصلہ کے لیے کسی طرح کی رشوت قبول نہیں کرے گا۔ اس کی نگاہ میں دنیا اس راکھ کے ڈھیر سے بھی کم قیمت ہو گی جسے آندھی نے اڑایا ہو اور اس کی نگاہوں میں موت ایسے عزیز ہو گی جیسے پیاسے کو پانی عزیز ہوتا

ہے وہ خلوت کے لمحات میں خدا سے ڈرتا ہو گا اور جلوت کے لمحات میں خدا کی مخلوق کی خیر خواہی کرے گا اور خدا کے متعلق کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہ لائے گا۔ ان شہر والوں میں سے جو بھی اس نبی کو پائے اور اس پر ایمان لائے تو اس کو ثواب کے طور پر اپنی رضا اور جنت دوں گا اور جو شخص اس عبد صالح کو پائے تو اسے اس کی مدد کرنی چاہیے کیونکہ اس کی رفاقت میں قتل ہونا شہادت ہے۔

راہب نے حضرت علیؑ سے عرض کیا: اب میں آپ کے ساتھ رہوں گا اور آپ سے جدا نہ ہوں گا اور آپ پر آنے والے مصائب میں اپنے اوپر سہوں گا۔ حضرت علی علیہ السلام دستاویز پڑھ کر رو پڑے اور فرمایا:

اس خدا کی حمد ہے جس نے مجھے اپنے ہاں فراموش نہیں کیا۔ اس ذات کی حمد ہے جس نے نیک لوگوں کی کتابوں میں میرا ذکر کیا ہے۔

راہب آپ کے ساتھ روانہ ہوا اور وہ صبح و شام کا کھانا بھی حضرت کے ساتھ کھاتا تھا۔ جنگ صفین میں وہ شہید ہو گیا۔ لوگ اپنے مقتولین کو دفن کرنے کے لیے نکلے تو حضرت نے فرمایا: اس راہب کی لاش کو تلاش کرو۔ آخر کار اس کی لاش مل گئی آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اسے اپنے ہاتھوں دفن کیا اور فرمایا۔ یہ شخص ہم اہل بیت میں سے ہے۔ پھر آپ نے کئی بار اس کے لیے خدا سے مغفرت طلب کی۔ (کتاب الصفین ص ۱۲۷۔۱۲۸۔ ابن کثیر ۷/۲۵۳۔)

صحابہ و تابعین کی احادیث میں وصایت علیؑ کا تذکرہ

۱۔ حضرت ابو ذر غفاری عہد عثمان میں مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا اور اپنے خطبہ میں انہوں نے یہ الفاظ کہے:

محمد وارث علم ادم وما فضل به النبیون و علی۔

بن ابی طالب وصی محمد و وارث علمه......

''محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آدم کے علم اور تمام انبیاء کے فضائل کے وارث ہیں اور علی، محمد مصطفیٰؐ کے وصی اور ان کے علم کے وارث ہیں۔''

حضرت ابو ذر کا پورا خطبہ کتب خلافت کی طرف سے حقائق چھپانے کے باب میں بیان کیا جائے گا۔

۲۔ جب حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی بیعت ہوئی تو مالک اشتر نے کہا:

ایها الناس هذا وصی الاوصیاء و وارث علم الانبیاء العظیم البلاء الحسن العناء الذی شهدله کتاب اللّٰه بالایمان و رسوله بجنة الرضوان من کملت فیه الفضائل ولم یشک فی سابقته و علمه و فضله الاواخر ولا الاوائل. (تاریخ یعقوبی ۲/۱۷۸)

''لوگو! یہ وصی الاوصیاء اور علم انبیاء کا وارث ہے۔ بہت زیادہ آزمائشوں سے گزرنے والا اور تکالیف کو برداشت کرنے والا ہے۔ اس کے ایمان کی گواہی کتاب خدا نے دی ہے اور رسول کریمؐ نے اس کے لیے جنت رضوان کی گواہی دی ہے۔ یہ فضائل میں کامل ہے اور اس کی سبقت اسلام اور علم اور فضیلت کے متعلق اولین و آخرین میں سے کسی نے شک نہیں کیا۔''

۳۔ حضرت امیر المومنین نے مسجد کوفہ میں لوگوں کے ایک اجتماع سے خطاب کیا اور انہیں جنگ صفین کے لیے آمادہ کیا۔ اس وقت عمرو بن الحمق الخزاعی کھڑے ہوئے اور امام علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہا۔

امیر المومنین! میں نے آپ سے محبت اور آپ کی بیعت کسی رشتہ داری کی

وجہ سے نہیں کی اور نہ ہی مجھے آپ سے کسی طرح کی دولت ملنے کی توقع ہے اور نہ میں اپنی سربلندی کے لیے کسی عہدہ کا طلب گار ہوں۔ میں نے پانچ وجوہات کی بنا پر آپ سے محبت کی ہے اور آپ کی بیعت کی ہے۔

(۱) آپ رسول خدا کے چچا زاد بھائی ہیں۔ (۲) آپ پیغمبر اکرم کے وصی ہیں۔ (۳) آپ ذریت رسول کے والد ہیں۔ (۴) آپ سابق الاسلام ہیں۔ (۵) تمام مہاجرین کی بہ نسبت جہاد میں آپ کا زیادہ حصہ ہے۔ [1]

عمر بن ابی بکر کا خط

۴۔ حضرت محمد بن ابوبکر نے معاویہ کے نام خط تحریر کیا جس کی عبارت یہ تھی:

۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۱/۲۸۱۔

عمرو بن الحمق الخزاعی نے حدیبیہ کے بعد ہجرت کی اور اس نے آنحضرتؐ کو پانی پلایا۔ رسول خداؐ نے اس کے لیے دعا فرمائی کہ خدایا اس کو جوانی سے مستفید فرما۔

آپ کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ وہ اسی سال کی عمر میں بھی بھرپور جوان دکھائی دیتے تھے اور ان کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا تھا۔ وہ حضرت علیؑ کے ساتھ تمام غزوات میں شامل رہے۔ آپ حجر بن عدی کے دوستوں میں سے تھے۔ زیاد بن ابیہ کے دور حکومت میں کوفہ سے بھاگ کر موصل چلے گئے اور وہاں ایک غار میں چھپ گئے۔ اس وقت موصل کا گورنر معاویہ کا بھانجا عمرو بن حکم تھا۔ معاویہ نے اسے لکھا کہ ہر قیمت پر عمرو بن الحمق الخزاعی کو تلاش کرو۔

اس کے فوجی دن رات انہیں ڈھونڈھنے میں لگ گئے۔ آخر کار وہ انہیں مردہ حالت میں غار میں دکھائی دیے۔ ظالموں نے ان کا سر قلم کیا اور حاکم موصل کے سامنے پیش کیا۔ حاکم نے ان کا سر معاویہ کے پاس دمشق بھیجا۔ معاویہ نے ان کی زوجہ کو گرفتار کیا ہوا تھا۔ جب ان کا سر معاویہ کے پاس پہنچا تو معاویہ نے وہی سر ان کی بیوی کے پاس بھیجا۔ وہ مظلومہ سر کو پا کر بے حد غمگین ہوئی اور کہا تم نے ایک عرصہ تک اسے مجھ سے غائب رکھا اور اب قتل کر کے اس کا سر میرے پاس بطور ہدیہ لائے ہو۔ بہر نوع میں اس ہدیہ کو خوش آمدید کہتی ہوں حضرت عمرو بن الحمق نے ۵۰ھ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ ۴/۱۰۰۔۱۰۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد بن ابی بکر کی طرف سے صخر کے گمراہ بیٹے کے نام۔ طاعت الٰہی کرنے والوں اور ولایت خداوندی کے اقرار کرنے والوں پر سلام ہو۔

اما بعد۔ اللہ تعالٰی نے محمد مصطفٰیؐ کو چنا اور انہیں اپنی رسالت کے لیے مخصوص کیا اور اپنی وحی کے لیے پسند فرمایا اور اپنے احکام کا انہیں امین بنایا۔ انہیں ایسا رسول بنا کر بھیجا کہ آپ گزشتہ انبیاء کی تصدیق کرنے والے اور ان کی کتابوں کی تائید کرنے والے تھے۔ آپ شریعت کے رہنما تھے۔ آپ نے لوگوں کو حکمت اور موعظہ حسنہ سے دین خداوندی کی دعوت دی۔

اور آپ کی آواز پر سب سے پہلے لبیک کہنے والا آپ کا فرزند عم علیؑ بن ابی طالب تھا۔ علیؑ نے پردہ کتم میں چھپے ہوئے غیب کی تصدیق کی اور ہر دوست پر آنحضرتؐ کو ترجیح دی اور ہر مشکل میں ان کا ساتھ دیا اور ہر خوف کے مقام پر آنحضرتؐ کے سامنے سینہ سپر رہے۔ علی نے نبی کے مخالفین سے جنگیں کیں اور نبی کے چاہنے والوں سے صلح قائم کی اور ہر خوفناک مقام پر جان کی پروا کیے بغیر گھس جاتے تھے۔ جہاد میں ان کی مثال نہیں ہے اور کردار و افعال میں ان کی نظیر نہیں ہے۔ میں نے تجھے دیکھا کہ تو علی کی برابری کا دعویٰ کرنے لگا ہے جب کہ تو تو ہی ہے اور علیؑ ہر بھلائی میں سبقت کرنے والے ہیں۔ علی نے سب لوگوں سے پہلے اسلام قبول کیا۔ علیؑ از روئے نیت تمام لوگوں سے زیادہ سچے ہیں اور ذریت کے لحاظ سے تمام لوگوں سے طیب و طاہر ہیں۔ ان کی بیوی خاتونِ جنت ہے اور وہ افضل کائنات محمد مصطفٰیؐ کے ابن عم ہیں...... تو اور تیرا باپ پوری زندگی دین کے مٹانے میں پیش پیش رہے اور تمہاری کوشش تھی کہ خدا کا نور بجھ جائے اور اس مقصد کے لیے تم نے فوجیں تشکیل دی تھیں اور دولت خرچ کی اور قبائل عرب کو اپنا حلیف بنایا

تھا۔ تیرا باپ اسلام کی دشمنی لے کر مر گیا اور اب تو اپنے باپ کا جانشین ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ رسول خداؐ کے زمانہ کے تمام سرکش مخالف اور منافق تیرے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں۔

علیؑ کی فضیلت اور ان کی سبقتِ اسلام مسلّم ہے اور محمد مصطفیٰؐ کے مخلص اور وفادار صحابی علیؑ کے گرد جمع ہیں ۔جو اپنی تلواریں لے کر علیؑ کی حمایت پر کمر بستہ ہیں اور علیؑ کی حمایت میں اپنا خون بہانے پر آمادہ ہیں اور وہ علیؑ کی پیروی کو اپنے لیے فضیلت اور علیؑ کی مخالفت کو بدنصیبی تصور کرتے ہیں۔

تجھ پر افسوس! تو اپنے آپ کو علیؑ کے برابر کیسے قرار دے رہا ہے جب کہ وہ رسول خداؐ کا وارث اور ان کا وصی اور ان کی اولاد کا والد اور ان کا سب سے پہلا پیرو ہے اور آخری گھڑی تک علیؑ ہی نے محمد مصطفیٰؐ کا ساتھ دیا۔ رسول خداؐ انہیں اپنے راز کی خبر دیتے تھے اور اپنے امور میں انہیں شریک رکھتے تھے۔

معاویہ کا جواب

معاویہ نے محمد بن ابی بکر کو یہ جواب تحریر کیا:

معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے اپنے والد پر الزام لگانے والے محمد بن ابی بکر کی طرف اطاعت الٰہی کرنے والوں کا سلام ہو۔

امابعد! تیرا خط ملا تو نے اس میں خدا کی قدرت کا ذکر کیا اور محمد مصطفیٰؐ کی نبوت کا تذکرہ کیا، پھر تو نے اپنی طرف سے بہت سی خود ساختہ باتیں لکھیں جن سے تیری رائے کی کمزوری اور تیرے والد پر الزام ثابت ہوتا ہے۔تو نے فرزند ابو طالب کے حق کا ذکر کیا اور تو نے اس کی سبقت اسلام اور اس کی نبی سے قرابت اور اس کی نصرت و وفاداری کا ذکر کیا ہے اور تو نے مجھ پر اس کی فضیلت کی وجہ سے ُت تمام

کرنے کی کوشش کی ہے۔ خدا کا شکر ہے جس نے تجھ سے فضیلت کو دور رکھا اور تیرے غیر کو فضیلت دی۔ میں اور تیرا باپ نبی کریم کی زندگی میں علیؑ کے حق کو اپنے اوپر ضروری سمجھتے تھے اور اس کی فضیلت کو تسلیم کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے دار آخرت پسند کیا تو اس کے بعد تیرے باپ اور اس کے فاروق نے اس کا حق چھینا اور اس کی مخالفت کی اور اس بات پر دونوں کا اتفاق تھا۔ پھر ان دونوں نے علی کو اپنی اطاعت کی دعوت دی مگر علی ان سے علیحدہ رہا اور سستی کا اظہار کیا۔ ان دونوں نے اس کے متعلق بہت سے منصوبے بنائے اور اس کے متعلق انہوں نے بہت سے ارادے کیے آخر علی نے بیعت کی اور ان کی حکومت کو تسلیم کیا۔ وہ دونوں علی کو اپنے کسی معاملہ میں شریک نہیں کرتے تھے اور اپنے رازوں کی اسے کوئی اطلاع نہیں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ان دونوں کی وفات ہوگئی اور ان کی حکومت ختم ہوگئی۔ پھر ان کے بعد عثمان بن عفان ان کا جانشین بنا وہ بھی انہی کے نقش قدم پر چلتا رہا...... الی آخر الکتاب۔

ہم نے معاویہ کا جواب اس لیے تحریر کیا تا کہ ہمارے قارئین کو معلوم ہو سکے کہ معاویہ بھی محمد بن ابی بکر کے پیش کردہ حقائق کو جھٹلانے کی جرأت نہ کر سکا تھا۔

ان دونوں خطوط کو نصر بن مزاحم نے اپنی کتاب وقعۃ الصفین اور مسعودی نے اپنی کتاب مروج الذہب میں نقل کیا ہے۔ جب کہ طبری اور ابن اثیر نے ۳۶ھ کے واقعات کے ضمن میں ان خطوط کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن اپنے مذہبی تعصب کی وجہ سے انہیں نقل کرنے سے گریز کیا ہے۔ چنانچہ ان دونوں کا انداز ملاحظہ فرمائیں:

طبری نے اپنی سند سے یزید بن ظبیان سے روایت کی:

ان محمد بن ابی بکر کتب الی معاویة بن ابی سفیان لماولی فذکر مکاتبات جرت بینهما کرهت ذکرها لما فیه مما لا یحتمل سماعه العامة......

"جب محمد بن ابوبکر مصر کے حاکم بنے تو انہوں نے معاویہ کو خط لکھا اور معاویہ اور ان کے درمیان بہت سے خطوط کا تبادلہ ہوا۔ میں ان کا نقل کرنا اس لیے پسند نہیں کرتا کہ عام لوگ اس کے سننے کے متحمل نہیں ہیں۔"

طبری کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ طبری کو ان خطوط کا علم تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ خطوط کی روایت صحیح ہے لیکن اس کے باوجود اس نے خطوط نقل کرنے سے اس لیے گریز کیا کہ عوام الناس یہ باتیں سننا پسند نہیں کرتے۔طبری کی طرح ابن اثیر کو بھی ان خطوط کا علم تھا لیکن اس نے اپنی کتاب تاریخ کامل میں ان کو نقل نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ بتائی۔

کرهت ذکرها لما فیه مما لا یحتمل سماعه العامة۔

میں نے ان خطوط کا ذکر کرنا اس لیے پسند نہیں کیا کہ عوام الناس اس کے سننے کے متحمل نہیں ہیں۔ [1]

۱۔ کتاب وقعۃ الصفین نصر بن مزاحم طبع قاہرہ ص ۱۱۸۔۱۱۹۔ تاریخ طبری طبع یورپ نمبر ۳۲۴۸/۱۔ تاریخ ابن اثیر طبع یورپ ۱۰۸/۳۔ مروج الذہب مسعودی طبع بیروت ۱۱/۳۔ شرح ابن ابی الحدید ۲۴۸/۱۔

(طبری اور ابن اثیر کے عمل کو تقیہ پر محمول کیا جائے یا کتمان حق کی بدترین صورت سمجھا جائے اس کا فیصلہ ہم اپنے باضمیر قارئین کی عدالت پر چھوڑتے ہیں۔) (من المترجم)

عمرو بن العاص کے خط میں وصایت علیؑ کا ذکر

خوارزمی لکھتے ہیں کہ معاویہ نے عمرو بن العاص کو ایک خط لکھا جس میں اس نے اسے اپنی حمایت ونصرت اور حضرت علی کی مخالفت کی دعوت دی۔ اس کے جواب میں عمرو بن العاص نے معاویہ کو خط لکھا جس میں اس نے تحریر کیا:

فاما ما دعوتنی الیه...... و اعانتی ایاک علی الباطل و اختراط السیف فی وجه علی وهو اخو رسول اللّٰه و وصیه و وارثه وقاضی دینه و منجز وعده و زوج ابنته. (مناقب خوارزمی ص ۱۲۵)

''بہرنوع تو نے مجھے جو دعوت دی ہے...... اور یہ کہ میں باطل کے حصول کے لیے تیری مدد کروں اور علیؑ کے سامنے تلوار بلند کروں جب کہ وہ رسولؐ خدا کا بھائی اور ان کا وصی اور ان کا وارث اوران کے قرض کو اتارنے والا اور ان کے وعدے پورے کرنے والا اور ان کی بیٹی کا خاوند ہے۔''

حضرت علیؑ کی زبانی اپنی وصایت کا ذکر

خوارزمی نے حضرت علیؑ کا یہ فرمان نقل کیا ہے۔

انا اخو رسول اللّٰه و وصیه...... (مناقب خوارزمی ص ۱۴۳)

''میں رسولؐ خدا کا بھائی اور ان کا وصی ہوں۔''

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے اہل مصر کو ایک خط لکھا جس میں یہ جملے بھی تھے:

واعلموا انه لاسوی: امام الهدی و امام الردی' و

وصی النبی وعدو النبی۔ (شرح ابن ابی الحدید ۸۲/۲۔)

''جان لو کہ ہدایت کا امام اور گمراہی کا پیشوا اور نبی کا وصی اور نبی کا دشمن برابر نہیں ہو سکتے۔''

یعقوبی لکھتے ہیں کہ خوارج نے حضرت علی کے سامنے کہا تھا کہ انہوں نے وصیت کو ضائع کر دیا ہے: اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

۱ .اما قولکم انی کنت وصیا فضیعت الوصیة فان اللّٰه (عز و جل) یقول (وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ) (آل عمران:۹۷) **افرأیتم هذا البیت لولم یحج الیه احد کان البیت یکفر؟ ان هذا البیت لو ترکه من استطاع الیه سبیلا کفر، و انتم کفرتم بترلحکم ایای لاانا بترکی لکم...... الی اخره** (تاریخ یعقوبی ۱۹۲/۲۔۱۹۳)

''اور تمہارا یہ کہنا کہ میں وصی تھا مگر میں نے وصیت کو ضائع کر دیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر گھر کا حج واجب کیا جو اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ تمام جہانوں سے بے پروا ہے۔ اب بتاؤ اگر اس گھر کا حج کرنے کوئی نہ جائے تو کیا گھر پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے یا اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا جو قدرت ہونے کے باوجود حج پر نہ گیا ہو؟''

اس طرح تم نے مجھے چھوڑ کر کفر اختیار کیا ہے۔ میں نے تو کفر اختیار نہیں کیا۔

حضرتؑ کے خطبات اور وصایت

نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں آپ نے فرمایا:

ایها الناس انی قد بثثت لکم المواعظ التی وعظ الانبیاء بها اممهم وادیت الیکم ما ادت الاوصیاء الی من بعدهم...... (نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۰)

"اے لوگو! میں نے تمہیں اس طرح نصیحتیں کیں جس طرح کی انبیاء اپنی امتوں کو کرتے چلے آئے ہیں اور ان چیزوں کو تم تک پہنچایا ہے جو اوصیاء بعد والوں تک پہنچایا کرتے تھے۔"

ایک اور خطبہ میں آپ نے ارشاد فرمایا:

وما لی لا اعجب من خطأ هذه الفرقة علی اختلاف حججها فی دینها لا یقتصون اثر نبی ولا یقتدون بعمل وصی. (نہج البلاغہ خطبہ ۸٦)

"مجھے حیرت ہے اور حیرت کیوں نہ ہو ان فرقوں کی خطاؤں پر جنھوں نے اپنے دین کی حجتوں میں اختلاف پیدا کر رکھے ہیں جو نہ نبی کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور نہ وصی کے عمل کی پیروی کرتے ہیں۔"

نہج البلاغہ کے دوسرے خطبہ میں آپ کے یہ الفاظ موجود ہیں:

لا یقاس بآل محمد (ص) من هذه الامة احد ولا یسوی بهم من جرت نعمتهم علیه ابدا. هم اساس الدین و عماد الیقین الیهم یفیئ الغالی وبهم یلحق التالی ولهم خصائص حق الولایة و فیهم الوصیة والوراثة......

''اس امت میں سے کسی کو آل محمدؐ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ جن لوگوں پر ان کے احسانات ہمیشہ جاری رہے ہوں' وہ ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ وہ دین کی بنیاداور یقین کے ستون ہیں۔ آگے بڑھ جانے والے کو ان کی طرف پلٹ کر آنا ہے اور پیچھے رہ جانے والے کو ان سے آ کر ملنا ہے۔حق ولایت کی خصوصیات انہی کے لیے ہیں اور انہی کے بارے میں پیغمبرؐ کی وصیت اور انہی کے لیے نبی کی وراثت ہے۔''

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے خطبہ دیا اور خطبہ کے دوران میں آپ نے فرمایا:

انا عبدالله واخو رسوله لا يقولها احد قبلي ولا بعدي الاكذب' ورثت نبي الرحمة و نكحت سيدة نساء هذه الامة و انا خاتم الوصيين.

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید طبع مصر ۱/۲۰۸)

''میں اللہ کا بندہ اور اس کے رسولؐ کا بھائی ہوں اور مجھ سے پہلے یا میرے بعد جو بھی یہ دعویٰ کرے گا تو جھوٹا ہو گا۔ میں نبی رحمت کا وارث ہوں اور اس امت کی عورتوں کی سردار سے میرا نکاح ہوا اور میں خاتم الوصیین ہوں۔''

حسن مجتبیٰؑ کے خطبہ میں ذکر وصایت

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے اپنے والد کی شہادت کے بعد خطبہ دیا جس میں آپ نے ارشاد فرمایا:

انا الحسن بن علي وانا ابن النبي وانا ابن الوصي...... (الحدیث)

(مستدرک حاکم ۳/۱۷۲۔ ذخائر العقبیٰ ص ۱۳۸۔ مجمع الزوائد ہیثمی ۹/۱۴۶)

''میں حسن بن علیؑ ہوں اور میں نبیؐ کا فرزند ہوں اور میں وصی کا فرزند ہوں۔''

تعزیت نامہ میں وصایت کا ذکر

جب حسن مجتبیٰؑ کی وفات ہوئی اور یہ خبر کوفہ کے شیعوں نے سنی تو وہ سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر میں جمع ہوئے اور انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو ایک تعزیت نامہ لکھا۔ جس کی تحریر یہ تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

للحسين بن على من شيعته و شيعة ابيه امير المومنين سلام عليک، فانا نحمد اليک الله الذى لا اله الا هو. امابعد! فقد بلغنا وفاة الحسن بن على (فسلام عليه) يوم ولد و يوم يموت و يوم يبعث حيا مااعظم ما اصيب به هذه الامة عامة وانت و هذه الشيعة خاصة بهلاک ابن الوصى وابن بنت النبى و...... (تاریخ یعقوبی ۲/۲۲۸)

''حسین بن علیؑ کے نام ان کے شیعوں اور ان کے والد امیر المومنین کے شیعوں کی طرف سے۔''

امابعد! ہم اس خدا کی حمد کرتے ہیں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے ہمیں حسن بن علیؑ کی وفات کا علم ہوا۔ ان پر خدا کی طرف سے سلامتی ہو جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وہ مرے اور جب وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ ان کی موت اس امت کے لیے بالعموم اور آپ اور آپ کے شیعوں کے لیے ایک عظیم صدمہ ہے کیونکہ حسنؑ وصی کے فرزند اور بنت پیغمبر کے بیٹے ہیں۔

مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا:

جب شام میں حسن مجتبیٰؑ کی وفات کی اطلاع پہنچی تو اس وقت ابن عباس معاویہ کے دربار میں موجود تھے۔ ابن عباس نے معاویہ سے کہا:

اگر آج ہمیں یہ صدمہ سہنا پڑا ہے تو اس سے پہلے ہم نے سید المرسلین کی موت کا صدمہ بھی جھیلا ہے اور اس کے بعد ہم نے سید الاوصیاء کی موت کا صدمہ بھی اٹھایا ہے۔ (مروج الذہب مسعودی ۲/۴۳۰۔)

امام حسین کے خطبہ میں وصایت کا ذکر

حضرت امام حسین علیہ السلام نے روز عاشور یزیدی افواج کے سامنے خطبہ دیا جس میں آپ نے حجت تمام کرتے ہوئے فرمایا:

امابعد! فانسبونی فانظروا من انا ثم ارجعوا الی انفسکم و عاتبوها هل یجوز لکم قتلی و انتهاک حرمتی الست ابن بنت بنیکم (ص) و ابن وصیه و ابن عمه و اول القوم اسلاما و اول المومنین بالله والمصدق لرسوله بما جاء من عنده ربه اولیس حمزة سید الشهداء عم ابی اویس جعفر الشهید الطیار ذو الجناحین عمی؟ [۲]

میرا نسب بیان کرو اور دیکھو کہ میں کون ہوں؟ پھر تم اپنے دلوں میں جھانک کر یہ فیصلہ کرو کہ کیا تمہارے لیے میرا قتل کرنا اور میری ہتک حرمت جائز ہے؟

۲۔ طبری طبع یورپ ۲/۳۲۹۔ ابن اثیر طبع یورپ ۴/۵۲۔ ابن کثیر نے اس خطبہ کو لکھا لیکن حضرت علی کی خصوصیات لکھنے سے گریز کیا اور صرف اتنا لکھا ''وعلی ابی''

تو کیا میں تمہارے نبی کی دختر کا بیٹا نہیں ہوں اور کیا میں نبی کے وصی اور نبی کے ابن عم کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا میں اس کا بیٹا نہیں جو سب سے پہلے اسلام لایا اور جس نے سب سے پہلے رسول خدا کے پیغام کی تصدیق کی؟

اور کیا حمزہ سید الشہداء میرے والد کے چچا نہیں تھے؟ اور کیا جعفر شہید جسے خدا نے دو پر عطا کیے ہیں اور جو جنت میں پرواز کرتا ہے' وہ میرا چچا نہیں ہے؟''

حضرت امام حسینؑ نے یہ خطبہ اپنے ماننے والوں کے درمیان نہیں دیا بلکہ آپ نے یہ خطبہ یزیدی فوج کے سامنے دیا جو کہ آپ کے خون کی پیاسی تھی اور آپ نے اپنے دشمنوں کے سامنے بیان کیا کہ میرے والد وصی رسول ہیں اور میرے والد کے چچا حمزہ سید الشہداء ہیں اور میرا چچا جعفر طیار ہے۔

یزیدی فوج آپ کے فرمان کی تردید نہ کرسکی۔ اگر حضرت علیؑ کی وصایت مشکوک اور متنازع ہوتی تو یزیدی فوج اس کی تردید کرتی لیکن ان کا تردید نہ کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت علیؑ کی وصایت ایک امر مسلم تھی۔

سفاح عباسی کے چچا کا وصایت سے احتجاج

بنی عباس نے ابتداء میں آلِ رسول کے حق کا نام لے کر بنی امیہ کے خلاف احتجاج کو منظم کیا تھا اور مشہور عباسی داعی ابومسلم خراسانی کو ''امیر آل محمدؐ'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا اور بنی عباس کے داعی رسول اللہؐ کی ان احادیث کا سہارا لیتے تھے جو آل محمد کے حق میں وارد ہوئی تھیں۔ البتہ یہ علیحدہ بات ہے کہ جب ان کے پاس اقتدار آ گیا تو انہوں نے آل محمدؐ سے منہ موڑ لیا۔

پہلے عباسی خلیفہ سفاح کا چچا عبداللہ بن علیؑ نے حضرت علیؑ کی وصایت سے استدلال کیا۔ جیسا کہ ذہبی نے ابوعمرو اوزاعی سے روایت کی جس کا خلاصہ یہ ہے۔

جب سفاح کے چچا عبداللہ بن علی شام آیا اور اس نے بنی امیہ کو قتل کیا۔
پھر اس نے میرے پاس پیغام بھیجا کہ مجھ سے ملاقات کرو۔ میں اس کے پاس گیا تو اس نے کہا:

تجھ پر افسوس! کیا دین کے تقاضوں کے تحت خلافت ہمارا حق نہیں ہے؟

میں نے کہا: وہ کیسے؟

اس نے کہا:

کیا رسول خداؐ نے حضرت علی کو اپنا وصی مقرر نہیں کیا تھا؟

میں نے کہا: اگر ایسا ہوتا تو علی تحکیم کو کیوں قبول کرتے؟

یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا اور مجھے یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ وہ غصہ میں کہیں مجھے قتل ہی نہ کرا دے۔ [1]

میں (مؤلف کتاب) کہتا ہوں کہ اوزاعی کے جواب کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ خوارج کی وہی دلیل ہے جس کی تردید حضرت علی نے مدلل طور پر کر دی تھی جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے۔

منصور دوانیقی کے سامنے وصایت سے احتجاج

طبری اور ابن اثیر ۱۴۵ھ کے واقعات کے ضمن میں لکھتے ہیں:

اس سال محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب نے عباسی خلیفہ منصور کے خلاف خروج کیا اور اہل مدینہ نے اس کی بیعت کی۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ در حالات اوزاعی ۱/۱۸۱۔

منصور عباسی اور اس کے درمیان خط و کتابت کا تبادلہ ہوا۔ انہوں نے اپنے ایک خط میں اپنے استحقاق خلافت کی یہ دلیل دی:

......وان ابانا عليا كان الوصى و كان الامام فكيف ورثتم ولايته وولده احياء......

ہمارے والد علی مرتضٰی وصی اور امام تھے۔ ان کی اولاد کی موجودگی میں تم ان کی وراثت کے وارث کیسے بن گئے؟

منصور نے ان کے خط کا جواب دیا جس میں ان کے باقی دلائل کا جواب دیا لیکن اس نے اس دلیل کا کوئی جواب نہ دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کی وصایت اس کے ہاں مسلم تھی ورنہ وہ کوئی نہ کوئی جواب تو ضرور دیتا۔

وصیت نامہ میں وصایت علی کا تذکرہ

طبری لکھتے ہیں:

ابو الخطاب کا بیان ہے کہ قاسم بن مجاشع مرو کے رہنے والا تھا اور باران نامی ایک بستی میں اس کی وفات ہوئی۔ اس نے خلیفہ مہدی کے نام وصیت لکھی اور اس وصیت نامہ میں اس نے لکھا:

شهد اللّٰه انه لا اله الا هو والملائكة واولوا لعلم قائما بالقسط لا اله الاهو العزيز الحكيم ان الدين عند اللّٰه الاسلام اِلٰى آخر الاية.

اس آیت کے بعد اس نے یہ الفاظ تحریر کیے:

قاسم بن مجاشع عقیدۂ توحید کی گواہی دیتا ہے اور وہ یہ گواہی دیتا ہے کہ

حضرت محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں اور علی ابن ابی طالب رسولؐ خدا کے وصی اور ان کے بعد امامت کے وارث ہیں۔

جب مہدی نے اس تحریر کو دیکھا اور اس نے وصیتِ علیؑ کو پڑھا تو اس نے اس وصیت نامہ کو پھینک دیا اور اس پر کوئی توجہ تک نہ دی۔ (تاریخ طبری ۵۳۲/۳)

ھارون رشید بھی نظریۂ وصیت کا قائل تھا

کتاب الاخبار الطوال میں اصمعی سے ایک روایت مروی ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

میں ہارون الرشید کے پاس گیا اس نے اپنے بیٹوں محمد اور عبداللہ کو اپنے پاس بلایا۔ جب دونوں شاہزادے آئے تو اس نے ایک کو دائیں اور دوسرے کو بائیں جانب بٹھایا اور مجھے ان سے امتحان لینے کا حکم دیا۔

میں نے فنون ادب میں سے ان کے سامنے جو بھی مسئلہ رکھا دونوں نے بہترین انداز سے جواب دیا۔

ہارون نے کہا:

ان کے ادب کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟

میں نے کہا:

میں نے ان سے زیادہ صاحب فہم اور ذہین بچہ آج تک نہیں دیکھا......

اصمعی کہتے ہیں اس کے بعد ہارون نے دونوں شاہزادوں کو سینے سے لگایا اور رونے لگا اور وہ اتنا رویا کہ اس کے آنسو زمین پر ٹپکنے لگ گئے۔ پھر اس نے بچوں کو واپس جانے کی اجازت دی۔ بچے اٹھ کر چلے گئے تو ہارون نے مجھ سے کہا۔

اس وقت کیا حالت ہو گی جب یہ دونوں بچے ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے اور ان کے درمیان جنگ چھڑ جائے گی اور اس میں بہت سی جانیں تلف ہوں گی۔

میں نے کہا: امیر المؤمنین! کیا منجمین نے ان کا زائچہ بنا کر یہ نتیجہ نکالا ہے یا علمائے حق نے یہ پیش گوئی کی ہے؟

ہارون نے کہا۔ اسے علماء نے اوصیاء سے نقل کیا اور اوصیاء نے انبیاء سے نقل کیا۔

لوگ بیان کرتے ہیں کہ مامون کہا کرتا تھا کہ میرے والدکو ہمارے اختلافات کا علم تھا اور اس نے یہ خبر امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادقؑ سے سنی تھی۔ [1]

مؤلف کہتا ہے کہ ہارون رشید نے اوصیاء سے امام موسیٰ کاظمؑ جعفر صادقؑ محمد باقرؑ ' زین العابدینؑ' امام حسینؑ' امام حسنؑ اور علی مرتضیٰ علیہم السلام کی ذوات عالیہ کی طرف اشارہ کیا تھا اور لفظ انبیاء سے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ کیا تھا۔

اور اسی پیش گوئی کی وجہ سے اس نے اپنے دونوں بیٹوں کے متعلق وصیت کا بڑا اہتمام کیا تھا جس کی سابقہ ادوار میں کوئی مثال نہیں ملتی تھی۔ چنانچہ مورخین لکھتے ہیں۔

ہارون الرشید مکہ پہنچا وہاں منبر پر ایک خطبہ دیا۔ پھر منبر سے اتر کر بیت اللہ کے اندر داخل ہوا اور اپنے بیٹوں محمد اور مامون کو بھی بیت اللہ کے اندر طلب کیا۔ پھر اس نے محمد کے سامنے شرائط رکھیں اور محمد سے کہا کہ وہ ان شرائط کو کعبہ کے اندر بیٹھ کر اپنے ہاتھ سے تحریر کرے اور اس کے بعد اس نے محمد سے پختہ عہد و میثاق

۱۔ الاخبار الطوال طبع قاہرہ ص ۳۸۹۔ مروج الذہب سعودی ۳/۳۵۱۔

لیا تا کہ وہ اس وصیت نامہ میں کسی طرح کا تغیر و تبدل نہیں کرے گا۔ محمد کے بعد اس نے مامون سے بھی اس وصیت نامہ کے متعلق پختہ عہد و میثاق لیا اور محمد نے اپنے ہاتھ سے یہ تحریر لکھی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خدا کے بندے امیر المومنین ہارون کی تحریر ہے جسے محمد بن ہارون نے اپنے ہاتھ سے اس وقت لکھا جب امیر المومنین بقائمی ہوش و حواس تھے اور پوری طرح سے اقتدار کے مالک تھے۔

اور مقصد تحریر یہ ہے کہ امیر المومنین ہارون نے میرے لئے دنیاوی عہد مقرر کیا ہے اور تمام مسلمانوں کی گردن میں میری بیعت کا قلادہ ڈالا ہے اور میرے بعد میرے بھائی عبداللہ بن امیر المومنین کو ولی عہد مقرر کیا ہے۔ میرا بھائی میرے بعد خلیفہ ہوگا اور تمام مسلمانوں کا حاکم ہوگا اس میں میری رضا شامل ہوگی اور میں اس فیصلہ کو کھلے دل سے تسلیم کرتا ہوں اور اس کے لیے مجھ پر کسی طرح کا جبر نہیں کیا گیا اور مزید یہ کہ امیر المومنین نے میرے بھائی کو خراسان کی سرحدوں اور دیہاتوں' شہروں اور فوج' خراج' ڈاک' بیت المال' صدقات و عشر کا حاکم مقرر کیا ہے اور یہ حکومت امیر المومنین کی زندگی اور ان کی موت کے بعد قائم رہے گی۔ میں امیر المومنین کے اس فیصلہ کو تسلیم کرتا ہوں اور اپنے بعد اپنے بھائی کی بیعت اور خلافت کو تسلیم کرتا ہوں...... الی آخرہ۔

اس کے بعد طبری مزید لکھتے ہیں۔

دونوں شاہزادوں نے بیت اللہ کے اندر بیٹھ کر اپنے گورنروں' قاضیوں اور بیت اللہ کے حاجیوں کے سامنے وصیت نامہ کے مطابق تحریر لکھ دی اور ہارون نے ان کی تحریریں خانہ کعبہ کے اندر آویزاں کرا دیں اور قاضیوں کو حکم دیا کہ وہ تمام حجاج

کو اس وصیت نامہ سے آگاہ کریں اور اس وصیت نامہ کی نقلیں تیار کر کے پوری اسلامی مملکت میں روانہ کی گئیں۔

لفظ وصی اور شعراء

حضرت علیؑ کیوصایت اتنی مشہور اور مستند ہے کہ علم و ادب کی دنیا میں جب بھی لفظ وصی بولا جاتا ہے تو اس سے حضرت علی کی ذات مراد لی جاتی ہے اور صدر اسلام اور بعد کے شعراء نے حضرت علی کی وصایت کا تذکرہ کیا ہے اور کتب لغت میں بھی لفظ وصی حضرت علیؑ کے ساتھ مخصوص ہے۔

صدر اسلام میں لفظ وصی حضرت علیؑ کے ساتھ مخصوص تھا جیسا کہ لسان العرب میں ہے۔

وقیل لعلی:

وصی حضرت علی کو وصی کہا جاتا ہے۔

تاج العروس کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

والوصی کغنی لقب علی (رض)

''لفظ وصی، غنی کے وزن پر ہے اور یہ حضرت علیؑ کا لقب ہے۔''

عہد صحابہ میں حضرت علیؑ کو وصی کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ حسان بن ثابت کے اس قصیدہ میں مذکور ہے۔ واضح رہے کہ یہ قصیدہ وفات پیغمبر کے بعد کہا گیا تھا اور اس قصیدہ کا پس منظر یہ ہے کہ حکومتی اشارہ پر ایک شخص نے انصار کی مذمت کی۔ حضرت علی نے اسے ٹوک دیا اور آپ نے انصار کی تعریف کی

اور قرآن مجید کی ان آیات کی تلاوت کی جن میں انصار کی عظمت بیان کی گئی تھی۔

حضرت علیؑ کے اس طرز عمل سے انصار خوش ہوئے اور انہوں نے اپنے شاعر حسان بن ثابت سے کہا کہ وہ بھی حضرت کی مدح میں نظم لکھیں۔ چنانچہ حسان نے یہ نظم پڑھی:

جزی اللہ عنا و الجزاء بکفه   اباحسن عناو من کابی حسن

حفظت رسول اللہ فینا وعهده   الیک و من اولی به منک من و من

الست اخاه فی الهدی ووصیه   واعلم منهم بالکتاب و السنن[1]

اللہ ہماری طرف سے ابو الحسن کو جزائے خیر دے اور جزا خدا کے ہاتھ میں ہے اور ابو الحسن جیسا اور کون ہے؟

آپ نے ہمارے متعلق رسول خدا کے اس عہد کی پاسداری کی جو انہوں نے آپ سے کیا تھا اور خلافت کے لیے آپ سے زیادہ موزوں اور کون ہوسکتا ہے۔

کیا آپ ہدایت میں رسول خدا کے بھائی اور ان کے وصی اور کتاب و سنت کے سب سے زیادہ جاننے والے نہیں ہیں؟

زبیر بن بکار موفقیات میں لکھتے ہیں کہ ایک قرشی شاعر نے عبداللہ بن عباس کی مدح میں شعر پڑھے جن میں سے ایک شعر یہ ہے:

واللہ ما کلم الاقوام من بشر   بعد الوصی علی کابن عباس[2]

الموفقیات زبیر بن بکار طبع بغداد ص ۵۷۴۔۵۷۵۔ حسان کے یہ اشعار الفاظ کے [illegible] تغیر کے ساتھ تاریخ یعقوبی ۲/ ۱۲۸ میں بھی موجود ہیں اور شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۲/ ۵ میں بھی یہ اشعار موجود ہیں۔

۲۔ الموفقیات ص ۵۷۵۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۲/ ۲۶۲۔

خدا کی قسم وصی محمدؐ، علیؑ کے بعد کسی نے ابن عباس کی طرح لوگوں سے گفتگو نہیں کی۔

ولید بن عقبہ بن ابی معیط نے حضرت عثمانؓ کے مرثیہ میں یہ شعر پڑھا۔

الا ان خير الناس بعد ثلاثة قتيل التجيبى الذى جاء من مصر [1]

خبردار رسول خدا اور شیخین کے بعد وہ شخص تمام لوگوں سے افضل ہے جسے مصر سے آنے والے تجیبی نے قتل کیا ہے۔

فضل بن عباس نے اس کے جواب میں یہ شعر کہے تھے۔

الا ان خير الناس بعد محمد وصى النبى المصطفى عند ذى الذكر

واول من صلى وصو بنيه واول من اردى الغواة لدى بدر

خبر دار! خدا کے نزدیک محمد مصطفیٰ کے بعد تمام انسانوں سے افضل نبی اکرمؐ کا وصی ہے اور وہ پہلا شخص ہے جس نے نماز پڑھی اور وہ نبی کی شبیہ ہے اور وہ پہلا شخص ہے جس نے بدر میں گمراہوں کو ہلاک کیا۔

وفات پیغمبرؐ کے بعد انصار کے شاعر نعمان بن عجلان نے کہا تھا۔

وكان هوانا فى على وانه لاهل لها يا عمرو من حيث لاتدرى

وصى النبى المصطفىٰ وابن عمه وقاتل فرسان الضلالة والكفر [2]

۱۔ تاریخ طبری طبع یورپ ۱/۳۰۶۴۔۳۰۶۵۔ تاریخ ابن اثیر طبع یورپ ۳/۱۵۲۔

ولید حضرت عثمان کا مادری بھائی تھا اور اسی کو قرآن مجید کی سورہ الحجرات میں لفظ ''فاسق'' سے یاد کیا گیا ہے اور اسی نے جب وہ حضرت عثمان کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا تو نشہ کی حالت میں صبح کی نماز دو رکعت کی بجائے چار رکعت پڑھائی تھی۔

تجیبی بن مذحج کی ایک ذیلی شاخ تجیب کی طرف منسوب ہے اور شاعر کا اشارہ عبدالرحمٰن بن عدیس کی طرف ہے جو قتل عثمان میں شامل تھا۔

۲۔ الموفقیات زبیر بن بکار ص ۵۹۲۔۵۹۴۔ شرح ابن ابی الحدید ۶/۳۱۔

ہماری خواہش علیؑ کے متعلق تھی کہ وہ خلیفہ بنیں اور وہ خلافت
کے اہل ہیں جب کہ اے عمرو تجھے کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔

وہ نبی مصطفیٰ کے وصی اور ان کے چچا زاد بھائی ہیں اور کفر و گمراہی کے شاہ سواروں کے قاتل ہیں۔

واضح رہے کہ شاعر نے یہ شعر عمرو بن العاص کے جواب میں کہے تھے کیونکہ اس نے سقیفائی حکومت کی حمایت میں تقریر کی تھی اور اس نے انصار پر نکتہ چینی کی تھی۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

صدرِ اسلام کے جن شعراء نے حضرت علیؑ کو وصی کے عنوان سے یاد کیا ان میں عبداللہ بن ابی سفیان بن حرث بن عبدالمطلب بھی شامل ہیں۔ انہوں نے حضرت علی کی ذات پر ناز کرتے ہوئے کہا تھا:

ومنا علی ذاک صاحب خیبر و صاحب بدر یوم سالت کتائبه
وصی النبی المصطفیٰ وابن عمه فمن ذا یدانیه ومن ذایقاربه؟

علیؑ ہمارے ہی خاندان کا فرد ہے جو فاتح خیبر ہے اور جس دن کفر کی افواج پانی کی طرح سے بہہ رہی تھیں۔ اسی جنگ بدر کا فاتح بھی علی ہے۔

وہ نبی مصطفیٰ کا وصی اور ان کا چچا زاد ہے۔ اس کی برابری کون کرسکتا ہے اور اس جیسا کون ہوسکتا ہے؟

حضرت علی کی خلافت ظاہری کے بعد عبدالرحمٰن بن جعیل نے کہا تھا:

لعمری لقد بالیعتم ذا حفیظة علی الدین معروف العفاف موفقا
علیا وصی المصطفیٰ وابن عمه واول من صلی اخا الدین والتقی[1]

۱۔ عبداللہ بن ابی سفیان اور عبدالرحمٰن بن جعیل کے اشعار شرح نہج البلاغہ ۱/ ۴۷ اور فتوح ابن اعثم میں مرقوم ہیں۔

مجھے اپنی بقا کی قسم! تم نے دین کے محافظ پاکدامنی میں مشہور اور تائید الٰہی سے موید شخص کی بیعت کی ہے۔

یعنی تم نے مصطفیٰ کے وصی اور ان کے چچا زاد علیؑ کی بیعت کی ہے۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے نماز پڑھی جو دیندار اور متقی ہے۔

جنگ جمل میں کہے جانے والے اشعار

آیئے اب ان اشعار کی طرف توجہ فرمائیں جو جنگ جمل کے دوران کہے گئے اور ان میں وصایت علی کا تذکرہ کیا گیا۔

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں۔

مشہور بدری صحابی ابو الہیثم بن تیہان نے یہ شعر کہے۔

قل للزبير و قل لطلحة اننا　　نحن الذين شعارنا الانصار

نحن الذين رأت قريش فعلنا　　يوم القليب اولئلك الكفار

كنا شعار نبينا و دثاره　　يضديه منا الروح والابصار

ان الوصى اما منا ولينا　　برح الخفا و باحت الاسرار

زبیر وطلحہ سے کہہ دو کہ ہم وہ لوگ ہیں جنہیں انصار کہا جاتا ہے۔

اور ہم وہ لوگ ہیں کہ قریش کے کفار نے جنگ بدر میں ہماری قوت کو دیکھا تھا ہم نبیؐ کا ایک طرح کا اوڑھنا بچھونا ہیں اور ہم ان پر روح اور آنکھیں قربان کرتے رہے ہیں۔

وصی ہمارا امام اور ہمارا سر پرست ہے۔ چھپی باتیں ظاہر ہو چکی ہیں اور پوشیدہ راز کھل چکے ہیں۔

عمر بن حارثہ انصاری نے جنگ جمل میں محمد بن حنفیہ کی مدح میں شعر کہے تھے جن میں سے ایک شعر یہ ہے:

سمى النبى و شبه الوصى　　ورأيته لونها العندم

وہ نبی کا ہم نام اور وصی کی شبیہ ہے جب تو اسے دیکھے گا تو وہ دم الاخوین کی طرح سے سرخ وسفید دکھائی دے گا۔

جنگ جمل کے موقع پر بنی ازد کے ایک جوان نے کہا۔

هذا علی وهو الوصی　　　اخاه یوم النجوة النبی

وقال هذا بعدی الولی　　　وعاه واع ونسی الشقی

یہ علیؑ ہے اور یہی وصی ہے۔ آیت نجویٰ کے دن رسول نے اسے اپنا بھائی بنایا۔

اور کہا میرے بعد یہ حاکم ہے۔ اس بات کو یاد کرنے والوں نے یاد رکھا اور بدنصیبوں نے بھلا دیا۔

فضیلت وہ ہوتی ہے جس کی دشمن بھی گواہی دیں۔ چنانچہ بنی ضبہ کا ایک جوان جو کہ بی بی عائشہ کی فوج میں شامل تھا اور حضرت علی سے جنگ کر رہا تھا۔ اس نے یہ شعر پڑھے:

نحن بنی ضبة اعداء علی　　　ذاک الذی یعرف قلما بالوصی

وفارس الخیل علی عهد النبی　　　ماأنا عن فضل علی بالعمی

لکننی انعی ابن عفان التقی　　　ان الولی طالب ثار الولی

ہم بنی ضبہ علیؑ کے دشمن ہیں۔ ہم اس علی کے دشمن ہیں جسے ازل سے وصی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ میں پرہیز گار عثمان کی موت کی خبر دے رہا ہوں اور کہتا ہوں کہ دوست اپنے دوست کے خون کا قصاص چاہتا ہے۔ سعید بن قیس ہمدانی جنگ جمل میں حضرت علی کی فوج میں شامل تھے اور جب قبیلہ قحطان مقابلہ کے لیے آگے بڑھا تو انہوں نے کہا:

قل للوصی اقبلت قحطانها　　　فادع بها تکفیکها همدانها

وصی سے کہہ دو کہ قحطان بڑھ رہے ہیں۔ ان کے مقابلہ کے لیے آپ قبیلہ ہمدان کو صدا دیں وہ آپ کی مدد کرے گا۔

جنگ جمل میں حضرت حجر بن عدی نے کہا:

یا ربنا سلم لنا علیا سلم لنا المبارک المرضیا

المومن الموحد التقیا لا خطل الرأی ولاغویا

بل هادیا موفقا مهدیا واحفظه ربی واحفظ النبیا

فیه فقد کان له ولیا ثم ارتضاه بعده وصیا

پروردگار! ہمارے لیے علیؑ کو سلامت رکھ۔ ہمارے لیے بابرکت اور پسندیدہ کو سلامت رکھ جو کہ مومن، موحد اور متقی ہے جو کمزور رائے والا اور گمراہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہادی اور ہدایت یافتہ اور توفیق الٰہی سے موید ہے۔ میرے رب اس کی حفاظت فرما اور اس کے متعلق نبی کی حفاظت فرما جس کا وہ ولی تھا۔ پھر نبی نے اسے اپنا وصی چنا تھا۔ حضرت خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین نے جنگ جمل میں یہ شعر کہے۔

یا وصی النبی قد اجلت الحرب الا عادی وسارت الاظعان

واستقامت لک الامور سوی الشام و فی الشام یظهر الاذعان

حسبهم ما رأو اوحسبک منا هکذا نحن حبث کنا و کانوا

اے نبیؐ کے وصی جنگ نے دشمنوں کو ظاہر کر دیا اور ان کی روانگی کا وقت آ گیا اب شام کے علاوہ تمام حالات درست ہو چکے ہیں اور شام میں ان کی اطاعت ظاہر ہو گی۔ جو کچھ وہ دیکھ چکے ہیں وہ منظر ان کے لیے کافی ہے اور آپ کے لیے ہم کافی ہیں۔

اس طرح جہاں ہم ہیں اور جہاں وہ ہیں اس کا فیصلہ ہو جائے گا۔

حضرت خزیمہ نے جنگ جمل میں بی بی عائشہ کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

وصی رسول اللّٰہ من دون اہلہ　　وانت علی ماکان من ذاک شاھد

خاندان رسول میں صرف علیؑ ہی ان کے وصی ہیں اور تو ان کی وصایت کی شاہد ہے۔

جنگِ جمل کے دن ابن زبیر نے خطبہ دیا۔ اس کے بعد امام حسن مجتبیٰؑ نے خطبہ دیا تو عمر بن ابجیہ) نے امام حسنؑ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا۔

حسن الخیر یا شبیہ ابیہ　　قمت فینا مقام خیر خطیب

قمت بالخطبۃ التی صدع اللّٰہ　　بھا عن ابیک اھل العیوب

وکشفت القناع فاتضح الامر　　واصلحت فاسدات القلوب

لست کابن الزبیر لجلج فی القول　　وطاطا عنان فسل مریب

والبی اللّٰہ ان یقوم بدا قدم　　بہ ابن الوصی وابن الخبیب

ان شخصابین النبی لک الخیر　　وبین الوصی غیر مشوب

اے اچھے حسنؑ ! اور اپنے والد کی شبیہ! تو ہمارے درمیان بہترین خطیب بن کر اٹھا تو نے ایک ایسا خطبہ دیا جس کے ذریعہ سے اللہ نے تیرے والد کے دشمنوں کے عیوب واضح کر دیے۔ تو نے اپنی تقریر سے پردے ہٹا دیے اور معاملہ واضح ہو گیا اور تو نے فاسد دل رکھنے والوں کی اصلاح کی۔ تو ابن زبیر کی طرح سے نہیں ہے جس کی گفتگو میں لکنت تھی اور جس نے بے وقوف اور شک کرنے والوں کی لگام کو ڈھیلا چھوڑا۔ خدا کو یہ بات ناپسند تھی کہ وصی اور نجیب کا بیٹا بھی ویسا ہی خطبہ دیتا۔ یقیناً جس کا رشتہ نبی اور وصی سے ہو وہ خلط ملط گفتگو نہیں کر سکتا۔

ابن ابی الحدید نے درج بالا اشعار نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ہم نے یہ اشعار ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی کتاب وقعۃ الجمل سے نقل کیے ہیں۔ ابو مخنف کا تعلق جماعت محدثین سے تھا اور وہ یہ نظریہ رکھتے تھے کہ امامت لوگوں کے چناؤ پر موقوف

ہے۔ ابومخنف ہرگز شیعہ نہ تھا اور نہ ہی علمائے شیعہ میں اسے شمار کیا جاتا ہے۔

جنگ صفین میں عقیدۂ وصایت کی گونج

جب حضرت علیؑ نے منصب خلافت سنبھالا تو آپ نے جریر بن عبداللہ بجلی اور اشعث بن قیس کو اپنی بیعت کے لیے خطوط لکھے اور اس وقت دونوں سرزمین ایران پر حضرت عثمان کی طرف سے حاکم تھے۔ چند اشعار جب جریر بن عبداللہ بجلی کو آپ کا خط ملا تو اس نے چند اشعار پڑھے جن میں سے کچھ شعر اس طرح سے ہیں۔

اتانا کتاب علی فلم نرد الکتاب بارض العجم

امین الا له و برهانه وعدل البریة والمعتصم

علیا عنیت وصی النبی نجا لدعنه غواة الامم[1]

ہمارے پاس علی کا خط آیا۔ ہم نے ارض عجم میں بیٹھ کر اس کا جواب نہیں دیا (بلکہ خود چلے آئے) وہ خدا کا امین اور خدا کی برہان ہے اور پوری کائنات کا عادل ترین فرد ہے۔ اس سے میری مراد علی ہے جو نبی کا وصی ہے۔ ہم گمراہوں سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ جب حضرت کا قاصد آپ کا خط لے کر اشعث بن قیس کے پاس گیا تو اس نے یہ شعر کہے:

اتانا الرسول رسول علی فسر بمقدمه المسلمونا

رسول الوصی وصی النبی له الفضل والسبق فی المومنینا

وزیر النبی وذو صهره وسیف المنیة فی الظالمینا

ہمارے پاس علی کا قاصد آیا اور اس کی آمد سے مسلمان خوش ہوئے۔

۱۔ کتاب الصفین ص ۱۵۔۱۸۔ ابن ابی الحدید ۱/ ۲۴۷۔ فتوح ابن اعثم ۲/ ۳۰۵۔

وصی کا قاصد آیا نبی کے وصی کا قاصد آیا جسے مومنین میں فضیلت اور سبقت حاصل ہے۔

وہ نبی کا وزیر اور اس کا داماد ہے اور ظالموں کے لیے موت کی تلوار ہے۔

اشعث کی زبان سے یہ اشعار بھی مروی ہیں۔

اتانا الرسول رسول الوصی علی المهذب من هاشم

رسول الوصی وصی النبی وخیر البریة من قائم

وزیر النبی و ذوصهره وخیرالبریة فی العالم

ہمارے پاس وصی کا قاصد آیا۔ ہمارے پاس بنی ہاشم کے مہذب فرد علی کا قاصد آیا۔

ہمارے پاس وصی کا قاصد آیا۔ نبی کے وصی کا قاصد آیا۔ اس کا قاصد آیا جو پوری دنیا کا افضل ترین حاکم ہے۔

جو نبی کا وزیر اور اس کا داماد ہے اور جو پورے جہان میں سب سے افضل ہے۔

عبدالرحمٰن بن ذؤیب اسلمی نے کہا۔

الا ابلغ معاویة بن حرب امالک لا تنیب الی الصواب

فان تسلم وتبقی الدهر یوما نزرک بجحفل شبه الهضاب

یقودهم الوصی الیک حتی یردک عن عوائک وارتیاب[1]

معاویہ بن حرب تک یہ پیغام پہنچا دو۔ تجھے کیا ہوا ہے آخر تو حق کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتا؟ اگر تو کچھ دن زندہ رہا تو ہم بارش جیسا لشکر لے کر تجھ سے ملاقات کریں گے۔ اس لشکر کی قیادت وصی کر رہا ہو گا جو تجھے تیری منحوس آواز اور تیرے

۱۔ کتاب الصفین ص ۳۸۲۔

شکوک سے باز رکھے۔

مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب نے صفین کے موقع پر چند اشعار کہے تھے جن میں سے چند شعر یہ ہیں:

یاشرطة الموت صبرا لا یھولکم دین ابن حرب فان الحق قد ظھرا

وقاتلوا کل من یبغی غوائلکم فانما النصر فی الضراء لمن صبرا

فیکم وصی رسول اللّٰہ قائدکم واھلہ و کتاب اللّٰہ قد نشرا (1)

اے لشکر موت صبر و استقامت سے کام لو اور ابن حرب کا دین تمہیں خوف زدہ نہ کرنے پائے۔ حق واضح ہو چکا ہے۔

جو بھی تمہیں نقصان پہنچانے کا خواہش مند ہو تم اس سے جنگ کرو۔ جنگ میں صبر کرنے والا گروہ ہی کامیاب حاصل کرتا ہے۔

رسولؐ خدا کے وصی تمہارے اندر موجود ہیں جو تمہاری قیادت کر رہے ہیں اور آپ رسولؐ خدا کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ کتاب خدا کھل چکی ہے۔

فضل ابن عباس نے کہا تھا:

وصی رسول اللّٰہ من دون اھلہ وفارسہ ان قیل ھل من منازل

حضرت علی خاندان پیغمبر میں وصی رسول ہیں اور اگر کوئی مقابلہ کی صدا دے تو علی ہی شاہسوار ہیں۔ منذر بن ابی حمیصہ وداعی نے اپنے اشعار ٹیں کہا تھا۔

لیس منا من لم یکن لک فی اللّٰہ: ولیا یاذا الولا والوصیة (2)

اے ولایت و وصیت کے مالک! جو شخص خدا کے دین کے لیے آپ کو سرپرست نہیں مانتا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۱۔ کتاب الصفین ص ۴۱۶۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۱/۲۸۴ طبع مصر۔

۲۔ صفین ص ۴۳۶۔

وصایتِ علیؑ بزبان ابن عباسؓ

معاویہ نے ابن عباس کو ایک خط لکھا جس نے اپنے مقدور بھر انہیں پھسلانے کی کوشش کی۔ اس کے جواب میں ابن عباس نے اسے ایک خط لکھا جس کی یہ تحریر یہ تھی۔

امابعد! تیرا خط ملا اور جو کچھ تو نے اس میں تحریر کیا اس کے مضمون سے آگاہی حاصل ہوئی۔ تیرا یہ کہنا کہ ہم نے عثمان کے بہی خواہوں سے برائی کرنے میں جلدی کی ہے تو مجھے اپنی زندگی کی قسم تو نے عثمان کی کون سی مدد کی ہے؟ جب اسے مدد کی ضرورت تھی اور وہ تجھے مدد کے لیے پکار رہا تھا تو تُو نے اس کی کسی طرح سے مدد نہ کی اور عثمان کا مادری بھائی ولید بن عقبہ ان واقعات کا چشم دید گواہ ہے۔تو ہمیں نبی تمیم اور بنی عدی کے افراد کی فضیلت بتانا چاہتا ہے تو سن لے ابوبکر وعمرؓ عثمان سے بہتر تھے اور عثمان تجھ سے بہتر تھے اور تیرا یہ کہنا کہ اس وقت قریش میں صرف چھ افراد ہی ہیں، تیری یہ بات نادرست ہے کیونکہ قبیلہ قریش میں بہت سے مرد موجود ہیں اور قریش کے اچھے افراد نے تجھ سے جنگ کی ہے اور جن لوگوں نے ہماری مدد نہیں کی تو انہوں نے تیری مدد بھی نہیں کی۔

اور تیرا یہ کہنا کہ اگر باقی لوگ تیری (ابن عباس) بیعت کر لیں تو میں (معاویہ) بھی تیری پیروی کروں گا۔ تو خوب سن! مجھے ایسے کسی اقتدار کی ضرورت نہیں ہے۔ لوگ علی کی بیعت کر چکے ہیں اور علی رسول خداؐ کے بھائی اور ان کے وصی اور وزیر ہیں اور وہ مجھ سے بہر طور افضل ہیں۔ تیرا خلافت میں کوئی حق نہیں ہے کیونکہ تو طلیق بن طلیق ہے۔ دشمنان رسول کا سربراہ اور جگر خوار ماں کا بیٹا ہے۔ والسلام۔

جب ابن عباس کا یہ ٹکا سا جواب معاویہ کو موصول ہوا تو اس نے کہا مجھ سے غلطی ہوئی مجھے خط لکھنا ہی نہیں چاہیے تھا اور میں پورے ایک سال تک اسے خط نہیں لکھوں گا۔

پھر اس نے چند شعر کہے جس میں اس نے ابن عباس کا شکوہ کیا۔ جب اس کے شعر ابن عباس تک پہنچے تو ان کے بھائی فضل بن عباس نے اس کے اشعار کے جواب میں شعر کہے تھے جن میں سے ہم یہاں صرف چار شعر نقل کرتے ہیں:

والیت لا تهدی الیه رسالة　　الی ان یحول الحول من رأس قابل

اردت بها قطع الجواب وانما　　رماک فلم یخطی بثار المقاتل

قلت له لو بایعوک تبعتهم　　فهذا علی خیر حاف و ناعل

وصی رسول اللّٰه من دون اهله　　وفارسه اذ قیل هل من منازل[1]

اور تو نے قسم کھائی کہ تو پورا سال اسے خط نہیں لکھے گا۔ اس ذریعہ سے تو نے جواب دینے سے گریز کیا ہے کیونکہ اس نے تجھے ایسا تیر مارا جو کہ صحیح نشانہ پر جا لگا۔ تو نے اس سے کہا کہ اگر دوسرے لوگ اس کی بیعت کر لیں تو تو بھی ان کی پیروی کرے گا۔ یہ علیؑ ہیں تمام جوتا پہننے والوں اور ننگے پاؤں چلنے والوں سے بہتر ہیں۔ رسولؐ خدا کے خاندان میں صرف علیؑ ہی وصی ہیں اور جب کوئی مقابلہ کی صدا دے تو علی شاہسوار ہیں۔

حضرت مالک اشتر نے حضرت علیؑ کا مرثیہ کہا تھا جس کے چند شعر یہ ہیں۔

کل شیٔ سوی الامام صغیر　　وهلاک الامام خطب کبیر

من رأی غرة الوصی علی　　انه فی دجی الحنادس نور[2]

امام کے صدمہ کے علاوہ ہر صدمہ چھوٹا ہے اور امام کی موت عظیم صدمہ ہے۔

۱۔ کتاب الفتوح ابن اعثم ۳/۲۵۴۔۲۵۸۔ کتاب الصفین ۴۱۶۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۱/۲۸۴۔

۲۔ ابن اعثم فی الفتوح ۳/۲۲۶۔ مناقب خوارزمی۔ ۱۷۰۔

جس نے علیؑ کے چہرے کی چمک کو دیکھا تو اسے معلوم ہو گا کہ گھپ اندھیروں میں علی کی چمک روشنی کا کام دیتی تھی۔

ایک اور شاعر نے کہا تھا:

تأس فكم لک من سلوة　　　　تفرج عنک غليل الحزن

بموت النبی و قتل الوصی　　　و قتل الحسين و سم الحسن

میری جان تسلی حاصل کر تیرے پاس تسلی حاصل کرنے کا بہت سا سامان موجود ہے جو تیرے غم کو دور کر سکتا ہے۔ نبی کی موت' وصی کے قتل' حسینؑ کے قتل اور حسن کی زہر سے تجھے تسلی حاصل ہو سکتی ہے۔

حجر بن عدی کا عقیدہ

شام سے چند میل باہر مرج عذرا کے مقام پر حضرت حجر بن عدی اور ان کے مظلوم ساتھی قید میں رکھے گئے۔ معاویہ کی طرف سے ایک قاصد آیا اور اس نے ان سے کہا:

اے گمراہوں کے سردار' کفر و سرکشی کے سرچشمے اور ابوتراب سے الفت رکھنے والے! امیر المومنین نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے اور تیرے ساتھیوں کو قتل کروں۔ البتہ اگر تم لوگ اپنے کفر سے رجوع کر کے اپنے ساتھی (علیؑ) پر لعنت و تبرا کرو تو تمہاری جان بچ سکتی ہے۔ حجر اور اس کے ساتھیوں نے کہا۔ تلوار کی دھار کو برداشت کرنا آسان ہے۔ اور تیری بات پر عمل کرنا ہمارے لیے مشکل ہے اور ہمیں خدا' نبی اور وصی کے حضور جانا دوزخ میں جانے سے زیادہ عزیز ہے۔ (1)

علی بن محمد بن جعفر علوی نے سامہ بن لوی بن غالب کی طرف منسوب

۱۔　　مروج الذهب ۲/۴۲۸۔ جلد سوم ص ۴۔

قبائل کے متعلق کہا تھا:

وسامة منا فامابنوه فامرهم عندنا مظلم

وقلنا لهم مثل قول الوصی وكل اقاويله محكم

اذا ماسئلت فلم تدرما تقول فقل ربنا اعلم

سامہ کا تعلق ہم سے تھا لیکن اس کی اولاد کا معاملہ ہمارے ہاں نامعلوم ہے۔ ہم نے ان کے سامنے وصی کا قول دہرایا اور وصی کے تمام اقوال محکم ہیں جب تجھ سے کچھ پوچھا جائے اور تجھے جواب معلوم نہ ہوتو ''ربنا اعلم'' کہہ دیا کرو۔ یعنی ہمارا رب بہتر جانتا ہے۔

وصایتِ علیؑ بزبان مامون

گردش زمانہ نے مامون کو مجبور کیا کہ وہ امام علی رضا علیہ السلام کو اپنا ولی عہد مقرر کرے۔ چنانچہ مامون نے امام علی رضا علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر کیا اور تنقید کرنے والوں کے جواب میں مامون نے کہا تھا:

الام علی حبی الوصی ابا الحسن
وذلک عندی من اعاجيب ذالزمن[1]

مجھے وصی ابوالحسن کی محبت پر ملامت کی جاتی ہے میرے نزدیک یہ اس زمانہ کی نیرنگی ہے۔

مامون نے اپنے ایک اور شعر میں لفظ وصی کو استعمال کرتے ہوئے کہا تھا۔

ومن غاو يعض على غيظا
اذا ادنيت اولاد الوصی[2]

۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۲/۲۲۔

۲۔ المحاسن والمساوئ بیہقی ۱/۱۰۵۔

کچھ ایسے گمراہ بھی ہیں کہ جب میں وصی کی اولاد کو اپنے قریب

بٹھاتا ہوں۔

تو وہ غصہ کی وجہ سے انگلیوں کو کاٹنے لگتے ہیں۔

مولا علیؑ کو ہر دور میں وصی کہا گیا

مبرد اپنی کتاب الکامل میں لکھتے ہیں کہ کمیت نے کہا تھا۔

والوصی الذی امال التجوبی

بہ عرش امة لانهدام[1]

تجوب سے تعلق رکھنے والے (ابن ملجم) نے وصی کو قتل کر کے

امت کی عزت کے عرش کو گرانا چاہا۔

مبرد لکھتے ہیں: کمیت کا حضرت علی کو ''وصی'' کہنا بڑا متداول اور رائج رہا ہے۔ لوگ مسلسل حضرت علی کو لفظ وصی سے یاد کرتے رہتے ہیں۔ حضرت علی کی وصایت کو اس قدر شہرت ملی کہ یہ لفظ حضرت کا ایک لقب بن چکا ہے اور جب بھی مطلق طور پر یہ لفظ استعمال ہو تو اس سے حضرت علی ہی مراد لیے جاتے ہیں۔

۱۔ عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی التدوؤلی کو تجوبی بھی کہا جاتا ہے اور تجوب مصر کے ایک محلہ کا نام ہے یہ لعین کوفہ آنے سے قبل اس محلہ میں رہتا تھا۔

مبرد کا نام ابو العباس محمد بن زید ازدی الثمالی البصری ہے۔ خطیب بغدادی اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ اہل نحو کے بزرگ اور علوم عربیہ کے حافظ تھے اس کی کتاب ''الکامل فی اللغۃ'' کو بڑی پذیرائی نصیب ہوئی۔ اس کی وفات ۲۸۵ھ کو بغداد میں ہوئی۔

کمیت: ابو المستھل ابن زید اسدی کوفہ کے رہنے والے تھے۔ قادر الکلام شاعر تھے اور آل محمد کی مدح میں شعر کہتے تھے۔ ان کے ''ہاشمیات'' کا ترجمہ جرمنی زبان میں کیا گیا ہے۔ اعلام زرکلی ۹۲/۶

حضرت علیؑ جس طرح ابو تراب کی کنیت سے مشہور ہیں اسی طرح لفظ وصی کے لقب سے ملقب ہیں۔

بزرگانِ شعر و ادب نے آپ کو ہمیشہ لفظ وصی سے یاد کیا ہے جیسا کہ ابو الاسود[1] دؤلی نے حمزہ و عباس کے ساتھ لفظ وصی کا تذکرہ کیا ہے۔

احب محمد احبا شدیدا　　　و عباسا و حمزة والوصیا

"میں محمدؐ اور عباس اور حمزہ اور وصی سے بے حد محبت کرتا ہوں۔"

حمیری[2] نے کہا تھا:

انی ادین بما دان الوصی به　　　یوم النخیلة من قتل لمحلینا

"میں اس چیز پر ایمان رکھتا ہوں جس پر محلین کے مقتولین کے متعلق جنگ نخیلہ میں وصی ایمان رکھتے تھے۔"

امام محمد بن ادریس شافعی المتوفی ۲۰۴ھ نے کہا تھا:

ان کان حب الوصی رفضا　　　فاننی ارفض العباد

"اگر وصی کی محبت رفض ہے تو میں تمام بندگان خدا میں سے سب سے بڑا رافضی ہوں۔"

ابن درید نے کہا تھا:

اھوی النبی محمدا و وصیه　　　وابنیه و ابنته البتول الطاھرة

۱۔ ابو الاسود: ان کا نام ظالم بن عمرو الدولی تھا اور آپ فقیہ اور علم لغت کے ماہر تھے اور علم نحو کے موسس تھے انہوں نے نحو کا علم حضرت علی علیہ السلام سے سیکھا تھا۔ حجاج کے دور میں انہوں نے قرآن مجید پر اعراب اور نقطے لگائے تھے۔ حضرت علی کے ساتھ جنگ صفین میں شامل ہوئے تھے ٦٩ھ کو بصرہ میں وفات پائی۔ العقد الفرید طبع مصر ۳/۳۴۔

۲۔ سید حمیری کا نام اسماعیل بن محمد تھا اور وہ مشہور مداح اہل بیت تھے اور عباسی خلفاء منصور اور مہدی کے مقربین میں سے تھے۔ ۱۷۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ الاعلام زرکلی ۱/۳۰۔

میں نبی کریم محمد مصطفیؐ اور انکی صاحبزادی بتولؑ طاہرہ اور وصی اور ان کے دونوں فرزندوں سے محبت کرتا ہوں۔

دیوان متنبیّ میں ہے کہ متبنی سے کہا گیا کہ تو امیر المومنین علی بن ابی طالب کی مدح کیوں نہیں کرتا؟

مبتنی نے اس کے جواب میں کہا:

و ترکت مدحی للوصی تعمدا اذکان نورا مستطیلا شاملا

واذا استقل الشئ قام بذاته وکذا ضیاء الشمس یذهب باطلا

میں نے جان بوجھ کر وصی کی مدح چھوڑ دی ہے کیونکہ وہ تو ایک ایسا نور ہے جو کہ تمام جہان پر پھیلا ہوا ہے۔

جب کوئی چیز مضبوط ہوتی ہے تو وہ اپنے سہارے پر کھڑی ہوتی ہے اور اسی طرح سے سورج کی روشنی باطل کو ختم کر دیتی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ مضبوط چیز کو کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی طرح سے علی علیہ السلام کو بھی میری شاعری کے سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔

آج متنبیّ نے ابو القاسم طاہر بن حسین بن طاہر علوی کی مدح میں یہ شعر کہا تھا اور یہ شعر اس کے دیوان میں بھی موجود ہے۔

هو ابن رسول الله وابن وصيه وشبههما شبهت بعد التحارب[1]

وہ رسول خدا اور ان کے وصی کا فرزند ہے اور وہ ان دونوں کی شبیہ ہے۔ میں نے تجربات کے بعد اسے ان کی شبیہ کہا ہے۔

شیخ الاسلام حموینی الجوینی المتوفی ۷۲۲ھ نے کہا تھا:

اخو احمد المختار صفوة هاشم

ابو السادة الغر المیامین المؤتمن

ا۔ دیوان متنبیّ ص ۳۳۳۔

وصی امام المرسلین محمد
علی امیر المومنین ابو الحسن

آپ احمدِ مختار کے بھائی اور خاندان ہاشم میں سے چنے ہوئے ہیں اور آپ روشن پیشانی رکھنے والے سرداروں کے والد اور امین ہیں۔

آپ امام الانبیاء محمد مصطفیٰ کے وصی ہیں اور آپ حسن کے والد اور امیر المومنین ہیں۔

حموینی الجوینی نے یہ شعر بھی کہے تھے۔

اخی خاتم الرسل الکرام محمد رسول اله العالمین مطهر
علی وصی المصطفیٰ و وزیره ابی السادة الغرالبهالیل حیدر

حضرت علیؑ خاتم الرسل اور ربّ العالمین کے پاکیزہ رسول کے بھائی ہیں۔

حضرت علیؑ محمد مصطفیٰ کے وصی اور ان کے وزیر ہیں اور حیدر بزرگ سرداروں کے والد ہیں۔

۱۹۲۰ھ میں برطانیہ نے عراق پر قبضہ کیا اور برطانیہ نے یہ دعویٰ کیا کہ اسے عراق اور عراق کی عوام پر حق وصایت حاصل ہے۔ برطانیہ کے اس دعویٰ کی تردید میں سید محمد حبیب عبیدی مفتی موصل نے یہ نظم لکھی تھی:

ایها الغرب جنت شیئا فریاد ماعلمنا غیرالوصی وصیا
قسما بالقرآن والانجیل لیس نرضٰی وصایة لقبیل
اوتسیل الدماء مثل الیسول افبعد الوصی زوج البتول
نحن نرضٰی بالانکلیز وصیا؟
دون ملک العراق بین الطلول لابی عبدالله نجل البتول
قداریقت دماء خیر قتیل افبعد الحسین سبط الرسول
نحن نرضٰی بالانکلیز وصیا؟

یامحبی آل النبی الکرام ایکون العراق ملک اللئام
وھو میراث آل خیر الانام افبعد الائمة الاعلام

نحن نرضی بالانکلیز وصیا؟

اے مغرب! تو نے عجیب بات کہی ہے۔ ہمیں وصی کے بعد کسی دوسرے وصی کا علم نہیں ہے۔

قرآن اور انجیل کی قسم! ہم کسی قبیلہ کی وصایت پر راضی نہیں ہیں۔

اس کے لیے سیلاب کی طرح سے ہم اپنا خون بہا دیں گے۔ کیا شوہر بتول وصی کے بعد ہم انگریز کو وصی مان لیں گے؟

وہ ملک عراق جس کے ٹیلوں کے درمیان فرزند بتولؑ کا خون بہا' جہاں افضل ترین شہید کا خون بہا ہے تو کیا سبط رسول حسینؑ کے بعد ہم انگریز کو وصی مان لیں گے؟

اے نبی کی آل کرام سے محبت کرنے والو! کیا عراق کمینوں کی مملکت بن سکتا ہے؟ جب کہ عراق خیر الانام محمد مصطفیٰ کی آل کی میراث ہے۔ کیا آئمہ اعلام کے بعد ہم انگریز کو وصی مان لیں گے؟

مفتی موصل نے درس حریت دیتے ہوئے اپنی دوسری نظم میں کہا:

اشھدوا یا اھل الثری والثریا قدأبت شیعة الوصی وصیا

زمین و آسمان کے رہنے والو گواہ رہو وصی کے شیعہ کسی دوسرے کو وصی ماننے پر تیار نہیں ہیں۔

قد نکثنا عھد النبی لدینا واحتملنا اثما و عارا وشینا
ان قبلنا وصایة و غوینا افلا یسخط الوصی علینا

ان رضینا بالانکلیز وصیا؟

ماعسی ان نقول یوم الجزاء　　لنبی الهدی ابی الزهراء
والشهید المقیم فی کربلاء　　وامام الهدیٰ بسامراء

ان رضینا بالانکلیز وصیا؟

ہم نبی کے عہد کے عہد شکن قرار پائیں گے اور ہم گناہ اور عار اور مذمت کے لائق ٹھہریں گے۔ اگر ہم نے انگریزوں کی وصایت کو قبول کیا تو گمراہ ہو جائیں گے۔ اگر ہم نے انگریز کو وصی تسلیم کر لیا تو کیا وصیؑ ہم پر ناراض نہ ہوگا؟

ہم قیامت کے دن زہراؑ کے والد نبی ہدیٰ کو کیا جواب دیں گے؟ اور کربلا میں رہائش رکھنے والے شہید کو کیا جواب دیں گے اور سامرا کے امام ہدیٰ کو ہم کیا جواب دیں گے۔ اگر ہم نے انگریز کو وصی تسلیم کر لیا؟

مفتی موصل مرحوم نے مزید درس آزادی دیتے ہوئے کہا۔

لست مناولم نکن منک شیئا　　فلماذا تکون فینا وصیا
لم تکن یا ابن لندن علویا　　هاشیما ولم تکن قرشیا
لاولا مسلما ولا عربیا　　من نبی قومنا ولاشرقیا

فلماذا تکون فینا وصیا؟

لاتقل جعفریة حنفیة　　لاتقل شافعیة زیدیة
جمعتنا الشریعة الاحمدیة　　وهی تابی الوصایة الغربیة

فلماذا تکون فینا وصیا؟

قدسئمنا سیاسة التفریق　　واهتدینا الی سواء الطریق
یاعدوالنا بثوب صدیق　　انت بین الوصیٰ والصدیق
لست الامزورا اجنبیا　　فلماذا تکون فینا وصیا؟

ہمارا اور تیرا کوئی تعلق نہیں ہے پھر تو ہمارا وصی کیوں بننا چاہتا ہے؟ اے فرزند لندن! تو نہ تو علوی ہے نہ ہاشمی ہے اور نہ ہی قرشی ہے۔ اور تو نہ تو مسلمان ہے اور نہ ہی تو عربی ہے اور نہ تو ہماری قوم کا فرد ہے اور نہ ہی تو اہل مشرق میں سے

ہے۔ پھر تو ہمارا وصی کیوں بننا چاہتا ہے؟ تم جعفری اور حنفی' شافعی اور زیدی کی بات نہ کرو۔ ہمیں احمد کی شریعت نے ایک مرکز پر جمع کر دیا ہے اور شریعت محمدی اہل مغرب کی وصایت کی منکر ہے۔ آخر تو ہمارا وصی کیوں بننا چاہتا ہے؟ ہم تفریق کی سیاست سے تنگ آ چکے ہیں اور ہم نے سیدھا راستہ دیکھ لیا ہے تو دوستی کے لباس میں ہمارا دشمن ہے۔ تیرا صدیق اور وصی سے کوئی تعلق نہیں ہے تو جھوٹا اور غیر ملکی ہے۔ آخر تو ہمارا وصی کیوں بننا چاہتا ہے؟

خلاصہ بحث

درج بالا بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک حضرت علیؑ کو وصی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور امیر المومنین کے دشمن بھی اس بات کو مانتے تھے کہ حضرت علیؑ وصی کے لقب سے مشہور ہیں۔ جیسا کہ لشکر عائشہ کے ایک فوجی نے جنگ جمل میں کہا تھا۔

نحن بنو ضبة اعداء علی ذاک الذی یعرف قدما بالوصی

ہم بنی ضبہ علیؑ کے دشمن ہیں جس علیؑ کو پہلے دن سے ہی وصی کہا جاتے ہے۔

حضرت علیؑ کو وصی کہا جاتا تھا اور آپ کی اولاد میں سے گیارہ آئمہ کو اوصیاء کہا جاتا تھا جیسا کہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹوں کی خانہ جنگی کے متعلق کہا تھا کہ مجھے اوصیا نے اس کی خبر دی ہے حضرت علی پہلے دن ہی سے لفظ وصی کے نام سے جانے جاتے تھے اور ہر شخص بلا تامل انہیں وصی کہتا تھا لیکن جب متعصب افراد نے اس لفظ کے معانی پر توجہ دی تو انہیں یہ لفظ کھٹکنے لگا۔ اسی لیے انہوں نے کبھی تو اس کا انکار کیا اور کبھی اسے چھپانے کی ناکام کوشش کی اور کبھی اس لفظ کو اس کے سیاق و سباق سے جدا کرنے کی کوشش کی جیسا کہ اگلے صفحات میں آپ اس کی تفصیلی بحث پڑھیں گے۔

مکتبِ خلافت اور کتمانِ حق

حضرت علی علیہ السلام کی وصایت اظہر من الشمس ہے اور روز اول ہی سے آپ کا لقب وصی رہا ہے۔ اس الم نشرح حقیقت کے باوجود ہمیں یہ دیکھ کر انتہائی ملال ہوتا ہے کہ مکتبِ خلافت نے آپ کی وصایت کو چھپانے کی مقدور بھر کوششیں کیں اور کتمان حق کی ابتدا ام المومنین بی بی عائشہ سے ہوئی اور اس سلسلہ کی روایات کے اسلوب سے پتہ چلتا ہے اگرچہ ام المومنین نے وصایت علیؑ کا انکار کیا مگر ان کے دور میں حضرت علیؑ کو وصی کہا جاتا تھا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ صحیح مسلم میں مذکور ہے:

ذکروا عند عائشة ان علیا کان وصیا فقالت: متی اوصٰی الیه فقد کنت مسندته الی صدری. اوقالت: حجری فدعا بالطست فلقد انخنث فی حجری وما شعرت انه قدمات، فمتی اوصٰی الیه؟

بی بی عائشہ کے پاس بیان کیا گیا کہ علیؑ وصی تھے۔ یہ سن کر بی بی نے کہا نبی نے اسے کب وصیت کی تھی؟ آخری وقت میں نبی کریمؐ کو اپنے سینے سے لگا بیٹھی تھی۔ یا انہوں نے کہا کہ نبی کریم میری گود میں سر رکھے لیٹے تھے۔ رسول کر نے تھال منگوایا اور میری گود ہی میں دوہرے ہو گئے اور مجھے آپ کی موت کا پ

ا۔ صحیح مسلم، شرح النووی، کتاب الوصیۃ ۱۱/۸۹۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مر النبی ۳/۶۵۔ وکتاب الوصیۃ، باب الوصایا۔ فتح الباری ۶/۲۹۱۔ مسند احمد ۶/۳۲۔

تک نہ چل سکا۔ پس رسولؐ خدا نے علیؑ کو وصیت کس وقت کی؟

ہم سمجھتے ہیں کہ بی بی کی طرف سے حضرت علیؑ کی وصایت کا انکار ان کے ان دلی جذبات کی عکاسی کرتا ہے جو وہ حضرت علیؑ کے متعلق رکھتی تھیں اور ہمارا خیال یہ ہے کہ بی بی کے سامنے وصایت علیؑ کا تذکرہ بھی جنگ جمل کے دنوں میں کیا گیا ہوگا۔ اصل میں کہنے والوں کی نیت یہ تھی کہ حضرت علیؑ وصی رسولؐ ہیں اور آپ زوجہ رسول ہیں۔ لہٰذا آپ کو علیؑ کی مخالفت زیب نہیں دیتی۔

یہ سن کر بی بی کو اپنی سیاسی ساکھ ختم ہوتے دکھائی دی اسی لیے انہوں نے اپنی غلطی تسلیم کرنے کی بجائے الٹا وصایت علی ہی کا انکار کر دیا اور یہ ان کے لیے آسان راستہ تھا۔ بی بی عائشہ کے انکار کے باوجود روایات کے الفاظ میں لفظ "ذَکَرُوْا" موجود ہے یعنی لوگوں نے بی بی کے سامنے حضرت علیؑ کے وصی ہونے کا ذکر کیا۔

لفظ "ذَکَرُوْا" جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ کی وصیت کا ذکر کرنے والے ایک دو افراد نہیں تھے بلکہ ایک پوری جماعت تھی اور واضح سی بات ہے کہ ایک پوری جماعت بے سروپا بات کی قائل نہیں ہوسکتی جب کہ اس وقت صحابہ کرام بڑی تعداد میں زندہ تھے اور صحابہ کی موجودگی میں ایک پوری جماعت اس طرح کی غلطی کی مرتکب نہیں ہوسکتی تھی۔ علاوہ ازیں اس جماعت کا نظریہ تھا کہ حضرت علیؑ رسول خداؐ کے وصی ہیں۔ اگر وہ جماعت صحابہ پر مشتمل تھی تو اس کا مقصد یہ ہوگا کہ انہوں نے رسول خداؐ کو وصی بناتے ہوئے دیکھا ہوگا اور اگر بالفرض وہ جماعت صحابہ پر مشتمل نہ تھی تو وہ جماعت تابعین پر مشتمل ہوگی اور تابعین نے یہ عقیدہ اپنی طرف سے ہرگز نہیں گھڑا ہوگا انہوں نے یہ عقیدہ صحابہ سے سن کر ہی قائم کیا ہوگا۔

بی بی عائشہ کے انکار سے حضرت علیؑ کی وصایت پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا

کیونکہ اس روایت سے کم از کم یہ حقیقت تو ضرور واضح ہوتی ہے کہ اس وقت حضرت علیؑ وصی کے لقب سے مشہور تھے۔

ویسے بھی اگر ہم کتب حدیث کا جائزہ لیں تو ہمیں بخوبی علم ہوسکتا ہے کہ بی بی عائشہ حضرت علیؑ کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتی تھیں اور ان کی عادت یہ تھی کہ جہاں حضرت علیؑ کا ذکر آتا تو وہ اسے چھپا دیتی تھیں اور لفظ ''رجل'' یعنی ایک آدمی کہہ کر گزر جاتی تھیں۔

کتب حدیث و سیرت بی بی عائشہ کے اس متعصبانہ رویہ کا پتہ دیتی ہیں اور اس کے لیے ہم چند مثالوں پر اکتفا کریں گے۔

۱۔ ابن سعد نے بی بی عائشہ سے مرض پیغمبر کی روایت ان الفاظ میں کی ہے:

فخرج بین رجلین تخط رجلاه فی الارض بین ابن عباس. تعنی الفضل. وبین رجل اخر' قال عبید اللّٰه: فاخبرت ابن عباس بما قالت' قال: فهل تدری من الرجل الاخر الذی لم تسم عائشة؟ قال قلت: لا! قال ابن عباس: هو علی! ان عائشة لا تطیب له نفسا بخیر. [1]

۱۔ طبقات ابن سعد طبع بیروت ۲/۲۳۲۔

یہی روایت صحیح بخاری باب مرض النبی و وفاتہ ۳/۶۳ پر بھی موجود ہے وہاں یہ لفظ ہیں۔

قال ابن عباس هل تدری من الرجل الاخر الذی لم تسم عائشة؟ قال قلت: لا قال ابن عباس: هو علی بن ابی طالب: ابن عباس نے کہا۔ کیا تو جانتا ہے کہ وہ دوسرا شخص کون تھا جس کا نام عائشہ نے نہیں لیا؟ راوی نے کہا نہیں میں نہیں جانتا۔ ابن عباس نے کہا۔ وہ علی بن ابی طالب تھا۔

بخاری ابن عباس کا جملہ "**ان عائشة لا تطیب له نفسا بخیر**" عائشہ علی کا ذکر خیر کر کے خوش نہیں ہوتی' کو حذف کر دیا ہے۔ جو کہ کتمانِ حق کی بدترین مثال ہے۔

رسول خدا بیماری میں دو اشخاص کا سہارا لے کر گھر سے برآمد ہوئے۔ آپ کے قدم زمین پر لکیریں کھینچ رہے تھے۔ ان میں سے ایک عباس کا بیٹا (یعنی فضل) تھا اور ایک دوسرا شخص تھا۔ عبید اللہ نے کہا کہ میں نے ابن عباس کے سامنے بی بی کی روایت پیش کی تو ابن عباس نے کہا: کیا تجھے معلوم ہے کہ وہ دوسرا شخص کون تھا جس کا نام عائشہ نے نہیں لیا؟

راوی نے کہا: نہیں مجھے معلوم نہیں ہے۔ ابن عباس نے کہا: وہ علیؑ تھا۔ عائشہ علیؑ کا ذکر خیر کر کے خوش نہیں ہوتی۔

۲۔ مسند احمد ۶/۱۱۳ پر مرقوم ہے:

جاء رجل فوقع فی علی و فی عمار عند عائشة فقالت: اما علی فلست قائلة لک فیه شیئا' واما عمار فانی سمعت رسول اللّٰه یقول فیه "لا یخیر بین امرین الا اختار ارشدهما"

ایک شخص بی بی عائشہ کے پاس آیا اور اس نے حضرت علیؑ اور عمار کے متعلق نازیبا گفتگو کی۔ بی بی نے اس سے کہا:

علیؑ کے متعلق تو میں تجھ سے کچھ نہ کہوں گی۔ البتہ عمار کے متعلق میں نے رسول خدا یہ کہتے ہوئے سنا:

جب بھی اسے دو معاملات کے چناؤ کا اختیار دیا جائے گا تو وہ بہتر راستہ کا چناؤ کرے گا۔

اس روایت میں ہم دیکھتے ہیں کہ بی بی عائشہ نے عمار کا دفاع کیا لیکن علیؑ کے متعلق ایک حرف تک کہنے سے گریز کیا۔

۳۔ صحیحین اور اس کے علاوہ دوسری کتب حدیث کی یہ روایت ملاحظہ

فرمائیں۔ بی بی عائشہ سے روایت ہے:

ان رسول اللّٰه بعث رجلا علی سریة وکان یقرألا صحابه فی صلاتهم (قل هو اللّٰه احد) فلما رجعوا ذکر لرسول اللّٰه (ص) فقال: سلوه لای شئ یصنع ذلک؟ فسألوه' فقال: لانها صفة الرحمٰن فانا احب ان اقرأبها. فقال رسول اللّٰه (ص): اخبروه ان اللّٰه یحبه.

''رسول خداؐ نے ایک شخص کو''سریہ'' کا سالار مقرر کر کے روانہ کیا اور وہ شخص جب بھی نماز پڑھاتا تو نماز میں سورہ قل ھو اللہ احد پڑھتا تھا۔ جب لوگ مہم سے واپس آئے تو رسول خداؐ کے سامنے یہ بات بیان کی گئی۔ آپؐ نے فرمایا۔تم اس سے پوچھو وہ سورہ قل ھو اللہ احد کیوں پڑھاتا تھا؟ لوگوں نے اس سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کیونکہ اس سورت میں رحمان کی صفت بیان کی گئی ہے۔ اس لیے میں اسے پڑھنا پسند کرتا ہوں۔''

رسول خداؐ نے فرمایا: اسے بتا دو کہ اللہ بھی اسے پسند کرتا ہے۔

قارئین کرام! اس روایت میں جس شخص کا ذکر موجود ہے کیا آپ اس شخص کو پہچانتے ہیں اور کیا آپ اس شخص کے نام سے واقف ہیں جس کا نام لینا بی بی کو پسند نہ تھا؟ ہمیں یقین ہے اگر وہ شخص حضرت ابوبکر یا حضرت عمر یا طلحہ و زبیر کی طرح بی بی کا کوئی رشتہ دار ہوتا تو بی بی اس کا نام کبھی نہ چھپاتیں۔ ہم نے مکتب خلافت کی کتابوں میں اس شخص کو ڈھونڈنے کی مقدور بھر کوشش کی لیکن ہم اس کا سراغ حاصل کرنے میں ناکام ہوئے۔ پھر مجبور ہو کر ہم نے مکتب امامت کی کتابوں کی طرف رجوع کیا تو تفسیر مجمع البیان اور تفسیر البرہان میں سورہ اخلاص کے ضمن میں

شیخ صدوق کی کتاب التوحید کی یہ روایت دکھائی دی۔

تفسیر البرہان کے الفاظ یہ ہیں:

عن الصحابی عمران بن حصین:

ان النبی (ص) بعث سریة واستعمل علیها علیا (ع) فلما رجعوا سألهم فقالوا: کل خیر' غیر انه قرأبنا فی کل صلاة (قل هو اللّٰه احد) فقال: لم فعلت هذا؟ فقال لحبی ک (قل هو اللّٰه احد) فقال النبی (ص): ما احببتها حتی احبک اللّٰه عز و جل.

صحابی عمران بن حصین کا بیان ہے کہ نبی کریم نے ایک سریہ روانہ کیا اور حضرت علی کو اس کا سالار مقرر فرمایا۔ جب وہ لوگ واپس آئے تو آپ نے ان سے حالات دریافت کیے۔ انہوں نے کہا۔ باقی تو سب خیریت ہے لیکن علی ہمیشہ ہمیں ہر نماز میں قل ھو اللہ احد پڑھاتے تھے۔

نبی کریمؐ نے فرمایا: تو نے ایسا کیوں کیا؟

حضرت علیؑ نے کہا۔ مجھے قل ھو اللہ احد سے محبت ہے (اسی لیے میں ہر نماز میں اسی کی تلاوت کرتا رہا)

نبی کریمؐ نے فرمایا۔ پہلے خدا نے تجھ سے محبت کی پھر تو نے سورۂ قل ھو اللہ احد سے محبت کی۔ [1]

۱۔ تفسیر مجمع البیان شیخ فضل بن حسن طبری التوفی ۵۶۸۔۱۰/۵۶۲۔

تفسیر البرہان سید ہاشم بحرانی۔۴/۵۲۱۔توحید صدوق طبع تہران ص۹۴ حدیث ۱۱۔

عمران بن حصین کی کنیت ابو نجید تھی اور بنی خزاعہ سے تعلق رکھتے تھے۔ فتح خیبر کے سال اسلام قبول کیا۔ حضرت عمر نے اپنے دور میں انھیں تعلیم دین کے لیے بصرہ بھیجا تھا۔ آپ فضلائے صحابہ میں شمار ہوتے تھے اور مستجاب الدعوات تھے۔ آپ نے ۵۲ھ کو بصرہ میں وفات پائی۔

اس حدیث میں بی بی عائشہ نے جان بوجھ کر حضرت علیؑ کا نام نہیں لیا کیونکہ اس سے حضرت علیؑ کی فضیلت ثابت ہوتی تھی اور بی بی کسی قیمت پر فضیلت علیؑ بیان کرنے کی روادار نہ تھیں اس حدیث میں جس "رَجُلٌ" کا ذکر کیا گیا اس سے مراد علیؑ ہیں اور اس لفظ سے علیؑ مراد لینے کے لیے ہمارے پاس دو قرینے موجود ہیں۔

ا۔ صحیح بخاری کی حدیث میں بی بی صاحبہ نے حضرت علیؑ کو لفظ "رجل" سے یاد کیا اور اس روایت میں بھی وہی لفظ "رجل" استعمال ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں روایات ایک ہی شخص کے متعلق ہیں۔

ب۔ دوسری روایت میں بی بی نے بیان کیا کہ "اللہ اس سے محبت کرتا ہے" ان الفاظ کا اشارہ حضرت علی علیہ السلام کی طرف ہے کیونکہ صحیح بخاری کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا تھا......
یحبه اللّٰه و رسوله ... اللہ اور اللہ کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔

بی بی عائشہ کے دل میں حضرت علیؑ کے لیے جو محبت تھی وہ تو اس بات ہی سے ظاہر ہے کہ بی بی آپ کا نام لینا تک پسند نہ کرتی تھیں اور بی بی کی "شفقت" صرف یہیں تک محدود نہ تھی بلکہ حضرت علیؑ کی شہادت کی خبر سن کر بی بی خوش ہوئی تھیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

ابو الفرج اپنی کتاب مقاتل الطالبین کے ص ۴۳ پر لکھتے ہیں:

لما ان جاء عائشة قتل الامام علی' سجدت.

- جب بی بی عائشہ کو حضرت علیؑ کی شہادت کی اطلاع ملی تو اس نے سجدہ کیا۔

مقصد یہ ہے کہ بی بی نے اسے خبر مسرت سمجھ کر سجدہ شکر کیا۔

طبری' ابو الفرج' ابن سعد اور ابن اثیر نے لکھا۔

جب بی بی عائشہ کو حضرت علیؑ کی شہادت کی اطلاع ملی تو اس نے یہ شعر پڑھا۔

فالقت عصاها واستقربها النوی
کما قرعینا بالایاب المسافر

اس عورت نے اپنا عصا پھینک دیا اور اس کی دوری مسافت ختم ہو گئی اور جس طرح سے مسافر کی آنکھیں گھر پہنچ کر ٹھنڈک محسوس کرتی ہیں اسی طرح سے اس کی آنکھوں کو بھی ٹھنڈک نصیب ہوئی۔

پھر بی بی عائشہ نے پوچھا۔ اسے کس نے قتل کیا؟

بتایا گیا کہ قبیلہ مراد کے ایک شخص نے انہیں قتل کیا۔ بی بی نے کہا:

فان یک نائیا فلقد نعاہ غلام لیس فی فیه التراب

''اگر چہ وہ دور تھا لیکن اس کی موت کی خبر ایک جوان نے دی جس کے منہ میں کبھی خاک نہ ہو۔''

یہ شماتت بھرے الفاظ سن کر زینب بنت ام سلمہ نے کہا۔

العلی تقولین هذا؟

کیا تم یہ جملے علیؑ کے متعلق کہتی ہے؟

بی بی عائشہ نے کہا:

اذا نسیت فذکرونی.

ہاں جب میں کبھی بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلایا کرو۔ [1]

پھر بی بی نے بطور تمثیل یہ شعر پڑھے:

مازال اهداء القصائد بیننا باسم الصدیق و کثرة الالقاب
حتی ترکت کانک قولک فیهم فی کل مجتمع طنین ذباب

۱۔ تاریخ طبری در ذکر شہادت علی در حالات ۴۰ھ طبع یورپ ۱/۳۴۶۶۔ ابن اثیر طبع یورپ ۳/۳۳۱۔ طبقات ابن سعد ۳/ ۲۷۔ مقاتل الطالبین ص ۴۲ مقاتل میں ''بعاہ غلام'' جب کہ دوسری کتابوں میں ''نعاہ غلام'' کے الفاظ وارد ہیں۔

پہلے ہمارے درمیان قصائد کا تبادلہ ہوتا رہا اور ایک دوسرے کو
درست اور زیادہ القاب سے یاد کرتے تھے۔ یہاں تک کہ میں
نے قطع تعلق کر لیا تو تیری باتیں مجھے ہر مجمع میں مکھیوں کی
بھنبھناہٹ سی محسوس ہوتی ہیں۔ [1]

بی بی عائشہ کی روایت کی حقیقت

بی بی عائشہ کا یہ کہنا کہ رسول خداؐ کی وفات کے وقت میں نے انہیں اپنے سینے کا سہارا دیا ہوا تھا۔ لہٰذا رسول خداؐ نے علیؑ کو وصیت کس وقت کی تھی؟ دراصل بی بی اس روایت میں منفرد ہیں جب کہ دوسری روایات اس کی نفی کرتی ہیں اور ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولؐ خدا کی وفات بی بی عائشہ کی آغوش اور ان کے سینے کے درمیان نہیں ہوئی بلکہ وفات کے وقت حضرت علیؑ آپ کو سہارا دیے ہوئے تھے جیسا کہ ابن سعد طبقات میں نقل کرتے ہیں:

باب من قال تو فی رسول اللّٰہ (ص) فی حجر علی بن ابی طالب:

عن الامام علی

قال قال رسول اللّٰہ (ص) فی مرضہ: ادعوا لی اخی قال فدعی لہ علی' فقال: ادن عنی فدنوت منہ فاستند الی فلم یزل مستندا الی وانہ لیکلمنی حتی ان بعض ریق النبی (ص) لیصیبنی. ثم نزل برسول اللّٰہ (ص) و ثقل فی حجری...... الحدیث.

باب۔ جس میں کہا گیا کہ رسولؐ خدا کی وفات حضرت علیؑ کی آغوش میں ہوئی۔

۱۔ مقاتل الطالبین ۴۴۔

حضرت علی سے مروی ہے کہ رسول خداؐ نے اپنی بیماری میں فرمایا۔ میرے بھائی کو بلاؤ۔ علیؑ بلائے گئے۔ رسول خداؐ نے فرمایا۔ میرے قریب آ جاؤ۔ میں آپ کے قریب ہوا یہاں تک کہ آپ نے میرا سہارا لیا اور آپ میرا سہارا لیے ہوئے مجھ سے باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کا کچھ لعاب دہن مجھے لگتا رہا۔

پھر آپ پر نزع کا وقت طاری ہوا تو آپ میری گود میں لیٹ گئے۔

۲۔ علی بن الحسین سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا:

قبض رسول اللّٰه (ص) ورأسه فی حجر علی.

جب رسول خداؐ کی وفات ہوئی تو ان کا سر اقدس علیؑ کی آغوش میں تھا۔

۳۔ شعبی سے روایت ہے:

توفی رسول اللّٰه (ص) ورأسه فی حجر علی و غسله علی...... الحدیث.

رسول خداؐ کی وفات کے وقت ان کا سر علیؑ کی آغوش میں تھا اور علی نے انہیں غسل دیا......

۴. **روی عن ابی غطفان' قال: سالت ابن عباس: ارأیت رسول اللّٰه (ص) توفی و رأسه فی حجر احد؟**

قال: توفی وهو لمستند الی صدر علی. قلت فان عروة حدثنی عن عائشة انها قالت: توفی رسول اللّٰه (ص) بین سحری و نحری: فقال ابن عباس: اتعقل؟ واللّٰه لتوفی رسول اللّٰه (ص) وانه لمستند الی صدر

علی وھو الذی غسلہ...... الحدیث.

ابوغطفان کا بیان ہے کہ میں نے ابن عباس سے پوچھا: تو نے دیکھا ہوگا وفات کے وقت رسولِ خداؐ کا سرکس کی گود میں تھا؟

ابن عباس نے کہا۔ وفات کے وقت رسول خداؐ حضرت علیؑ کے سینے کا سہارا لیے ہوئے تھے۔ میں (راوی) نے کہا مگر عروہ نے بی بی عائشہ کی زبانی مجھ سے بیان کیا ہے کہ بی بی نے کہا کہ رسول خداؐ میرے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے فوت ہوئے؟

ابن عباس نے کہا:

کیا تیرے پاس عقل نام کی کوئی چیز موجود ہے؟

خدا کی قسم! رسول خداؐ علیؑ کے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے اور انہوں نے ہی آپ کو غسل دیا تھا الحدیث۔

۵۔ حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں کعب الاحبار اٹھے اور اس وقت ہم بھی حضرت عمر کے پاس بیٹھے تھے۔ کعب الاحبار نے کہا۔

رسول خدا نے کہا:

یہ بات علی سے پوچھ۔

اس نے کہا:

علی کہاں ہے؟

حضرت عمر نے کہا:

وہ یہاں موجود ہے۔

کعب الاحبار نے یہی سوال حضرت علیؑ سے کیا تو آپ نے کہا:

اسندته الی صدری فوضع رأسه علی منکبی فقال الصلاة الصلاة!

میں نے آنحضرتؐ کو اپنے سینے کا سہارا دیا آپ نے اپنا سر
میرے کندھے پر رکھا اور فرمایا: نماز' نماز

کعب الاحبار نے کہا:

انبیاء کی آخری وصیت یہی ہوتی ہے اور اس چیز کا انہیں حکم دیا گیا ہے اور اسی پر ہی وہ مبعوث ہوں گے پھر کعب الاحبار نے حضرت عمر سے پوچھا۔

رسول خداؐ کو غسل کس نے دیا تھا؟

حضرت عمر نے کہا:

یہ بات علیؑ سے پوچھ۔

کعب الاحبار نے یہ مسئلہ حضرت علیؑ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

کنت انا غسله وكان العباس جالسا وكان اسامة وشقران يختلفان الى بالماء.

میں آنحضرتؐ کو غسل دیتا رہا اور عباس پاس بیٹھے رہے اور اسامہ اور شقران پانی بھر کر لاتے رہے۔[1]

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر رسول خداؐ کی وفات بی بی عائشہ کی آغوش یا سینے پر ہوئی تھی تو جب کعب الاحبار نے حضرت عمر سے پوچھا کہ رسول خداؐ نے آخری گفتگو کیا فرمائی تھی تو حضرت عمر اس سے کہتے کہ یہ بات ام المومنین عائشہ سے دریافت کرو۔ مگر حضرت عمر نے انہیں بی بی عائشہ کے پاس نہ بھیجا اور کہا یہ بات علیؑ سے پوچھو۔ آخر حضرت عمر کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

ان مذکورہ پانچوں روایات سے بھی زیادہ مضبوط روایت وہ ہے جو ام المومنین بی بی ام سلمہ سے مروی ہے۔ [illegible] نے کہا:

والذى احلف به ان كان على لاقرب الناس عهدا

۱۔ طبقات ابن سعد باب من قال توفی رسول اللہ فی حجر علی بن ابی طالب طبع یورپ ۲/ق ۲/۵۱۔

برسول اللّٰه (ص) عدناه غداة وهو يقول: جاء علي؟ جاء علي؟ مرارا فقالت فاطمة كانک بعثته في حاجة قالت: فجاء بعد فظننت ان له اليه حاجة' فخرجنا من البيت فقعدنا عندالباب' قالت ام سلمة: وكنت من ادناهم الى الباب' فاكب عليه رسول اللّٰه (ص) وجعل يساره و يناجيه. ثم قبض (ص) من يومه ذلک' فكان اقرب الناس به عهدا. [1]

اس ذات کی قسم جس کی میں قسم کھاتی ہوں۔ یقیناً علی آخری لحات تک تمام لوگوں کی بہ نسبت رسول خداؐ کے زیادہ قریب رہے ہم نے صبح کے وقت رسول خداؐ کی عیادت کی۔ اس وقت آپ فرما رہے تھے: علیؑ آیا ہے؟ علیؑ آیا ہے؟ آپ نے کئی بار ان الفاظ کو دہرایا۔

حضرت فاطمہؑ نے کہا: گویا آپ نے اسے کسی کام کے لیے بھیجا ہوا ہے۔ پھر تھوڑی دیر بعد علیؑ آئے۔ میں نے گمان کیا کہ رسول خداؐ کو علیؑ سے کوئی کام ہے اس لیے ہم سب کی سب گھر سے نکل آئیں اور دروازے کے پاس بیٹھ گئیں۔ اور باقی ازواج کی بہ نسبت میں دروازہ کے زیادہ قریب تھی۔

۱۔ مستدرک حاکم ۳/۱۳۸۔ امام حاکم لکھتے ہیں یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق ہے اور صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اسے نقل نہیں کیا۔ ذہبی نے تلخیص مستدرک میں حدیث کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔ ابن عساکر نے حضرت علی کے حالات میں اس حدیث کو جلد سوم ص ۱۴۔۱۷ پر متعدد اسناد سے نقل کیا ہے۔

مصنف ابن شیبہ ۶/۳۴۸۔ مجمع الزوائد ہیثمی ۹/۱۱۲۔ کنز العمال طبع دوم کتاب الفضائل باب فضائل علی بن ابی طالب حدیث ۳۷۴' ۱۵/۱۲۸۔ تذکرۃ الخواص سبط بن جوزی' باب حدیث النجویٰ والوصیۃ بحوالہ کتاب الفضائل احمد بن حنبل۔

رسولؐ خدا علیؑ پر جھک گئے اور ان سے راز و نیاز اور سرگوشی کرنے لگ گئے پھر اسی دن رسولِ خدا کی وفات ہوگئی۔ اسی لیے علیؑ باقی لوگوں کی بہ نسبت رسول خداؐ کے آخری لمحات تک ان کے زیادہ قریب تھے۔

عبداللہ بن عمرو کی روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

ان رسول اللّٰه (ص) قال فی مرضه: ادعوا لی اخی الی قوله فدعی له علی فستره بثوبه و اکب علیه..... الحدیث[1]

رسولؐ خدا نے اپنی بیماری میں فرمایا: میرے بھائی کو بلاؤ۔ علی کو بلایا گیا تو رسولؐ خدا نے اپنے کپڑے سے انہیں ڈھانپا اور اس پر جھک گئے۔

وفاتِ نبیؐ بزبان وصیؑ

حضرت علی علیہ السلام نے وفات رسولؐ کا ذکر اپنے ان الفاظ سے کیا:

فلقد وسدتک فی ملحودة قبرک وفاضت بین نحری و صدری نفسک فانا للّٰه و انا الیه راجعون.

(نہج البلاغہ خطبہ ۲۰۰)

میں نے اپنے ہاتھوں سے آپ کو قبر کی لحد میں اتارا اور اس عالم میں آپ کی روح نے پرواز کی کہ آپکا سر میری گردن اور سینے کے درمیان تھا۔

حضرت علی نے فرمایا:

ولقد قبض رسول اللّٰه (ص) وان رأسه لعلی صدری ولقد سالت نفسه فی کفی فامررتها علی وجهی

ا۔ کنز العمال طبع اول ۳۹۲/۶۔ تاریخ ابن کثیر ۳۵۹/۷۔ تاریخ ابن عساکر در حالات امیر المومنین طبع بیروت ۳۸۴/۲۔

ولقد وليت غسله (ص) والملائكة اعوانى فضبحت الدار والافنية ملايهبط' وملا يعرج وما فارقت سمعى هينمة منهم يصلون عليه حتى واريناه فى ضريحه. (نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۵)

''جب رسولؐ خدا نے رحلت فرمائی تو ان کا سر اقدس میرے سینے پر تھا اور جب میرے ہاتھوں میں ان کی روح طیب نے مفارقت کی تو میں نے (تبرکاً) اپنے ہاتھ منہ پر پھیر لیے۔ میں نے آپ کے غسل کا فریضہ انجام دیا۔ اس عالم میں کہ ملائکہ میرا ہاتھ بٹا رہے تھے (آپ کی رحلت سے) گھر اور اس کے اطراف و جوانب نالہ و فریاد سے گونج رہے تھے (فرشتوں کا تانتا بندھا ہوا تھا) ایک گروہ اترتا تھا اور ایک گروہ چڑھتا تھا وہ حضرت پر نماز پڑھتے تھے اور ان کی دھیمی آوازیں برابر میرے کانوں میں آ رہی تھیں۔ یہاں تک کہ ہم نے انہیں قبر میں چھپا دیا۔''

ام المومنین کی روایت پر مزید تبصرہ

بہت سی روایات کے حوالہ سے ہم نے ثابت کیا ہے کہ رسولؐ خدا کی وفات حضرت علیؑ کے سینے پر ہوئی اور ام المومنین کی روایت ان احادیث کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتیں۔ ام المومنین اس روایت میں منفرد ہیں۔

اس روایت کے متعلق غالب گمان یہی ہے کہ بی بی نے یہ جملے جنگ جمل کے موقع پر کہے ہوں گے۔ یا پھر انہوں نے یہ جملے دور معاویہ میں اس وقت کہے ہوں گے جب معاویہ پوری ریاست کی طاقت سے فضائل علیؑ کو مٹانے کے درپے تھا اور اس نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ فضیلت علیؑ کو مشکوک بنانے کے لیے اس جیسی

دوسری روایت تراشی جائے اور ام المومنین نے بھی یہ ''کارخیر'' اسی پالیسی کے تحت سرانجام دیا ہوگا۔

اور اگر تمام روایات سے قطع نظر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ رسولؐ خدا کی وفات بی بی عائشہ کے سینے پر واقع ہوئی تھی' پھر بھی اس سے حضرت علیؑ کی وصایت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ کیونکہ وصایت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ آخری وقت ہی میں وصیت کی جائے بلکہ زندگی کے کسی بھی لمحہ میں کوئی شخص کسی کو کسی کام کے سرانجام دینے کی وصیت کرسکتا ہے اور اس مفہوم کی بہت سی روایات موجود ہیں جنہیں اصحاب سنن و مسانید نے حضرت علیؑ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

کان لی من رسول اللّٰہ (ص) مدخلدن: مدخل باللیل' ومدخل بالنهار فکنت اذا اتیته وهو یصلی تنحنح. [1]

میں رسول خدا کی خدمت میں دو وقت حاضری دیتا تھا۔ رات کے وقت اور دن کے وقت اور جب آپ نماز میں مصروف ہوتے اور میں آپ کے پاس جاتا تو آپ کھانستے تھے۔

دوسری روایت میں ہے:

کانت لی من رسول اللّٰہ منزلة لم تکن لاحد من الخلائق انی کنت اتیه کل سحر فاسلم علیه حتی یتنحنح..... الحدیث [2]

ا۔ سنن ابن ماجہ' کتاب الادب' باب الاستیذان حدیث ۳۷۰۸۔ مسند احمد ۱/۸۰۔

۲۔ مسند احمد ۱/۸۵۔۱۰۷۔ اس حدیث کی مزید تشریح ''اہل بیت کی نظر میں اسلامی شریعت کے مصادر'' کے زیرعنوان بیان کی جائے گی۔

مجھے رسولؐ خدا کے ہاں وہ منزلت حاصل تھی جو کسی دوسرے کو حاصل نہ تھی میں ہر سحر کے وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کرتا تھا۔ اگر آپ مصروف ہوتے تو کھانستے تھے۔

تاریخ ابن عساکر میں جابر سے مروی ہے:

لما كان يوم الطائف ناجى رسول الله (ص) عليا فا طال بخواه فقال بعض اصحابه: لقد اطال نجوى ابن عمه. فبلغه ذلک فقال: ما انا انتجيته بل الله انتجاه.

جنگ طائف کے دن رسولؐ خدا نے علی سے سرگوشی کی اور سرگوشی طول پکڑ گئی۔ اس پر کچھ صحابیوں نے کہا کہ انہوں نے اپنے ابن عم سے طویل سرگوشی کی۔ آنحضرتؐ کو لوگوں کی اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا میں نے اس سے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ نے اس سے سرگوشی کی۔

دوسری روایت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

فناجاه طويلا و ابوبكر و عمر ينظر ان والناس' قال: ثم انصرف الينا فقال الناس قدطالت مناجاتک اليوم يا رسول الله! فقال ما انا انتجيته ولكن الله انتجاه. [1]

ا۔ مذکورہ دونوں احادیث ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت علیؑ کے حالات کے ضمن میں جلد دوم ص ۳۱۰۔۳۱۱ پر نقل کی ہیں۔ ان احادیث کو ابن کثیر نے جلد ہفتم ص ۳۵۶ پر نقل کیا۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد دوم ص ۷۸ پر لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

کہ بی بی عائشہ اپنے حجرے میں آئیں تو رسولؐ خدا اور حضرت علی مرتضٰی سرگوشی میں مصروف تھے بی بی عائشہؓ نے کہا:

اے علیؑ! نو دنوں میں مجھے ایک دن ملتا ہے تو کیا تو یہ دن میرے لیے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔

رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ سے طویل سرگوشی کی اور ابوبکر وعمر اور باقی لوگ دیکھتے رہے۔ راوی کہتا ہے کہ پھر رسولؐ خدا ہماری طرف واپس آئے تو لوگوں نے کہا: یا رسول اللہؐ! آج آپ کی سرگوشی بہت لمبی ہوگئی: آپؐ نے فرمایا: میں نے اس سے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ نے اس سے سرگوشی کی۔

ہم نے ان روایات کو ''حاملین علم رسول'' اور ''اہل بیت کی نظر میں اسلامی شریعت کے مصادر'' کے زیر عنوان دوسرے حوالہ جات سے بھی نقل کیا ہے۔

دونوں روایات کا تقابلی جائزہ

ام المومنین کی روایت آپ نے پڑھی جس میں انہوں نے حیات رسولؐ کے آخری لمحات کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی:

رسول خداؐ نے زندگی کے آخری لمحہ میں پیشاب کرنے کے لیے تھال منگوایا لیکن آپ میری گود میں دوہرے ہو گئے اور آپ کی وفات ہوگئی اور آپ وفات کے وقت میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

اس روایت میں حضور اکرمؐ کی زندگی کے آخری لمحات بیان کیے گئے ہیں بعثت اور نزول وحی کے متعلق بی بی صاحبہ اور دوسروں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

جب غار حرا میں آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ کو جبریلؑ کے متعلق شک ہوا کہ کہیں وہ شیطان نہ ہو اور وہ آپ کو اپنا کھلونا نہ بنا رہا ہو اور آیات کریمہ کے متعلق بھی آپ کو یہ شک ہوا کہ یہ کاہنوں کی سی تک بندی نہ ہو۔ آخر کار آپ ایک نصرانی ورقہ بن نوفل کے پاس گئے تو اس نے آپ کو تسلی دلائی کہ یہ وحی کا فرشتہ جبریل تھا اور جو کلام آپ پر نازل ہوا ہے وہ کلام الٰہی ہے۔ اس کے بعد کہیں جا کر آپ کی ڈھارس بندھی۔

ان دونوں روایات کے پڑھنے سے انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ انبیاء و مرسلین کا مقام ایک عالم انسان سے بھی کہیں کم ہے اور یہ روایات ایک مخصوص طرز فکر کی ترجمانی کرتی ہے اور یقیناً ایسی ہی روایات کی وجہ سے ایک سعودی شخص نے بڑی ڈھٹائی سے ہمیں کہا تھا:

''محمدؐ کیا ہے؟ محمدؐ مجھ جیسا انسان تھا اور اب وہ مر چکا ہے۔''

اس کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کی روایت کو لیں جس میں آپ نے بیان فرمایا کہ آخری وقت میں رسول خداؐ نے مجھے اپنے قریب بلایا اور مجھ سے راز و نیاز کی باتیں کیں اور آپ کی روح مبارک نے میرے ہاتھوں پر پرواز کیا اور میں نے بطور تبرک اپنے ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرے۔ پھر میں نے آپ کو غسل و کفن دیا اور اس کام میں فرشتے میرا ہاتھ بٹاتے رہے۔ پھر ملائکہ کی فوجیں آپ کی نماز جنازہ کے لیے مسلسل آتی رہیں اور میں ان کی دھیمی آوازوں کو اپنے کانوں سے سنتا رہا۔

اور اسی طرح سے نزول وحی کے آغاز کے متعلق حضرت علیؑ کے خطبہ کا خلاصہ یہ ہے۔

اللہ نے آپ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی سے فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت ملک کو آپ کے ساتھ لگا دیا تھا جو انہیں شب و روز اچھی خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر لے چلتا تھا...... میں وحی و رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔ جب آپ پر پہلے پہل وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ سنی جس پر میں نے پوچھا: یا رسول اللہؐ! یہ آواز کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے جو اپنے پوجے جانے سے مایوس ہو چکا ہے۔

اگر آپ ان دونوں روایات کا تقابلی جائزہ لیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ روایات اہل بیتؑ سے عظمت رسول جھلکتی ہے اور مکتبِ خلافت کی روایات سے توہینِ رسول ظاہر ہوتی ہے۔

ہماری نظر میں مسلمانوں میں حقیقی وحدت پیدا کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ ان کے سامنے مکتبِ خلافت اور مکتب اہل بیت دونوں کی روایات رکھی جائیں اور وہ دونوں روایات کا تقابلی جائزہ سے خود فیصلہ کریں کہ ان میں سے عظمت رسول پر کون سی روایات دلالت کرتی ہیں اور توہینِ رسول کس مسلک کی روایات سے چھلکتی ہے۔

ہم ایک بار پھر گزارش کریں گے کہ ہمیں سیرت رسولؐ اور زمانہ پیغمبر اور صحابہ کے دور کا تقابلی مطالعہ کرنا چاہیے اور اس تقابلی مطالعہ کے بعد ہم کوئی بہتر نتیجہ نکال سکیں گے۔

ام المومنین کے دو متضاد موقف

ابن عساکر لکھتے ہیں کہ دو عورتوں نے ام المومنین عائشہ سے کہا۔

یا ام المومنین اخبرینا عن علی' قالت: ای شیء تسالن من رجل وضع یده من رسول اللّٰه (ص) موضعا فسالت نفسه فی یده فمسح بها وجهه' و اختلفوا فی دفنه فقیل' ان احب البقاع الی اللّٰه مکان قبض فیه نبیه. قالتا: فلم خرجت علیه؟ قالت؟ امر قضیٰ لو ددت ان افدیه بما فی الارض. (1)

ام المومنین! آپ ہمیں علیؑ کے متعلق کچھ بتائیں۔ بی بی نے کہا تم اس شخص کے متعلق کیا پوچھنا چاہتی ہو جس نے رسول اکرمؐ کو آخری وقت سہارا دیا اور حضور اکرمؐ کی روح مبارک نے اس کے ہاتھوں میں پرواز کی اور اس نے اپنے ہاتھ بطور تبرک منہ پر مل لیے۔ رسول خداؐ کے دفن کے متعلق اختلاف ہوا تو علیؑ کی طرف سے یہ کہا گیا۔ اللہ کو تمام روئے زمین میں سے وہ ٹکڑا

زیادہ پسند ہے جہاں رسول خداؐ کی وفات ہوئی ہے۔

یہ سن کر ان دونوں عورتوں نے کہا۔ پھر آپ نے علیؑ کے خلاف لشکر کشی کیوں کی؟

بی بی نے کہا: یہ فیصلہ تقدیر الٰہی میں ہو چکا تھا میں چاہتی ہوں کہ پوری روئے زمین کی اشیاء فدیہ دے کر اس غلطی کی معافی مانگوں۔

ام المومنین کی یہ حدیث حضرت علیؑ کے اس فرمان سے مطابقت رکھتی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

قبض رسول اللّٰہ (ص) و ان رأسه لعلٰی صدری و لقد سالت نفسه فی کفی و امررتها علی وجهی.

جب رسول خداؐ کی وفات ہوئی تو اس وقت آپ کا سر میرے سینے پر تھا اور آپ کی روح اطہر نے میرے ہاتھوں پہ پرواز کی اور میں نے بطور تبرک وہ ہاتھ اپنے چہرے پر ملے۔

ام المومنین کی یہ روایت ان کی اس روایت کے متضاد ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ رسول خداؐ کی وفات میرے سینے اور میری گود میں ہوئی۔

ابن عساکر نے یہ دوسری روایت بھی ام المومنین سے نقل کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ رسولؐ خدا نے اپنے آخری لمحات میں فرمایا:

میرے حبیب کو بلاؤ...... علی کو بلایا گیا۔ وہ آئے۔ **فلما راہ افرد الثوب الذی کان علیه ثم ادخله فیه فلم یزل یحتضنه حتی قبض علیه.** [۱]

رسولؐ خدا نے اپنا کپڑا پھیلایا اور علیؑ کو اس میں داخل کیا اور وقت وفات تک اسے اپنی گود میں لیے رہے۔

۱۔ مذکورہ دونوں احادیث کو ابن عساکر نے حضرت علی کے حالات کے ضمن میں اپنی کتاب کی جلد سوم کے ص ۱۵ پر نقل کیا ہے۔

ام المومنین کی یہ حدیث عبداللہ بن عمر کی اس حدیث سے مطابقت رکھتی ہے جس میں اس نے کہا حضرت رسول خدا نے اپنی بیماری میں فرمایا: میرے لیے علیؑ کو بلاؤ۔

اور ام المومنین کی یہ حدیث ان کی اس روایت کے معارض ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ رسول خداؐ وفات کے وقت میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

ام المومنین کے بیانات میں واضح تضاد پایا جاتا ہے اور ان روایات کے مطالعہ سے حضرت علی کے متعلق ان کے دو علیحدہ علیحدہ موقف سامنے آتے ہیں۔

آیئے دیکھیں کہ ام المومنین کی زندگی میں یہ علیحدہ موقف کیوں قائم ہوئے اور اس کے اسباب وعلل کیا تھے اس کے لیے ہمیں ان کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لینا ہوگا۔

حضرت علی کے متعلق دو متضاد موقف کیوں؟

پیغمبرؐ اکرم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر خلیفہ مقرر ہوئے اور بی بی عائشہ کی روایت کے مطابق حضرت علیؑ اور دوسرے بنی ہاشم نے چھ ماہ تک حضرت ابوبکر کی حکومت کو تسلیم نہ کیا اور جب حضرت فاطمہ زہرا دنیا سے رخصت ہوئیں تو حضرت علی کو حکومت سے مصالحت کرنا پڑی۔ مگر اس مصالحت کے باوجود حضرت علیؑ دربار حکومت سے منقطع رہے اور حضرت عثمان کے قتل کے بعد جب لوگوں نے حضرت علیؑ کی بیعت کی تو حضرت عائشہ نے خون عثمان کا نعرہ بلند کیا اور اس نعرہ کی آڑ میں انہوں نے اپنے تمام پرانے حساب برابر کیے۔ مگر ام المومنین اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکیں اور وہ طلحہ یا زبیر کو حکومت دلانے میں ناکام ہوئیں اور شکست کھا کر واپس مدینہ آئیں۔

انہیں اپنی شکست کا پورا دکھ تھا اور وہ حضرت علیؑ سے ناراض تھیں اور حضرت علیؑ کے فضائل کا انکار کرتی رہیں اور بی بی کے دکھ کی انتہا یہ ہے کہ جب

انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کی خبر سنی تو سجدہ شکر بجا لائیں اور اسے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان قرار دیا۔

بہر نوع حضرت علیؑ سے ان کی مخالفت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔

حضرت علی کی شہادت کے بعد اقتدار پر معاویہ پوری طرح قابض ہو گیا بی بی اور معاویہ میں علی کی دشمنی امر مشترک تھی اس لیے معاویہ نے بی بی کی خوب عزت افزائی کی لیکن یہ دوستانہ روابط زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکے۔ حضرت حجر بن عدی کی شہادت سے ان تعلقات میں دراڑیں پڑنی شروع ہوئیں اور یہ تعلقات اس وقت بالکل ختم ہو گئے جب معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کی بیعت لینی شروع کی اور اس دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ مدتوں کے تعلقات دشمنی میں تبدیل ہو گئے اور وہ واقعہ یہ تھا کہ ایک دن مروان نے جو کہ مدینہ کا گورنر تھا' مسجد نبوی میں اعلان کیا کہ معاویہ نے تمہاری خیر خواہی کے لیے اپنے بیٹے یزید کو اپنا نائب نامزد کیا ہے۔

حاضرین میں بی بی عائشہ کے سگے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر بھی موجود تھے۔ وہ اس بات کو برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے کھڑے ہو کر مروان سے کہا۔

مروان! خدا کی قسم تو جھوٹا ہے اور معاویہ بھی جھوٹا ہے۔ تم نے امت محمدیہ سے بھلائی نہیں کی بلکہ تم نے اسے قیصر و کسریٰ کی طرح سے موروثی حکومت میں بدل دیا ہے۔ جب بھی ایک ہرقل ہوتا ہے تو اس کی جگہ پر اس کا بیٹا ہرقل بن جاتا ہے۔

مروان نے کہا۔ یہ وہی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کہا:

(وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَا......) اور جس نے اپنے والدین سے کہا تھا کہ تم پر اف ہے' حضرت عائشہ نے مروان کی گستاخانہ گفتگو سنی تو مسجد نبوی کے دروازے کے پاس پردہ کے پیچھے آ کر کھڑی ہوئیں اور زور سے مروان کو آواز دی۔ لوگ خاموش ہو گئے اور مروان بی بی کی طرف متوجہ ہوا بی بی نے اس سے کہا:

تو نے عبدالرحمٰن سے یہ کیا کہہ دیا ہے کہ اللہ نے اس کی مذمت میں

قرآن کی آیت نازل کی تو جھوٹا ہے یہ آیت عبدالرحمٰن کے متعلق نہیں بلکہ فلاں بن فلاں کے متعلق نازل ہوئی البتہ تو خدا کی لعنت کا ایک ٹکڑا ہے۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

كذب واللّٰه ماهو به' ولكن رسول اللّٰه (ص) لعن ابا مروان و مروان في صلبه فمروان فضض من لعنة اللّٰه عز و جل.

''وہ جھوٹ کہتا ہے۔ خدا کی قسم عبدالرحمٰن ایسا نہیں ہے۔ البتہ رسولؐ خدا نے مروان کے باپ پر اس وقت لعنت کی تھی جب مروان اس کی پشت میں تھا۔ مروان لعنت خداوندی کا ایک ٹکڑا ہے۔''(۱)

بخاری نے اس واقعہ کو اپنی صحیح میں نقل کیا ہے اور اس نے لکھا۔

كان مروان على الحجاز استعمله معاوية فخطب فجعل يذكر يزيد بن معاوية لكي يبايع له بعد ابيه فقال له عبدالرحمن بن ابي بكر شيئا' فقال: خذوه فدخل بيت عائشة فلم يقدروا عليه. فقال مروان: ان هذا الذي انزل اليه فيه (وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَا اَتَعِدٰنِنِيْ)

فقالت عائشة من وراء الحجاب ما انزل اللّٰه فينا شيئا من القرآن الا ان اللّٰه انزل عذري. (۲)

مروان معاویہ کی طرف سے صوبہ حجاز کا گورنر تھا۔ اس نے ایک

۱۔ تاریخ ابن اثیر ۳/۱۹۹ در حالات ۵۶ھ۔

۲۔ صحیح بخاری ۳/۱۲۶۔ باب (والذی قال لوالدیہ) من تفسیر سورۃ الاحقاف۔

دن خطبہ دیا' جس میں اس نے لوگوں پر زور دیا کہ وہ معاویہ کے بعد یزید بن معاویہ کی بیعت کریں۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے اس سے کچھ کہا۔ مروان نے کہا۔ اسے پکڑو۔ وہ دوڑ کر بی بی عائشہ کے گھر میں داخل ہو گیا حکومتی اہل کار اسے نہ پکڑ سکے۔ مروان نے کہا۔ یہی وہ شخص ہے جس کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے (وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّکُمَا اَتَعِدَانِنِیْٓ......) اور جس نے اپنے والدین سے کہا تھا کہ تم پر افسوس تم مجھے ڈراتے ہو......۔

بی بی عائشہ نے پردے کی اوٹ سے کہا۔ اللہ نے ہمارے متعلق قرآن کی کوئی آیت نہیں اتاری البتہ اس نے میری بے گناہی نازل کی ہے۔

قارئین کرام! امام بخاری کی خیانت کی داد دیں۔ انہوں نے عبدالرحمٰن کا یہ جملہ نقل نہیں کیا ''**تریدون ان تجعلوها هرقلية**'' تم حکومت و خلافت کو ہرقل کا نظام بنانا چاہتے ہو۔

اور عبدالرحمٰن کے اس جملے کو حذف کر کے امام بخاری نے صرف یہ لکھا ''قَالَ شَیْئًا'' عبدالرحمٰن نے مروان سے کچھ کہا اور امام بخاری کی ''دیانت'' یہاں سے واضح ہوتی ہے کہ اس نے بی بی عائشہ کے وہ جملے حذف کر دیے جو انہوں نے مروان اور اس کے باپ کے متعلق کہے تھے۔

امام بخاری نے تو بنی امیہ کی خیر خواہی کی لیکن یہ بات پھر بھی کتابوں میں آ گئی۔ ابن حجر نے بخاری کی شرح لکھی جس کا نام فتح الباری ہے۔ اس میں اس نے تفصیل سے یہ واقعات لکھے اور ابن حجر نے بی بی عائشہ کا یہ قول بھی نقل کیا۔

لکن رسول اللّٰہ (ص) لعن ابا مروان و مروان فی صلبه.

رسول خداؐ نے مروان کے باپ پر اس وقت لعنت کی جب مروان اس کی پشت میں تھا۔ (1)

امام بخاری کی مجبوری یہ تھی کہ معاویہ اور یزید مسلمانوں کے خلیفہ تھے اسی لیے بخاری عوام مسلمین کو عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے تاثرات سنانا نہیں چاہتے تھے اور یہ لکھنا پسند نہیں کرتے تھے کہ یہ نظام ہرقل اور قیصر و کسریٰ کا ہے اور اسلامی نظام میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

امام بخاری نے اپنی ''روایتی دیانت داری'' سے کام لیتے ہوئے بی بی عائشہ کے قول کو بھی نقل نہیں کیا۔ کیونکہ مروان بھی ایک قلیل عرصہ کے لیے خلیفۃ المسلمین منتخب ہوا تھا اور بخاری کا قلم کسی بھی خلیفہ کی مخالفت میں نہیں اٹھ سکتا تھا۔

بخاری نے اپنی پوری کتاب میں ایسی ایک روایت بھی نقل نہیں کی جس کی وجہ سے خلفاء و حکام پر زد پڑتی ہو اور اس کی بجائے اس نے دانستہ طور پر ان کی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے یا روایت کو ایسا گول مول کیا کہ حقیقت تک رسائی ممکن ہی نہ رہے۔

اور بخاری کی اسی ''خوبی'' کی وجہ سے مکتب خلافت کے پیروکاروں نے اسے ''امیر المومنین فی الحدیث'' کا لقب دیا اور اس کی کتاب کو ''**اصح الکتب بعد کتاب الباری**'' کا درجہ دیا۔

عبدالرحمٰن کی وفات

مروان مدینہ میں یزید کی بیعت لینے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ تو معاویہ بن ابی سفیان حج کے بہانے مدینہ آیا اور اس کی تفصیل ابن عبدالبر نے یوں بیان کی:

1۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری ۱۰/۱۹۷۔۱۹۸۔ الاغانی ابو الفرج ۱۶/۹۰۔۹۱۔ اسد الغابۃ الاصابۃ مستدرک حاکم ۴/۴۸۱۔ تاریخ ابن کثیر ۸/۸۹۔ در حالات حکم بن ابی العاص و عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔

قعد معاوية على المنبر يدعو الى بيعة يزيد' فكلمه الحسين بن علیٰ' وابن الزبير و عبدالرحمن بن ابی بكر' فكان كلام ابن ابی بكر: أهر قلية!؟ اذا مات كسریٰ كان كسری مكانه؟ لا نفعل واللّٰه ابدا.
وبعث اليه معاوية بمائة الف درهم بعد ان ابی البيعة يزيد' فردها عليه عبدالرحمٰن و ابی ان يأخذها وقال: ابيع دينی بدنيای!؟ فخرج الی مائة فمات بها قبل ان تتم البيعة يزيد بن معاوية.

''معاویہ منبر پر آیا اور لوگوں کو بیعت یزید کی دعوت دی۔ حسینؓ بن علیؓ اور ابن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے اس سے گفتگو کی۔ عبدالرحمٰن نے کہا۔ کیا قیصر و کسریٰ کا نظام ہے؟ جب ایک کسریٰ مرتا ہے تو اس کی جگہ اس کا بیٹا کسریٰ بن کر بیٹھ جاتا ہے۔ خدا کی قسم ہم ایسا کبھی نہیں ہونے دیں گے۔''

بیعت یزید کے انکار کے بعد معاویہ نے اس کے پاس ایک لاکھ درہم روانہ کیے جسے عبدالرحمٰن نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کیا میں اپنا دین دنیا کے بدلے میں فروخت کر دوں؟

پھر عبدالرحمٰن مکہ کی طرف چلے گئے اور یزید کی بیعت مکمل ہونے سے پہلے وہ مکہ میں وفات پا گئے۔

پھر علامہ ابن عبدالبر اس کے بعد لکھتے ہیں:

ان عبدالرحمن مات فجأة بموضع يقال له: (الحبشی) علی نحو عشرة اميال من مكة فدفن بها. ويقال: انه توفی فی نومة نامها ولما اتصل خبر موته باخته عائشة

ام المومنين ظعنت من المدينة حاجة حتى وقفت على قبره وكانت شقيقته فبكت عليه و تمثلت.

وكنا كندماني جذيمة حقبة
من الدهر حتى قيل لن يتصدعا
فلما تفرقنا كاني ومالكا
لطول اجتماع لم بنت ليلة معا[1]

عبدالرحمٰن بن ابی بکر مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر حبشی نامی جگہ پر اچانک فوت ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ اس کی سوتے میں موت واقع ہوئی۔ جب اس کی موت کی خبر بی بی عائشہ کو پہنچی تو وہ حج کے قصد سے مدینہ سے نکلیں اور اپنے سگے بھائی کی قبر پر آئیں اور وہاں گریہ کیا اور متمم بن نویرہ کے یہ اشعار پڑھے۔

ہم دونوں بہن بھائی ایک طویل عرصہ تک جذیمہ کے دو ندیموں کی طرح سے ساتھ رہے یہاں تک کہ کہنے والے کہنے لگے کہ یہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔

اور جب ہمارے درمیان جدائی پڑی تو یوں دکھائی دیا جیسا کہ میں نے اور مالک نے ایک رات بھی اکٹھے بسر نہ کی ہو۔

پھر بی بی نے کہا:

''خدا کی قسم! اگر میں تیری موت کے وقت تیرے پاس ہوتی تو تجھے اسی جگہ دفن کرتی جہاں تو مرا تھا اور اگر میں موجود ہوتی تو تجھ پر گریہ نہ کرتی۔''

مستدرک حاکم میں ہے:

رقدفي مقيل قاله: فذهبوا يوقظونه فوجدوه قدمات، فدخل في نفس عائشة تهمة ان يكون صنع به شر وعجل عليه فدفن وهو حي.

ا۔ الاستیعاب برحاشیہ الاصابہ ۲/۳۹۳۔

''عبدالرحمٰن دوپہر کے وقت سویا۔ لوگ اسے جگانے کے لیے
آئے تو دیکھا کہ وہ مر چکا تھا۔ بی بی عائشہ کے ذہن میں یہ
خیال جم گیا کہ اس کے ساتھ کوئی برائی کی گئی ہے اور یہ بھی
ممکن ہے کہ وہ زندہ ہوا سے دفن کر دیا گیا ہو۔''[1]

ہم سمجھتے ہیں کہ اگر عبدالرحمٰن زندہ رہتے اور بھرپور طریقے سے یزید کی مخالفت کرتے اور بی بی عائشہ اس کی تائید کرتیں تو یزید کی حکومت قائم نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن سیاست اور حکومت کے بھی اپنے انداز ہوتے ہیں۔ اہل حکومت اپنے مخالفین کو خفیہ طریقوں سے راستے سے ہٹا دیتے ہیں جیسا کہ عبدالرحمٰن کو راستے سے ہٹایا گیا اور اسی طرح مالک اشتر کو مصر راستے میں جاتے ہوئے راستے میں اپنے ایک ایجنٹ کے ذریعہ سے زہر دلوا کر راستے سے ہٹایا گیا تھا۔

بیعت یزید کی راہ ہموار کرنے کے لیے عبدالرحمٰن کو راستے سے ہٹایا گیا اور اس سے قبل معاویہ نے امام حسن مجتبیٰ کو اپنا حریف سمجھ کر زہر دلوائی تھی کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ حسن کی موجودگی میں وہ کسی کو جانشین مقرر کرنے کا مجاز نہیں ہے اور یزید کا راستہ ہموار کرنے کے لیے سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کا پتہ صاف کیا گیا۔ یہ تمام حالات و واقعات بی بی عائشہ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں تھے۔ اموی حکومت کی ظالمانہ پالیسیوں نے بی بی کو احتجاج کرنے پر مجبور کر دیا اور اس احتجاج کا آغاز انہوں نے مروان اور اس کے باپ کا کچا چھٹہ کھول کر کیا اور دوسری طرف سے معاویہ نے آل محمدؐ کی کردار کشی کی مہم شروع کر رکھی تھی اور اس کے حکم سے مسلمانوں کے منبروں پر حضرت علی علیہ السلام پر سب شتم کیا جانے لگا تھا۔

اندریں حالات ام المومنین نے اموی حکومت سے اپنے تعلقات پر نظر ثانی کی اور حضرت علیؑ وجناب فاطمہؑ کے فضائل و مناقب بیان کرنے لگ گئیں۔ اور

۱۔ مستدرک حاکم ۴۷۶/۳۔ تلخیص مستدرک ذہبی۔

یہ دو آخری احادیث بھی ان کے اسی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ جب کہ اس سے پہلے تو وہ یہ کہتی رہی تھیں کہ رسول خدا ان کے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے فوت ہوئے تھے۔ لیکن جب سیاسی منظر نامہ تبدیل ہوا تو انہوں نے اپنے سابقہ موقف کی تردید کی اور کہا کہ رسول خداؐ کی وفات حضرت علیؑ کے سینے پر ہوئی۔

حضرت ام المومنین سے حضرت علیؑ اور جناب زہرا کے فضائل کی جتنی بھی احادیث مروی ہیں ان سب کا تعلق اسی دور سے ہے جب وہ معاویہ و مروان سے تعلقات پر نظر ثانی کر چکی تھیں اور ان کے مخالف کیمپ کی رکن بن چکی تھیں۔

ویسے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بی بی عائشہ نے اہل بیتؑ کو حکومت سے دور رکھنے میں کلیدی کردار ادا کیا تھا اور وہ قریش کی اس خواہش سے اتفاق کرتی تھیں کہ ایک ہی گھر میں نبوت و خلافت جمع نہیں ہونی چاہیے اور اب ہم قریش کی اس خواہش پر تفصیلی بحث کرنا چاہتے ہیں۔

فضائل علیؑ کو چھپانے اور ان پر سب وشتم کے اسباب وعلل

فصل کے آغاز میں ہم اس کا سبب بیان کرنا چاہتے ہیں پھر ہم فضائل علی کو چھپانے اور ان پر سب وشتم کے اسباب وعلل کا جائزہ لیں گے۔

قریش کی خواہش

اصل بات یہ ہے کہ قریش یہ نہیں چاہتے تھے کہ نبوت اور خلافت بنی ہاشم میں جمع ہو جائے۔

طبری نے دو مکالمے رقم کیے ہیں جو کہ حضرت عمر اور حضرت ابن عباس کے درمیان ہوئے اور وہ مکالمے کچھ اس طرح سے ہیں۔

حضرت عمر نے ابن عباس سے کہا۔

حضرت عمر: تمہاری قوم قریش نے تمھیں حکومت سے کیوں محروم رکھا؟

ابن عباس: میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر: میں جانتا ہوں۔ قریش تمہاری حکومت کو ناپسند کرتے ہیں۔

ابن عباس: مگر ہم نے تو قریش سے ہمیشہ بھلائی کی ہے (اس کے باوجود وہ ہماری حکومت کو ناپسند کیوں کرتے ہیں؟)

حضرت عمر: وہ نہیں چاہتے کہ نبوت وخلافت تم میں جمع ہو جائے اور تم فخر کرنے لگ جاؤ اور اس مقام پر تم شاید یہ کہو گے کہ ابوبکر نے ایسا کیا تھا لیکن خدا گواہ

ہے کہ ابوبکر نے انتہائی محتاط رویہ اختیار کیا تھا۔

دوسرا مکالمہ

حضرت عمر: کیا تجھے معلوم ہے کہ محمد مصطفیٰ کے بعد تمہاری قوم نے تمہیں حکومت و خلافت سے علیحدہ کیوں رکھا؟

ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے اسے کوئی جواب دینے سے گریز کیا۔ پھر میں نے کہا اگر مجھے معلوم نہیں ہے تو امیر المومنین کو تو معلوم ہی ہے اور وہ مجھے وہ سبب بتائیں گے جس کی وجہ سے ہماری قوم نے ہمیں حکومت سے دور رکھا۔

حضرت عمر: تمہاری قوم نبوت و خلافت کا تم میں اجتماع پسند نہیں کرتی اور یہ نہیں چاہتی کہ تم اپنی قوم پر فخر کرنے لگ جاؤ۔ اسی لیے قریش نے اپنے لیے ایک لائحہ عمل اختیار کیا اور انہوں نے درست لائحہ عمل اختیار کیا اور وہ کامیاب ہوئے۔

ابن عباس: اگر آپ ناراض نہ ہوں تو میں کچھ کہوں؟

حضرت عمر: ہاں ہاں کہو۔

ابن عباس: آپ کا یہ کہنا کہ "قریش نے اپنے لیے ایک صحیح لائحہ عمل چنا اور وہ کامیاب ہو گئے۔ (مجھے اس بات سے اختلاف ہے) اگر اس کی بجائے قریش اسے چن لیتے جسے خدا نے چنا تھا تو ان کا عمل صحیح کہلاتا اور وہ حسد سے بچ سکتے تھے اور آپکا یہ کہنا کہ "قریش ہمارے اندر خلافت و نبوت کا اجتماع پسند نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی ایک قوم کی حاسدانہ روش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ **ذَلِکَ بِاَنَّهُمْ کَرِهُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ.** بات یہ ہے کہ انہوں نے خدا کے نازل کردہ حکم کو ناپسند کیا اللہ نے ان کے عمل ضائع کر دیے۔

حضرت عمر: ابن عباس ایسا ہرگز نہیں ہے۔ مجھے تیری طرف سے کچھ باتیں پہنچتی رہی

ہیں اور میں ان باتوں کا تذکرہ کر کے تیری قدر و منزلت کو کم نہیں کرنا
چاہتا تھا۔

ابن عباس: وہ باتیں مجھے بھی بتائیں اگر وہ باتیں سچ ہیں تو سچی باتوں کی وجہ سے
میری قدر و منزلت کم نہ ہو گی اور اگر وہ باتیں جھوٹی ہیں تو میں ان کی
تردید کرنا بھی جانتا ہوں۔

حضرت عمر: مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں سے یہ کہتے ہو کہ لوگوں نے حسد وظلم کی
وجہ سے تمھیں خلافت سے محروم رکھا ہے؟

ابن عباس: جہاں تک ظلم کا تعلق ہے تو اس کے لیے جاہل وحلیم کو سب کچھ معلوم ہے اور
جہاں تک حسد کا سوال ہے تو ابلیس نے آدم سے حسد کیا تھا اور ہم آدم کی
اولاد ہیں اور ہم سے بھی حسد کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر: بنی ہاشم تمہارے دلوں سے حسد اور دشمنی ختم نہیں ہوئی۔

ابن عباس: امیر المومنین! ٹھہریئے! آپ ان لوگوں کی طرف حسد اور دشمنی منسوب
نہیں کر سکتے جن سے اللہ نے ہر طرح کی ناپاکی کو دور رکھا ہے اور انہیں
کامل پاکیزگی عنایت کی ہے اور رسولؐ خدا کا دل بھی بنی ہاشم کے دلوں
میں سے تھا۔

حضرت عمر: ابن عباس! میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاؤ۔

ابن عباس: میں آپ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ جب میں اٹھ کر جانے لگا تو حضرت عمر نے مجھ
سے کہا:

حضرت عمر: ابن عباس! ٹھہر جاؤ۔ میں تمہارے حق کا خیال رکھنے والا ہوں اور تمہاری
خوشی کا خواہش مند ہوں۔

ابن عباس: امیر المومنین! میرا آپ پر اور ہر مسلمان پر حق ہے۔ جو اس کے حق کی حفاظت

کرے گا وہ اپنا حصہ پائے گا اور جو اس حق کو ضائع کرے گا وہ اپنے حصہ کو ضائع کرے گا۔ پھر ابن عباس یہ کہہ کر اٹھے اور چلے گئے۔ [1]

مذکورہ روایات کا تجزیہ

درج بالا دونوں مکالمات میں آپ نے دیکھا کہ پہلے مکالمہ میں حضرت عمر نے کہا کہ قریش اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ خلافت و نبوت ایک گھر میں جمع ہو جائے اور بنی ہاشم اس پر اترانے لگیں۔

دوسرے مکالمہ میں حضرت عمر نے کہا:

''قریش نے اپنے لیے ایک لائحہ عمل اختیار کیا اور انہوں نے درست لائحہ عمل کا انتخاب کیا اور وہ کامیاب ہو گئے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش نے ایسا کر کے صرف اپنے منفی جذبات کو تسکین پہنچائی اور کاش اگر اس کے ساتھ حضرت عمر یہ وضاحت بھی کر دیتے کہ قریش سے ان کی کیا مراد ہے اور قریش کے کس قبیلہ کے افراد نے یہ اقدام کیا اور وہ کون لوگ تھے جنہوں نے ایسا کر کے اقتدار حاصل کیا؟

اگر حضرت عمر اس سوال کی مکمل وضاحت کر دیتے تو حقائق زیادہ واضح صورت میں دکھائی دیتے۔ جب کہ اس وضاحت کے بغیر بھی حقائق اتنے واضح ہیں کہ ہر عام و خاص کو اس کا جواب معلوم ہے۔

حضرت عمر یقیناً ایک ذہین انسان تھے انہوں نے یہ کہا کہ ''قریش نے اپنے لیے ایک لائحہ عمل چنا اور وہ اس میں کامیاب رہے'' مگر انہوں نے قریش کے اس عمل کی توجیہ کے لیے قرآن مجید اور سنت رسول کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔

اور دوسری طرف ہم جس وقت ابن عباس کا جواب دیکھتے ہیں تو وہ ہمیں

۱۔ تاریخ طبری طبع مصر ۱/۳۰۔۳۲۔ طبع یورپ ۱/۲۷۶۸۔ ۲۷۷۲۔ در ذکر سیرت عمر حوادث ۲۳ھ۔ تاریخ ابن اثیر ۳/۲۴۔۲۵۔

یہ کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں:

''اگر اس کی بجائے قریش اسے چن لیتے جسے خدا نے چنا تھا تو ان کا عمل صحیح کہلاتا۔''

ابن عباس کے اس جواب سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں:

۱۔ قریش نے خدا کے چنے ہوئے فرد کو مسترد کیا اور ان کا چناؤ خدا کے چناؤ کے خلاف تھا۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت علی کی خلافت و امامت خدا کی طرف سے تھی جب کہ ان کے حریفوں کی خلافت خدا و رسول کی طرف سے ہرگز نہیں تھی۔

۲۔ قریش کو اپنی صوابدید کے تحت کسی کو منتخب کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ الاحزاب میں فرمایا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُه' اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه' فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلاً مُّبِيْنًا. (الاحزاب ۳۶)

''اور کسی مومن مرد یا عورت کو اختیار نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسولؐ کسی امر کے بارے میں فیصلہ کر دیں تو وہ بھی اپنے امر کے بارے میں صاحب اختیار بن جائے اور جو بھی خدا و رسولؐ کی نافرمانی کرے گا وہ بڑی کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہوگا۔''

علاوہ ازیں ابن عباس نے قریش کے اس حاسدانہ نظریہ کی بھی پورے طور پر مذمت کی کہ خلافت و نبوت ایک گھر میں جمع نہیں ہونی چاہیے اور انہوں نے قریش کے کردار کی مذمت میں قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ. (محمدؐ : ۹)

''یہ اس لیے کہ انہوں نے خدا کے نازل کردہ احکام کو برا سمجھا تو خدا نے بھی ان کے اعمال ضائع کر دیے۔''

حبط اعمال کی تفصیلی بحث کے لیے ہماری کتاب عقائد الاسلام کے باب جزاء الاعمال کا مطالعہ فرمائیں۔

ابن عباس نے اپنے جواب میں یہ موقف اختیار کیا تھا کہ خلافت کے لیے خدا کا نامزد کردہ شخص اور ہے اور قریش کا نامزد کردہ فرد اور ہے۔ ابن عباس کے اس موقف کی حضرت عمر نے تردید نہیں کی اور انہوں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں سے کہتے پھرتے ہوئے کہ ''ظلم و حسد سے تم سے خلافت لے لی گئی۔''

اس کے جواب میں ابن عباس نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ یہ کہہ کر اپنی حجت کو مزید مستحکم کیا کہ ''جہاں تک ظلم کا سوال ہے تو ہر جاہل اور حلیم اس کے متعلق بخوبی جانتا ہے'' اس جملہ سے ابن عباس نے درحقیقت یہ واضح کیا کہ علیؑ یا صرف بنی ہاشم ہی اسے ظلم قرار نہیں دیتے بلکہ تمام لوگ خواہ وہ عالم ہوں یا جاہل' سب ہی یہی کہہ رہے ہیں۔

لفظ ''حسد'' کے متعلق ابن عباس نے کہا:

''ابلیس نے آدمؑ سے حسد کیا تھا اور ہم اس کی محسود اولاد ہیں۔''

اس جواب سے ابن عباس غالباً سورہ آل عمران کی اس آیت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے تھے:

اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ذُرِّيَّةًۢ بَعۡضُهَا مِنۡۢ بَعۡضٍ‌ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ‌. (۳۳.۳۴)

''یقیناً اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ اور آل ابراہیمؑ اور آل عمرانؑ کو تمام جہانوں میں سے منتخب کر لیا ہے یہ ایک نسل ہے جس میں ایک

سلسلہ ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

ابن عباس نے اس آیت کے مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ نکتہ واضح کیا کہ ابلیس نے آدمؑ سے حسد کیا تھا اور ہم بھی آدمؑ کی اولاد ہیں اس لیے اگر کوئی ہم سے حسد کرتا ہے تو اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں ہے۔

علاوہ ازیں ابن عباس نے سورہ نساء کی اس آیت مجیدہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَیْنَا اٰلَ اِبْرَاهِیْمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكاً عَظِیْمًا. (النساء ۵۴)

"یا وہ ان لوگوں سے حسد کرتے ہیں جنہیں خدا نے اپنے فضل و کرم سے بہت کچھ عطا کیا ہے تو پھر ہم نے آل ابراہیم کو کتاب وحکمت اور ملک عظیم سب کچھ عطا کیا ہے۔"

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب سے مراد قرآن' حکمت سے مراد نبوت اور ملک عظیم سے مراد امامت اور آل ابراہیمؑ سے مراد آل محمدؐ ہیں اور یہ بات بالکل واضح بھی ہے۔

ہم دوسرے مکالمہ میں دیکھتے ہیں کہ جب حضرت عمر ابن عباس کے استدلال سے عاجز آ گئے تو انہوں نے کہا:

بنی ہاشم! خدا کی قسم آج تک تمہارے دلوں سے حسد نہ نکلا اور تمہارے دلوں سے دشمنی ختم نہ ہوئی۔

ابن عباس نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا:

امیر المومنین! جلدی نہ کریں آپ ان دلوں کو حسد اور دشمنی سے معمور کیوں کر کہہ سکتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ گواہی دی ہے کہ اس نے ان

سے ہر طرح کی ناپاکی کو دور رکھا ہے۔ علاوہ ازیں رسول کریمؐ کا دل بھی تو بنی ہاشم کے دلوں میں سے ایک تھا۔

ہم حضرت عمر کے جملہ کو ثقیل سمجھ کر اس کی تشریح نہیں کرنا چاہتے البتہ یہ ضرور کہنا چاہتے ہیں کہ ابن عباس نے اپنے جواب کی بنیاد آیت تطہیر پر رکھی ہے۔ جو کہ حسب ذیل ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا. (الاحزاب ۳۳)

''اے اہل بیت! اللہ کا ارادہ بس یہ ہے کہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جیسا پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔''

آخر کار جب حضرت عمر ابن عباس کے دلائل کا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے تو انہوں نے ان سے کہا کہ تم یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ۔

حضرت عمر کے لب و لہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف قریش ہی بنی ہاشم میں خلافت و نبوت کے اجتماع کو ناپسند نہیں کرتے تھے بلکہ حضرت عمر بھی اس مسئلہ میں ان کے موید تھے۔ اور انہیں ہمیشہ یہ خوف دامن گیر رہتا تھا کہ ان کی وفات کے بعد کہیں بنی ہاشم خلافت کا مطالبہ نہ کریں اور ان کے خوف کا اظہار ان کی ایک دوسری گفتگو سے ہوتا ہے جو انہوں نے ابن عباس سے کی تھی۔

اس گفتگو کا پس منظر یہ ہے کہ ''حمص'' کے گورنر کی وفات ہوئی تو حضرت عمر نے ابن عباس سے کہا:

ابن عباس! حمص کا عامل مر گیا ہے اور وہ ایک اچھا انسان تھا اور اچھے انسان کم ہوتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ تو بھی اچھے انسانوں میں سے ایک ہے۔ البتہ میرے دل میں تیرے متعلق ایک خلش موجود ہے جس کا مظاہرہ میں نے تیری

طرف سے نہیں دیکھا اور اس خلش نے مجھے عاجز کر دیا ہے۔ گورنر بننے کے متعلق تیری رائے کیا ہے؟

ابن عباس نے کہا۔ میں اس وقت تک کوئی سرکاری عہدہ قبول نہیں کروں گا جب آپ اپنے مافی الضمیر کا اظہار نہیں کریں گے۔

حضرت عمر نے کہا:

اس سے تو کیا چاہتا ہے؟

ابن عباس نے کہا۔ میں اس لیے جاننا چاہتا ہوں تا کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ مجھ میں ایسی کون سی بات پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے آپ میرے متعلق پریشان ہیں۔ اگر میں اس بات سے بے گناہ ہوا تو میں آپ کی طرف سے عہدہ قبول کر دں گا ورنہ نہیں اور ویسے بھی آپ جلد باز نہیں ہیں۔

حضرت عمر نے کہا: بات یہ ہے کہ مجھے تیرے متعلق ہمیشہ یہ اندیشہ رہتا ہے کہ اگر میں نے تجھے عہدہ پر فائز کر دیا اور میں مر گیا تو تو لوگوں کو اپنی خلافت کی طرف دعوت دینے لگ جائے گا اور لوگوں کو کسی دوسری طرف نہیں جانے دے گا۔

(مروج الذہب مسعودی ۲/۳۲۱_۳۲۲)

حضرت عمرؓ کی اس گفتگو کے لب و لہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ گفتگو زندگی کے آخری ایام میں کی ہو گی۔ اور اس سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ آپ یہ بات ہرگز پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کے بعد مسند خلافت پر بنی ہاشم متمکن ہو جائیں۔

صحیح بخاری میں ایک طویل روایت موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر حج پر گئے ہوئے تھے انہیں معلوم ہوا کہ ایک شخص نے لوگوں سے کہا کہ اگر عمر کی وفات ہوئی تو میں فلاں کی بیعت کر لوں گا کیونکہ سقیفہ میں عمر نے ابوبکر کی بیعت کی تھی اور اگر ایک فرد کی بیعت سے حضرت ابوبکر کی خلافت قائم ہو سکتی ہے تو

پھر میری بیعت سے فلاں شخص کی خلافت قائم کیوں نہیں ہو سکتی؟

یہ بات حضرت عمر کو معلوم ہوئی تو انہیں سخت غصہ آیا اور انہوں نے کہا کہ میں اس مسئلہ کے متعلق مکہ میں ہی اجتماع مسلمین سے خطاب کرنا چاہتا ہوں۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا کہ آپ اس طرح کا اہم اعلان مکہ کی بجائے مدینہ میں کریں۔

بالآخر ایام حج تمام ہوئے اور تمام مسلمان مکہ سے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے اور حضرت عمر بھی مدینہ پہنچے۔ تو وہ جمعہ کے دن منبر نشین ہوئے اور انہوں نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک شخص یہ کہتا پھر رہا ہے کہ میں عمر کے بعد فلاں شخص کی بیعت کر لوں گا۔ تمھیں ایسا نہیں کہنا چاہیے البتہ یہ صحیح ہے کہ ابوبکر کی بیعت اچانک ہوئی تھی لیکن اللہ نے اس کے شر سے بچا لیا تھا لیکن آج تمھارے معاشرے میں کوئی شخص ابوبکر جیسا نہیں ہے جس کی طرف لوگوں کی گردنیں اٹھتی ہوں۔

خبردار! جس نے بھی مشورہ کے بغیر کسی کی بیعت کی تو بیعت کرنے والے اور بیعت لینے والے دونوں افراد کو قتل کر دیا جائے۔ (۱)

قارئین کرام! آیئے چند لمحات کے لیے ہمارے ساتھ لیں اور مل کر تلاش کریں کہ حج کے موقعہ پر یہ الفاظ کس نے کہے تھے اور اس نے کسی کی بیعت کرنے کا کہا تھا؟

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں ہمیں اس کا سراغ دیا ہے۔ اس نے کہا یہ بات کہنے والا عمار بن یاسر تھا اور اس نے کہا تھا کہ اگر عمر مر گیا تو میں علی بن ابی طالب کی بیعت کروں گا۔

چنانچہ عمار کے اس قول کو سن کر حضرت عمر کو یہ خطبہ دینا پڑا۔ (۲)

۱۔ صحیح بخاری ۴/۱۱۹۔۱۲۰۔ کتاب الحدود باب رجم الحبلی من الزنا۔

۲۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید در شرح خطبہ ۲۶۔

حضرت عمر کی گفتگو کا تجزیہ

حضرت عمر کے خطبہ سے یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہوتی ہے کہ انہیں اس بات کا سخت اندیشہ تھا کہ اقتدار قریش سے کہیں نکل نہ جائے اور ان کے بعد صحابہ و تابعین کسی ایسے فرد کا انتخاب نہ کرلیں جو ان کی پسندیدہ شخصیت نہ ہو۔

چنانچہ اس "غیر پسندیدہ" شخص کو اقتدار سے باہر رکھنے کے لئے حضرت عمر نے بڑے جتن کئے۔ جیسا کہ انہوں نے مسجد نبوی میں اعلان کیا کہ جو شخص مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی کی بیعت کرے گا تو بیعت کرنے والے اور بیعت لینے والے دونوں کو قتل کر دیا جائے گا۔

ہم اس مقام پر بڑے ادب سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ اگر مشورہ مسلمین کے بغیر بیعت کرنے والا اور بیعت لینے والا دونوں واجب القتل ہیں تو آپ خو اپنے اور اپنے پیش رو کے متعلق کیا فرمائیں گے جسے آپ مشورہ مسلمین کے بغیر مسن اقتدار پر لائے تھے؟

حضرت عمر "غیر پسندیدہ شخص" کو ہر قیمت پر اقتدار خلافت سے محروم دیکھ چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک شوریٰ تشکیل د تھی جس میں انتخاب کا تمام تر اختیار عبد الرحمٰن بن عوف کو منتقل کیا تھا، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ عبد الرحمٰن بن عوف قریش کے اس اشرافیہ طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں خلافت و نبوت کو ایک گھرانے میں نہیں دیکھ سکتا۔

عبد الرحمٰن بن عوف بھی اپنی فیصلہ کن حیثیت سے بخوبی واقف تھے اور جانتے تھے کہ اگر انہوں نے اپنے پتوں کو صحیح استعمال نہ کیا تو اقتدار قریش ے

اشرافیہ طبقہ سے نکل جائے گا اور نبوت و خلافت ایک ہی خاندان میں جمع ہو جائے گی۔ اس لئے عبد الرحمٰن نے گہری سوچ بچار کے بعد سیرت شیخین کی نئی شرط وضع کی اور وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ حضرت علیؑ قرآن وسنت کے علاوہ کسی بھی تیسری شرط کو ماننے پر آمادہ نہیں ہوں گے اور یوں علیؑ کو بڑی آسانی کے ساتھ خلافت و اقتدار پر سے علیحدہ رکھنا ممکن ہو جائے گا۔

شوریٰ دراصل ایک دکھاوے کی کارروائی تھی جب کہ حضرت عثمان کی خلافت کا فیصلہ ایوان خلافت میں پہلے سے کیا جاچکا تھا شوریٰ ایک رسمی کارروائی تھی کہ ہم کتاب ہذا میں پہلے ہی یہ روایت نقل کر چکے ہیں کہ حضرت عمر نے سعید بن عاص اموی کو بتادیا تھا کہ ان کے بعد اقتدار ان کے قریبی رشتہ دار کو منتقل ہونے والا ہے۔ چنانچہ وہی ہوا جو انہوں نے کہا تھا۔ حضرت عمر کی وفات کے بعد حضرت عثمان منبر خلافت پر آئے جو کہ سعید بن العاص اموی کے قریبی عزیز تھے۔ واقعات کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غیر متوقع طور پر اقتدار میں نہیں آئے تھے بلکہ ان کے لئے مدت سے منصوبہ بندی کی جارہی تھی۔

من ترا حاجی بگویم تو مرا قاضی بگو

تاریخی واقعات کے گہرے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر اسلام کی یہ شخصیات اس ایک نکتہ پر متفق تھیں کہ اقتدار بنی ہاشم کے ہاتھ میں نہیں جانا چاہئے اور اقتدار کی چکی ان کے گرد گردش کرتی رہے۔ ہماری یہ معروضات خدانخواستہ کسی غلط فہمی یا دشمنی پر مبنی نہیں ہیں بلکہ تاریخی حقائق ہی کچھ اس طرح سے ہیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت عمر ایڑی چوٹی کا زور صرف کر کے حضرت ابوبکر کو مسند خلافت پر

تھے۔ اور اس احسان کا فطری تقاضا یہ تھا کہ حضرت ابوبکر اپنے بعد حضرت عمر کو منتخب کریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جس کی توقع پہلے سے کی جا رہی تھی۔

حضرت ابوبکر کے زندگی کے آخری لمحات تھے، انہوں نے حضرت عثمان کو حکم دیا کہ تم میری طرف سے ایک وصیت نامہ تیار کرو، ابھی حضرت حضرت ابوبکر نے صرف یہ الفاظ لکھوائے تھے:

" هذا ما عهد ابوبکر الی المسلمین، اما بعد "

''یہ وہ دستاویز ہے جو ابوبکر نے مسلمانوں کے نام تحریر کی ہے۔'' یہ جملے لکھاتے ہی حضرت ابوبکر بے ہوش ہوگئے۔ اور حضرت عثمان نے یہ جملے لکھے۔

''فانی استخلفت علیکم عمر بن الخطاب''

''میں نے عمر بن خطاب کو تمہارا خلیفہ مقرر کیا ہے۔''

کچھ دیر بعد حضرت ابوبکر کو ہوش آیا تو انہوں نے حضرت عثمان سے پوچھا کہ تم نے کیا لکھا ہے؟ انہوں نے اپنے لکھے ہوئے جملے سنائے تو حضرت ابوبکر نے کہا تم نے میرے جذبات کی صحیح ترجمانی کی ہے۔

اب واقعات کا تسلسل کچھ یوں ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کے اقتدار کے لئے اہم کردار ادا کیا تھا اسی لئے حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو اپنا جانشین مقرر کیا اور آخری وصیت لکھنے میں حضرت عثمان نے کلیدی کردار ادا کیا اور اپنے جذبات کا کھل کر وصیت نامہ میں اظہار کیا۔ حضرت عمر، حضرت عثمان کے اس احسان کو چکانا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے اس کے لیے بڑی ماہرانہ منصوبہ بندی (Planning) کی تھی اور اس منصوبہ بندی میں عبد الرحمٰن بن عوف نے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ حضرت عثمان، عبد الرحمٰن بن عوف کے ممنون احسان

تھے اور وہ ان کے احسان کو چکانے کے لئے انہیں اپنے بعد خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ البتہ قضاء وقدر نے ان کا ساتھ نہ دیا۔عبد الرحمٰن، حضرت عثمان کی زندگی میں وفات پا گئے اور یوں وہ اپنے احسان کا بدلہ پانے سے محروم رہے۔

یعقوبی کی اس روایت کو پڑھیں:

ایک مرتبہ عثمان بن عفان بیمار ہوئے اور بیماری میں شدت پیدا ہوئی تو انہوں نے حمران بن ابان کو طلب کیا اور اس سے اپنے جانشین کے حق میں دستاویز تحریر کرائی البتہ انہوں نے جانشین کے نام کی جگہ خالی رکھوائی اور کاتب سے اپنے جانشین کا نام نہ لکھوایا۔ پھر انہوں نے کاتب سے وہ دستاویز لے لی اور اپنے ہاتھ سے عبد الرحمٰن بن عوف کا نام تحریر کیا اور وہ وصیت نامہ اچھی طرح سے بند کر کے مزید توثیق کے لئے ام المومنین ام حبیبہ کے پاس بھیجا۔

حمران کاتب نے راستہ میں وہ وصیت نامہ کھول کر پڑھا تو اسے اس میں عبد الرحمٰن کا نام دکھائی دیا۔حمران نے جا کر عبد الرحمٰن کو اس کی اطلاع دی۔ یہ خبر سن کر عبد الرحمٰن سخت غضب ناک ہوا اور کہا یہ کہاں کا انصاف ہے کہ میں تو کھل کر علی الاعلان اسے خلیفہ بناؤں اور وہ مجھے چوری چھپے خلیفہ بنائے!؟ یہ خبر پورے مدینہ میں پھیل گئی۔ بنی امیہ کو سخت غصہ آیا۔ حضرت عثمان نے اس واقعہ کی وجہ سے حضرت عثمان اور عبد الرحمٰن اپنے انتخابات پر سخت ندامت اور شرمندگی کا اظہار کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ کاش میں نے اسے خلیفہ نہ بنایا ہوتا۔عبد الرحمٰن نے اپنے بیٹے کو حضرت عثمان کے پاس بھیجا اور بیٹے سے کہا کہ تم جا کر اس سے کہو کہ میں نے تیری بیعت کی تھی جب کہ میں تین اضافی خوبیوں کی وجہ سے تجھ پر فوقیت رکھتا تھا۔۔۔۔۔۔۔ الخبر۔

(تاریخ یعقوبی۔۲/۱۶۹)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اندرون خانہ یہ فیصلہ ہوچکا تھا کہ حضرت عثمان کے بعد عبد الرحمٰن بن عوف کی خدمات کا صلہ انہیں خلافت کی صورت میں دیا جائے۔مگر کاتب تقدیر نے ساتھ نہ دیا عبد الرحمٰن اور حضرت عثمان میں سخت جھگڑا ہوگیا جس کے بعد عبد الرحمٰن، حضرت عثمان کی شکل دیکھنے تک کا روا دار نہ رہا اور ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں عبد الرحمٰن کی وفات ہوئی اور خلافت کی رسی کے بل آہستہ آہستہ کھلنے شروع ہوئے اور برسر اقتدار بنی امیہ اور قریش کی دوسری شاخوں میں تنازعات نے جنم لیا اور حضرت عائشہ نے بنی تمیم کی قیادت سنبھالی اور طلحہ و زبیر بی بی کے پس پشت تھے اور حضرت عثمان مدینہ میں مہاجرین و انصار کی موجودگی میں قتل ہوگئے۔

(مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب احادیث ام المومنین عائشہ کا مطالعہ فرمائیں)

حق دار کو حق مل گیا

حضرت عثمان کی وفات سے امت اسلامیہ بیعت سے آزاد ہوگئی اور انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کے نام کا نعرہ بلند کیا اور یہ نعرہ بلند کرنے میں صحابہ کرام سب سے پیش پیش تھے۔ جب حضرت علیؑ کی بیعت ہوگئی اور آپ نے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے تو آپ نے قریش کی وہ تمام جاگیریں ضبط کرلیں جو انہیں سابقہ ادوار میں عطا ہوئی تھیں اور آپ نے وظائف کے لئے قریش اور غیر قریش کا فرق ختم کر دیا اور تمام مسلمانوں کو مساوی طور پر وظیفہ دینے کا اعلان کیا۔

جب قریش نے اپنی مراعات کو یوں ختم ہوتے ہوئے اور اپنی

جاگیروں کو بحق سرکار ضبط ہوتے اور امت کے غربا و مساکین میں تقسیم ہوتے دیکھا تو انہوں نے آپ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور چار ماہ بعد جنگ جمل برپا رہی۔ جس کے لئے رقم مروان اور دیگر بنی امیہ نے فراہم کی تھی اور طلحہ وزبیر اور ام المومنین نے اس جنگ کی قیادت کی تھی۔ اور تاریخ کا یہ عجیب ستم ہے کہ جنگ جمل خون عثمان کے نام پر لڑی گئی اور اس جنگ کے سربراہ اور محرک وہی تھے جو قتل عثمان کے محرک تھے۔

ابھی جنگ جمل کے شعلے بجھے ہی تھی کہ قریش نے حضرت علیؑ کے خلاف جنگ صفین مسلط کر دی اور جنگ صفین میں تحکیم کے بعد گروہ خواج نمودار ہوا۔ جس سے آپ کو نہروان کے مقام پر جنگ کرنا پڑی۔

الغرض قریش نے پورے پچیس سال تک باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت حضرت علیؑ کو اقتدار سے محروم رکھا اور اگر آپ کسی طرح سے مسند خلافت پر فائز بھی ہوگئے تو آپ کو چین سے نہ بیٹھنے دیا گیا اور آپ پر خون ریز جنگیں مسلط کر دی گئیں۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ قریش کو یہ بات پسند نہ تھی کہ نبوت وخلافت ایک ہی گھرانے میں جمع ہو جائے۔

امیر المومنینؑ نے قریش کے مظالم کا بار بار تذکرہ کیا اور آپ نے اپنے بھائی عقیل کے نام ایک خط میں تحریر کیا:

> **فدع عنک قریشا التبہفی الضلال وتجوالھم فی الشقاق وجماحھم فی التسیہ فانھم قد اجمعوا علی حربی کنا جماعھم علی حرب رسول اللّٰہ ( ) قبلی فجزت قریشا عنی الجوازی فقد قطعوا رحمی ....**

(نہج البلاغہ، مکتوب ۳۶)

''تم قریش کے گمراہی میں دوڑ لگانے، سرکشی میں جولانیاں
کرنے اور ضلالت میں منہ زوری دکھانے کی باتیں چھوڑ دو۔
انہوں نے مجھ سے جنگ کرنے میں اُسی طرح ایکا کیا ہے جس
طرح وہ مجھ سے پہلے رسولؐ خدا سے لڑنے کے لئے ایکا کئے
ہوئے تھے۔ خدا کرے ان کی کرنی ان کے سامنے آئے انہوں
نے میرے رشتے کا کوئی لحاظ نہ کیا اور میرے ماں جائے کی
حکومت مجھ سے چھین لی۔۔۔''

ایک قریش سے ایک بار حضرتؑ کا تلخ مباحثہ ہوا، جس کا حال آپؑ نے اپنے ایک خطبہ میں ان الفاظ میں بیان کیا:

وقد قال قائل : انک علی ھذا الامر لحریص. فقلت :
بل انتم واللہ لاحرص وابعد وانا اخص واقرب وانما
طلبت حقالی وانتم تحولون بینی وبینہ وتضربون
وجھی دونہ فلما قرعتہ بالحجة فی الملاء الحاضرین
ھب کانہ (بھت) لا یدری مایجیبنی بہ. اللھم انی
استعینک علی قریش ومن اعانھم فانھم قطعوا رحمی
وصغر واعظیم منزلتی واجمعوا علی منازعتی
(امرا)ھولی، ثم قالوا : الاان (فی) الحق ان تاخذہ
وفی الحق ان تترکہ.

(نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۰)

''مجھ سے ایک کہنے والے نے کہا کہ اے ابن ابی

طالبؑ آپ تو اس خلافت پر للچائے ہوئے ہیں تو میں نے کہا ''خدا کی قسم تم اس پر کہیں زیادہ حریص اور (اس منصب کی اہلیت سے) دور ہو۔ اور میں اس کا اہل اور (پیغمبر سے) نزدیک تر ہوں۔ میں نے تو اپنا حق طلب کیا ہے اور تم میرے اور میرے حق کے درمیان حائل ہو جاتے ہو اور جب اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں تو تم میرا رخ موڑ دیتے ہو چنانچہ جب بھری محفل میں میں نے اس دلیل سے اس (کے کان کے پردوں) کو کھولا تو وہ چونکا ہوا اور اس طرح مبہوت ہو کر رہ گیا کہ اسے کوئی جواب نہ سوجھتا تھا خدایا! میں قریش اور ان کے مددگاروں کے خلاف تجھ سے مدد چاہتا ہوں، کیونکہ انہوں نے قطع رحمی کی اور میرے مرتبہ کی بلندی کو پست سمجھا اور اس (خلافت) پر کہ جو میرے لئے مخصوص تھی ٹکرانے کے لئے ایکا کرلیا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ حق تو یہ ہے کہ آپ اسے لیں اور یہ بھی حق ہے کہ آپ اس سے دست بردار ہو جائیں۔''

حضرتؑ نے ایک اور خطبہ میں ارشاد فرمایا:

اللھم انی استعدیک علی قریش و من اعانھم فا نھم قطعو رحمی و اکفاوا انائی و اجمعوا علی منازعتی حقا کنت اولیٰ بہ من غیری وقالو الاان فی الحق ان تاخذہ وفی الحق ان تمنعہ فاصبر مغموما اومت متاسفا. فنظرت فاذایس لی روافد ولاذاب و ہ مساعد

الاعلی ا الداهل بیسی فضننت بهم عن المنية فاغضيت
علی القذیٰ وجرعت ریقی علی الشجیٰ وصبرت من کظم
الغيظ علی امر من العلقم والم للقلب من حزا لشفار.

(نہج البلاغہ خطبہ ۲۱۵)

''خدایا! میں قریش سے انتقام لینے پر تجھ سے مدد کا
خواستگار ہوں، کیونکہ انہوں نے میری قرابت اورعزیز داری
کے بندھن توڑ دیئے اور میرے ظرف (عزت و حرمت) کو
اوندھا کر دیا اور اس حق میں جس کا میں سب سے زیادہ اہل
ہوں جھگڑا کرنے کے لئے ایکا کرلیا اور یہ کہنے لگے کہ یہ بھی حق
ہے کہ آپ اسے لے لیں اور یہ بھی حق ہے کہ آپ کو اس سے
روک دیا جائے، یا تم غم وحزن کی حالت میں صبر کیجئے یا رنج و
اندوہ سے مر جایئے۔ میں نے نگاہ دوڑائی تو مجھے اپنے اہل
بیت کے سوا نہ کوئی معاون نظر آیا اور نہ ہی کوئی سینہ سپر اور معین
دکھائی دیا تو میں نے انہیں موت کے منہ میں دینے سے بخل
کیا۔ آنکھوں میں خس و خاشاک تھا مگر میں نے چشم پوشی کی،
حلق میں (غم و رنج کے) پھندے تھے مگر میں لعابِ دہن نگلتا
رہا اور غم وغصہ پی لینے کی وجہ سے ایسے حالات پر صبر کیا جو حنظل
(اندرائن) سے زیادہ تلخ اور دل کے لئے چھریوں کے کچوکوں
سے زیادہ المناک تھے''۔

آخر کار آپ ایک خارجی کے ہاتھوں مسجد کوفہ میں شہید ہوئے اور آپ

کی شہادت کے بعد معاویہ بن ابی سفیان اسلامی دنیا کے سیاہ وسفید کا مالک بن گیا اور سن ۴۰ ہجری کو معاویہ کا اقتدار مکمل ہوا۔ اسی لئے معاویہ کے بہی خواہوں نے اس سال کا نام ''عامتہ الجماعتہ'' رکھا۔ جب کہ وہ سال قریش کے لئے یقیناً جماعت و اجتماع کا سال تھا لیکن امت اسلامیہ کے لئے تاریک ترین سال تھا۔ معاویہ نے بلا شرکت غیرے پورے بیس تک حکومت کی اور ۶۰ھ میں اس کی موت واقع ہوئی۔

حدیث رسولؐ لکھنے کی ممانعت

قریش حضرت علیؑ سے شدید عداوت رکھتے تھے اور وہ کسی قیمت پر حضرت علیؑ کی خلافت کو برداشت کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے حدیث پیغمبر کی نشر و اشاعت کو ممنوع قرار دیا تھا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر احادیث رسول پر قدغن نہ لگائی گئی تو حضرت علیؑ کے فضائل لوگوں تک پہنچیں گے اور پھر لوگ حضرت علیؑ کی حمایت کریں گے، جس سے ان کے منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے احادیث پیغمبر کی اشاعت کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی، اور اس کے ثبوت کے لئے حسب ذیل روایت پڑھیں، عبد اللہ بن عمرو بن العاص کا بیان ہے:

کنت اکتب کل شئی اسمعہ من رسول اللّٰہ (ص)
فنھتنی قریش وقالوا : تکتب کل شئی تسمعہ من
رسول اللّٰہ ورسول اللّٰہ بشر یتکلم فی الغضب والرضا
فامسکت عن الکتابة فذکرت ذلک لرسول اللّٰہ
فاومابإصبعہ الی فیہ وقال اکتب : فوالذی نفسی بیدہ

ماخرج منه الاحق.

''میں رسولؐ خدا سے جو کچھ بھی سنتا تو اسے لکھ لیتا تھا۔ قریش نے مجھے منع کیا اور کہا تو رسول اللہ سے سن کر ہر چیز لکھ لیتا ہے جب کہ رسولؐ خدا ایک انسان ہیں غصہ اور رضا میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ بات سن کر میں نے احادیث کو لکھنا چھوڑ دیا۔ پھر میں نے اس بات کا تذکرہ رسولؐ خدا سے کیا تو آپؐ نے اپنی انگلی کے ذریعہ اپنے منہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس منہ سے حق کے علاوہ اور کچھ نہیں نکلتا۔''

قریش نے عبد اللہ بن عمرو کو دو وجوہات کی بنیاد پر احادیث لکھنے سے منع کیا۔

(۱) ہوسکتا ہے کہ آنحضرت غصہ میں ہوں اور کسی کی خواہ مخواہ مذمت کر دیں۔

(۲) یا یہ بھی ممکن ہے کہ رسولِ خدا کسی سے خوش ہوکر اس کے حق میں کچھ زیادہ ہی فضائل بیان کر دیں۔

قریش نے اپنے اس نظریہ سے احادیث رسول کی اہمیت کو ہی ختم کر دیا۔ کیونکہ پہلی صورت میں رسولؐ خدا کی توہین لازم آتی ہے کہ آپ ایک انسان ہیں اور یہ بات بعید نہیں ہے کہ غصہ کی حالت میں کسی کی خواہ مخواہ مذمت کر دیں۔ قریش کا اصل مقصد یہ تھا کہ رسولؐ خدا نے وقتاً فوقتاً ان کی جو مذمت کی ہے اسے بے اثر بنا دیا جائے اور اپنے آپ کو قابل مذّمت قرار دلوانے کی بجائے اسے رسولؐ خدا کی حالت غضب کے نام سے تعبیر کیا جائے۔

(۳) اور اگر رسول خدا کسی کی تعریف و توصیف میں کچھ کہیں تو اسے آنحضرت کی حالت رضا سے تعبیر کیا جائے۔ قریش جانتے تھے کہ رسولؐ خدا وقتاً فوقتاً ان کی مذمت کرتے رہتے ہیں اور ہر موقع پر علیؑ کی تعریف کرتے ہیں۔ لہذا انہوں نے آنحضرت کو ایک عام انسان قرار دے کر اپنی مذمت کی احادیث کو بے اثر اور علیؑ کی فضائل کی احادیث کو نعوذ باللہ لغو قرار دیا۔ قریش کی نظر میں رسولؐ خدا کی احادیث کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب رسولؐ خدا نے زندگی کے آخری ایام میں قلم دوات طلب کی تو آپ کو قلم دوات دینے سے نہ صرف روکا گیا بلکہ آنحضرت کے دماغ پر بھی حملہ کیا گیا اور کہا گیا کہ (نعوذ باللہ) آپ ہذیان کہہ رہے ہیں۔

احادیث پیغمبر کے متعلق یہ ساری پیش بندی اس لئے کی گئی کہ اگر کل کلاں رسولؐ کسی کی خلافت کا اعلان بھی کر دیں اور اگر نبی خلافت و نبوت کو ایک گھر میں جمع کرنا چاہیں تو ہمارے لئے انکار کا دروازہ کھلا رہے اور حضور اکرم کو قلم دوات سے بھی اس لئے محروم کیا گیا کہ بعض ذہین اشخاص نے یہ جان لیا تھا کہ رسولؐ خدا آخری وقت میں علیؑ کی خلافت و امامت کے متعلق دستاویز لکھنا چاہتے ہیں اسی لئے انہوں نے قلم دوات دینے سے انکار کیا اور پھر انہوں نے سوچا کہ اگر کسی نے قلم دوات حوالے بھی کر دی اور رسولؐ نے لکھ بھی دیا تو ہم کیا کریں گے؟

اس کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ رسولؐ خدا پر ہذیان کی تہمت لگائی گئی مقصد یہ تھا کہ اگر اس طرح کی کوئی دستاویز منظر عام پر آ گئی تو ہم یہ کہہ کر اسے ٹھکرا دیں گے کہ یہ بیماری اور ہذیان کی حالت میں تحریر کی گئی ہے لہذا اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

اسی خدشہ کی پیش نظر حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں حدیث پیغمبر کی کتابت پر پابندی عائد کر دی تھی اور صحابہ کے پاس حدیث کے جتنے بھی لکھے ہوئے نسخے موجود تھے ان تمام نسخوں کو نذر آتش کر دیا تھا اور یہ پابندی عمر بن عبد العزیز کے دور تک جاری رہی۔

اس موضوع کی تفصیلی بحث کتاب ہذا کی جلد دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

قریش واموی سیاست

(ا) معاویہ کے دور میں

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں رقم طراز ہیں کہ ابو عثمان جاحظ نے کہا:

معاویہ نے شام، عراق اور دیگر صوبوں کے رہنے والوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت علیؑ پر سب وشتم کریں اور ان سے بیزاری اختیار کریں۔ معاویہ کے اس فرمان کی تمام منابر اسلام پر تعمیل کی گئی اور بنی امیہ کے عہد حکومت میں اسے سنت کا درجہ دیا گیا۔ جب عمر بن عبد العزیز خلیفہ بنے تو انہوں نے اس رسم بد کا خاتمہ کیا۔ ہمارے شیخ ابو عثمان جاحظ نے بیان کیا کہ معاویہ اپنے خطبہ کے آخر میں یہ جملے کہتا تھا۔

اللھم ان اباتراب الحد فی دینک وصد عن سبیلک فالعنه لعنا وبیلا وعذبه عذابا الیما.

''خدایا! ابوتراب نے تیرے دن میں الحاد کیا اور تیرے راستے سے روکا تو اس پر سخت گرفت والی لعنت نازل کر اور اسے سخت عذاب دے''۔ (نعوذ باللہ)

دربار معاویہ سے یہ الفاظ لکھ کر تمام اطراف میں بھیجے جاتے تھے اور جمعہ

وعیدینؑ کے خطابات میں یہ کلمات باقاعدگی سے ادا کیئے جاتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے اس رسم کو بند کیا(۱)

طبری لکھتے ہیں:۔

۴۱ھ میں معاویہ نے مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا اور اس سے کہا میں تجھے بہت سی نصیحتیں اور وصیتیں کرنا چاہتا تھا لیکن تیری بصیرت پر بھروسہ کرتے ہوئے میں وہ وصیتیں تجھے نہیں کروں گا البتہ ایک بات کی نصیحت تجھے ضرور کرتا ہوں علیؑ کو سب وشتم کرتے رہنا اور اس کی مذمت کرتے رہنا۔ عثمان پر رحمت بھیجنا اور اس کے لئے استغفار طلب کرنا۔ صحابہ علیؑ کی ہمیشہ عیب جوئی کرنا اور انہیں اپنے دربار سے دور رکھنا اور عثمان کے پیروکاروں کی حوصلہ افزائی کرنا اور انہیں اپنے قریب کرنا۔

مغیرہ بن شعبہ نے کہا۔ میں تجربہ کار شخص ہوں اور تیرے پیش روحکمرانوں کے ساتھ کام کر چکا ہوں۔ آج تک کسی حاکم نے میری مذمت نہیں کی اور تو بھی آزما کر دیکھ۔ اس کے بعد چاہے تو میری تعریف کرنا اور چاہے تو مذمت کرنا۔ معاویہ نے کہا۔ ہم ان شاء اللہ تیری تعریف کریں گے۔

ابن ابی الحدید، مدائنی کی کتاب الاحداث کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

عام الجماعت کے بعد معاویہ نے تمام سرکاری حکام کے نام فرمان جاری کیا کہ میں اس سے بری الذمہ ہوں جس نے ابوتراب کی فضیلت میں کوئی چیز بیان کی...... اس دور میں اہل کوفہ کو بہت زیادہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

(تاریخ طبری در ذکر حوادث ۵۱ھ طبع یورپ ۲/۱۱۲۔۱۱۳۔ ابن اثیر ۳/۲۰۲)

(شرح ابن ابی الحدید طبع مصر ۳/۱۵)

۱۔ شرح نہج البلاغہ در ضمن خطبہ ۵۷، فصل فیماروی من سب معاویۃ وحزبہ لعلی ۱/۳۵۶۔
ابوعثمان جاحظ کا پورا نام عمرو بن بحر لیثی بصری ہے۔ وہ لغت اور نحو کا ماہر تصور کیا جاتا تھا ۲۵۵ھ میں بصرہ فوت ہوا اور وہ ناصبیت کی طرف رجحان رکھتا تھا اور اس نے ''العثمانیہ'' نامی ایک کتاب لکھی تھی جس کی تردید میں ابوجعفر اسکافی محمد بن عبد اللہ اور شیخ مفید نے کتابیں لکھی تھیں۔

مدائنی لکھتے ہیں کہ معاویہ نے اپنے تمام حکام کو لکھا کہ وہ علیؑ اور اس کے اہل بیت کے شیعوں کی گواہی قبول نہ کریں۔ عثمان کے ماننے والوں اور اس کے فضائل و مناقب بیان کرنے والوں کو اپنے ہاں دربار میں جگہ دیں۔ انہیں قریب کریں اور ان کا احترام کریں اور جو بھی عثمان کی فضیلت کے متعلق کوئی روایت بیان کرے تو تم اس کا اور اس کے باپ اور خاندان کا نام لکھ کر مجھے بھیجو۔

معاویہ کے حکام نے اس پر عمل کیا اور معاویہ کی طرف سے فضائل عثمان بیان کرنے والوں نوازشات ہونے لگیں، انہیں جائیدادیں اور پوشاکیں دی جاتی تھیں اور ان کی پوری حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ جس کی وجہ سے عثمان کے مناقب و فضائل بہت زیادہ ہوگئے۔ لوگ دولت و شہرت اور جاگیر کے حصول کے لئے دن رات فضائل عثمان کی روایات تخلیق کرنے میں مصروف ہوگئے اور جتنا بھی بے اعتبار شخص حکام کے پاس جا کر فضیلت عثمان کی روایت بیان کرتا تو اس کا نام خصوصی رجسٹر میں لکھا جاتا تھا اور اسے دربار میں مقرب بنایا جاتا تھا۔

طویل عرصہ تک روایت سازی کا یہ عمل جاری رہا۔ پھر معاویہ نے اپنے عمال کو خط لکھا کہ عثمان کے فضائل و مناقب بہت زیادہ ہوگئے ہیں اور ہر شہر و قریہ میں پہنچ گئے ہیں اور جب تمہیں میرا یہ خط ملے تو لوگوں سے کہو کہ وہ خلفائے اولین اور صحابہ کے فضائل میں ایسی ہی روایات بیان کریں اور ابوتراب کے متعلق فضائل کی جیسی بھی حدیث مروی ہو یا اس جیسی حدیث صحابہ کے متعلق بھی تخلیق کی جائے۔ یہ بات مجھے پسند ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا ذریعہ ہے اور ابوتراب اور اس کے شیعوں کے دلائل کو توڑنے والی ہے اور اس طرح کی روایات شیعان علیؑ کے لئے مناقب عثمان کی روایات سے بھی زیادہ سخت ثابت ہوں گی۔

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۳/۱۵۔ فجر الاسلام احمد امین مصری ۲۰۳)

معاویہ کا یہ خط حکام نے لوگوں کو سنایا جس کے نتیجہ میں مناقب صحابہ کے متعلق جھوٹی اور بے حقیقت روایات پھیل گئیں۔ پھر ان روایات کی ممبروں پر خوب نشر واشاعت کی گئی اور مدارس میں معلمین نے بچوں کو یہ روایات پڑھائیں اور قرآن مجید کی طرح سے ان روایات کو پڑھایا جانے لگا اور لوگوں نے یہ روایت اپنی اولاد، بیویوں اور نوکروں کو تعلم کیں۔ اورایک طویل عرصہ تک ایسا ہوتا رہا۔۔۔۔ جس کی وجہ سے بہت سی خود ساختہ روایات پھیل گئیں اور بہتان تراشیوں کا دور دورہ ہوا اور فقہاء، قاضیوں اور احکام نے مل کر ان روایات کی سرپرستی کی۔

ابن عرفہ المعروف بہ نفطویہ ایک مشہور محدث ومورخ گذرے ہیں، وہ اپنی تاریخ میں رقم طراز ہیں۔

ان اکثر الاحادیث(الموضوعة)فی فضائل الصحابة افتعلت فی ایام بنی امیة تقربا الیهم بمایظنون انهم یرغمون به انوف بنی هاشم.

''صحابہ کی شان کی اکثر خود ساختہ احادیث بنی امیہ کے دور میں گھڑی گئی ہیں۔ لوگ ان خود ساختہ روایات سے بنی امیہ کا قرب حاصل کرتے تھے اور بنی امیہ کے سلاطین یہ سمجھتے تھے کہ اس سے بنی ہاشم کی ناک کو رگڑا جاسکتا ہے۔''

ابن ابی الحدید نے ابوجعفر اسکافی کے حوالہ سے نقل کیا:

ان معاویة وضع قوما من الصحابة وقوما من التابعین علی روایة اخبار قبیحة فی علی تقتضی الطعن فیه والبراء ة منه وجعل لهم علی ذالک جعلا یرغب فی مثله.

''معاویہ نے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کو اس بات پر مقرر کیا تھا کہ وہ

ایسی روایات تیار کریں جن سے علیؑ کی توہین ہوتی ہو اور ان کے لئے بہترین انعام مقرر کیا تھا۔"

دور معاویہ کی اس طرح کی خود ساختہ روایت بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ اور اس روایت کو بخاری اور مسلم نے مسند متصل کے ساتھ عمرو بن العاص سے روایت کیا ہے کہ عمرو بن العاص نے کہا ہے:

سمعت رسول اللّٰہ یقول جھارا غیر سر "ان ال ابی طالب لیسوالی باولیاء انماولی الله وصالح المومنین"

(۱)

"میں نے رسول خدا کو بلند آواز سے یہ کہتے ہوئے سنا۔ آل ابی طالب میرے دوست نہیں ہیں، میرا دوست تو اللہ اور ایک مؤمن ہیں۔"

ابن ابی الحدید کے دور تک بخاری اور مسلم میں یہ روایت درج بالا الفاظ سے ہی مرقوم تھی، البتہ آج کل بخاری و مسلم کے نسخوں میں "آل ابی طالب" کی بجائے "آل ابی فلاں" لکھا ہوا ہے جو کہ قطع و برید کی بدترین مثال ہے۔

مغیرہ بن شعبہ کا طرز عمل

طبری لکھتے ہیں:

مغیرہ بن شعبہ معاویہ کی طرف سے سات سال اور چندہ ماہ تک کوفہ کا گورنر رہا اور وہ ہمیشہ حضرت علیؑ پر سب وشتم کرتا تھا اور آپ کا شکوہ کرتا تھا اور عثمان

---

(۱) صحیح بخاری ۴/۳۴، کتاب الادب، باب یبل الرحم ببلا لھا، صحیح مسلم ۱/۱۳۶ کتاب الایمان، باب موالدۃ المؤمنین ومقاطعۃ غیرھم۔

کے قاتلوں کی عیب جوئی کرتا اور ان پر لعنت کرتا تھا اور عثمان کے لئے دعائے خیر کرتا اور اس کے ساتھیوں کی تعریف و توصیف کرتا تھا مگر اس کے باوجود وہ کچھ نہ کچھ مدارات سے بھی کام لیتا تھا کبھی سخت ہو جاتا تھا اور کبھی نرم پڑ جاتا تھا۔

(طبری طبع یورپ ۱۱۲/۲)

طبری رقم طراز ہیں:

مغیرہ نے صعصعہ بن صوحان عبدی سے کہا اور اس وقت وہ معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا۔ خبردار مجھے تیری طرف سے یہ رپورٹ نہیں ملنی چاہئے کہ تو کسی کے سامنے عثمان کا شکوہ کرتا ہے اور اسی طرح سے مجھے یہ اطلاع بھی نہیں ملنی چاہئے کہ تو نے کھل کر علیؑ کے فضائل بیان کئے ہیں۔ تجھے معلوم ہونا چاہئے جتنے فضائل علیؑ تجھے یاد ہیں وہ سب کے سب مجھے بھی یاد ہیں بلکہ میں تجھ سے زیادہ جانتا ہوں مگر بات یہ ہے کہ جس شخص کے ہاتھ میں اقتدار ہے وہ ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم علیؑ کے عیب لوگوں کے سامنے بیان کریں۔ جتنا وہ چاہتا ہے ہم اس کے مطابق پورا عمل نہیں کر رہے اور ہم اپنی جان بچانے کے لئے جتنا ضروری سمجھتے ہیں اتنا ہی علیؑ کا شکوہ کرتے ہیں۔ اگر تجھے علیؑ کے فضائل یاد ہیں تو اپنے گھروں میں اپنے دوستوں کے سامنے چھپ کر بیان کرو مسجد میں کھل کر علیؑ کے فضائل کو ہمارا حاکم برداشت نہیں کرتا اور وہ ہمارے کسی عذر پر کان نہیں دھرے گا۔

(طبری طبع یورپ ۳۸/۲)

یعقوبی کے بیان کا خلاصہ یہ ہے:

مغیرہ بن شعبہ اور معاویہ کے دوسرے ساتھی منبر پر بیٹھ کر حضرت علیؑ پر لعنت (نعوذ باللہ) کرتے تھے۔ جس کے جواب میں حجر بن عدی اور عمرو بن الحمق

الخزاعی اور ان کے دوسرے ساتھی اٹھ کر ان کی باتوں کی تردید کرتے تھے اور ان سے جھگڑتے تھے۔

حجر بن عدی کا واقعہ

مغیرہ کے بعد زیاد بن ابیہ کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اس نے آتے ہی حضرت علیؑ کے ساتھیوں کو گرفتار کیا اور ان میں سے ایک گروہ کو قتل کیا۔ عمرو بن الحمق الخزاعی چند ساتھیوں سمیت کوفہ سے بھاگ کر موصل چلے گئے۔ زیاد نے حجر بن عدی اور ان کے تیرہ ساتھیوں کو گرفتار کیا اور اس نے قیدیوں کو معاویہ کے پاس روانہ کیا اور اپنے قاصد کے ہاتھ ایک دستاویز لکھ کر بھیجی جس میں تحریر کیا کہ یہ لوگ ابوتراب پر لعنت کرتے ہیں اور حکام کو برا بھلا کہتے ہیں اور یہ اطاعت سے نکل چکے ہیں۔ زیاد نے اس دستاویز پر معاویہ کے چند چہیتوں کے دستخط کرائے۔

یہ قیدی شام سے چند میل کے فاصلہ پر مرج عذرا نامی مقام پر پہنچے۔ معاویہ کی طرف سے حکم جاری ہوا کہ انہیں وہاں رکھا جائے۔ پھر معاویہ نے ان کو قتل کرنے کے لئے جلاد بھیجا۔ معاویہ کے چند درباریوں نے کچھ قیدیوں کے متعلق سفارش کی۔ معاویہ نے چھ قیدیوں کو رہا کر دیا اور باقیوں کے متعلق جلاد سے کہا کہ انہیں ابوتراب پر لعنت کے لئے کہنا اگر وہ ابوتراب پر لعنت کریں تو انہیں چھوڑ دینا اور اگر وہ انکار کریں تو ان کی گردنیں جدا کر دینا۔

جلاد چند فوجیوں کے ساتھ مرج عذرا پہنچا' جہاں حجر بن عدی اپنے ساتھیوں سمیت قید تھے۔ اس نے انہیں معاویہ کا پیغام پہنچایا۔ مگر حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں نے معاویہ کی پیش کش کو ٹھکرا دیا۔

پھر قیدیوں کے سامنے ان کی قبریں بنائی گئیں اور انہیں کفن پہنائے گئے قیدی تمام رات عبادت میں مصروف رہے۔ صبح ہوئی تو انہیں پھر معاویہ کی پیش کش کی اطلاع دی گئی اور ان سے کہا گیا کہ اگر وہ علیؑ سے اظہار برائت کریں تو ان کی جان بخشی کر دی جائے گی۔

حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں نے کہا: ہم علیؑ سے محبت کرتے ہیں اور ان کے دشمنوں سے بیزاری کرتے ہیں۔ اتنے میں معاویہ کی طرف سے بہت سے جلاد وہاں پہنچ گئے اور ہر ایک جلاد نے ایک ایک شخص کو قتل کے لئے پکڑا۔ حجر بن عدی نے کہا، مجھے چند لحات کے لئے اجازت دو میں وضو کر کے نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ حجر بن عدی نے نماز مکمل کی تو انہیں قتل کر دیا گیا اور ان کے ساتھ ان کے چھ ساتھیوں کو بھی قتل کر دیا گیا۔ جب جلاد عبد الرحمٰن بن حسان غفری اور کریم بن عفیف خثمی کو قتل کرنے کے لئے آگے بڑھا تو ان دونوں نے کہا: ہمیں معاویہ کے پاس لے چلو ہم اس سے براہ راست گفتگو کریں گے۔ ان دونوں قیدیوں کو معاویہ کے پاس لے جایا گیا معاویہ نے خثعمی سے کہا:

تو علیؑ کے متعلق کیا کہتا ہے؟

اس نے کہا: میں اس کے متعلق وہی کچھ کہتا ہوں جو تو اس کے متعلق کہتا ہے۔

معاویہ نے کہا: کیا تو علیؑ کے دین سے بیزای کا اقرار کرتا ہے؟

یہ سن کر وہ خاموش ہوگیا۔ دربار معاویہ میں اس کا چچا زاد بھائی موجود تھا اس نے معاویہ سے اس کی جان بخشی کی درخواست کی تو معاویہ نے اسے ایک ماہ قید کی سزا دی اور جب اس کی قید کی میعاد پوری ہوئی تو معاویہ نے اسے رہا کر دیا اور

رہائی کے لئے یہ شرط رکھی کہ یہ کوفہ نہیں جائے گا۔ پھر عبد الرحمٰن بن حسان عنزی کو معاویہ کے سامنے پیش کیا گیا تو معاویہ نے اس سے کہا: اے قبیلہ ربیعہ کے فرد! علیؑ کے متعلق کیا کہتے ہو؟

اس نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ علیؑ خدا کا بہ کثرت ذکر کرنے والوں میں سے تھے اور علیؑ حق کا حکم دینے اور انصاف پر قائم رہنے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔

معاویہ نے کہا: عثمان کے متعلق تمہارا نظریہ کیا ہے؟

اس نے کہا: وہ پہلا شخص ہے جس نے ظلم کا دروازہ کھولا اور حق کا دروازہ بند کیا۔

معاویہ نے کہا: تو نے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔

اس نے کہا: میں نے اپنے آپ کو نہیں بلکہ تجھے ہلاک کیا ہے۔

معاویہ نے اسے دوبارہ زیاد کے پاس بھیجا اور اس کے متعلق لکھا کہ تو نے جن قیدیوں کو میرے پاس بھیجا تھا یہ ان میں سب سے بُرا ہے۔ اسے ایسی سزا دے جس کا یہ حق دار ہے اور اسے بہت بُرے انداز سے قتل کر دے۔

جب عنزی کو زیاد کے پاس لایا گیا تو اس نے انہیں زندہ دفن کرا دیا۔ (۱)

انہیں شہدائے حق میں صیفی بن فسیل بھی شامل تھے۔ زیاد نے انہیں طلب کیا۔

وہ زیاد کے پاس آئے۔

زیاد نے ان سے کہا: دشمن خدا! تو ابوتراب کے متعلق کیا کہتا ہے۔

اس نے کہا: میں ابوتراب کو نہیں جانتا۔

زیاد نے کہا: تو کیا تو علیؑ کو بھی نہیں جانتا؟

اس نے کہا: جی ہاں میں انہیں جانتا ہوں۔

زیاد نے کہا: ابوتراب بھی وہی ہے۔

زیاد اور صیفی میں کافی تیز و تند جملوں کا تبادلہ ہوا۔ آخر میں زیاد نے کہا: میرا عصا میرے پاس لاؤ اور پھر اس سے کہا کہ تو علیؑ کے متعلق کیا کہتا ہے؟

صیفی بن فسیل نے کہا۔ میں خدا کے کسی نیک بندے کے متعلق جو بھی اچھا قول کہہ سکتا ہوں میں وہی قول امیر المومنین کے متعلق کہوں گا۔

زیاد نے حکم دیا کہ اس کی گردن پر لاٹھیوں کے اتنے وار کئے جائیں کہ اس کی گردن زمین سے لگ جائے۔

جلاد نے انہیں اتنا مارا کہ ان کی گردن زمین سے پیوست ہوگئی۔ پھر زیاد نے جلاد کو روک دیا اور صیفی بن فسیل سے پوچھا: اب تم علیؑ کے متعلق کیا کہتے ہو؟

صیفی نے کہا: اگر تم اُستروں اور چھریوں سے بھی میرے وجود کے ٹکڑے کر دے تو بھی میں علیؑ کے متعلق وہی کچھ کہوں گا جو پہلے کہہ چکا ہوں۔

زیاد نے کہا: تجھے علیؑ پر لعنت کرنا ہوگی ورنہ تیری گردن اڑا دی جائے گی۔

صیفی بن فسیل نے کہا: اگر تو نے ایسا کیا تو مجھے شہادت کی سعادت نصیب ہوگی اور تجھے آخرت کی بدبختی نصیب ہوگی۔

---

(۱) اس واقعہ کی تفصیل کے لئے ہماری کتاب عبداللہ بن سبا جلد دوم کا مطالعہ کریں۔ یہ واقعہ تمام تاریخوں میں مذکور ہے' بطور نمونہ چند حوالہ جات یہ ہیں۔ تاریخ دمشق ابن عساکر زر حالات حجر۔ طبری ۶/ ۱۰۸۔۱۴۹۔ ابن اثیر ۳/ ۲۰۲ اغانی ۱۶/ ۷

زیاد نے حکم دیا کہ انہیں بیڑیاں پہنا کر زندان میں ڈال دیا جائے۔
صیفی کچھ عرصہ زندان میں رہے، پھر انہیں حجر بن عدی کے قافلہ کے ساتھ شام روانہ کیا گیا، جہاں وہ شہید ہوئے۔ (ابن عساکر ۶/۴۵۹)

دو حضرمی افراد کے متعلق معاویہ کو لکھا گیا کہ وہ علیؑ کے دین کو سچا تسلیم کرتے ہیں۔ معاویہ نے ان کے متعلق لکھا۔ جو بھی علیؑ کے دین اور نظریہ کو سچا تسلیم کرے، اسے قتل کر کے اس کی لاش کا حلیہ بدل ڈالو۔ چنانچہ ان دو افراد کو ان کے گھروں کے سامنے کوفہ میں صلیب پر لٹکایا گیا۔

زیاد کے انجام کے متعلق سعودی اور ابن عسا کر نے یوں بیان کیا:
اس نے اہل کوفہ کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ اہل کوفہ کے اجتماع سے مسجد رحبہ اور قصر امارت بھر گیا۔ اس نے یہ اجتماع حضرت علیؑ سے بیزاری کے لئے طلب کیا تھا۔

مسعودی لکھتے ہیں:
زیاد نے اپنے محل کے دروازہ پر لوگوں کو جمع کیا اور انہیں حضرت علیؑ پر لعنت کرنے کی ترغیب دی۔ جس نے بھی ذرا انکار کیا اسے قتل کرا دیا۔ ابھی وہ اس کام میں مصروف تھا کہ طاعون میں مبتلا ہوا اور اس طرح اہل کوفہ کی جان چھوٹی۔

عمرو بن الحمق الخزاعی بھی حضرت علیؑ کے وفادار ساتھیوں میں سے تھے۔ وہ زیاد کے خوف سے بھاگ کر موصل گئے اور وہاں ایک غار میں جا کر پناہ حاصل کی۔ جہاں انہیں سانپ نے ڈس لیا اور ان کی وفات ہوگئی۔ حکومت کے کارندے ان کی تلاش میں اس غار میں داخل ہوئے تو انہیں مردہ حالت میں پایا۔ ان کا سر تن سے جدا کر کے معاویہ کے پاس شام بھیجا گیا۔ معاویہ نے وہی سر ان کی قیدی بیوی کے پاس بطور تحفہ روانہ کیا۔[1]

---

(۱) (المعارف ابن قتیبہ ۷/۱۲۔ الاستیعاب ۲/۵۱۷۔ الاصابہ ۲/۵۲۱۔ تاریخ ابن کثیر ۸/۴۸۔ البرص ۴۹۰)

معاویہ اور بنی امیہ کے دور میں شیعان علیؑ پر قیامت ڈھائی گئی۔ معاویہ نے بسر بن ارطاۃ کو شیعان علیؑ کے قتل پر مقرر کیا، جس نے ہزاروں شیعان علیؑ کو بڑی بے دردی سے شہید کیا۔ ابن شہاب نے رقہ میں شیعوں پر قیامت ڈھائی۔

بنی امیہ کے مظالم کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے بلکہ ان کی خون آشامیوں سے اوراق تاریخ بھرے ہوئے ہیں۔ دور معاویہ میں حضرت علیؑ پر سب وشتم کو جاری کیا گیا اور یہ سلسلہ معاویہ کے بعد بھی جاری رہا، جسے عمر بن عبد العزیز نے ختم کیا۔

بنی امیہ کے عہد حکومت میں ہزاروں مساجد تھیں اور ہزاروں ممبر تھے اور ہر خطبہ جمعہ وعیدین میں حضرت علیؑ پر سب وشتم کیا جاتا تھا۔ اوراق تاریخ میں صرف سجستان ایسا علاقہ دکھائی دیتا ہے جنہوں نے اپنے حکام کو سب وشتم کرنے سے منع کر دیا تھا اور انہوں نے حکام کے سامنے اپنی اطاعت کی یہ شرط رکھی تھی کہ ان کے ممبر سے کسی پر لعنت نہیں کی جائے گی اور کسی پر سب وشتم نہیں کیا جائے گا۔

ہم اہل سجستان کی بہادری پر انہیں آفرین کہتے ہیں کہ انہوں نے اس پرآشوب دور میں بھی حضرت علیؑ پر سب وشتم نہ ہونے دیا جب کہ مکہ و مدینہ کے منابر پر سب وشتم جاری تھا۔(۱)

بنی امیہ کی خباثت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ اولاد علیؑ کے سامنے بھی حضرت علیؑ کو سب وشتم کرتے تھے اور امیر المومنین پر لعنت کرتے تھے (نعوذ باللہ) اور اس طرح کے واقعات سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ اس مقام

(۱) تلخیص از معجم البلدان ۵/۳۸۔ طبع مصر درذکر سجستان ہمارا خیال ہے کہ ایران کے صوبہ سیستان کو عربی میں سجستان کہا جاتا ہے۔

پر ہم صرف ایک ہی واقعہ پر اکتفا کرتے ہیں اور اپنے قارئین کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس واقعہ کو ابن حجر مکی نے جو کہ معاویہ کا وکیل صفائی تھا، اپنی کتاب تطہیر اللسان میں نقل کیا ہے اور کتاب بھی معاویہ کی صفائی میں لکھی گئی ہے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ عمرو بن العاص ممبر پر آیا اور حضرت علیؑ کی توہین کی، پھر مغیرہ بن شعبہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس محفل میں حضرت حسنؑ موجود تھے۔ لوگوں نے ان سے تقاضا کیا کہ وہ بھی ممبر پر آئیں اور اپنے مخالفین کی تردید کریں۔ امام حسنؑ نے کہا: میں اس شرط پر منبر پر آؤں گا کہ اگر میں نے سچ کہا تو یہ لوگ میری تصدیق کریں اور اگر میں نے جھوٹ کہا تو یہ میری تکذیب کریں۔ معاویہ اور عمرو بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ نے آپ سے وعدہ کیا۔ اس کے بعد امام حسنؑ ممبر پر چڑھے اور آپ نے فرمایا:

اے عمرو اور مغیرہ! تم دونوں کو خدا کی قسم دے کر پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول خدا نے اونٹ کے ہانکنے والے اور اونٹ کی مہار پکڑنے والے پر لعنت کی تھی جن میں ایک ''فلاں'' تھا۔ دونوں نے بیک زبان ہو کر کہا: ہاں!

پھر آپ نے معاویہ اور مغیرہ کو مخاطب کر کے کہا:

کیا تم دونوں کو معلوم نہیں ہے کہ عمرو بن العاص نے رسولؐ خدا کی ہجو میں نظم لکھی تھی اور رسولؐ خدا نے کہا تھا: پروردگار! اس نظم کے ہر قافیہ کے بدلے اس پر لعنت فرما؟ دونوں نے کہا: جی ہاں یہ سچ ہے ------۔ الحدیث (۱)

---

(۱)۔ تطہیر اللسان ص ۵۵۔ اس روایت کے راوی ثقہ اور قابل قبول ہیں البتہ بعض لوگوں نے اس روایت کے ایک راوی پر جرح کی ہے مگر ذہبی نے اس کی تعدیل کی ہے اور کہا ہے کہ وہ ثقہ ہے اس پر جرح صحیح نہیں ہے۔

عیدین کا خطبہ نماز سے پہلے کیوں پڑھا گیا

عامۃ المسلمین بن امیہ کی اس پالیسی سے بیزار تھے اور عید کے دن جیسے ہی نماز ختم ہوتی تو لوگ اٹھ کر چلے جاتے اور ان کا خطبہ سننے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔

ابن حزم المحلی میں لکھتے ہیں:

بنی امیہ نے ایک بدعت یہ کی کہ نماز سے پہلے خطبہ دینا شروع کیا اور انہوں نے اس کا سبب یہ بتایا کہ لوگ نماز پڑھ کر چلے جاتے ہیں اور ان کا خطبہ نہیں سنتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بنی امیہ علی ابن ابی طالب پر لعنت کرتے تھے اور مسلمان بھاگ جاتے تھے اور انہیں ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔

(المحلی ابن حزم ۵/۸۵۔۸۶ کتاب الام شافعی ۱/ ۲۰۸)

یعقوبی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

اور اس سال یعنی ۴۴ھ میں معاویہ نے مسجد میں حجرہ بنایا اور تمام ممبر عید گاہ میں منتقل کر دیئے اور نماز سے پہلے خطبہ پڑھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ نماز پڑھ کر چلے جاتے تھے تا کہ انہیں علیؑ پر لعنت نہ سنی پڑے۔ اسی لئے معاویہ نے نماز سے پہلے خطبہ دیا اور آل رسول کا دل جلانے کے لئے مروان بن الحکم کو فدک کی جاگیر بخشی۔ (تاریخ یعقوبی، ۲/۲۲۳)

صحیحین اور دیگر معتبر کتابوں میں مرقوم ہے۔

ابو سعید خدری کا بیان ہے:

جب مروان مدینہ کا گورنر تھا تو میں نماز عید ادا کرنے کے لیے اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ جب ہم عید گاہ پہنچے تو وہاں ممبر نصب تھا، جسے کثیر بن عباد نے بنایا تھا۔ مروان نماز سے پہلے منبر پر چڑھنے لگا۔ میں نے اس کے کپڑے سے پکڑا۔ اس

نے مجھ سے اپنا کپڑا چھڑایا اور ممبر پر بیٹھ گیا اور نماز سے پہلے خطبہ دیا۔ میں نے اس سے کہا: تم نے خدا کی قسم دین میں تبدیلی کر دی۔

مروان نے کہا: ابوسعید! جو کچھ تو جانتا ہے وہ چیزیں چلی گئی ہیں۔

میں نے کہا: میں جو کچھ جانتا ہوں وہ اس سے کہیں بہتر ہے جسے میں نہیں جانتا۔

پھر مروان نے کہا۔ لوگ نماز کے بعد نہیں بیٹھتے تھے اسی لئے میں نے نماز سے پہلے خطبہ پڑھا۔ (۱)

صحابہ کو سب وشتم کا حکم

بنی امیہ نے صرف اسی پر قناعت نہیں کی تھی وہ صحابہ کو بھی حکم دیتے تھے کہ وہ بھی ان کی طرح حضرت علیؑ پر سب وشتم کریں اور ان پر لعنت کریں (نعوذ باللہ) جیسا کہ امام مسلم نے سہل بن سعد کی زبانی اپنی صحیح میں لکھا:

استعمل علی المدینة رجل من آل مروان فدعا سهل بن سعد فامره ان يشتم عليا فابى سهل، فقال له اما اذا ابيت فقل لعن الله ابا التراب.....

"خاندان مروان کا ایک شخص مدینہ کا والی مقرر ہوا، اس نے سہل بن سعد کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ وہ حضرت علیؑ کو گالیاں دے۔" سہل نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو اس نے کہا اگر تو علیؑ کا نام نہیں لینا چاہتا تو کوئی حرج نہیں تو یہ کہہ دے کہ "خدا ابوتراب پر لعنت کرے"۔ (نعوذ باللہ)

---

(۱) صحیح بخاری ۲/۱۱، صحیح مسلم ۳/۲۰۔ سنن ابی داؤد ۱/۱۷۸۔ ابن ماجہ ۱/۳۸۶ بیہقی ۳/۲۹۷۔ مسند احمد ۳/۱۰۔۲۰۔۵۔۵۴۔۹۲۔ اعتراض کرنے والے کا نام مسند احمد میں مذکور ہے۔

سہل نے کہا: علیؑ کو ابوتراب کا لقب بہت پیارا لگتا تھا۔ جب اسے ابو تراب کہہ کر پکارا جاتا تو وہ بے حد خوش ہوتے تھے۔

مدینہ کے والی نے کہا: ہمیں یہ بتاؤ کہ علیؑ کا نام ابوتراب کیسے پڑا؟

سہل نے کہا: رسول خدا حضرت فاطمہؑ کے گھر تشریف لے گئے، وہاں علیؑ موجود نہ تھے۔ آپ نے بیٹی سے پوچھا: تیرا ابن عم کہاں ہے؟......رسولؐ خدا علیؑ کو تلاش کرتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ علیؑ فرش مسجد پر سوئے ہوئے ہیں اور ان کی چادر ایک طرف سے ہٹی ہوئی ہے۔ رسولؐ خدا نے اپنے ہاتھوں سے علیؑ کا غبار صاف کیا اور فرمایا اے ابوتراب! اٹھو، ۔ ابوترابؑ اٹھو۔ (۱)

عامر بن سعد بن ابی وقاص کا بیان ہے:

امر معاوية سعدرا فقال مامنعک ان تسب ابا التراب؟ فقال اماما ذكرت ثلاثا قالهن له رسول الله (ص) فلن (أ سبه) لان تكون لى واحدة منهن احب الى من حمر النعم سمعت رسول الله يقول له قد خلفه من بعض مغازيه فقال له على : يا رسول الله خلفتنى مع النساء والصبيان؟ فقال له رسول الله : اماترضى ان تكون منى بمنزلة هارون من موسىٰ الاانه لانبى بعدى. وسمعته يقول يوم خيبر : لأ عطين الراية (جلاً)يحب الله ورسوله ويحبه الله ورسوله، قال فتطاولنالها، فقال : (ادعوا)لى عليا فاتى بهارمد فيعق فى

---

(۱) تلخیص از صحیح مسلم ۷/۱۲۴۔ باب مناقب علی۔ بخاری نے اپنی عادت کے مطابق اس روایت کو محرف صورت میں نقل کیا۔ واضح رہے کہ یہ حاکم آل مروان میں سے نہیں تھا بلکہ خود مروان بن حکم تھا جیسا کہ بیہقی ۲/۴۴۶ پر اس کی وضاحت موجود ہے۔

عينه ودفع الراية اليه ففتح الله عليه. ولمانزلت.
هذه الاية (فقل تعالوا ندع ابنانا وابنائكم) دعا
رسول الله عليا وفاطمة وحسنا وحسينا، فقال
اللهم هولاء اهلی. (۱)

''معاویہ نے سعد کو حکم دیتے ہوئے کہا: تجھے ابوتراب پر سب وشتم کرنے سے کس چیز نے روکا ہے؟ سعد نے کہا جب تک علیؑ کے تین فضائل مجھے یاد ہیں اس وقت تک میں کبھی بھی علیؑ کو سب نہیں کروں گا۔ اور اگر ان فضیلتوں میں سے مجھے ایک بھی فضیلت حاصل ہوتی تو مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتی۔ رسول خدا نے علیؑ کو ایک جنگ کے موقع پر مدینہ میں ٹھہرایا تو علیؑ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ پیچھے ٹھہرا رہے ہیں؟

رسول خدا نے علیؑ کو ایک جنگ کے موقع پر مدینہ میں ٹھہرایا تو علیؑ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ پیچھے ٹھہرا رہے ہیں؟

رسولؐ خدا نے فرمایا:

''کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تجھے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی مگر میرے بعد نبوت نہیں ہے۔''

اور خیبر کے دن رسولؐ خدا نے فرمایا:

''میں ضرور بالضرور علم ایسے مرد کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوگا اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔''

---

(۱) مسلم ۱۲۰/۷، ترمذی ۱۷۱/۱۳۔ مستدرک حاکم ۱۰۸/۳۔۱۰۹۔ امام حاکم نے مزید لکھا کہ پھر معاویہ نے مدینہ میں رہ کر ایک حرف بھی علیؑ کے بارے میں نہ کہا۔ (الاصابہ ۵۰۹/۲ خصائص نسائی۔ ۱۹)

ہم سب نے علم ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپؐ نے فرمایا۔ علیؑ کو میرے پاس لاؤ۔ علیؑ کو آپ کے پاس لایا گیا تو انہیں آشوب چشم لاحق تھا۔ رسولؐ خدا نے ان کی آنکھوں پہ لعاب دہن لگایا اور اسے علَم عطا کیا اور خدا نے خیبر اس کے ہاتھ پر فتح کیا۔ اور جب (فقل تعالوا ندع ابنا ؤنا وابنا ئکم) ''آپ کہہ دیں کہ آؤ تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ اور ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں' کی آیت مجیدہ نازل ہوئی تو رسولؐ خدا نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو بلایا اور کہا: خدایا! یہ ہیں میرے اہل بیت۔''

مسعودی نے یہ واقعہ طبری سے نقل کیا اور اس کا پس منظر یوں بیان کیا کہ معاویہ حج پر گیا اور اس نے بیت اللہ کا طواف کیا اور سعد اس کے ہمراہ تھا۔ جب طواف سے فارغ ہوا تو معاویہ دار الندوہ میں گیا اور سعد کو اپنے ساتھ اپنی چارپائی پر بٹھایا اور حضرت علیؑ کی توہین کرنے لگا اور انہیں سب کرنے لگا۔ سعد اس کی چارپائی سے اٹھ کر جانے لگے اور معاویہ سے کہا۔

مجھے اپنے ساتھ چارپائی پر بٹھا کر علیؑ کو سب کرتا ہے؟ خدا کی قسم اگر علیؑ کے خصائل میں سے مجھے ایک خصلت بھی حاصل ہوتی تو مجھے بہت محبوب ہوتی۔ پھر اس نے حضرت علیؑ کی مذکورہ تین خصلتیں بیان کیں۔ اور آخر میں کہا: خدا کی قسم! میں جب تک زندہ رہوں گا تیرے کسی گھر میں داخل نہیں ہوں گا۔ اس کے بعد سعد اٹھ کر چل دیئے۔ (مروج الذھب مسعودی ۳/۲۴)

ابن عبدربہ نے اختصار کے ساتھ اس مکالمہ کو اپنی کتاب العقد الفرید میں حالات معاویہ کے ضمن میں بیان کیا، اور کہا:

حسن بن علیؑ کی وفات کے بعد معاویہ نے حج کیا اور مدینہ میں داخل ہوا۔ اس نے چاہا کہ منبر رسول پر بیٹھ کر حضرت علیؑ پر لعنت کرے (نعوذ باللہ) کسی

نے اس سے کہا: یہاں مدینہ میں سعد بن ابی وقاص رہتا ہے اور وہ اس حرکت پر کبھی راضی نہیں ہوگا۔ لہذا تم پہلے سعد کو بلاؤ اور اس کی رائے معلوم کرو۔ معاویہ نے سعد کو بلایا اور اپنی خواہش کا اس سے اظہار کیا۔ سعد نے کہا: اگر تو نے ایسا کیا تو میں مسجد سے اٹھ کر چلا جاؤں گا۔ پھر واپس نہیں آؤں گا۔ معاویہ اپنے ارادہ سے باز آ گیا اور جب تک سعد زندہ رہا۔ منبر رسولؐ پر کسی نے علیؑ پر لعنت نہ کی اور جب سعد کی وفات ہوگئی تو منبر رسول پر لعنت کا اجراء کیا گیا۔ معاویہ نے اپنے تمام حکام کو خط لکھا کہ وہ منابر پر کھڑے ہوکر علیؑ پر لعنت بھیجیں۔ حکام نے معاویہ کے حکم کی تعمیل کی۔

حضرت ام سلمہ نے معاویہ کو خط لکھا جس میں انہوں نے تحریر کیا۔

''تم لوگ اپنے منبروں پر خدا اور اس کے رسولؐ کو گالیاں سکتے ہو۔ کیونکہ تم علی بن ابی طالبؑ اور ان سے محبت رکھنے والوں پر لعنت کرتے ہو اور میں خدا کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ علیؑ خدا اور اس کے رسولؐ کے محبوب تھے۔''

معاویہ نے بی بی کے خط پر کوئی توجہ نہ دی (العقد الفرید ۳/۱۲۷)

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں رقم طراز ہیں:

ابو عثمان جاحظ نے بیان کیا کہ بنی امیہ کے چند افراد نے معاویہ سے کہا: تو نے اپنا مقصد حاصل کرلیا ہے اگر تو اس شخص پر لعنت کرنا چھوڑ دے تو یہ تیرے حق میں مناسب ہے۔

معاویہ نے کہا: نہیں، خدا کی قسم میں علیؑ پر لعنت کرنا نہیں چھوڑوں گا، یہاں تک کہ بچے جوان ہو جائیں اور جوان بوڑھے ہو جائیں اور دنیا میں علیؑ کی فضیلت کا ذکر کرنے والا کوئی شخص باقی نہ رہے۔ (شرح نہج البلاغہ درضمن خطبہ ۵۷)

دشمنی علیؑ کی تربیت

ثقفی کتاب الغارات میں لکھتے ہیں:

دورِ معاویہ میں عمر بن ثابت ملک شام کے قصبوں اور دیہاتوں کا دورہ کرتا تھا اور لوگوں کو جمع کر کے ان سے کہتا تھا کہ (نعوذ باللہ) علیؑ منافق انسان تھا اور اس نے شب عقبہ رسول خدا کو قتل کرنے کی سازش تیار کی تھی۔ لہذا تم اس پر لعنت کرو۔

لوگ اس کی یہ بات سن کر حضرت علیؑ پر لعنت کرتے۔ پھر وہ دوسرے شہر کا رخ کرتا اور وہاں بھی یہی تبلیغ کرتا تھا۔ (کتاب الغارات ثقفی ص ۳۹۷)

جب کہ شب عقبہ کے واقعہ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ رسول خدا غزوہ تبوک سے واپس آ رہے تھے اور آپ کے راستے میں پہاڑ کی ایک ڈھلوان تھی جہاں سے آپ نے گذرنا تھا۔ اس ڈھلوان کے نیچے وادی تھی۔ منافقین نے اس محل وقوع کو اپنے لئے غنیمت جانا اور وہاں چھپ کر بیٹھ گئے۔ جب رسولؐ خدا کی ناقہ وہاں سے گذری تو انہوں نے ناقہ کو ڈرانے کی کوشش کی۔ عمار بن یاسر اور حذیفہ یمانی نے منافقین کو وہاں سے بھگایا۔ مگر معاویہ کا ایجنٹ اس واقعہ کو امیر المومنینؑ کی طرف منسوب کرتا تھا۔ (امتاع الاسماع مقریزی، ص۔۴۷۷)

خاندان عصمت سے دشمنی کی انتہا

قبیلہ قریش نبوت وامامت کو ایک خاندان میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ باقی قریش کی طرح معاویہ کے بھی یہی جذبات تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ معاویہ کو صرف آل محمدؐ سے یہ دشمنی نہیں تھی بلکہ اسے خود حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات سے بھی عداوت تھی۔ حسب ذیل روایت اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

زبیر بن بکار لکھتے ہیں:

مطرف بن مغیرہ بن شعبہ نے کہا: میرا والد روزانہ معاویہ کے پاس جاتا تھا اور اس سے گفتگو کرتا تھا اور جب وہ معاویہ کے دربار سے واپس آتا تو میرے سامنے معاویہ کی دانش مندی کی مثالیں پیش کیا کرتا تھا۔ اور ایک رات میرا والد وہاں سے آیا تو انتہائی مغموم تھا اور غم و غصہ کی وجہ سے اس نے کھانا تک نہ کھایا۔ والد کو غمگین دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا کہ ہو نہ ہو معاویہ ہمارے خاندان پر ناراض ہو چکا ہے پھر مین نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے اپنے والد سے پوچھا، کیا بات ہے میں شام سے ہی آپ کو مغموم دیکھ رہا ہوں؟

میرے والد نے کہا: بیٹا ! میں دنیا کے سب سے بڑے کافر اور انتہائی خبیث شخص کے پاس سے آیا ہوں۔

میں نے کہا: وہ کیسے؟

میرے باپ نے مجھے بتایا: میں نے تنہائی میں معاویہ سے کہا۔ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں اگر آپ عدل و انصاف شروع کر دیں اور بنی ہاشم سے نرم رویہ اختیار کرلیں تو اس میں آپ کی بہتری ہے۔ اس وقت بنی ہاشم میں آپ سے ٹکر لینے کی جرأت نہیں ہے اور اس کا ذکر اور ثواب ہمیشہ باقی رہے گا۔ میری بات سن کر معاویہ نے کہا:

ایسا ناممکن ہے۔ میں اپنے لئے کس ذکر کی بقا کی توقع کرسکتا ہوں۔ ایک تیمی شخص (حضرت ابوبکر) حاکم بنا تو اس نے عدل کیا اور جو کچھ اس نے کرنا تھا وہ کیا۔ اس کے مرنے کے ساتھ اس کا ذکر بھی مر گیا اب زیادہ سے زیادہ کوئی کہنے والا ابوبکر کا نام لے لیتا ہے۔ پھر بنی عدی کا شخص (حضرت عمر) برسر اقتدار آیا اس

نے بڑی محنت کی اور پورے دس سال تک جانفشانی سے کام کیا اور جب وہ مرا تو اس کا ذکر بھی مرگیا۔ آج حالت یہ ہے کہ کبھی کبھی کوئی شخص اس کا نام لے لیتا ہے اور اس کے برعکس حالت یہ ہے کہ ''ابن ابی کبشۃ'' (حضرت محمدؐ) کا نام روزانہ پانچ مرتبہ پکار کر اذان میں لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے۔

اشھد ان محمدا رسول اللہ ۔ اب مجھے بتاؤ کہ ہمارا کون سا عمل باقی رہے گا اور ہمارے ذکر کو کیا بقا حاصل ہوگی؟ خدا کی قسم، ہم اس ذکر کو دفن کر کے رہیں گے۔ (الموفقیات ص ۵۷۶۔۵۷۷ مروج الذھب ۲/۴۵۴۔ ابن ابی الحدید ۱/۴۶۳)

ہم نے اپنی کتاب ''احادیث ام المومنین عائشۃ'' کے ایک باب (فغ معاویۃ) یعنی معاویہ کے ساتھ، میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔

محمد و آل محمدؐ کی دشمنی معاویہ کو والدین سے بطور میراث منتقل ہوئی تھی۔ کیونکہ معاویہ کا باپ ابوسفیان تھا جس نے رسولؐ خدا سے متعدد جنگیں کیں اور معاویہ کی ماں ہند تھی جس نے رسولؐ خدا کے چچا اور احد کے سید الشھداء حضرت حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا اور جس نے امیر حمزہ کے اعضاء بدن کو کاٹ کر ہار بنایا تھا۔ لہذا ایسے باپ اور ایسی ماں کے بیٹے کو ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔

جی ہاں! معاویہ کی زندگی کی آخری خواہش یہی تھی کہ محمد و آل محمدؐ کا ذکر تک باقی نہ رہے مگر اللہ نے ان ذوات عالیہ کے ذکر خیر کو قیامت تک باقی رکھنا تھا لہذا باقی رہ گیا۔ اور اگر معاویہ کے دل میں کوئی حسرت رہ گئی تھی تو اس کے بیٹے یزید نے امام حسینؑ کو شہید کر کے اور خاندان رسالت کو قید کر کے پوری کی تھی۔

یزید کی موت سے بنی امیہ کی سفیانی شاخ سے اقتدار ختم ہوگیا اور مروانی شاخ میں منتقل ہوگیا اور آل مروان نے آلِ رسولؐ سے کیا سلوک کیا؟ اس کے

جواب سے قبل ہم ابن زبیر کے متعلق کچھ بتانا چاہتے ہیں کہ اسے آل محمدؐ سے کس قدر عداوت تھی۔

ابن زبیر اور عداوت آلِ محمدؐ

ابن ابی الحدید نے ابن زبیر کے متعلق یہ کلمات تحریر کیے کہ

عمر بن شبہؒ، ابن کلبی اور واقدی اور دیگر روایاں سیرت لکھتے ہیں:

ابن زبیر جن دنوں خلافت کا دعویدار تھا۔ اس نے مسلسل چالیس جمعہ کی نمازوں میں رسولؐ خدا پر درود نہیں پڑھا تھا اور وہ اپنے عمل کی توجیہہ یہ کرتا تھا۔

میں رسولؐ خدا پر درود نہیں پڑھتا کیونکہ درود پڑھنے سے آنحضرتؐ کے خاندان کے لوگوں کی ناک بلند ہو جاتی ہے۔

قریش بطور استہزا رسولؐ کریم کو ابن ابی کبشہ کے نام سے پکارتے تھے۔

محمد بن حبیب اور ابی عبیدہ عمر بن مثنیؒ نے ابن زبیر کا یہ قول نقل کیا ہے۔

محمدؐ کے افراد خاندان بُرے ہیں جب کہ محمد پر درود پڑھا جاتی ہے تو ان کے سر بلند ہو جاتے ہیں۔ سعد ابن جبیر کا بیان ہے کہ ابن زبیر نے عبد اللہ بن عباس سے کہا تھا۔

یہ کیسی حدیث ہے جو میں تجھ سے سن رہا ہوں؟

ابن عباس نے کہا: تیرا اشارہ کس حدیث کی طرف ہے؟

اس نے کہا ''میرا اشارہ اس حدیث کی طرف سے ہے جس سے تو میری مذمت کرتا ہے، ابن عباس نے کہا، خوب، سن لے میں نے رسولِؐ خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا۔''

بئس المرء المسلم يشبع ويجوع جاره

''وہ مردِ مسلم انتہائی بُرا ہے جو خود سیر ہو کر کھائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا ہو۔''

ابن زبیر نے کہا: تم بھی سن لو۔ میں چالیس سال سے تم اہل بیت کا بغض اپنے سینے میں چھپائے ہوئے ہوں ــــــ الحدیث۔

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید شرح خطبہ ۱۵۷ / ۳۵۸)

ابن عباس نے اس حدیث کے ذریعہ سے ابن زبیر کے بخل کو اجاگر کیا تھا اسی لئے ابن زبیر اس حدیث کو اپنی مذمت پر محمول کرتا تھا۔

محمد بن حنفیہ کا خطاب

عمر بن شبہؓ نے سعید بن جبیر سے روایت کی کہ اس نے کہا، عبد اللہ بن زبیر نے تقریر کی اور اس نے اپنی تقریر میں حضرت علیؑ کا شکوہ کیا۔ محمد بن حنفیہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ مسجد الحرام میں آئے، اس وقت ابن زبیر تقریر کرنے میں مصروف تھا۔ لوگوں نے محمد بن حنفیہ کے لئے کرسی پیش کی تو وہ کرسی پر بیٹھ گئے اور ابن زبیر کی تقریر کاٹ کر کہا۔

اے گروہِ عرب! خدا تمہارے چہرے مسخ کرے، علیؑ کا شکوہ ہو رہا ہے اور تم بیٹھے سن رہے ہو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ علیؑ دشمنانِ خدا کے خلاف خدا کا ہاتھ تھے۔ اور علیؑ خدا کی طرف سے وہ صاعقہ تھے جسے خدا نے کفار و مشرکین پر گرایا تھا۔ علیؑ نے کافرین کو ان کے کفر کی وجہ سے قتل کیا، ان کی اولاد نے علیؑ سے بغض رکھا اور رسولِ خدا کی زندگی میں ہی علیؑ کے لئے کئی تلواریں نکلنے کے لئے بے تاب تھیں اور جب رسولؐ خدا کی وفات ہوئی تو لوگوں نے اپنے چھپے ہوئے کینے ظاہر کئے اور علیؑ پر مختلف قسم کے ظلم کر کے اپنی دشمنی کی آگ کو تسکین فراہم کی۔ کچھ لوگوں

نے علیؑ سے اس کا حق چھینا، کچھ لوگوں نے علیؑ کے قتل کی منصوبہ بندی کی، کچھ لوگوں نے علیؑ کو سب وشتم کرکے اپنی دشمنی کا اظہار کیا۔ اگر خدا نے اولادِ علیؑ کو کبھی حکومت دی تو ان لوگوں کی ہڈیاں تک قبروں سے نکال کر پھینک دی جائیں گئیں اور ان کے بوسیدہ اجسام کو باہر نکال پھینکا جائے گا اور ان کے زندہ افراد کو قتل کیا جائے گا اور ان کی گردنوں کو جھکا دیا جائے گا اور یوں خدا ہمارے دشمنوں کو ہمارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور ہمیں ان پر فتح ونصرت عطا کرے گا اور ہمارے سینوں کو ٹھنڈک پہنچائے گا۔

خدا کی قسم! علیؑ کو گالیاں صرف وہ کافر ہی دے سکتا ہے جو دراصل رسولؐ خدا کو گالیاں دینا چاہتا ہے۔ لیکن جب وہ رسولؐ خدا کا نام لے کر گالی دینے سے اپنے آپ کو قاصر سمجھتا ہے تو وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے علیؑ کو گالیاں دینے لگ جاتا ہے اور ابھی تک وہ افراد زندہ ہیں جنہوں نے رسولؐ خدا سے یہ جملے سنے تھے:

یا علی لایحبک الامومن ولا یبغضک الا منافق

''اے علیؑ! تجھ سے مومن کے علاوہ کوئی محبت نہیں کرے گا اور منافق کے علاوہ تجھ سے کوئی بغض نہیں رکھے گا۔''

اور ظلم کرنے والوں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ان کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ (تاریخ یعقوبی۲/۲۶۲)

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں:

عبد اللہ بن زبیر علی علیہ السلام سے بغض رکھتا تھا اور ان کی توہین کرتا تھا اور انہیں گالیاں بکتا تھا۔ (شرح نہج البلاغہ، ۱/۳۵۸)

یعقوبی لکھتے ہیں :

ابن زبیر کو بنی ہاشم سے سخت عداوت تھی اور اسی عداوت کی وجہ سے اس نے خطبہ میں محمد مصطفیٰ پر درود پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ جب اس سے کہا گیا کہ تو نبی کریم پر درود کیوں نہیں پڑھتا؟ تو اس نے جواب میں کہا، محمدؐ کے خاندان کے افراد انتہائی بُرے ہیں، جو محمدؐ کے ذکر کی وجہ سے تکبرّ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور محمدؐ کا نام سن کر اپنی گردنوں کو بلند کر لیتے ہیں۔

ابن زبیر کا بنی ہاشم سے سلوک

ابن زبیر نے محمد بن حنفیہ، عبد اللہ بن عباس اور دیگر چوبیس بنی ہاشم کو گرفتار کرکے ان سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ بنی ہاشم کے افراد نے بیعت سے انکار کیا۔ ابن زبیر نے انہیں حجرہ زمزم میں قید کر دیا اور خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اگر انہوں نے بیعت نہ کی تو وہ انہیں زندہ جلا دے گا۔

حضرت محمد بن حنفیہ نے زندان سے مختار بن ابی عبیدہ اور اس کے ساتھیوں کے نام خط لکھا جس میں انہوں نے تحریر کیا۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ عبد اللہ بن زبیر نے ہمیں گرفتار کرکے حجرۂ زمزم میں قید کر دیا ہے اور وہ خدائے واحد کی قسم کھا چکا ہے کہ یا تو ہم اس کی بیعت کریں گے یا پھر وہ ہمیں زندہ جلا دے گا تم ہماری مدد کرو۔

جیسے ہی یہ خط مختار بن ابی عبیدہ کو ملا تو اس نے ابو عبد اللہ جدلی کو چار ہزار گھڑ سواروں کے ساتھ مکہ روانہ کیا۔ اس نے مکہ پہنچ کر حجرہ کے دروازوں کو توڑا اور مظلوم بنی ہاشم کو اس کی قید سے نجات دلائی اور اس نے محمد بن حنفیہ سے درخواست کی کہ اسے ابن زبیر سے دو دو ہاتھ کر لینے دیں مگر محمد بن حنیفہ نے کہا: میں اپنے

قاطع رحم سے وہ سلوک نہیں کرنا چاہتا جو اس نے مجھ سے کیا ہے۔

(تاریخ یعقوبی ۲/۲۰۶۱)

ابن زبیر کے قتل کے بعد فضا بنی امیہ کے لئے ہموار ہوگئی اور اولاد مروان نے ایک طویل عرصہ تک حکومت کی۔ ہم آل مروان کے تمام مظالم پر بحث نہیں کرنا چاہتے، ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آل مروان کا حضرت علیؑ کے متعلق کیا نظریہ تھا۔ اس کی ابتدا ہم دور عبد الملک سے کرنا چاہتے ہیں۔

عبد الملک اور ولید کا عہد حکومت

ابن ابی الحدید نے جاحظ کا یہ قول نقل کیا ہے:

عبد الملک بڑا فاضل اور قابل شخص تھا اور وہ حضرت علیؑ کے فضائل کو جانتا تھا مگر اس کے باوجود وہ اپنے خطبات میں سر عام حضرت علیؑ پر لعنت کرتا تھا اور اس کے عہد حکومت میں تمام مساجد کے منبروں پر حضرت پر سب وشتم کیا جاتا رہا۔ عبدالملک کے اس کردار سے اس کی کمزوری ثابت ہوتی ہے۔ مگر عبد الملک یہ سب کچھ اس لئے کرتا تھا کہ بنی ہاشم کی سطوت کو ختم کیا جائے اور انہیں یہ باور کرایا جائے کہ جب ان کا جدّ علیؑ ایسا تھا تو ان کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے اور وہ اولاد علیؑ کو اس ذریعہ سے یہ پیغام دینا چاہتا تھا کہ وہ جس علیؑ پر فخر کرتے ہیں جب وہ سب وشتم کے قابل ہے تو اس کی اولاد کا کیا مقام ہوسکتا ہے؟

جاحظ مزید بیان کرتے ہیں کہ ولید بن عبد الملک نے اپنے عہد حکومت میں خطبہ دیا اور اس نے خطبہ کے دوران حضرت علی کا ذکر کیا تو اس نے کہا:

اس پر خدا کی لعنت ہو، وہ چور تھا اور چور کا بیٹا تھا۔ (نعوذ باللہ)

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۱/۳۵۶۔۴/۵۷۔۵۸)

حجاج کا کردار

حجاج بن یوسف ثقفی عبد الملک بن مروان کا گورنر اور اس کا ضمیمہ تھا۔

حجاج لعین حضرت علیؑ پر لعنت کرتا تھا اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیتا تھا۔

ایک دن حجاج سوار ہو کر کہیں جارہا تھا کہ راستے میں ایک شخص نے اسے روک کر کہا:

اے امیر! میرے خاندان نے مجھ پر بڑا ظلم کیا اور انہوں نے میرا نام علیؑ رکھ دیا۔ آپ میسرا نام تبدیل کریں اور میری مدد بھی کریں کیونکہ میں انتہائی مفلس ہوں۔

حجاج نے کہا: تو نے اچھا بہانہ تراشا میں نے تیرا نام فلاں رکھ دیا ہے اور تجھے فلاں علاقہ کا حاکم مقرر کیا ہے، تو اپنی ملامت پر چلا جا۔

(شرح ابن ابی الحدید ۱/۳۵۶ـ۵۷ـ۵۸)

سعودی لکھتے ہیں:

عبد اللہ بن ہانی کا تعلق یمن کے قبیلہ اود سے تھا اور وہ اپنی قوم قبیلہ کا معزز شخص تھا۔ وہ حجاج کا ساتھی تھا اور تمام جنگوں میں وہ حجاج کے ساتھ شامل رہا تھا جب حجاج نے بیت اللہ کو نذرِ آتش کیا تھا تو وہ بھی اس واقعہ میں حجاج کے ساتھ تھا۔ ایک دن اس نے حجاج سے کہا کہ تو نے میری خدمات کا صلہ پوری طرح سے نہیں دیا۔

حجاج نے کہا: میں ابھی تیری خدمات کا صلہ تجھے دیتا ہوں۔

پھر حجاج نے بنی فرازہ کے سردار اسماء بن خارجہ کو دربار میں طلب کیا اور اس سے کہا کہ تو اپنی بیٹی کا نکاح عبد اللہ بن ہانی سے کر دے اس نے کہا: یہ میری بے عزتی ہے۔ حجاج نے جلاد کو طلب کیا جب وہ کوڑا لے کر آیا تو اس نے کہا: ٹھیک ہے میں اپنی بیٹی کا رشتہ اسے دیتا ہوں۔ پھر اس نے شادی کر دی۔

اس کے بعد حجاج نے اہل یمن کے رئیس سعید بن قیس ہمدانی کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ تو اپنی بیٹی کا رشتہ عبد اللہ بن ہانی سے کر۔ اس نے کہا۔ وہی جو قبیلہ ''اود'' سے تعلق رکھتا ہے؟

حجاج نے کہا: ''ہاں'' وہی ہے۔

اس نے کہا: اسے رشتہ دینا میری توہین ہے۔

حجاج نے کہا: تلوار لے آؤ۔

سعید بن قیس نے جیسے ہی تلوار کو دیکھا تو حجاج سے کہا: مجھے مشورہ کی مہلت دو۔

حجاج نے اسے مشورہ کے لئے جانے دیا۔ اس نے اپنے اہل خاندان سے مشورہ کیا تو انہوں نے اس سے کہا کوئی بات نہیں تم رشتہ دے دو، ورنہ وہ فاسق تمہیں قتل کر دے گا۔

الغرض سعید بن قیس نے اپنی بیٹی اس سے بیاہ دی۔ جب حجاج نے اس کی دو شادیاں کرا دیں تو اس سے کہا:

عبد اللہ! دیکھو، میں نے تیرے احسانات کا بدلہ چکا دیا ہے۔ میں نے بنی فرازہ اور بنی ہمدان کے سرداروں کی صاحبزادیوں سے تیرا نکاح کیا ہے۔ اس سے زیادہ تجھے اور صلہ کیا دیا جاسکتا ہے؟

عبد اللہ بن ہانی نے کہا: امیر! ہمارے قبیلہ کو اتنی فضیلتیں حاصل ہیں جو اہل عرب میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہیں۔

حجاج نے کہا: تمہارے قبیلہ کو کون سی فضیلتیں حاصل ہیں؟

اس نے کہا: آج تک ہماری کسی محفل میں امیر المومنین عثمان کا شکوہ نہیں ہوا۔

حجاج نے کہا: واقعی یہ ایک فضیلت ہے۔

اس نے کہا: جنگ صفین میں ہمارے قبیلہ کے ستر افراد معاویہ کے ساتھ تھے اور ابو تراب کے ساتھ صرف ایک آدمی تھا اور وہ بھی انتہائی برا شخص تھا۔

حجاج نے کہا: خدا کی قسم! واقعی یہ فضیلت ہے۔

اس نے کہا: ہمارے قبیلہ کے کسی بھی مرد نے ایسی عورت سے نکاح نہیں کیا جو علی سے محبت کرتی ہو۔

حجاج نے کہا: خدا کی قسم! یہ واقعی ایک فضیلت ہے۔

اس نے کہا: ہمارے قبیلہ کی ہر عورت نے منت مانی تھی کہ اگر حسینؑ قتل ہو گیا تو وہ دس اونٹ قربان کرے گی اور جب حسینؑ قتل ہوا تو ہماری تمام عورتوں نے اپنی منت ادا کی۔

حجاج نے کہا: خدا کی قسم! یہ واقعی ایک فضیلت ہے۔

اس نے کہا: ہمیں جب بھی ابو تراب کو سب وشتم کرنے کے لئے کہا گیا تو ہم نے فوراً اس پر عمل کیا۔

حجاج نے کہا: خدا کی قسم! یہ واقعی ایک فضیلت ہے۔

اس نے کہا: میں سب وشتم کو علیؑ تک ہی محدود نہیں رکھتا بلکہ اس میں اس کے دونوں بیٹوں حسنؑ اور حسینؑ اور اس کی زوجہ فاطمہؑ کو بھی شامل کرتا ہوں۔

(نعوذ باللہ)

حجاج نے کہا: خدا کی قسم! واقعی یہ ایک فضیلت ہے۔

پھر اس نے کہا:

خدا نے ہمیں جس حسن و جمال سے نوازا ہے وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوا۔ حجاج یہ سن کر ہنسنے لگا اور کہا ابو ہانی یہ بات رہنے دو کیونکہ عبد اللہ انتہائی بدشکل اور گنجا اور بدہیئت شخص تھا۔

(مروج الذهب ۳/۱۴۴۔ ابن ابی الحدید ۱/۳۵۷)

ابن سعد نے عطیہ بن جنادہ عوفی کے حالات میں لکھا ہے۔

حجاج نے محمد بن قاسم ثقفی کو لکھا کہ عطیہ کو اپنے دربار میں طلب کر کے اسے علی بن ابی طالب پر لعنت کرنے کا حکم دے اور اگر وہ تیرے حکم کی تعمیل کرے تو بہتر ورنہ اسے چار سو کوڑے مارو اور اس کے سر اور داڑھی کے بالوں کو صاف کر دو۔ محمد بن قاسم ثقفی نے عطیہ کو طلب کیا اور اس کے سامنے حجاج کا خط پڑھا؟

عطیہ نے حجاج کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ محمد بن قاسم نے اسے چار سو کوڑے مروائے اور اس کے سر اور داڑھی کے بال منڈوا دیئے۔ (۱)

حجاج کا بھائی محمد بن یوسف والی یمن بھی حجاج کی طرح دشمن آل محمدؐ تھا۔

ذھبی نے حجر المدری سے روایت کی جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

حضرت علیؑ نے حجر المدری سے کہا تھا:

اس وقت تیری کیا حالت ہوگی جب تجھے مجھ پر لعنت کرنے کا حکم دیا جائے گا؟

میں نے (حجر المدری) کہا: کیا ایسا بھی ہوگا؟

حضرت علیؑ نے فرمایا۔ جی ہاں، ایسا ہوگا۔

میں نے کہا: آپ بتائیں مجھے کیا کرنا چاہئے؟

۱۔ طبقات ابن سعد طبع یوری ۶/ ۳۲۱۔۲۱۳۔ طبری طبع یورپ ۲/۲۴۹۴ تہذیب التہذیب ۷/۲۲۴۔۲۲۶۔ تقریب التہذیب۔ عطیہ سے بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حدیث روایت کی۔ عطیہ نے ۱۱۱ھ میں وفات پائی۔ محمد بن قاسم ثقفی بلادفارس میں حجاج کی طرف سے افواج کا سربراہ تھا۔ ۹۲ھ میں حجاج نے اسے سندھ کی فتح پر مامور کیا تھا۔ اس نے سندھ اور ملتان کو فتح کیا۔ ولید کی موت کے بعد حجاج کے گھرانے پر زوال آیا۔ سلیمان نے اسے حکومت سندھ سے معزول کیا اور وسط کی جیل میں قید کر دیا جہاں وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: مجھ پر لعنت کرنا لیکن مجھ سے بیزاری اختیار نہ کرنا۔

حضرت علیؑ کی پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور حجاج کے بھائی محمد بن یوسف ثقفی نے اسے حکم دیا کہ وہ علیؑ پر لعنت کرے۔اس نے کہا: امیر نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں علیؑ پر لعنت کروں۔ تم اس پر لعنت کرو۔ خدا اس پر لعنت کرے، حجرالمدری کے دو معنی جملے کا مقصد ایک شخص کے علاوہ اور کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔

عمر بن عبد العزیز کے عہد حکومت تک مملکت اسلامیہ کے تمام منا بر پر بنی امیہ کے حکم سے حضرت علیؑ پر سب وشتم کا سلسلہ جاری رہا اور جب عمر بن عبد العزیز مسند خلافت پر بیٹھا تو اس نے اس منحوس رسم کا خاتمہ کیا۔

عمر بن عبد العزیز کا کارنامہ

عمر بن عبد العزیز نے اموی سیاست کو خیر باد کہا اور حضرت علیؑ پر سب وشتم کا سلسلہ موقوف کیا اور اس کا سبب بیان کرتے ہوئے ابن ابی الحدید نے لکھا

عمر بن عبد العزیز نے کہا:

میں اپنے بچپن میں عتبہ بن مسعود کے ایک بیٹے سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتا تھا، ایک دن میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اور ہمارے استاد کا وہاں سے گذر ہوا، اس وقت ہم تمہارے بچے علیؑ پر لعنت کر رہے تھے۔ میرے استاد نے میرے منہ سے لعنت سنی تو انہوں نے بڑا محسوس کیا اور چپکے سے مسجد میں چلے گئے میں اپنا سبق دہرانے کے لئے مسجد میں گیا۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو وہ نماز میں مصروف ہوگئے۔ میں نے سمجھ لیا کہ آج استاد مجھ پر ناراض ہیں۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے مجھے ناراضگی سے دیکھا میں نے کہا: استاد محترم! آپ

ناراض کیوں ہیں؟

انہوں نے کہا: تو آج علیؑ پر لعنت کر رہا تھا؟

میں نے کہا: جی ہاں،

میرے استاد نے کہا۔ تجھے کب سے معلوم ہوا کہ اہل بدر پر رضا مند ہونے کے بعد ناراض ہوا؟

میں نے کہا: تو کیا علی ابھی اہل بدر میں سے تھا؟

میرے استاد نے کہا: علیؑ صرف اہلِ بدر میں سے ہی نہیں تھا بلکہ وہ تو بدر کا فاتح تھا۔

میں نے کہا: میں آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔

میرے استاد نے کہا: تجھے خدا کا واسطہ آئندہ ایسا نہ کرنا۔

پھر اس کے بعد میں نے کبھی علیؑ پر لعنت نہیں کی۔ میں نماز جمعہ کے لئے مسجد نبوی میں جاتا تھا، جہاں میرے والد جمعہ کا خطبہ دیتے تھے اور اس وقت وہ مدینہ کے گورنر تھے۔ میں منبر کے نیچے بیٹھ کر اپنے والد کی تقریر سنا کرتا تھا۔ میرے والد اپنی تقریر میں فصاحت وبلاغت کے دریا بہا دیتے تھے لیکن جب وہ علیؑ پر لعنت کرتے تو ان کی زبان میں ایسی لکنت پیدا ہو جاتی تھی جسے خدا ہی بہتر جانتا تھا۔ مجھے اس سے بڑا تعجب ہوتا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک دن اپنے والد سے کہا، ابا جان! آپ بہت بڑے فصیح وبلیغ خطیب ہیں لیکن جب آپ علیؑ پر لعنت کرتے ہیں تو آپ کی وصاحت وبلاغت رخصت ہو جاتی ہے، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

میرے والد نے کہا: بیٹا! اگر میرے ممبر کے نیچے بیٹھے ہوئے افراد کو ان حقائق کا علم ہو جائے جن کا علم تیرے والد کو ہے تو ان میں سے کوئی بھی ہماری

پیروی نہ کرے۔ میں نے اپنے والد کے الفاظ کو اپنے سینے میں محفوظ رکھا اور میرے استاد کے الفاظ بھی میرے ذہن میں موجود تھے اس لئے میں نے خدا سے یہ عہد کیا کہ اگر اس نے مجھے خلافت میں حصہ دار بنایا تو میں اس رسم کو ختم کردوں گا۔

جب اللہ نے مجھ پر اپنا فضل کیا تو میں نے اسے ختم کردیا اور اس کی جگہ یہ آیت خطبہ میں داخل کی:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْىِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ.

(النحل۔۹۰)

''بے شک اللہ عدل، احسان اور قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے اور بدکاری، ناشائستہ حرکات اور ظلم سے منع کرتا ہے کہ شاید تم اس طرح نصیحت حاصل کرلو''

پھر میں نے سرکاری فرآن جاری کرکے تمام اطراف میں بھیج دیا اور اس پرعمل ہونے لگا۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید درضمن خطبہ ۵۷ھ تاریخ یعقوبی ۱/۳۰۵)

اس دور کے ایک شاعر کثیر بن عبد الرحمٰن نے عمر بن عبد العزیز کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔

ولیت فلم تشتم علیا ولم تخف

بریا ولم تقبل اساءۃ مجرم

وکفرت بالعفوا لذنوب مع الذی

اتیت فاضحی راضیا کل مسلم

(الآغانی ۹/۳۵۰ مع اختلاف فی الروایۃ)

''تو حاکم بنا تو نے علیؑ کو سب وشتم نہ کیا اور تو نے کسی بے گناہ کو خوفزدہ نہیں کیا اور تو نے کسی مجرم کے گناہ کو قبول نہیں کیا، تو نے اپنے عفو و درگذر سے لوگوں کے گناہ مٹائے اور تو نے اپنے کردار سے ہر مسلمان کو خوش کر دیا''

سید رضی ابوالحسن نے کہا تھا:

یا ابن عبد العزیز لو بکت العین فتی من امیة لبکیتک

غیر انی قول انک قد طبت وان لم یطب ولم یزک بیتک

انت نزھتنا عن السب والقدف فلو(امکن)الجزاء جزیتک

''اے فرزند عبد العزیز ! اگر بنی امیہ کے کسی جوان پر میری آنکھ روتی تو میں تجھے ضرور روتا''

تیرے متعلق میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ تو پاک و پاکیزہ فرد ہے اگرچہ تیرا گھر پاک و پاکیزہ نہیں ہے۔ تو نے ہمیں سب وشتم اور بہتان طرازی سے محفوظ کیا، اگر بدلہ دینا ممکن ہوتا تو میں تجھے اس کا بدلہ دیتا''

عمر بن عبد العزیز کی کوششیں دو وجوہات کی بناء پر کامیاب نہ ہوسکیں۔

(۱) امت اسلامیہ کے افراد سالہا سال سے اس رسمِ بد میں مبتلا تھے اور یہ بڑائی ان کے رگ و ریشہ میں داخل ہوچکی تھی اور ان کے ہاں سنت کا درجہ اختیار کرچکی تھی۔ عمر بن عبد العزیز کی ممانعت کے باوجود'' اہلِ حران'' کی طرح بہت سے لوگوں نے اس رسم کو نہ چھوڑا۔ جیسا کہ حموی اور مسعودی لکھتے ہیں:

جب حضرت علیؑ کی سب وشتم ممنوع قرار پائی تو ''اہل حران'' نے اس عادت کو نہ چھوڑا اور کہا: ابوتراب پر لعنت کے بغیر نماز جائز نہیں ہے اور ایک عرصہ تک یہ فعل قبیح ان میں رائج رہا، یہاں تک کہ بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی۔ (مروج الذہب ۳/۲۴۵)

(۲) عمر بن عبد العزیز کے بعد کے اموی حکام نے اس قبیح رسم کو دوبارہ جاری کیا۔ جسے ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے۔

ہشام بن عبد الملک کا عہد حکومت

ابن عساکر جنادۃ بن عمرو بن جنید بن عبد الرحمٰن الحری بن امیہ کے آزاد کردہ غلام کے حالات کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ اس نے اپنے دادا جنید سے روایت کی کہ اس نے کہا کہ میں اپنا وظیفہ لینے کے لئے حوران سے دمشق آیا۔ میں نے نماز جمعہ ادا کی، اس کے بعد باب الدرج سے باہر نکلا تو وہاں ایک بوڑھا قصہ گو بیٹھا تھا، جس کا نام ''ابو شیبہ'' تھا۔ وہ لوگوں کو قصے کہانیاں سناتا تھا اور لوگوں کو نیک کاموں کی ترغیب دیتا اور بُرے کاموں سے ڈراتا تھا۔

اس نے ہمیں ترغیب دی تو ہمیں رغبت پیدا ہوئی اور اس نے ہمیں خوفزدہ کیا تو ہم رونے لگے۔ جب اس نے اپنی گفتگو مکمل کی تو اس نے آخر میں کہا۔ اب ہم اپنی مجلس کا اختتام ابو تراب پر لعنت سے کرتے ہیں۔ اس کے کہنے پر تمام حاضرین نے حضرت پر لعنت کی میں نے اپنے دائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا کہ ابو تراب کون ہے؟ اس نے مجھے بتایا وہ علی بن ابی طالب ہے، جو رسولؐ خدا کا چچا زاد اور آنحضرت کا داماد اور اول المسلمین اور حسنؑ و حسینؑ کا والد ہے میں نے کہا اس قصہ گو کو ان پر لعنت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ کہہ کر میں اٹھا اور قصہ گو کے بالوں سے پکڑا اور میں نے اس کے چہرے پر طمانچے مارے اور اس کے سر کو دیوار سے ٹکرایا۔ وہ قصہ گو چیخنے چلانے لگ گیا۔ اتنے میں مسجد سے بہت سے لوگ آ گئے اور وہ میری چادر میرے گلے میں ڈال کر مجھے ہشام بن عبد الملک

کے پاس لے آئے۔ میرے آگے وہی قصہ گو ابو شیبہ چل رہا تھا۔ جونہی ہشام کے پاس پہنچے تو قصہ گو نے چیخ کر کہا۔

اے امیر المومنین! آج آپ کے اور آپ کے آباؤ واجداز کے قصہ گو پر بڑا ظلم ہوا ہے۔

ہشام نے کہا: تجھ پر کس نے ظلم کیا ہے؟

جنید کہتے ہیں کہ اس وقت ہشام کے پاس معززین شہر بڑی تعداد میں جمع تھے۔ اس نے مجھے دیکھا تو کہا: ابو یحیٰ! تم کب آئے؟

میں نے کہا: میں کل آیا تھا اور آج نماز کے بعد آپ کے پاس آ رہا تھا، تو یہ شخص قصہ گوئی کر رہا تھا۔ اس نے ہمیں خوف دلایا تو ہم ڈر گئے اور اس نے دعا مانگی تو ہم نے آمین کہی، اس نے آخر میں کہا کہ اب ہم اپنی مجلس کا اختتام ابو تراب پر لعنت سے کرتے ہیں۔

میں نے پوچھا کہ ابو تراب کون ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ وہ اول المسلمین اور رسولؐ خدا کے چچا زاد اور حسنؑ وحسینؑ کے والد اور بنتؑ پیغمبر کے شوہر علی بن ابی طالبؑ ہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ اگر ایک شخص آپ کا قریبی رشتہ دار ہوتا اور کوئی شخص اس پر یوں لعنت کرتا تو میں اسے کبھی بھی معاف نہ کرتا جب کہ یہ بدنصیب دامادِ پیغمبر پر لعنت کر رہا تھا تو میں یہ کیسے برداشت کرسکتا تھا؟

ہشام نے کہا: اس نے بہت بُرا کیا۔ پھر ہشام نے مجھے سندھ کی حکومت کا پروانہ لکھ دیا اور اپنے کچھ ساتھیوں سے کہا: ایسا شخص میرے پاس نہیں رہ سکتا اگر یہ میرے پاس رہا تو میرے معاملات الجھا دے گا اسی لئے میں نے اسے سندھ کی طرف روانہ کیا ہے۔

جنید حکومت کا پروانہ لے کر سندھ آیا اور سندھ میں ہی اس نے وفات پائی۔

کسی شاعر نے اس کے متعلق کہا تھا:

ذھب الجود والجنید جمیعا

فعلی الجود والجنید السلام

''سخاوت اور جنید دونوں چلے گئے۔ سخاوت اور جنید دونوں پر ہمارا سلام ہو۔''

یہ ہشام بن عبد الملک اموی کا کردار تھا۔ اب ذرا اس کے ایک گورنر کا حال بھی ملاحظہ فرمائیں۔

خالد بن عبد اللہ القسری کا کردار

مبرد اپنی کتاب ''الکامل'' میں لکھتے ہیں:

خالد بن عبد اللہ القسری دور ہشام میں عراق کا گورنر تھا۔ وہ منبر پر حضرت علیؑ پر لعنت کرتے ہوئے یہ الفاظ کہا کرتا تھا:

خدایا! علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم، داماد رسولؐ، والد حسنینؑ پر لعنت کر (نعوذ باللہ ولعن اللہ قائلہ)

پھر وہ لوگوں سے کہتا تھا کہ بتاؤ میں نے علیؑ کا حسب نسب پورا بیان کیا ہے یا نہیں (الکامل ۴۱۴ طبع یورپ۔ ابن ابی الحدید ۱/۳۵۶)

آیئے دیکھیں یہ خالد بن عبد اللہ کون تھا؟

اس کی ماں نصرانیہ تھی۔ یہ شخص اپنی ذاتی جاہ ونمود کے لیے بیت المال کی

۱۔ تہذیب تاریخ دمشق ابن بدران ۳/۴۱۰ درحالات جنادہ بن عمرو بن جنید

خلاصہ تاریخ دمشق ابن منظور ۶/ ۱۱۷۔۱۱۸

دولت خرچ کرتا تھا۔ یہ ولید، سلیمان اور ہشام کا مقرب تھا اور ہشام نے اسے عراق کا گورنر مقرر کیا تھا۔ ابن عساکر اس کے حالات میں لکھتے ہیں:

خالد نے مکہ تک پانی پہنچایا اس نے زمزم کے قریب ایک تھال نصب کیا پھر اس نے خطبہ دیا اور خطبہ میں کہا: میں تمہارے لئے باہر سے پانی لایا ہوں جو گھٹیا پانی (آب زمزم) کی طرح کا نہیں ہے۔ وہ حضرت علیؑ کی عیب جوئی کرتا تھا۔

ابن عساکر کہتے ہیں: اس نے علیؑ کے متعلق ایسے نازیبا الفاظ کہے جن کا بیان کرنا جائز نہیں۔

مزید لکھتے ہیں کہ خالد بن عبد اللہ القسری نے کہا تھا۔

خدا کی قسم! اگر امیر المومنین مجھے حکم دیں تو میں کعبہ کو توڑ کر اس کا ایک ایک پتھر علیحدہ کر کے رکھ دوں گا۔

اس کا انجام یہ ہوا کہ ہشام نے اسے والی عراق یوسف بن عمر کے سپرد کیا۔ اس نے اسے قید خانہ میں ڈال دیا، جہاں اسے روزانہ بدترین سزا دی جاتی تھی اور آخرکار ۱۲۶ھ میں زندان میں ہی مر گیا۔ (مختصر تاریخ دمشق ابن منظور ۷/۳۶۹۔۳۸۴)(۱)

خالد نے اپنے گھر میں اپنی ماں کے لئے ایک کلیسا بنوایا تھا۔

(۲) (ابن کثیر ۱۰/۲۱۔ مروج الذھب ۳/۱۲۰۔ ابن خلکان ۲/۷)

بنی امیہ نے پوری ریاستی قوت کے ساتھ مسلمانوں کو ذکر علیؑ سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بنی امیہ نے اعلان کر دیا کہ لوگ اپنے بچوں کا نام علی نہ رکھیں۔

علی نامی اشخاص کو قتل کیا جاتا تھا

ابن حجر، علی بن رباح کے حالات میں لکھتے ہیں:

جب بنی امیہ کو پتہ چلتا کہ کسی شخص نے اپنے بیٹے کا نام ''علیؑ'' رکھا ہے تو وہ اس بچے کو قتل کرا دیتے تھے۔ یہی خبر رباح نے سنی تو اس نے کہا کہ میرے بیٹے کا نام ''علیؑ'' ہے۔ اور اگر کوئی اس کے بیٹے کو ''علی'' کہہ کر پکارتا تو وہ ناراض ہو جاتا تھا۔

علی بن رباح کہتا تھا میں کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ مجھے ''علی'' کہہ کر پکارے۔ میرا نام ''عُلَیٌ'' ہے۔ (تہذیب التہذیب درحالات علی بن رباح لخمی ۷/۳۱۹)

عمر بن عبد العزیز اور ہشام کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی امیہ کو حضرت علیؑ کے مقام و منزلت کی پوری خبر تھی۔ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

ہشام بن عبد الملک حج پر گیا اور وہاں پر خطبہ دیا۔ اختتام خطبہ پر ایک شخص نے اٹھ کر کہا،

اے امیر المومنین! آج کے دن ہمارے خلفاء ابو تراب پر لعنت کرنے کو مستحب سمجھتے تھے۔

ہشام نے کہا: خاموش ہو جا۔ ہم اس کام کے لئے یہاں نہیں آئے۔

(شرح ابن ابی الحدید ۱/۳۵۶)

اصل بات یہ ہے کہ عرفہ کے خطبہ میں ہشام نے امیر المومنین پر تبرّا کرنے کی اس لئے جرأت نہ کی کہ اسے حضرت کے مقام کا علم تھا اور اس علم کی وجہ سے مدینہ میں عبد العزیز کی زبان کانپنے لگ جاتی تھی اور جب اس سے اس کے فرزند نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا:

جان پدر! اگر اہل شام اور میرے ممبر کے نیچے بیٹھے ہوئے افراد کو اس کی فضیلت کا علم ہو جائے تو کوئی بھی ہماری پیروی نہ کرے۔

پیغمبر اکرم کی رحلت کے بعد قریش نے جو پالیسی اپنائی تھی وہ آل محمدؐ کی شہادت اور آل محمدؐ پر سب وشتم پر منتج ہوئی اور عداوتِ آلِ محمدؐ کا سلسلہ بنی امیہ تک ہی محدود نہ رہا بلکہ عہد عباس میں بھی جاری رہا اور اس دور کے سلاطین، حکام، علماء اور واعظین کی اکثریت عداوت آل محمدؐ کی بیماری میں مبتلا تھی۔

آیئے ذیل میں عہد عباسی کا ایک سرسری جائزہ لیں۔

ا۔ طبقہ علماء اور عداوتِ آلِ محمدؐ

ابن حجر، ابو عثمان حریز بن عثمان الحمصی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

وہ علیؑ کی توہین کرتا تھا اور ان کا شکوہ کرتا تھا۔ اسماعیل بن عیاش نے کہا:

میں نے مصر سے مکہ تک حریز بن عثمان کے ساتھ سفر کیا وہ سارا راستہ علیؑ پر سب اور لعنت کرتا رہا۔ اسماعیل بن عیاش نے کہا کہ حریز بن عثمان کہا کرتا تھا کہ لوگ نبی کریم سے یہ حدیث اور روایت ہے کہ آنحضرت نے علیؑ سے کہا تھا: انت منی بـمـنزلة هارون من موسیٰ" تجھے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کو یہ حدیث سننے میں غلطی ہوئی۔

میں نے کہا تو تم بتاؤ حدیث کے اصل الفاظ کیا تھے؟

اس نے کہا: اصل میں یہ حدیث یوں ہے:

"انت منیؑ بمنزلة قارون من موسیٰ"

"تجھے مجھ سے وہی مقام حاصل ہے جو قارون کو موسیٰ سے حاصل تھا۔" (نعوذ باللہ)

ازدی بیان کرتے ہیں کہ حریز بن عثمان نے کہا کہ ایک بار نبی کریم خچر پر سوار ہوئے تو علیؑ نے زین کی تنگ کھول دی تا کہ راستے میں نبی گر جائیں۔

یحییٰ بن صالح سے پوچھا گیا کہ تو حریز کی روایت نقل کیوں نہیں کرتا؟ تو اس نے کہا کہ میں ایسے شخص کی روایت کیسے لکھوں جس کے ساتھ میں نے سات سال تک نماز فجر پڑھی اور جب تک وہ مسجد میں بیٹھ کر ستر بار علیؑ پر لعنت نہ کرتا مسجد سے باہر نہیں آتا تھا۔

ابن حبان نے کہا: حریز روزانہ صبح کے وقت ستر مرتبہ اور شام کے وقت ستر مرتبہ حضرت علیؑ پر لعنت کرتا تھا۔(۱)

۲۔ طبقہ احکام اور عداوت آل محمدؐ

ابن حجر نے نصر بن علیؑ کے حالات میں لکھا:

علی بن ابی طالب سے مروی یہ حدیث نقل کی کہ رسولؐ خدا نے حسنؑ و حسینؑ کے ہاتھ سے پکڑ کر فرمایا۔ **"من احبنی واحب ھذین وابا ھما واھما کان فی درجی یوم القیاوۃ"۔**

"جس نے مجھ سے محبت کی اور ان دو سے محبت کی اور ان کے والد اور ان کی والدہ سے محبت کی تو وہ قیامت کے دن میرے درجہ میں ہوگا۔"

متوکل عباسی نے اسے ایک ہزار کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ جعفر بن عبدالواحد نے اس کے متعلق سفارش کی کہ یہ اہل سنت سے تعلق رکھتا ہے۔ آخرکار بڑی مشکل سے خلاصی نصیب ہوئی۔

---

(۱) حریز بن عثمان، مہدی عباسی کے دور حکومت میں بغداد آیا۔ ابن حجر تہذیب التہذیب ۲/۲۳۷۔۲۴۰ اور تقریب التہذیب ۱/۱۵۹ پر لکھا ہے ثقۃ ثبت رمی بالنصب اخرج حدیثہ البخاری وغیرہ عدا مسلم وہ ثقہ اور مضبوط راوی ہے اس پر ناصبیت کا الزام ہے۔ بخاری اور دیگر محدثین نے اس کی روایات اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں۔ البتہ مسلم نے اس سے کوئی روایت نہیں لی۔

۳۔عوام الناس کا کردار

ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں ابن السقا کے متعلق لکھتے ہیں:

الحافظ الامام محدث واسط ابومحمد عبد اللہ بن محمد بن عثمان الواسطی...... ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن عثمان واسطی حدیث کے حافظ اور امام تھے اور آپ واسط کے محدث تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے حدیث طائر بیان کی۔ لوگوں کے نفوس اس حدیث کو برداشت نہ کر سکے اور ان پر حملہ کر دیا اور انہیں مسجد سے نکال دیا گیا اور جہاں وہ بیٹھے تھے اس جگہ کو دھویا گیا۔ اس کے بعد وہ اہل واسط کے سامنے حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بیان کردہ احادیث بہت کم ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ ص ۹۶۵۔۹۶۶)

امت اسلامیہ کے برسر اقتدار گروہ نے صرف آل محمدؑ پر تبرا کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پوری ریاستی قوت سے پیغمبرِ اسلام کی ان احادیث کو بھی مخفی رکھنے کی کوشش کی جو ان کی مدح میں وارد ہوئی تھیں۔ آل محمدؑ کو صرف بے وقعت بنانے تک ہی معاملات محدود نہ رہے بلکہ انہیں قتل کیا گیا، ان سے زندان بھر دیئے گئے، اور آل محمدؑ کے متعلق بنی امیہ اور بنی عباس کی پالیسی یکساں تھی۔ اگر بنی امیہ نے کربلا میں امام حسینؑ کو شہید کیا تو بنی عباس نے بھی امام حسینؑ کی قبر کے نشان کو مٹانے کی بھرپور کوشش کی۔ آل محمدؑ کی مظلومیت کی داستان پڑھنے کے لیے ابو الفرج کی کتاب ''مقاتل الطالبین'' کا مطالعہ کریں۔

ذیل میں ہم بنی عباس کے دور حکومت کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں اور اس سے ہمارے قارئین کو معلوم ہو سکے گا کہ آل محمدؑ کی دشمنی میں بنی امیہ اور بنی عباس میں کوئی فرق نہیں تھا۔

حدیث طائر یہ ہے کہ رسولؐ خدا کی خدمت میں ایک بھنا ہوا پرندہ پیش کیا گیا۔ آپ نے دعا مانگی کہ خدایا! اپنی مخلوق میں سے جو مجھے سب سے زیادہ پیارا ہو، اسے یہاں میرے پاس بھیج جو میرے ساتھ اس پرندے کا گوشت کھائے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کی دعا قبول فرمائی اور حضرت علیؑ دعا کا ثمر بن کر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور آپ کے ساتھ پرندے کا گوشت تناول فرمایا۔ اس روایت کی اسناد کے لیے ابن عساکر کی تاریخ دمشق سیرت علیؑ کے باب کا مطالعہ فرمائیں جو کہ جلد دوم کے صفحہ ۱۰۵ سے ۱۵۵ تک پھیلا ہوا ہے۔

آلِ محمدؑ اور عہدِ منصور

ابو الفرج لکھتے ہیں کہ منصور نے محمد بن ابراہیم بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب سے کہا: کیا دیباج اصفر تو ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں میں ہی ہوں۔

منصور نے کہا: میں تجھے ایسی موت ماروں گا کہ آج تک کوئی ایسی موت نہ مرا ہوگا۔

پھر منصور نے حکم دیا کہ ایک ستون کو خالی کیا جائے۔ جب ستون خالی ہوگیا تو اس میں دیباج اصفر کو داخل کر کے اس پر دیوار چن دی گئی۔

(مقاتل الطالبین ۲۰۰۔طبری ۹/ ۱۹۸)

دورِ متوکل کے چند مظالم

طبری ۲۳۶ھ کے واقعات کے ضمن میں لکھتے ہیں:

اس سال متوکل نے حسینؑ بن علیؑ کی قبر منہدم کرنے کا حکم جاری کیا اور

اس نے کہا کہ قبر حسینؑ کے ساتھ جتنے بھی مکانات ہیں انہیں بھی گرا دیا جائے اور وہاں کھیتی باڑی کی جائے اور قبر کے مقام پر پانی بہا دیا جائے اور لوگوں کو کربلا جانے سے روک دیا جائے۔

متوکل کے حکم کے بعد پولیس کے سربراہ نے اعلان کیا کہ تین دن بعد ہم نے جسے بھی قبر حسینؑ کے پاس دیکھا تو ہم اسے زندان بھیج دیں گے۔

یہ اعلان سن کر لوگ خوف زدہ ہوگئے۔ کربلا کو ویران کردیا گیا اور قبر حسینؑ کے گرد کھیتی باڑی ہونے لگی۔ (طبری ۳/۱۴۰۷)

ابن اثیر ۲۳۶ھ کے واقعات کے ضمن میں لکھتے ہیں:

اس سال متوکل نے قبر حسینؑ اور اس کے ساتھ والے مکانات کو منہدم کرنے کا حکم جاری کیا اور اس نے اپنے حکم میں کہا کہ کربلا کو ویران کر دیا جائے اور وہاں پانی چھوڑ کر کھیتی باڑی کی جائے اور لوگوں کو وہاں جانے سے روک دیا جائے۔ اس حکم کے بعد منادی نے ندادی کہ تین دن بعد ہم نے جسے قبر حسینؑ کے پاس دیکھا تو اسے گرفتار کر کے زندان بھیج دیں گے۔ لوگ کربلا چھوڑ کر بھاگ گئے اور زیارت متروک ہوگئی اور کربلا میں کھیتی باڑی ہونے لگی متوکل حضرت علیؑ اور ان کے خاندانؑ سے شدید عداوت رکھتا تھا اور اسے جس کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ علیؑ اور ان کے خاندان سے محبت کرتا ہے تو وہ اس کا مال لوٹ لیتا اور اسے قتل کرا دیتا تھا۔

متوکل کی آل محمدؐ سے دشمنی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے درباریوں میں ایک شخص کا نام عبادہ تھا اور وہ مخنث تھا اور وہ سر سے گنجا تھا۔ وہی لعین اپنے پیٹ پر ایک سرہانہ باندھ کر پیٹ کو بڑا کرلیتا تھا اور متوکل کے سامنے

رقص کرتا تھا۔ دوسرے مغنی تالیاں بجا کر کہتے تھے "اصلع و لبطین (گنجا اور بڑے پیٹ والا) خلیفۃ المسلمین آ گیا"

اس طرح سے وہ حضرت علیؑ کی نقل اتارتے تھے۔ اور متوکل یہ نقل دیکھ کر ہنستا تھا اور شراب پیتا تھا۔

ایک دن متوکل کا بیٹا منتصر دربار میں آیا اور اس نے عبادہ کو دھمکی دی۔ اس کی دھمکی سے عبادہ خوش ہوگیا۔

اس کو خاموش دیکھ کر متوکل نے اس سے کہا: تو خاموش کیوں ہے؟

عبادہ نے جواب دیا کہ آپ کے بیٹے نے مجھے دھمکی دی ہے۔

منتصر نے اپنے باپ متوکل سے کہا: امیر المومنین! جس کی نقل یہ کتا کرتا ہے اور لوگوں کو ہنساتا ہے وہ بزرگوار آپ کے ابن عم اور آپ کے خاندان کے بزرگ تھے اور آپ کے لئے ذریعہ افتخار تھے۔ آپ نے اگر اس مظلوم کا گوشت کھانا بھی ہے تو اکیلے کھائیں لیکن ان جیسے کتوں کو اس میں شامل نہ کریں۔ متوکل نے اپنے گویوں سے کہا کہ تم مل کر یہ شعر گاؤ۔

غار الفتی لا بن عمہ راس الفتی فی حر امہ

"نوجوان اپنے ابن عم کی وجہ سے ناراض ہوا ہے، نوجوان کا سر اس کی ماں کی گود میں ہے"

متوکل کی انہی حرکات سے تنگ آ کر منتصر نے اسے قتل کر دیا۔

(تاریخ کامل ابن اثیر طبع مصر ۷/۱۸)

ابو الفرج مقاتل الطالبین میں لکھتے ہیں:

متوکل نے ایک نومسلم یہودی "دیزج" کو کربلا روانہ کیا اور اسے حکم دیا

کہ قبر حسینؑ اور اس کے اردگرد کی تمام عمارتوں کو منہدم کر دے۔ اس نے کربلا پہنچ کر کربلا کی عمارات کو گرا دیا۔ جب قبر مطہر مسمار کرنے کا وقت آیا تو تمام مسلمان پیچھے ہٹ گئے اور انہوں نے قبر حسینؑ مسمار کرنے سے انکار کر دیا۔ دیزج اس کام کے لئے یہودیوں کو لے کر آیا جنہوں نے قبر کو مسمار کیا اور اس کے اردگرد پانی بہایا اور کربلا کے گرد چوکیاں قائم کی گئیں۔ جو بھی امام حسینؑ کی زیارت کے لیے آتا تو اسے گرفتار کرلیا جاتا اور زندان میں بھیج دیا جاتا تھا۔ (مقاتل الطالبین ۵۹۸۔۵۹۹)

محمد بن حسین اشنانی کا بیان ہے:

دور متوکل میں میں اور میرا ایک عطار دوست امام حسینؑ کی قبر کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے ہم دن کو چھپ جاتے تھے اور رات کو سفر کرتے تھے یہاں تک کہ ہم غاضریہ کے نواح میں پہنچے۔ پھر وہاں سے آدھی رات کے وقت ہم پولیس چوکیوں کے پاس سے گذرے خدا کا کرم ہوا کہ تمام چوکیدار سوئے ہوئے تھے ہم وہاں سے گذر کر قبر مبارک کی زیارت کے لئے آگے بڑھے ہمیں پہلے تو قبر کا نشان دکھائی نہ دیا، پھر ہم نے خوشبو محسوس کی اور اس خوشبو کی سمت میں چلتے گئے حتیٰ کہ ہم مقام قبر پر پہنچ گئے۔ قبر مبارک کھودی جاچکی تھی اور حضرت کے جسم کا تابوت باہر پڑا ہوا تھا جو کہ آدھا جلا ہوا تھا،اور قبر حسینؑ کچھ گہرائی میں واقع تھی۔ ہم اس پر جھکے تو ہمیں ایک عجیب سی خوشبو محسوس ہوئی اور ایسی خوشبو ہم نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں سونگھی تھی۔ میں نے اپنے عطر فروش ساتھی سے کہا: یہ کون سی خوشبو ہے؟

اس نے کہا: میں نے زندگی بھر ایسی خوشبو کبھی نہیں سونگھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنت کی خوشبو ہے یا امام حسینؑ کے جسم اطہر کی خوشبو ہے پھر ہم نے قبر مطہر

کے اردگرد کچھ علامتیں نصب کر دیں اور کربلا سے چلے آئے۔

کچھ عرصہ بعد متوکل قتل ہوا اور زیارت حسین پر سے پابندی اٹھ گئی تو وہاں آئے اور علامات کی بنیاد پر اس پر قبر مطہر کا تعویذ بنایا۔

ابو الفرج متوکل کی سادات دشمنی کے متعلق لکھتے ہیں:

متوکل نے عمر بن فرج رخجی کو مکہ و مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔ اس نے آتے ہی اعلان کیا کہ کوئی شخص آلِ ابو طالب کی مدد نہ کرے اور اگر اسے معلوم ہوا کہ کسی نے ان سے بھلائی کی ہے یا ان کی امداد کی ہے تو وہ اسے سخت سزا دے گا اور اس پر بھاری جرمانہ عائد کرے گا۔

چنانچہ اس نے اپنے اعلان کو کئی بار عملی شکل بھی دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آل ابی طالب کی خواتین کے کپڑے تک پھٹ گئے اور نماز پڑھنے کے لئے وہ ایک ہی دوپٹہ کو باری باری سر پر رکھ کر نماز پڑھتی تھیں اور اس کے بعد سر ننگے بیٹھ کر گھروں میں چرخہ کاتتی تھیں متوکل کے قتل تک یہی حالت قائم رہی۔ متوکل کے قتل کے بعد اس کے بیٹے منتصر نے آلِ ابی طالب کی مالی مدد کی اور وہ اپنے باپ کے ہر قول و فعل کے خلاف عمل کرنے کو اپنے لئے عبادت سمجھتا تھا۔

(مقاتل الطالبین۔ ۵۹۹)

الغرض وفات پیغمبر کے ساتھ ہی آل محمدؐ کی مخالفت شروع ہوئی اور وہ سلسلہ صدیوں تک جاری رہا ہم اس دشمنی کے مزید آثار کو بحث کے نتیجہ کے بعد بیان کریں گے۔

نتیجہ بحث

قریش نہیں چاہتے تھے کہ خلافت و نبوت ایک ہی گھر میں جمع ہو جائے۔

اسی لئے انہوں نے لوگوں کو حیاتِ رسولؐ میں احادیث رسولؐ لکھنے سے منع کر دیا تھا اور انہوں نے حدیث لکھنے کی ممانعت اس وجہ سے کی تھی کہ مبادا رسولؐ خدا اپنے خاندان کی امامت و خلافت پر نص کر دیں یا ان کے کسی بزرگ کی مذمت کر دیں اسی لئے انہوں نے حضرت علیؑ کی امامت اور اپنی خلافت سے محفوظ رہنے کے لئے کتابت حدیث کی حوصلہ شکنی کی۔

اور اسی مقصد کے پیش نظر قریش نے رسولؐ خدا کو آخری وقت میں وصیت تحریر کرنے نہ دی اور شور مچایا تا کہ رسولؐ اپنے جانشین کے متعلق کچھ تحریر نہ کر سکیں۔

بنی ہاشم کو خلافت سے دور رکھنے کے لئے حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی خلافت کے لئے کلیدی کردار ادا کیا اور حضرت ابوبکر نے اس احسان کا بدلہ یوں چکایا کہ انہوں نے حضرت عمر کو اپنا خلیفہ نامزد کیا۔ حضرت عمر نے اپنے دورِ حکومت میں احادیثِ رسولؐ کی کتابت کو ممنوع قرار دیا تھا اور جن صحابہ کے پاس کچھ احادیث کے مجموعے تھے تو آپ نے انہیں تلف کرنے کے لئے نذر آتش کرا دیا اور جن صحابہ نے اس حکم کی خلاف دی کی تو انہیں زندان بھیج دیا گیا اور صحابہ پر سخت پابندی عائد کر دی گئی کہ وہ مدینہ سے باہر احادیث رسولؐ کو بیان نہیں کر سکتے۔

حضرت عمر جب کسی کو بھی کسی علاقہ کا حاکم مقرر کرتے تو مدینہ سے باہر تک اس کی مشایعت کرتے تھے اور اس سے کہتے تھے ۔۔۔۔۔ قرآن کو علیحدہ رہنے دینا اور محمدؐ کی روایات کم سے کم بیان کرنا اور اس عمل میں، میں بھی تمہارے ساتھ شریک ہوں۔ (تاریخ طبری ۱۹/۵۔ سیرت حضرت عمر واقعات ۳۰ھ)

بنی ہاشم کو اقتدار سے علیحدہ رکھنے کے لئے شیخین نے کسی بھی ہاشمی کو نہ تو سالار لشکر بنایا اور نہ ہی کسی مفتوحہ علاقہ کا حاکم مقرر کیا۔ (مروج الذھب مسعودی ۲/۳۲۱۔۳۲۲)

حضرت عثمان سے پہلے صحابہ کرام کے پاس قرآن مجید کے بہت سے نسخے تھے اور ان نسخوں میں تفسیری حواشی موجود تھی اور تفسیری حواشی میں اہل بیت کی عظمت اور چند دیگر افراد کی مذمت بزبان حدیث مرقوم تھی۔ حضرت عثمان نے سرکاری سرپرستی میں قرآن مجید کا ایک نسخہ تدوین کرایا اور اس میں اس بات کا خاص خیال رکھا کہ تفسیری حاشیہ جات اس میں ہرگز موجود نہیں ہونے چاہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کا ایک نسخہ مدّون کر کے اس کی نقول تیار کرائیں اور اسے مملکت اسلامیہ کے اہم شہروں میں پھیلا دیا اور سرکاری نسخہ کے علاوہ صحابہ کرام سے تمام نسخے لے لئے گئے اور انہیں نذر آتش کر دیا گیا جب کہ قرآن مجید ایک تھا صرف فرق یہ تھا کہ ان نسخوں میں تفسیری احادیث موجود تھیں اور انہی احادیث کو ختم کرنا وقت کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسولؐ خدا کے مشہور صحابی اور مشہور معلم قرآن عبد اللہ بن مسعود نے اپنا نسخہ دینے پر آمادگی ظاہر نہ کی تو انہیں کوفہ سے مدینہ طلب کیا گیا اور انہیں شدید زدوکوب کیا گیا اور بیت المال سے ان کا وظیفہ روک دیا گیا۔ (۱)

پیغمبرِ خدا کے جلیل القدر صحابی حضرت ابوؓ ذر کا جرم یہ تھا کہ وہ حکام کو ان کی استحصالی پالیسیوں پر ٹوکتے تھے اور احادیثِ رسولؐ بیان کرتے تھے، اسی لئے انہیں شام اور مدینہ سے جلا وطن کر کے صحرائے ربذہ میں بھیج دیا گیا۔ جہاں وہ بھوک پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے۔

۱۔ قرآن مجید کی جمع و تدوین کی تفصیلی بحث کے لئے ہماری کتاب ''القرآن الکریم و روایات المدرستین'' کا مطالبہ فرمائیں اور ابن مسعود کی روایت کے لئے ہماری کتاب ''احادیث ام المومنین عائشہؓ'' کا مطالعہ فرمائیں۔

حضرت عثمان، عبد الرحمٰن بن عوف کی خدمات کے قدردان تھے اسی لئے انہوں نے ایک دفعہ اپنی بیماری کے ایام میں عبد الرحمٰن کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا لیکن یہ بات کچھ آگے نہ بڑھ سکی اور سانجھے کی ہنڈیا چوراہے کے بیچ ٹوٹ گئی۔

عبد الرحمٰن حضرت عثمان کی زندگی میں ہی دنیا سے چل بسے اسی لئے حضرت عثمان کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کرسکے اور ان کی وفات سے امت اسلامیہ سقیفائی حکومت کے اثرات سے آزاد ہوگئی اور امتِ اسلامیہ کے افراد کے گلے میں کسی کی اطاعت کا جوانہیں نہ رہا۔ اسی لئے امتِ اسلامیہ کی ایک عظیم اکثریت نے کسی طمع و لالچ اور کسی دھمکی کے بغیر حضرت علی کی بیعت کی مگر قریش کی انانیت یہاں بھی پوری قوت سے ظاہر ہوئی۔ اب کی بار قریش نے رسولِ خدا کی زوجہ کو اپنے ساتھ ملایا لیا اور انہیں آنحضرت کے گھر سے نکال کر میدان جنگ کارزار میں لاکھڑا کیا۔

جب جمل میں قریش کو بدترین شکست ہوئی تو انہوں نے اپنی ہار تسلیم کرنے کی بجائے حضرت علی کے خلاف جنگِ صفین برپا کی اور دونوں جنگوں میں یہی پروپیگنڈا کیا گیا کہ علی نے عثمان کو قتل کرایا ہے، اسی لئے اس سے انتقام لینا ضروری ہے۔

اور ادھر دوسری طرف امت اسلامیہ کے اکثر افراد کی حالت یہ تھی کہ خلفائے ثلاثہ کے دور میں نہ تو کسی ہاشمی کو کوئی کلیدی عہدہ ملا تھا اور نہ ہی ہاشمی افراد لوگوں سے براہ راست رابطہ رکھتے تھے اور نومسلم عرب انہی باتوں کو حقیقی اسلام تصور کیے ہوئے تھے جو انہوں نے عرب فوج اور اس کے سالاروں سے سن رکھی تھیں۔ وہ پیغمبر کی احادیث سے ناواقف تھے اور انہیں ہرگز معلوم نہ تھا کہ رسولِ خدا نے علیؑ کے متعلق کیا کچھ کہا ہے اور وہ علی کو اس آئینہ سے دیکھتے تھے جو کہ انہیں

پکڑا یا گیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ جب معاویہ نے یقینی شکست سے بچنے کے لئے قرآن مجید کے نسخوں کو نیزوں پر بلند کیا تو حضرت علیؑ کی فوج کی اکثریت نے لڑنے سے انکار کر دیا تھا۔ اگر حضرت علیؑ کے فوجی مقام علیؑ سے صحیح طور پر واقف ہوتے تو وہ معاویہ کے دھوکے میں کبھی نہ آتے اور حضرت کے فرمان کو تسلیم کرتے ہوئے جنگ جاری رکھتے۔

اگر حضرت علیؑ کی فوج کے افراد عظمت علی سے کماحقہ آگاہ ہوتے تو وہ ''ان الحکم الا للہ'' کا نعرہ بلند کر کے حضرت کے خلاف صف بندی نہ کرتے۔ اس کی اصل وجہ یہی تھی کہ لوگوں کے سامنے علی علیہ السلام کی حقیقت اور عظمت پوری طرح سے عیاں نہ تھی اور عیاں بھی ہوتی تو کیسے جب کہ احادیثِ پیغمبر کی نشر و اشاعت پر سخت پابندیاں تھیں اور کوئی شخص ''قال رسولؐ اللہ'' کہنے کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔

آخرکار نہروان کی جنگ کا ثمرہ حضرت علی کی شہادت کی شکل میں نمودار ہوا۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ قریش کی یہ خواہش کہ خلافت و نبوت ایک گھرانے میں جمع نہ ہو جس کا مرکز و محور علی علیہ اسلام کی ذات تھی۔ کیونکہ بنی ہاشم میں حضرت علی کے علاوہ کوئی دوسری قابلِ ذکر شخصیت موجود ہی نہیں تھی پہلے تین ادوار تک تو قریش کی خواہش پوری ہوتی رہی لیکن جب عنان اقتدار اتفاق سے حضرت علیؑ کے ہاتھ آ گئی تو قریش نے ان پر دو بھاری جنگیں مسلط کیں جس میں ہزاروں انسان کام آئے۔ اور یوں ذہنی پسندیدگی نے ترقی کر کے عداوت و کینہ کی شکل اختیار کرلی اور یہ کینہ دور بنی امیہ میں کھل کر سامنے آ گیا۔

بغضِ حیدرؑ یا خلافت اموی کا امتیاز

عہد معاویہ کا جائزہ:

جب معاویہ کا اقتدار مستحکم ہوا تو اس نے اپنی سیاست کی بنیاد دو امور پر رکھی:

(۱)۔ اپنے بعد یزید کو برسرِ اقتدار لانا۔ کیونکہ معاویہ مردم شناس شخص تھا وہ جانتا تھا کہ دشمنی آلِ محمدؐ کی پالیسی کے تسلسل کے لئے یزید کا برسرِ اقتدار آنا انتہائی ضروری ہے۔ اس سے پہلے قریش کی پالیسی یہ رہی تھی کہ خلافت کو قریش کے مختلف قبیلوں میں گردش دی جائے اور اس سلسلہ میں ان کا نعرہ تھا ''وسعوھانی قریش تتع'' ''خلافت کو قریش میں وسیع کرو تاکہ خلافت میں وسعت پیدا ہو''۔

(قریش کا یہ نعرہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ ۲/۱/ پر نقل کیا ہے۔ سے بالخصوص عداوت رکھنا تھی۔)

(۲)۔ معاویہ کے دور اقتدار کی دوسری ترجیح آل رسولؐ سے بالعموم اور حضرت علیؑ کی عداوت میں معاویہ اپنی مثال آپ تھا۔ اس نے شدت عداوت میں آ کر آلِ محمدؐ کی مذمت میں دین فروش افراد سے جھوٹی احادیث وضع کرائیں اوراپنے ممدوح افراد کے حق میں احادیث سازی کروائی اور پوری زندگی احادیث سازی کی سرپرستی میں مصروف رہا۔ معاویہ نے اسلامی قلمرو میں حضرت علیؑ پر لعنت اور سب وشتم کو رواج دیا اور ایک طویل عرصہ تک یہ قبیح رسم جاری رہی اور کئی نسلوں تک یہ سلسلہ قائم رہا معاویہ کے مشن کو یزید نے کربلا میں تکمیل تک پہنچایا۔ یزید نے نونواسہء پیغمبر کو بے دردی سے شہید کرایا اور مخدّرات عصمت کو دربدر پھرایا۔

اگر یزید کے کردار کا صحیح تجزیہ کیا جائے تو اس میں یزید کا کوئی خاص قصور دکھائی نہیں دیتا کیونکہ یزید ایک نوخیز جوان تھا۔ اس نے رسول کریمؐ کی زیارت نہیں کی تھی۔ وہ معاویہ کے قصر حکومت میں پیدا ہوا اور وہاں ہی جوان ہوا۔ اس نے جو کچھ اپنے والد سے سنا اسی کو اس نے دین سمجھ لیا تھا۔

یزید کا تمام کردار معاویہ کی تربیت کا ثمر ہے۔ یزید کے بعد خلافت سفیانی شاخ سے نکل کر مروانی شاخ میں داخل ہوگئی۔

آل مروان کی روش

آل مروان کے عہد حکومت میں معاویہ کی وضع کردہ پالیسی پر عمل ہوتا رہا اور دور معاویہ کی طرح ان کے عہد حکومت میں بھی امیر المومنین پر سب وشتم ہوتا رہا ہر جمعہ اور عید کے خطبہ میں علی علیہ السلام پر لعنت کی جاتی رہی۔

عمر بن عبد العزیز پر خدا کی رحمت ہو، اس نے اس رسمِ بَد کو ختم کیا مگر جو رسم ایک طویل عرصہ سے جاری تھی اور لوگوں کے دلوں میں گھر کر چکی تھی اسے یکدم ختم کرنا ایک مشکل امر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز کی طرف سے ممانعت کے باوجود اہل حران نے اس قبیح رسم کو ترک کرنا گوارا نہیں کیا تھا اور انہوں نے یہ نعرہ بلند کیا:

لاصلاۃ دون لعن ابی تراب ''حضرت علیؑ پر لعنت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی'' (نعوذ باللہ)

علاوہ ازیں عمر بن عبد العزیز کا عرصہ اقتدار انتہائی محدود تھا۔ اس بے چارے نے صرف دو سال اور چند ماہ حکومت کی، پھر بنی امیہ نے اسے زہر دے کر

اس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ اور اس کی وفات کے بعد بنی امیہ نے اپنی سابقہ روش جاری رکھی اور یہ سلسلہ بنی عباس کے برسر اقتدار آنے تک پورے زور و شور سے چلتا رہا۔

دور بنی عباس

عباسیہ دور میں کچھ خلفاء ایسے بھی گذرے ہیں جو عداوت آل محمدؑ میں بنی امیہ سے کسی طور بھی کم نہیں تھے اور عداوت آل محمد کے لئے ابو جعفر منصور، ہارون رشید اور متوکل کو بطور نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ بنی عباس میں کچھ اچھے اور رحمدل اور آلِ محمدؑ سے دوستی رکھنے والے افراد بھی دکھائی دیتے ہیں اس کے لئے الناصر لدین اللہ کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ (۱)

نظریات کا طویل سفر راتوں رات ختم نہیں ہو جاتا جہاں پر نوے یا سو سال تک لوگوں کی تربیت ہی عداوت علیؑ پر کی گئی ہو تو اس کے اثرات یکدم ختم نہیں ہوسکتے تھے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ عداوت علیؑ کے جراثیم عباسی عہد میں بھی لوگوں میں پائے جاتے تھے۔ اور اس دور کے علماء و محدثین میں حریز بن عثمان التوفی ۱۶۲ھ جیسا محدث بھی دکھائی دیتا ہے جو صبح و شام ستر مرتبہ امیر المومنین پر لعنت کرنا اپنا دینی اور مذہبی فریضہ سمجھتا تھا اور جو حضرت علیؑ کی مخالفت میں احادیث سازی کو حلال سمجھ کر بغداد کے گلی کوچوں میں اس کی تبلیغ کرتا تھا۔

۱۔ الناصر لدین اللہ مکتب اہل بیت کا پیروکار تھا۔ سامرا کے سرداب غیبت میں اس کی طرف سے چوبی کتابت کرائی گئی جو کہ آج بھی موجود ہے اور اس میں بارہ آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کے نام کندہ ہیں اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ سرداب غیبت کو الناصر الدین اللہ کے فرمان پر مستحکم کیا گیا۔

عداوت آلِ محمدؑ نے ایک طولانی سفر کیا ہے جیسا کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عبداللہ بن محمد بن عثمان جیسے محدث نے شہر واسط میں ''حدیث طائر'' بیان کی تو لوگوں نے اسے مسجد سے باہر نکال دیا اور جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا اس جگہ کو دھویا گیا جس کے نتیجہ میں اس نے حدیث بیان کرنا ہی چھوڑ دی تھی۔

عداوت آل محمد کو صرف تاریخ کے بوسیدہ اوراق میں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ چیز آج بھی پوری شدومد سے موجود ہے اورقریش، اموی، عباسی اور غیر عباسی حکومتوں میں یہ خوب پنپتی رہی اور آج بھی اسے بعض مقامات پر سرکاری سرپرستی حاصل ہے۔

مخالفین آل محمد نے دیانت کو ایک عرصہ سے خیر باد کہا ہوا ہے اور انہوں نے حق چھپانے اورتحریف شدہ روایات کو اپنا وطیرہ بنایا ہوا ہے۔ جس کی مثالیں آپ اگلے باب میں ملاحظہ کرسکتے ہیں۔

توضیحِ خفائے حق

سیرت اہل بیت

اور

اصحاب کی روایات

مکتب خلفاء بمقابلہ سنتِ رسولؐ

مکتب خلافت نے فضائل علی کی احادیث کو چھپانے یا غیر موثر ثابت کرنے کے لیے انکار، کتمان اور تحریف کے ریکارڈ قائم کیے ہیں۔ اس کے لئے نمونہ کے طور پر ہم لفظ وصی کو پیش کرتے ہیں۔

صحابہ کرام سے متعدد، موثق و معتبر روایات موجود ہیں کہ رسولِ خدا نے فرمایا تھا:

علی وصی و وزیری و وارثی

''علیؑ میرا وصی میرا وزیر اور میرا وارث ہے''۔

بعض روایات میں ''خلیفتی'' کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ یعنی علیؑ میرا جانشین ہے۔

رسولِ خدا ! نے اتنی بار حضرت علیؑ کو اپنا وصی کہا کہ آپ کا لقب ہی وصی بن گیا اور لفظ وصی کا جب بھی اطلاق ہوتا ہے تو اس سے حضرت کی ذاتِ گرامی مراد لی جاتی ہے۔

اس طرح سے لفظ ابو تراب بھی حضرت کی کنیت مصید ہوئی ہے۔ اور جب بھی لفظ وصی اور ابوتراب بولا جاتا ہے تو ہر سننے والے کے ذہن میں حضرت امیر المومنین کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور شعراء نے ہر دور میں حضرت علیؑ کو لفظ وصی سے یاد کیا ہے۔ اب دیکھیں کہ مکتب خلفاء نے

وصیت کا انکار کرنے کے لئے کس طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ لفظ وصی مکتب خلفاء کی نفی کرتا ہے اور اس لفظ کی موجودگی میں سقیفائی خلافت پنپ نہیں سکتی۔ اسی لئے مکتب خلفاء نے اس کا انکار کیا اور نصوص نبوی کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اس کی ابتداء اُم المومنین بی بی عائشہ سے ہوئی، انہوں نے سرے سے ہی حضرت علیؑ کی وصایت کا یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ رسولؐ خدا کی وفات میرے سینے پر ہوئی، انہوں نے علیؑ کو وصیت کس وقت کی تھی؟

اس انکار کے بعد مکتب خلفاء نے وصیت کی نصوص قطعیہ کومختلف انداز سے چھپانے کی کوششیں کیں اور اگر ہم کتمان حق اور اخفائے حقیقت کے لئے مکتب خلفاء کا جائزہ لیں تو ہمیں دس طرح کی قسمیں دکھائی دیتی ہیں جن سے حقیقت کو چھپانے کی مذموم کوششیں کی گئیں اور ہم ان دس طریقوں کا اہمیت کے مطابق جائزہ لیں گے اور وہ دس طریقے درج ذیل ہیں:

(۱) سنتِ رسولؐ میں سے حدیث کے کچھ حصہ کو حذف کر کے اس کی جگہ مبہم الفاظ داخل کرنا۔

(۲) سیرتِ صحابہ میں سے پوری روایت کو حذف کر کے اس کی طرف ایک معمولی سا اشارہ کر دینا۔

(۳) سنتِ رسولؐ میں سے کسی حدیث کی من مانی تاویل کرنا۔

(۴) صحابہ کے بعض اقوال کو اشارہ کے بغیر حذف کرنا۔

(۵) سنت رسولؐ کی تمام روایت کو اشارہ کے بغیر حذف کرنا۔

(۶) سنت رسولؐ کو لکھنے سے روکنا۔

(۷) ایسی تمام احادیث و روایات کی تضعیف کرنا جو ان کے مسلک کے خلاف ہوں۔

(۸) کتابوں اور کتب خانوں کو ندر آتش کرنا۔

(۹) سیرتِ صحابہ میں سے کچھ روایت کا حذف کرنا اور اس میں تحریف کرنا۔

(۱۰) روایات صحیحہ کی جگہ خود ساختہ روایات وضع کرنا۔

اب ہم کتمانِ حق کے ان تمام طریقوں کی مثالیں پیش کرنا چاہتے ہیں تا کہ ہمارے قارئین کو معلوم ہو سکے کہ مکتب خلفاء کے پیروکاری میں دیانت کا کتنا فقدان ہے۔

ا۔ سنتِ رسولؐ میں سے حدیث کے کچھ حصہ کو حذف کر کے مبہم الفاظ داخل کرنا

مکتب خلفاء میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے علماء نے دیانت کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حدیث کے کچھ حصہ کو حذف کر کے اس کی جگہ مبہم الفاظ داخل کیے ہیں اور اس روش کی چند مثالیں یہاں پیش کی جاتیں ہیں:

(۱) اس سلسلہ کے لئے طبری اور ابن کثیر کی اس روش کو ملاحظہ فرمائیں:

جب (**وانذر عشیرتک الاقربین**) اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو تبلیغ فرمائیں، کی آیت نازل ہوئی تو رسولِ خدا نے اولاد عبد المطلب کو جمع کیا اور ان کے سامنے دین کا پیغام پیش کیا پھر فرمایا: تم میں سے کون ہے جو اس معاملہ میں میری مدد کرے کوئی کھڑا نہ ہوا تو حضرت علیؑ اٹھے اور کہا، یا رسولؐ اللہ! میں آپ کی مدد کروں گا۔ تو نبی کریم نے فرمایا:

(''ان ھذا انی ووزیری و وصی و خلیفتی فیکم''

''بے شک یہ (علیؑ) میرا بھائی میرا وزیر اور میرا وصی اور تمہارے درمیان میرا جانشین ہے۔''

اب اگر طبری و ابن اثیر یہاں '' و وصی و خلیفتی'' لکھتے تو سقیفائی خلافت ثابت نہیں ہوسکتی تھی۔ لہذا انہوں نے یہاں بددیانتی کا ثبوت دیتے ہوئے ''ووصی و خلیفتی'' کے الفاظ حذف کر دیئے اور اس جگہ ''وکذا وکذا'' کے مبہم الفاظ داخل کر دیئے۔ اوراس صورت میں حدیث پیغمبر سرے سے بے معنی ہو کر رہ گئی۔ اور مفہوم کچھ یوں بن گیا۔ یہ میرا بھائی اور وزیر اور ''ایسا ایسا ہے'' یقیناً یہ خیانت اور تحریف کی بدترین قسم ہے۔

(۲) اور اسی طرح کی خیانت بخاری نے صحیح بخاری میں کی ہے۔ جہاں اس نے مروان اورعبد الرحمٰن کے اختلاف کا ذکر کیا ہے۔

اصل روایت یہ ہے کہ عبد الرحمٰن نے مروان سے کہا ''معاویہ یزید کو خلیفہ نامزد کر کے قیصر و کسریٰ کا نظام لانا چاہتا ہے۔ اس کے بدلے میں مروان نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ یہ وہی ہے جس کے متعلق اللہ نے قرآن میں کہا ''والذی قال لو الدیه اف لکما'' اور جس نے اپنے والدین سے کہا کہ تم پر افسوس ہے۔۔۔، پھر مروان نے حکم دیا کہ عبد الرحمٰن کو پکڑو۔ عبد الرحمٰن دوڑ کر بی بی عائشہ کے حجرہ میں گھس گیا۔ بی بی عائشہ دروازہ پر آئیں اور کہا اللہ نے ہمارے متعلق قرآن میں کچھ نازل نہیں کیا البتہ اللہ نے قرآن میں میری پاکدامنی کی آیات نازل کیں اور رسولِ خدا نے تیرے باپ حکم پر لعنت کی تھی جب کہ تو اس وقت اس کے صلب میں تھا۔ اب اس اصل واقعہ کے بعد آیئے امام المحد ثین اور امیر المومنین امام بخاری کی

''دیانت داری'' ملاحظہ فرمائیں۔

انہوں نے عبد الرحمٰن کے قول کو بیان نہیں کیا کیونکہ اس سے معاویہ کی مخالفت ثابت ہوتی تھی۔ انہوں نے اپنی کتاب میں صرف یہ لکھا ''فقال عبدالرحمٰن شیاء'' عبد الرحمٰن نے اس وقت ''کچھ'' کہا۔ اور وہ ''کچھ'' کہا تھا یہ ایک ایسا معمہ ہے جسے نہ تو سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی سمجھایا جاسکتا ہے۔ اگر امام بخاری ''کچھ'' کی بجائے سب کچھ لکھ دیتے تو اس سے معاویہ کی توہین ہوتی تھی جب کہ امام صاحب اس کی توہین پر آمادہ نہیں تھے۔

علاوہ ازیں انہوں نے جہاں اس واقعہ کی طرف ہلکا سا اشارہ کیا وہاں بددیانتی کی تمام حدود پھلانگتے ہوئے بی بی عائشہ کے جواب کو سرے سے نقل ہی نہیں کیا اور ام المومنین کا جواب نقل کرنے سے مروان اور نسل مروان کے خلفاء پر زد پڑتی تھی اسی لئے انہوں نے عمداً ایسا نہیں کیا۔

(۳) غزوہ بدر کے وقت رسولؐ خدا نے ایک مجلسِ مشاورت طلب کی تھی جس میں صحابہ نے اپنے اپنے مشورے پیش کئے تھے۔ اس سلسلہ میں طبری اور ابن ہشام کی خیانت ملاحظہ فرمائیں۔ طبری اور ابن ہشام دونوں لکھتے ہیں:

رسولِؐ خدا کو قریش کے تجارتی قافلہ کی اطلاع ملی تو آپ نے ان کے قافلہ کو روکنے کے لئے لوگوں سے مشورہ کیا۔ **''فقام ابوبکر الصدیق فقال واحسن ثم قام عمر بن الخطاب مقام واحسن''** پھر ابوبکر صدیق اٹھے اور انہوں نے ''اچھی گفتگو'' کی۔ پھر عمر بن الخطاب اٹھے اور انہوں نے ''اچھی گفتگو'' کی۔ پھر مقداد بن عمرو نے اٹھ کر کہا یا رسولؐ اللہ! اللہ نے آپ کو جہاد کا حکم دیا ہے آپ ہمیں وہاں لے چلیں، ہم آپ سے وہ بات نہیں کریں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰؑ

سے کی تھی۔

"فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھاھنا قاعدون"

تو اور تیرا رب چلے جاؤ اور جا کر جنگ کرو ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔

اس کی جگہ ہم آپ سے یہ کہیں گے۔ آپ اور آپ کا رب جا کر جنگ کرو، ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے ۔۔۔۔۔ رسولِ خدا نے اسے دعا دی، پھر سعد بن معاذ انصاری نے عرض کیا:

یا رسولِ اللہ! آپ جہاں چاہیں ہمیں آپ ساتھ لے جائیں۔ ہم آپ کے ساتھ رہیں گے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر آپ ہمیں حکم دیں تو ہم سمندر میں بھی کودنے کے لئے تیار ہیں اور ہمارا کوئی بھی شخص آپ سے پیچھے نہیں رہے گا۔۔۔۔ رسولِ خدا یہ جواب سن کر خوش ہوئے۔

قارئین کرام! آیئے ذرا دیکھیں کہ شیخین نے مجلس مشاورت میں حصہ لیا تھا اور وہاں اپنے خیالات کا کھل کر اظہار کیا تھا جن کے متعلق طبری اور ابن ہشام نے صرف یہی کہا کہ انہوں نے "اچھی گفتگو" کی۔ اس مقام پر سوال یہ ہے کہ اگر بزرگوں کی گفتگو واقعاً اچھی گفتگو تھی تو طبری اور ابن ہشام نے اسے نقل کیوں نہیں کیا اور اپنے قارئین کو ان کی اچھی گفتگو سے محروم کیوں رکھا؟ جب کہ ان دونوں مورخین نے مقداد بن عمرو اور سعد بن معاذ انصاری کی گفتگو تو حرف بحرف نقل کی۔ آخر ان مورخین کو وہ کون سی مجبوری تھی جس کی وجہ سے انہوں نے "اچھی گفتگو" کو نقل کرنے سے گریز کیا؟

جب ہم اس واقعہ کی مزید تحقیق کرتے ہیں تو ہمیں مسلم میں کچھ اور ہی منظر دکھائی دیتا ہے۔ مسلم کے یہ جملے ملاحظہ فرمائیں:

ان رسولِ اللّٰہ شاور اصحابہ حین بلغہ اقبال ابی سفیان قال: (فتکلم ابوبکر، فاعرض عنہ. ثم تکلم عمر فاعرض عنہ ...... الحدیث)

''جب رسولِ خدا کو ابوسفیان کی آمد کا علم ہوا تو آپ نے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر نے گفتگو کی تو رسولِ خدا نے منہ پھیر لیا۔ پھر عمر نے گفتگو کی تو رسولِ خدا نے منہ پھیر لیا۔۔۔۔۔الحدیث''

اگر شیخین نے ''اچھی گفتگو'' کی تھی تو رسولِ خدا نے منہ کیوں پھیر لیا تھا؟

اب اس بات پہ آتے ہیں کہ شیخین کی وہ ''اچھی گفتگو'' کیا تھی جس کی وجہ سے رسولِ خدا نے منہ پھیر لیا تھا۔ واقدی اور مقریزی رقم طراز ہیں۔ واقدی کے الفاظ یہ ہیں:

قال عمر : یا رسولِ اللہ انھا واللہ قریش وعزھا، واللہ ما ذلت منذ عزت واللہ ما امنت منذ کفرت، واللہ لاتسلم عزھا ابدا، ولتقاتلنک، فاتھب لذلک اھبتہ واعدلذلک عدتہ.....

''حضرت عمر نے کہا، یا رسولِ اللہ ! یہ قریش ہیں اور یہ ان کی عزت کا مسئلہ ہے۔ خدا کی قسم، قریش نے جب سے عزت حاصل کی ہے تب سے بے عزت نہیں ہوئے اور انہوں نے جب سے کفر کیا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے اور وہ اپنی عزت سے کبھی بھی دست کش ہونے پر آمادہ نہیں ہوں گے اور وہ آپ سے یقیناً جنگ کریں گے' آپ اس کی تیاری کریں اور

اپنا سازوسامان جمع کریں۔''

ابن ہشام، طبری اور مسلم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کے بعد گفتگو کی تھی اور طبری اور ابن ہشام نے دونوں کی تقاریر کو ''اچھی گفتگو'' سے تعبیر کیا۔ اور مسلم نے لکھا ہے کہ رسولِ خداؐ نے ابوبکر کی گفتگو سن کر منہ پھیرلیا اور بعد ازاں عمر کی گفتگو سن کر بھی منہ پھیرلیا۔

تاریخ میں حضرت ابوبکر کی تقریر کا کوئی حوالہ نہیں ہے البتہ حضرت عمر کی ''اچھی گفتگو'' کی تفصیل موجود ہے۔ اور امام مسلم نے دونوں تقاریر کے متعلق یہ لکھا کہ رسولِ خداؐ نے دونوں کی باتیں سن کر منہ پھیرلیا تھا۔ ان تمام کڑیوں کو ملایا جائے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ دونوں کی گفتگو ایک ہی تھی۔

خدارا ہمیں بتایا جائے کہ کیا ایسی حوصلہ شکن اور اعصاب شکن تقریر کو ''اچھی گفتگو'' کہا جاسکتا ہے۔ **فامحتبر وایا الاحباب !**

طبری اورابن ہشام نے دونوں بزرگواروں کی اعصاب شکن گفتگو کو ''اچھی گفتگو'' کہہ کر اس کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور مسلم نے مذکورہ شخصیات کی گفتگو کو نقل کرنے سے گریز کیا مگر صرف اتنا اشارہ کیا کہ آنحضرتؐ کو ان کی گفتگو پسند نہ آئی اور حضرت نے ان سے منہ موڑ لیا۔

اور بخاری کے تعصب کی انتہا یہ ہے کہ اس نے اس کے متعلق ایک حرف تک لکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بخاری کو مسلکِ خلفاء کا اہم ترین ماخذ قرار دیا گیا اور اس کی اسی ''خوبی'' کی وجہ سے اسے اصح الکتب بعد کلام الباری کے لقب سے ملقب کیا گیا۔

طبری اور ابن کثیر کی ''دیانت'' بھی آپ نے ملاحظہ فرمائی کہ انہوں نے

"ووصی وخلیفتی" کے الفاظ کو حذف کرکے اس کی جگہ پر "کذا وکذا کے مبہم الفاظ تحریر کر دیے، جس سے حدیث پیغمبر بے معنیٰ ہو کر رہ گئی۔

امام بخاری کی دیانت بھی آپ نے ملاحظہ فرمائی کہ اس نے عبد الرحمٰن بن ابی بکر کے الفاظ کو اپنی کتاب میں لکھنا پسند نہیں کیا اور اس کی بجائے "فقال عبدالرحمن شیاء" کہہ کر معاملہ کو ختم کر دیا۔

امام بخاری نے یہ حرکت جان بوجھ کر کی کیونکہ اگر وہ عبد الرحمٰن کی گفتگو نقل کرتے تو اس سے معاویہ پر الزام آتا تھا، اس طرح سے اس نے ام المومنین بی بی عائشہ کے ان الفاظ کو بھی مکمل طور پر حذف کر دیا جو انہوں نے مروان کے متعلق کہے تھے۔ کیونکہ اگر وہ ام المومنین کے الفاظ نقل کرتے تو اس سے آل مروان کے خلفاء کی قلعی کھلتی تھی جب کہ امام بخاری ایسا کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

مکتب خلفاء میں اس طرح کی تحریف کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

۲۔ ایک اشارہ کرکے سیرت صحابہ میں سے پورے واقعہ کو حذف کرنا

مکتب خلفاء سے وابستہ محدثین و مورخین نے جہاں احادیثِ پیغمبر میں تحریف کی ہے وہاں صحابہ و تابعین کی سیرت پر بھی ہاتھ صاف کئے ہیں اگر آپ اس کی مثال دیکھنا چاہیں تو ان خطوط پر توجہ کریں جو محمد بن ابی بکر نے معاویہ بن ابی سفیان کے نام پر تحریر کئے تھے اور معاویہ بن ابی سفیان نے اس کا جو جواب دیا تھا وہ بھی قابل توجہ ہے۔

فریقین کے خطوط کی تفصیل نصر بن مزاحم المتوفی ۲۱۲ھ کی "کتاب الصفین" اور مسعودی المتوفی ۳۴۶ھ کی مروج الذہب میں موجود ہے۔

خط لکھنے کی ابتدا محمد بن ابی بکر کی طرف سے ہوئی تھی، اس نے معاویہ کو ایک تفصیلی خط تحریر کیا تھا جس میں حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب تحریر کئے تھے اور اس کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت علیؑ ، رسولؐ خدا کے وصی ہیں اور اس نے خط میں معاویہ کو حضرت کی مخالفت ترک کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

معاویہ نے اپنے جواب میں حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب اور وصیت کا اعتراف کیا تھا اور کہا تھا کہ علیؑ کی مخالفت کے لئے مجھے مطعون کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی ابتداء شیخین سے ہوئی تھی اور میں بھی ان کا پیروکار ہوں۔

طبری نے فریقین کے خطوط کا اشارہ کیا لیکن یہ کہہ کر انہیں نقل کرنے سے گریز کیا کہ لوگ ان خطوط کے متحمل نہیں ہیں۔ طبری کے بعد ابن اثیر نے بھی یہی روش اپنائی اور خطوط نقل نہ کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ یہ خطوط عوام الناس کے لئے ناقابل برداشت ہیں۔

مذکورہ مورخین کے بعد ابن کثیر نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ ۷/۳۱۴ میں محمد بن ابی بکر کے خط کی طرف اشارہ کیا مگر نقل نہ کرنے کی یہ وجہ بتائی کہ ''اس میں سختی ہے'' طبری اور ابن اثیر اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ محمد بن ابی بکر کا خط لوگوں کے عقائد کو متزلزل کرسکتا ہے۔ اس طرح کی خیانت اور تحریف کی مثالیں نسبتاً کم ہیں۔

۳۔ حدیث کی من مانی تاویل

مکتبِ خلفاء کے پیروکاروں نے اپنی ''مثالی دیانت'' کا اظہار بعض اوقات

اپنی من مانی تاویل کے ذریعہ سے کیا ہے۔

اس کے لئے ہم ذھبی کی کتاب تذکرۃ الحفاظ ،ص ۶۹۸،۷۰۱ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مذکورہ صفحات پر ذھبی نے امام نسائی کے حالات میں لکھا ہے:

سئل النسائی ان یخرج فضائل معاویة، قال : ای شئی اخرج ؟ حدیث : اللهم لا تشبع بطنه؟

''نسائی سے کہا گیا کہ وہ فضائل معاویہ بیان کریں تو انہوں نے کہا میں اس کے کون سے فضائل بیان کروں؟ اس کے متعلق ''**اللهم لا تشبع بطنه**'' خدایا اس کا پیٹ کبھی نہ بھرنا، کی حدیث مروی ہے۔''

اب ذرا ذہبی کی ''دیانت'' ملاحظہ فرمائیں۔ اس نے ان جملوں کے بعد ابنی من مانی تاویل شروع کی جو کہ کچھ اس طرح سے ہے۔

قلت : لعل هذه منقبة لمعاوية لقول النبی اللهم من لعنته او شتبته فاجعل ذلک زکاة ورحمة.

''میں کہتا ہے کہ شاید یہ حدیث (خدایا معاویہ کا پیٹ کبھی نہ بھرنا) معاویہ کی فضیلت ہے۔ کیونکہ نبی کریم نے فرمایا تھا۔

پروردگار ! میں جس پر لعنت کروں یا جسے گالی دوں تو اس لعنت اور گالی کو اس شخص کے لئے پاکیزگی اور رحمت کا ذریعہ بنایا،

ذھبی نے اپنے ''خیالات عالیہ'' کا اظہار تو لفظ ''شاید'' سے کیا ہے اور اس کے بعد جب ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ کی باری آئی تو اس نے معاویہ کی مذمت پر مبنی اس حدیث کو فضیلت معاویہ کی بہترین سند بنا کر دکھایا اور کہا کہ ''اس حدیث سے

معاویہ کی دنیا اور آخرت سدھر گئی''

ان کی من مانی تاویل کے لئے ان کی کتاب البدایہ والنہایہ ۱۱۹/۸ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔ فضیلت معاویہ کی حدیث تلاش کرنی ہو تو صحیح مسلم کے باب (من لعنه النبی اوسبه یهله الله له زکاة وطهورا) جس پر نبی نے لعنت کی یا گالیاں دی ہوں تو اللہ اس لعنت اور گالی کو اس کے لئے پاکیزگی اور طہارت کا ذریعہ بنا دیتا ہے، کا مطالعہ کریں۔ اور اب صحیح مسلم کی کتاب البر والصلۃ کا مطالعہ فرمائیں۔ ابن عباس سے مروی ہے۔

رسولِؐ خدا تشریف لائے۔ میں اس وقت بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اور میں دروازہ کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہوگیا۔ آپ نے مجھے پکڑ کر فرمایا ''جا اور معاویہ کو بلا کر لے آ'' میں اس کو بلانے گیا تو وہ کھانا کھا رہا تھا۔ میں نے رسولِؐ خدا سے عرض کیا کہ وہ کھانا کھا رہا ہے پھر آپ نے فرمایا ''جا اور معاویہ کو بلا کر میرے پاس لے آ''

اب کی بار میں گیا تو وہ کھانا کھانے میں مصروف تھا۔ میں نے آنحضرت سے عرض کیا: وہ کھانا کھا رہا ہے۔ رسولِؐ خدا نے فرمایا۔ (لا اشبع الله بطنه) خدا اس کا کبھی پیٹ نہ بھرے، (یہاں تک مسلم کی روایت ہے)

اب یہاں ابن کثیر کے ہاتھ کی صفائی بھی ملاحظہ فرمائیں، اس نے مسلم کے یہ الفاظ نقل کئے ''اذهب وادع لی معاوية'' پھر اس نے اپنی طرف سے ان جملوں کا اضافہ کیا ''وکان یکتب الوحی'' اور وحی لکھتا تھا۔

اب آپ ابن کثیر کی نقل کردہ روایت اور اس کی من مانی تاویل کو توجہ سے پڑھیں:

عن ابن عباس قال : کنت العب مع الغلمان فاذا رسولِؐ

الله الا الى فافتيات على با بفجاء نى فحتانى قد جاء فقلت : ماجاء الا رائى، فاختبات على باب (فحطانى) حطاة او حطاتين ، ثم قال : اذهب فادع لى معاوية. وكان يكتب الوحى. قال : فذهبت فدعوته له فقيل : انه ياكل. فاتيت رسول اللّٰه فقلت : انه يا كل، فقال: اذهب فادعه فاتيته الثانية فقيل : انه ياكل فاخبرته، فقال فى الثالثة لا شبع الله بطنه، قال : فما شبع بعدها. وقد انتفع معاوية بهذه الدعوة فى دنيا و اخراه. اما فى دنياه فانه لما صار الى الشام اميراء كان ياكل فى اليوم سبع مرات يجاء بقصعة فيها لحم كثير و بصل فياكل منها وياكل فى اليوم سبع اكلات بلحم ومن الحلوىٰ والفاكهة. شياء كثيرا ويقول : والله ما اشبع وانما اعيا. وهذه نعمة ومعدة يرغب فيها كل الملوک واما فى الاخرة فقد اتبع مسلم هذا الحديث بالحديث الذى رواه البخارى وغيرهما من غيروجه عن جماعة من الصحابة ان رسولِ الله ؐ قال اللهم انما انا بشر فايما عبد سببته اوجلدته او دعوت عليه وليس لذلک اهلاء فاجعل ذلک كفارة وقربة تقربلے عندک يوم القيامة فركب مسلم من الحديث الاول وهذا الحديث فضيلة لمعاوية ولم يورد له غير ذلک.

''ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ رسولؐ خدا آئے۔ میں نے سوچا کہ آپ میرے لئے ہی آئے ہیں۔ چنانچہ میں ایک دروازہ کی اوٹ میں چھپ گیا۔ آنحضرت نے مجھے ایک یا دو ہلکی سی چپت رسید کی۔ پھر فرمایا جا اور معاویہ کو بلا کر میرے پاس لے آ۔ اور معاویہ وحی لکھا کرتا تھا۔ ابن

عباس نے کہا: میں گیا اور میں نے اسے بلایا، کہا گیا کہ وہ کھانا کھا رہا ہے، میں رسولِ خدا کے پاس آیا اور کہا وہ کھانا کھارہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ''جا اور اسے بلا کر لے آیا''۔ میں اس کے پاس دوسری بار گیا تو کہا گیا وہ کھانا کھا رہا ہے۔

میں نے واپس آ کر رسولِ خدا کو اطلاع کی۔ اور تیسری مرتبہ آپ نے فرمایا:

''خدا اس کا پیٹ کبھی نہ بھرے''۔

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد معاویہ کا پیٹ کبھی نہ بھرا۔

حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت کے ان الفاظ سے معاویہ نے دنیا اور آخرت یں فائدہ حاصل کیا۔ اس نے دنیا میں ان الفاظ سے یہ فائدہ حاصل کیا کہ جب وہ ثام کا حکمران بنا تو سات بار گوشت اور پیاز کے ڈونگے بھر کر اس کے پاس لائے باتے تھے اور وہ کھاتا تھا۔ چنانچہ معاویہ ایک دن میں گوشت سے بھرے ہوئے سات ڈنگے کھاتا تھا اور اس کے علاوہ حلوہ اور موسم کے پھل علیحدہ کھاتا تھا۔ اور وہ یہ کہا کرتا تھا کہ میں کھانے سے سیر نہیں ہوتا بلکہ کھاتے کھاتے تھک جاتا ہوں۔ ایسا معدہ خدا کی نعمت ہے اور ہر بادشاہ ایسے ہی معدہ کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اور آنحضرت کے اس فرمان سے معاویہ کی آخرت سنورنے کی تفصیل اس حدیث میں مذکور ہے جسے امام مسلم اور بخاری نے کئی اسناد سے بہت سے صحابہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ سولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی تھی۔

پروردگار! میں بھی ایک انسان ہوں لہذا اگر میں کسی شخص کا گالی دوں یا کوڑے ماروں یا بددعا کروں اور وہ اس کے لائق نہ ہو تو اس لعنت، گالی اور کوڑوں ر بددعا کو اس کے لئے کفارہ اور قربت بنا دے اور اس کے ذریعہ سے اسے ست میں اپنا مقرب بنا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم نے اس حدیث کو فضیلت معاویہ کے نوان سے نقل کیا ہے اور اس نے اس کے علاوہ فضیلت معاویہ کی کوئی اور حدیث

روایت نہیں کی۔

ذھبی کی من مانی تاویل پر اسے داد دینی چاہیئے کہ اس نے رسولِ خدا کی بددعا کو دعا بنا کر دکھا دیا اور رسولِ خدا کی بددعا کو سعادت دارین کا ذریعہ قرار دیا۔ انسانی عقل حیران ہے اور ناطقہ سربہ گریبان ہے کہ اس اندھی عقیدت کو کیا نام دیا جائے کہ اپنے کسی ممدوح کو بچانے کے لئے رسولِ خدا پر یہ تہمت عائد کر دی جائے کہ آپ نعوذ باللہ اہل ایمان پر بددعا کیا کرتے تھے اور آپ اتنے مغلوب الغضب تھے کہ آپ ناجائز طور پر اہل ایمان پر لعنتیں کرنے لگ جاتے تھے۔ (نعوذ باللہ)

جب کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی شفقت کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ الفاظ فرمائے ہیں:

لَقَدْ (جَاءَ كُم)رَسُولُ اَنْفُسِكُم عَزِيز" عَلَيهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْص" عَلَيْكُم بِالْمُومِنِينَ رَؤُ وف" رَّحِيم" . (التوبه : ١٢٨)

"تمہارے پاس تم میں سے ہی ایک پیغمبر آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور وہ تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو مومنین کے لئے شفیق اور مہربان کہا ہے مگر کتب خلافت کے علماء نے اپنے ممدوح افراد کو بچانے کے لئے یہ لکھ دیا ہے کہ رسولِ کریم ناحق مومنین کو گالیاں دیتے تھے اور انہیں بد دعا کرتے تھے اور انہیں جسمانی سزا بھی دیتے تھے۔ اب کلام خدا صحیح ہے یا مکتب خلافت کے علماء کی یہ تحریر صحیح ہے، اس کا فیصلہ ہم اپنے قارئین کے دل و دماغ کی عدالت پر چھوڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے متعلق ارشاد فرمایا:

وانک لعلی خلق عظیم ''آپ خلق عظیم کے مالک ہیں''

خدارا ہمیں بتایا جائے جسے خدا قرآن کے الفاظ میں خلق عظیم کا مالک کہتا ہو کیا وہ مومن پر لعنت یا بددعا کر بھی سکتا ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ مکتبِ خلافت سے وابستہ افراد کی مجبوری تھی کہ ام المومنین نے کہہ دیا تھا کہ رسولؐ اللہ نے مروان کے والد پر اس وقت لعنت کی تھی جب وہ اپنے باپ کی صلب میں تھا۔ اب اگر یہ علماء اس لعنت کی تاویل نہ کرتے تو خلفائے آل مروان شجرہ ملعونہ کے برگ وبار دکھائی دیتے۔

اور اس طرح سے رسولِ خدا نے معاویہ کو پیٹ نہ بھرنے کی بددعا دی تھی۔ مکتب خلفاء سے وابستہ افراد اسے کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ لہذا انہوں نے اپنے ممدوح افراد کو بچانے کے لئے الٹا رسولِ خدا پر یہ الزام لگا دیا کہ آنحضرت ناجائز طور پر مومنین پر لعنت اور بددعا کر دیا کرتے تھے مگر وہ لعنت اور بددعا دعا میں بدل جاتی تھی۔ (۱)

ان احادیث کے متعلق ہم اپنی کتاب (احادیث ام المومنین عائشہ) اور (قیام الآئمة باحیاء السنة) میں تفصیلی بحث کر چکے ہیں جسے یہاں دہرانا پسند نہیں کرتے۔

۱۔ ایسے ہی افراد کے متعلق علامہ اقبال نے کہا تھا:

خود بدلتے نہیں قرآن بدل دیتے ہیں ہوئے فقیہان حرم کس قدر بے توفیق

مرحوم نے اس روش کا شکوہ کرتے ہوئے کہا تھا':

احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسر تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پاژند

اس طرح سے انہوں نے اپنے فارسی کلام میں کہا تھا:

ازمابر صوفی و ملا سلامی که پیغام خدا گفتند مارا
ولے تاویل شان در حیرت انداخت خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

''ہماری طرف سے صوفی وملا کو سلام پہنچے کہ انہوں نے ہم تک خدا کا پیغام پہنچایا۔ لیکن ان کی تاویل نے خدا، جبرئیل اور مصطفیٰ کو حیرت میں ڈال دیا۔'' (من المترجم)

مکتب خلفاء کی پریشانیاں

مکتبِ خلافت کے علماء کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ انہوں نے ہر دور میں حق کو پوشیدہ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی اور اس کے لئے انہوں نے اپنی من مانی تاویلات کو بطور ہتھیار استعمال کیا اور ہمارے پاس ان کی من مانی تاویلات کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

اس کے لئے نمونہ کے طور پر اس واقعہ کو دیکھیں کہ سعد بن ابی وقاص نے ابومجن سے کہا تھا "**والله لا نجلدک علی النحمر**" خدا کی قسم ہم تجھے شراب نوشی کی وجہ سے کوڑے نہیں ماریں گے۔

سعد بن ابی وقاص کا یہ جملہ مکتبِ خلافت کے شیدائیوں کے لئے ایک "سٹیٹ کیس" بن گیا اور انہوں نے اپنی خود ساختہ تاویلات کا دریا بہا دیا اس سلسلہ میں ابن فتحون اور ابن حجر کی مساعی خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس واقعہ کی تفصیل ہم عنقریب بیان کریں گے۔ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

"میرے جانشین نقبائے بنی اسرائیل کی تعداد کے مطابق بارہ ہوں گے"

اس حدیث شریف نے مکتبِ خلافت کے وکلاء کو انتہائی پریشان کر دیا۔ کیونکہ یہ حدیث بارہ آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کے علاوہ کسی دوسرے پر صادق نہیں آتی اور بارہ آئمہ کو تسلیم کرنا مسلکِ خلافت کے مزاج کے موافق نہیں ہے۔ لہذا انہوں نے بارہ افراد کی تعیین میں عجیب وغریب باتیں کیں اور ایک کی تاویل دوسرے سے

مختلف تھی۔

اسی طرح کی ایک اور حدیث کے حقیقی مفہوم کو چھپانے کے لئے طبرانی نے اپنی تاویل کا پھندا لگایا ہے۔ یہ حدیث مجمع الزوائد میں ان الفاظ سے وارد ہے:

عن سلمان. قال : قلت یا رسول الله ان الکل نبی وصیا فمن وصیک؟ فسکت عنی، فلما کان بعد رانی فقال : یا سلمان فاسرعت الیه قلت: لبیک، قال "تعلم من وصی موسیٰ؟" قلت: نعم: یوشع بن نون، قال "لم؟" قلت : لانه کان اعلمهم یومئذ، قال : ان وصی وموضع سری وخیر من اترک بعدی وینجز عدتی ویقضی دینی علی بن ابی طالب. رواه الطبرانی وقال : وصی : انه اوصاه باهله لا بالخلافة.

(مجمع الزوائد ۹/۱۱۳۔۱۱۴)

''سلمان کا بیان ہے کہ میں نے کہا یا رسولؐ اللہ! ہر نبی کا وصی ہوتا ہے آپ کا وصی کون ہے؟ آپ یہ سن کر خاموش ہوگئے۔ پھر کچھ وقت کے بعد آپ نے مجھے دیکھ کر بلایا تو میں تیزی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور لبیک کہی فرمایا۔

آپؐ نے فرمایا: جانتے ہو کہ موسیٰ کا وصی کون تھا؟

میں نے کہا: جی ہاں! وہ یوشع بن نونؑ تھے۔

آپؐ نے فرمایا: وہ کیوں؟

میں نے عرض کیا: وہ اس وقت کے سب سے بڑے عالم تھے۔

اس وقت آپؐ نے فرمایا: میرا وصی اور میرے رازوں کا مقام اور میرے بعد

کے تمام لوگوں سے بہتر اور میرے وعدوں کو پورا کرنے والا اور میرے قرض اتارنے والا علیؑ بن ابی طالب ہے۔

طبرانی نے اس کی روایت کی اور کہا ''میرے وصی'' سے مراد یہ ہے کہ حضور اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے اہل وعیال کے متعلق وصیت فرمائی تھی، خلافت کے متعلق وصیت نہیں کی تھی''

طبرانی کی تاویلِ علیل کا جواب

ہمیں طبرانی کی خود ساختہ تاویل کا جواب دینے سے پہلے حدیث کے تین اطراف یعنی سائل، سوال اور جواب میں نبیؐ کی حکومت کا جائزہ لینا ہوگا۔ سائل مسلمان تھے جو نسب کے اعتبار سے فارسی تھے۔ ان کا تعلق رسولِ خدا کے خاندان سے نہیں تھا اور نہ ہی وہ رسولِ خدا کے سسر یا سالے تھے اسی لئے انہیں رسولِ خدا سے یہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ آپؐ اپنے اہل خانہ کے لئے کسی کو وصی مقرر کر رہے ہیں، کیونکہ اس میں ان کی دلچسپی کا پہلو موجود نہیں تھا۔ حضرت سلمانؓ رسولِ خدا کے ہاتھوں پر ایمان لانے سے قبل علمائے نصاریٰ کے پاس رہ چکے تھے اور وہ علمائے نصاریٰ سے سابقہ امتوں اور انبیاء و اوصیاء کے حالات سن چکے تھے۔ اسی لئے انہوں نے رسولِ خدا سے پوچھا تھا کہ ہر نبی کا وصی ہوتا ہے اور آپ کا وصی کون ہے؟

حضرت سلمانؓ یہ سوال اہل خانہ کے وصی کے متعلق نہیں کر رہے تھے بلکہ وہ اس ذریعہ سے رسولِ خدا سے یہ پوچھ رہے تھے کہ آپ کی شریعت کے نفاذ کے لئے آپ کا وصی اور آپ کا ولئ عہد کون ہے؟

حضرت سلمانؓ کو خاندان کے متعلق وصی کے پوچھنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ رسولِ خدا نے سلمانؓ کے سوال کا اس وقت جواب نہیں دیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ اہم معاملات کے لئے وحی کا انتظار کرتے تھے اور علم کے باوجود بھی کوئی فیصلہ صادر نہیں کرتے تھے۔ اس کی بہترین مثال تحویل قبلہ ہے۔ آپ اگرچہ جانتے تھے کہ کعبہ ہی آپ کا قبلہ قرار پانے ہی والا ہے مگر آپ نے وحی کا انتظار کیا اور اتنا بڑا فیصلہ اپنی طرف سے کسی پر مسلط نہ کیا۔ آپ فرمان خداوندی کے منتظر رہے اور جب تحویل قبلہ کی آیت مجیدہ نازل ہوئی تو آپ نے حالت نماز میں ہی اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف کرلیا۔

اسی طرح اس وقت کے عربی معاشرہ میں ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ رسولِ اکرم کے بعد حکومت و ولایت اسے نصیب ہو اور ادھر آپ مدینہ میں اسلامی حکومت کی بنیاد قائم کرنے میں مصروف تھے۔ اسی لئے مصلحت نبوت کی وجہ سے آپ نے خاموشی اختیار کی اور معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ کریم جواب کے لئے حکم خداوندی کے منتظر رہے اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سوال کا جواب دینے کا حکم دیا، تو آپ نے حضرت سلمان ؓ کو اس کا جواب دیا۔ رسولِ خدا نے سلمانؓ کو جواب یوں ہی نہیں دیا بلکہ جواب کی اہمیت کی پیشِ نظر آپ نے خود اس سے وصی موسیٰ کے متعلق پوچھا۔

جب سلمانؓ نے کہا کہ موسیٰ کے وصی یوشع بن نونؑ تھے تو آپ نے پھر دوسرا سوال یہ کیا کہ آخر یوشع میں کون سی خوبی تھی جس کی وجہ سے وہ موسیٰ کے وصی قرار پائے؟ سلمانؓ نے جواب میں کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ یوشع اس دور کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اس کے بعد آنحضرت نے فرمایا:

''میرا وصی اور میرے رازوں کا مقام اور میرے بعد تمام لوگوں سے افضل اور میرا وعدہ پورے کرنے والا اور میرے قرض اتارنے والا علی بن ابی طالب ہے''۔

جواب پیغمبر سے یہ حکمت ظاہر ہوتی ہے۔

۱۔ نبی کریم نے حضرت علیؑ کو یوشع بن نون سے تشبیہ دی کیونکہ وہ تمام اوصیاء سے زیادہ مشہور تھے اور حضرت موسیٰ نے انہیں اپنا جانشین مقرر کیا تھا اور انہوں نے موسیٰ کے دور کی غزوات میں قائدانہ کردار ادا کیا تھا اس طرح سے حضرت علیؑ نے بھی دور نبوت کی غزوات میں قائدانہ کردار ادا کیا تھا۔

۲۔ رسولؐ خدا اگرچہ خود بھی جانتے تھے لیکن آپ نے مسئلہ کی وضاحت کے لئے سلمان سے پوچھا کہ یوشع کی وصایت کی بنیاد کیا تھی تو انہوں نے کہا کہ وہ اپنے دور کے سب سے بڑے عالم تھے۔ رسولؐ خدا نے بھی حضرت علیؑ کو اپنا وصی اس لئے قرار دیا کہ حضرت علیؑ بھی امت اسلامیہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔

رسولؐ خدا نے سوال و جواب کے اس خصوصی اسلوب سے یہ مسئلہ ذہن نشین کر دیا کہ علیؑ کی وصایت کی بنیاد ان کی رشتہ داری پر نہیں ہے بلکہ ان کی جنگی خدمات اور ان کے علم کی وسعت پر ہے اور ان حقائق کی موجودگی میں طبرانی نے جو تاویل کی ہے وہ ہٹ دھرمی اور بے جا ضد اور مذہبی تعصب کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

طبرانی جو کہ تاویل پر قسم کھائے بیٹھا تھا اس نے حدیث کے جملے ''خیر

من اترک بعدی'' کی تاویل کرتے ہوئے ''من اھل بیتی'' کا لاحقہ لگایا ہے۔ یعنی رسولِ خدا فرمانا یہ چاہتے تھے کہ میں اپنے بعد جن اہل بیت کو چھوڑ کر جا رہا ہوں، علیؑ ان میں سب سے بہتر ہے۔

وصایت کے معنی میں ایک اور عالم کی پریشانی

نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کے ایک خطبہ میں یہ الفاظ وارد ہیں:

لا یقاس بال محمد (ص) من ھذہ الامة احد ولا یسوی بھم من جرت نعمتھم علیه ابدا. ھم اساس الدین وعماد الیقین الیھم لیفیئی الغالی وبھم یلحق التالی ولھم خصائص حق الولایة وفیھم الوصیة والوراثة الان ادرجع الحق الی اھله ونقل الی منتقله. (نہج البلاغہ خطبہ ۲)

''اس امت میں کسی کو آل محمدؐ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ جن لوگوں پر ان کے احسانات ہمیشہ جاری رہے ہوں وہ ان کے برابر نہیں ہوسکتے وہ دین کی بنیاد اور یقین کے ستون ہیں۔ آگے بڑھ جانے والے کو ان کی طرف پلٹ کر آنا ہے اور پیچھے رہ جانے والے کو ان سے آ کر ملنا ہے۔ حق ولایت کی خصوصیات انہی کے لئے ہیں اور انہی کے بارے میں پیغمبر کی وصیت اور انہی کے لیے (نبی کی) وراثت ہے۔ اب یہ وہ وقت ہے کہ حق اپنے اہل کی طرف پلٹ آیا اور اپنی صحیح جگہ پر منتقل ہوگیا۔''

حضرت کے خطبے کے اس حصہ میں حضرت نے اپنی وصیت کا اثبات کیا ہے۔ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کے لئے مسئلہ پیدا ہوگیا کہ وہ ''وصیت'' سے کیسے انکار کرے۔ جب اسے وصیت کے انکار کا کوئی جواز نہ مل سکا تو اس نے اپنے

لئے تاویل کا دروازہ کھولا اور لکھا:

جہاں تک وصیت کا تعلق ہے تو ہمارے ہاں اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ حضرت علیؑ ، رسولؐ خدا کے وصی تھے اور جو شخص حضرت کے وصی ہونے کا انکار کرتا ہے تو وہ ہماری نظر میں حضرت علیؑ کا دشمن ہے اور ہم وصیت سے خلافت کی نص مراد نہیں لیتے۔ اس سے مراد نص خلافت کی بجائے دوسرے امور ہیں اور شاید جب وہ ظاہر ہوں تو وہ امور چمکنے دمکنے لگیں گے۔

(انتھی کلام ابن ابی الحدید)

اس کے جواب میں ہم یہ گذارش کریں گے کہ حضرت علیؑ نے اپنے خطبہ میں یہ نہیں کہا "لی حق الولایة والوصة والوراثة" مجھے ولایت ، وصیت اور وراثت کا حق حاصل ہے۔ بالفاظ دیگر آپ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ رسولؐ خدا نے مجھے اپنے اہل بیت کی وصیت کی ہے اور میں حضور اکرم کی طرف سے اہل بیت پر وصی ہوں۔

آپ نے تو یہ فرمایا کہ آل محمدؐ دین کی بنیاد ہیں۔۔۔۔ انہی کے بارے میں پیغمبر کی وصیت ہے۔

حضرت نے مذکورہ الفاظ تمام آلِ محمدؐ کے متعلق فرمائے ہیں جو ان کے بارے میں پیغمبر کی وصیت ہے۔ اب اگر ابن ابی الحدید کی تاویل کو مان لیا جائے تو مفہوم یہ بنے گا کہ آلِ رسولؐ کو آل رسولؐ کی وصیت کی گئی ہے اور یہ مفہوم کسی طور بھی صحیح نہیں ہے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن ابی الحدید یہاں آ کر چکرا گئے اور وہ موقع ومحل کے تحت طبرانی کی تاویل بیان نہیں کر سکے کیونکہ اس کی تاویل کسی طور پر اس مقام پر درست دکھائی نہیں دیتی۔

ابن ابی الحدید سے جب کچھ نہ بن سکا تو اس نے لکھا کہ وصیت سے خلافت کی نص مراد نہیں بلکہ دوسرے امور مراد ہیں۔ لیکن انہیں خود یہ توفیق حاصل نہ ہوئی کہ بتاتے کہ وہ ''دوسرے امور'' کون سے ہیں۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مکتب خلافت کے علماء جب حدیثِ رسولؐ، قول اہلِ بیتؑ ' قولِ صحابہ کو اپنے خود ساختہ نظریات کے خلاف دیکھتے ہیں تو حق کو تسلیم کرنے کی بجائے اس کی من مانی تاویلیں گڑھنے لگتے ہیں اور یہ سلسلہ روز ازل سے اب تک جاری ہے۔

۴۔ اشارہ کئے بغیر صحابہ کے کچھ اقوال کو حذف کرنا

مکتب خلافت سے وابستہ علماء نے ہر دور میں کتمان حق کی مثالیں قائم کی ہیں اور کتمان حق کے سلسلہ کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کسی صحابی کے کچھ اقوال کو اشارہ کے بغیر حذف کر دیا جائے اور ہم بڑے ہی دکھ سے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مکتب خلافت سے وابستہ علماء نے اس طرح کی دیدہ دلیری کی ہے اور اس کی مثال کے لئے ہم نعمان بن عجلان انصاری صحابی کے اس قصیدہ کو پیش کر سکتے ہیں، جس میں انہوں نے انصار کے ایثار اور خلافت کے اختلاف اور حضرت علیؑ کے وصی ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے قصیدہ میں سے جن دو اشعار کا تعلق وصیت اور وصی سے ہے وہ ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں۔ اس قصیدہ سے انہوں نے عمرو بن العاص کے موقف کی نفی کی ہے اور اپنا موقف واضح کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:۔

وقلتم : حرام نصب سعد ونصبکم
عتیق بن عثمان حلال ابابکر
واھل ابوبکر لھا خیر قائم
وان علیا کان اخلق بالامر

وکان هوانا فی علی وانه
لاهل لها یا عمرو من حیث لا تدری
فذاک بعون اللّٰه یدعو الی الهدی
وینهی عن الفحشاء والبغی والمنکر
وصی النبی المصطفی وابن عمه
وقاتل فرسان الضلالة والکفر
وهذا بحمد اللّٰه یهدی من العمی
ویفتح اذانا ثقلن من الوقر
نجی رسولِ اللّٰه فی الغار وحده
وصاحبه الصدیق فی سالف الدهر

''اورتم نے کہا کہ سعد کا خلیفہ مقرر کرنا حرام ہے جب کہ (حضرت) ابوبکر عتیق بن عثمان کا خلیفہ بنانا حلال ہے اور ابوبکر کا خاندان دین کا محافظ ہے۔ جب کہ علیؑ امر خلافت کے لئے سب سے زیادہ حقدار ہے، ہماری خواہش علیؑ کے متعلق تھی اور وہ اس کام کے لئے اہل بھی ہے جب کہ اے عمرو! تجھے کچھ بھی پتہ نہیں ہے۔

علیؑ اللہ کی مدد سے سرشار ہو کر ہدایت کی طرف دعوت دیتا ہے اور برائی بے حیائی اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔

علیؑ، محمد مصطفیٰؐ کے بھائی اور ان کے ابن عم ہیں اور کفر و گمراہی کے شاہسواری کے قاتل ہیں۔ علیؑ خدا کی مہربانی سے اندھے پن سے نجات دیتا ہے اور جو کان بہرے پن کی وجہ سے بند ہو چکے ہیں علیؑ ان کانوں کی سماعت کو کھول دیتا

ہے۔ رسولِؐ خدا کا یارغار اور ان کا سچا ساتھی صرف ابوبکر ہے جو کہ پچھلے زمانہ سے ان کے پرانے دوست چلے آرہے ہیں۔''

قارئین کرام! آپ نے صحابی رسولؐ نعمان بن عجلان انصاری کا قصیدہ پڑھا اور اس قصیدہ میں حضرت علیؑ کے وصی ہونے کا بھی تذکرہ موجود ہے جو کہ مسلک خلفاء کے مزاج سے کسی طرح بھی ہم آہنگ نہیں ہے۔ اسی لئے مسلک خلفاء سے وابستہ علماء نے اس میں حسب عادت کتر بیونت سے کام لیا اور خیانت مجرمانہ کرتے ہوئے اس قصیدہ کے ان اشعار کا ذکر تک نہ کیا جن میں وصایت علیؑ کا ذکر موجود تھا۔

ابن عبد البر نے الاستیعاب فی معرفتہ الاصحاب میں نعمان بن عجلان کے حالات کے ضمن میں اس کا مذکورہ قصیدہ نقل کیا لیکن اس نے اس کے حسب ذیل یہ دو اشعار نقل کرنے سے گریز کیا:

فذالک بعون الله یدعو الی الهدی وینهی عن الفحشاء والبغی والنکر

وصی النبی المصطفی وابن عمه وقاتل فرسان الضلالة والکفر

''وہ (علیؑ) اللہ کی مدد سے ہدایت کی طرف بلاتا ہے اور برائی، سرکشی اور بے حیائی سے منع کرتا ہے۔ وہ نبی مصطفیٰ کا وصی اور ان کا ابن عم ہے اور کفر و گمراہی کے شاہسواروں کا قاتل ہے''۔

ابن عبد البر کی دیدہ دلیری کی انتہا یہ ہے کہ اس نے اس قصیدہ میں سے ان اشعار کو حذف کر دیا جو حضرت علیؑ کے متعلق تھے اور ان اشعار کو باقی رہنے دیا جو حضرت ابوبکر کی مدح و توصیف میں تھے۔ مسلکِ خلفاء میں ایک سے بڑھ کر ایک پایا جاتا ہے۔ ابن عبد البر کی دیانت آپ نے ملاحظہ کی۔ اس کے بعد ابن اثیر آیا تو

اس نے اپنی کتاب اسد الغابہ میں نعمان بن عجلان انصاری کے حالات بیان کرتے ہوئے یہ جملے لکھے:

نعمان نے کچھ اشعار کہے تھے جس میں اس نے انصار کی تعریف و توصیف کی تھی اور پیغمبر کے بعد خلافت کا بھی تذکرہ کیا تھا۔ ابن اثیر کی ''دیانت'' کا یہ عالم ہے کہ اس نے نعمان کے قصیدہ کے دو اشعار نقل کئے جن میں انصار کی خدمات بیان کی گئی تھیں اور جن اشعار میں سقیفائی خلافت اور حضرت علیؑ کی وصایت کا تذکرہ تھا، انہیں سرے سے بیان ہی نہیں کیا۔ اس کے بعد ابن حجر آیا تو اس نے نعمان کے حالات میں لکھا:

یہ وہی ہے جس نے اپنے اشعار میں انصار کی فداکاری اور جاں نثاری کا ذکر کیا تھا۔

پھر ابن حجر نے انصار کی مدح پر مبنی اشعار نقل کئے اور اپنے پیش رو کی طرح خلافت و وصایت کے اشعار کا ذکر تک نہ کیا اور جوں جوں وقت گزرتا گیا تعصب وعناد کے بادل مزید گہرے ہوتے گئے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حقیقت کے متلاشی افراد کے لئے ہدایت کے راستے بند ہوگئے اور صداقت کی راہیں تاریک بنا دی گئیں۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ زبیر بن بکار المتوفی ۲۵۶ھ نے نعمان بن عجلان انصاری کا پورا قصیدہ نقل کیا اور اس میں وصیت علیؑ کا ذکر موجود تھا۔ بعد میں ابن عبد البر المتوفی ۴۶۳ھ نے دو اشعار کو حذف کر دیا اور اس کے بعد ابن اثیر المتوفی ۶۳۸ھ نے مزید پھرتی دکھائی اور اس نے وصایت علیؑ کے اشعار کے ساتھ ان اشعار کو بھی حذف کر دیا جن میں خلافت کے اختلاف کا ذکر کیا گیا تھا۔ اور

صرف یہی کہا کہ اس نے خلافت کا ذکر بھی کیا تھا۔ اور اس کے بعد جب ابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ کی باری آئی تو اس نے وصایت و خلافت کے اشعار کو حذف کر دیا اور یہاں تک لکھنے کی زحمت بھی برداشت نہ کی کہ ''اس نے اپنے اشعار میں وصایت علیؑ اور اختلاف خلافت کا ذکر کیا'' اوراس ترتیب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلک خلفاء سے وابستہ علماء میں دیانت کا فقدان رہا ہے اور ان کے درمیان حقائق چھپانے کا باہمی مقابلہ مدت سے جاری ہے۔

مکتب خلافت سے وابستہ علماء نے ہر دور میں حقائق کو پوشیدہ رکھنے اور صداقتوں کا چہرہ مسخ کرنے کی، پوری کوشش کی ہے اور انہیں احادیث پیغمبر میں جہاں بھی حضرت علیؑ کی وصایت کا ذکر دکھائی دیا تو انہوں نے اسے اپنے عقیدہ سے متصادم سمجھا اور اسے حذف کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دیا اوراخفائے حق کی بدترین مثالیں قائم کیں۔ اگر ہم اس کی مزید مثالیں پیش کرنا چاہیں تو کتاب کا حجم کئی گنا بڑھ جائے گا۔

۵۔کسی اشارہ کے بغیر پوری حدیث کو حذف کرنا

ابن ہشام نے تمام تر روایات سیرت ابن اسحاق سے اخذ کیں اور اس نے اپنے طریق کار کے متعلق یہ الفاظ لکھے:

ابن ہشام نے تمام تر روایات سیرت ابن اسحاق سے اخذ کیں اور اس نے اپنے طریق کار کے متعلق یہ الفاظ لکھے:

میں نے اپنی اس کتاب میں سیرت ابن اسحاق کی بعض روایات نقل نہیں کی ہیں ـــ۔ اور میں نے ایسے واقعات کونقل کرنے سے گریز کیا ہے جن کا بیان کرنا

نامناسب تھا اور ایسے تمام واقعات کو میں نے حذف کر دیا ہے جسے عوام سننا پسند نہیں کرتے تھے۔۔۔۔

سیرت ابن اسحاق میں دعوت ذو العشیر ہ کا ذکر موجود ہے اور طبری نے ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رسولِ کریمؐ نے اولادِ عبد المطلب سے فرمایا: تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میری مدد کرے وہ میرا بھائی اور میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہوگا؟

تمام لوگ یہ سن کر خاموش رہے۔ اس وقت علی بن ابی طالب نے کہا۔ اے اللہ کے نبی! میں آپ کی مدد کروں گا (حضرت علیؑ کہتے ہیں کہ) آپ نے میری گردن سے پکڑ کر فرمایا:

ان هذا اخي ووصي وخليفتي فيكم فاسمعوا له واطيعوا.

"بے شک یہ میرا بھائی اور میرا وصی اور تم میں میرا جانشین ہے
تم اس کا فرمان سنو اور اطاعت کرو۔"

یہ اعلان سن کر لوگ ہنستے ہوئے کھڑے ہوئے اور ابو طالب سے کہنے لگے۔

"محمد نے تجھے اپنے بیٹے کا فرمان سننے اور اس کی اطاعت
کرنے کا حکم دیا ہے۔"

ابن ہشام نے جب اپنی سیرت کا مواد ابن اسحاق کی کتاب سے لیا تو اس نے دیکھا کہ دعوت ذو العشیر ہ اور حضرت علیؑ کی وصایت وخلافت کا ذکر عوام کے مزاج کے مطابق نہیں ہے اسی لئے اس نے اس روایت کو حذف کر دیا۔ اور یوں سیرت ابن ہشام عوام الناس کے مزاج کے مطابق قرار پائی اور پھر اسی وجہ سے

سیرت ابن ہشام کو خوب شہرت دی گئی اور سیرت ابن اسحاق متروک ہوگئی اور آج کل وہ نایاب ہوچکی ہے۔

طبری نے اپنی تاریخ میں دعوت ذو العشیرہ اور حضرت علیؑ کی وصایت و خلافت کا ذکر کیا ہے لیکن اس نے محسوس کیا کہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا کیونکہ اس روایت کی موجودگی میں سقیفائی خلافت کا جواز تک ختم ہو جاتا ہے اسی لئے اس نے اس کی تلافی اپنی تفسیر میں کر دی اور آیت "**وانذر عشیرتک الاقربین**" آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو تبلیغ کریں" کے ضمن میں یہ الفاظ لکھے۔

رسولِ خدا نے اس دعوت میں فرمایا:

فایکم یوازرنی علی ھذا الامر علی ان یکون اخی وکذا وکذا.....

"تم میں سے کوئی ہے جو اس امر میں میری مدد کرے اور وہ میرا بھائی اور "یہ اور یہ" ہو"

حضرت علیؑ نے کھڑے ہوکر اپنی نصرت کا یقین دلایا تو رسولِ خدا نے فرمایا:

ان ھذا اخی وکذا وکذا فاسمعوا له واطیعوا.

"بے شک یہ میرا بھائی اور "یہ اور یہ" ہے۔ تم اس کی باتیں سنو اور اطاعت کرو"۔

یہ اعلان سن کر لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو طالبؑ سے کہنے لگے۔ تم اپنے بیٹے کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

(تفسیر طبری ۲/۱۹ ۔۷۵ طبع اول بولاق سن طباعت ۱۳۲۳ھ)

ابن کثیر نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ اور اپنی تفسیر میں بھی یہی کچھ کہا۔

خیانتوں اور تحریفات کا یہ ذہنی سفر ابھی تک جاری ہے اور مصری معاصر محمد حسین ہیکل نے اس روایت کو اپنی کتاب حیات محمد کے ص ۱۰۴ پر نقل کیا اور اس میں یہ الفاظ لکھے:

فایکم یوازرنی علی هذا الامران یکون افی ووصیی وخلیفتی فیکم"

''تم میں سے ایسا کون ہے جو اس کام میں میری مدد کرے اور وہ میرا بھائی اور میرا وصی اور تم میں میرا جانشین قرار پائے۔''

لیکن ہمیں یہ دیکھ کر انتہائی تعجب ہوتا ہے کہ جب یہی کتاب ۱۳۵۴ھ میں دوسری بار طبع ہوئی تو اس میں اس روایت کا کوئی نام ونشان تک نہیں تھا۔

مکتبِ خلافت سے وابستہ علماء میں خیانت کی یہ قسم قدیم الایام سے رائج ہے۔

۶۔ احادیث رسولؐ لکھنے سے منع کرنا

مکتب خلافت میں ایک طویل عرصہ تک خلفاء کی طرف سے حدیث کا لکھنا ممنوع تھا اور اس کی ابتداء عہد نبوی میں اس وقت ہوئی جب قریش نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص کو کتابت حدیث سے یہ کہہ کر منع کیا کہ تو رسولِؐ خدا کی ہر بات لکھتا ہے جب کہ رسولِؐ خدا بھی ایک انسان ہیں اور وہ بھی رضا اور غضب کے تحت بات کرتے ہیں۔

واضح سی بات ہے کہ یہاں قریش سے مراد مکہ میں رہنے والے قریش نہیں تھے بلکہ قریش کے وہ افراد تھے جو کہ صحابی پیغمبر اور مہاجر کہلاتے تھے۔ دوسروں کے

لئے تو کتابت حدیث بہت دور کی بات ہے۔ قریش کے اس گروہ نے رسولِ خدا کی زندگی کے آخری لمحات میں خود انہیں حدیث لکھنے سے روک دیا تھا۔

عمر بن عبد العزیز کے عہد حکومت تک کتابت حدیث ممنوع رہی اور جب حدیث کے خطرات ختم ہوگئے تو اس دور میں حدیث کی تدوین کی اجازت ملی۔ اس امر کی تفصیلی بحث انشاء اللہ آپ کتاب ہذا کی دوسری جلد میں پڑھیں گے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کتابت حدیث کی ممانعت کی وجہ سے رسولِ خدا کی کتنی احادیث رقم ہونے سے رہ گئی ہوں گی اور خاص کر وصایت وخلافت کے متعلق حضرت کے کتنے فرمان ایسے ہوں گے جو آج ہمیں کتب میں دکھائی نہیں دیتے۔

اخفائے سنت کی دو مزید مثالیں

اخفائے سنت کی مسلسل جدوجہد میں ان دو مثالوں کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے:

۱۔ صاحب آغانی لکھتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے:

انصار مدینہ کے وفود معاویہ بن ابی سفیان کے دروازے پر آئے اور انہوں نے معاویہ کے حاجب سعد ابو درہ سے کہا کہ معاویہ سے کہو کہ انصار تم سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ حاجب نے یہ پیغام معاویہ کو دیا، اس وقت وہاں عمرو بن العاص بھی بیٹھا تھا۔ عمرو بن العاص نے کہا۔ ان لوگوں نے اپنے نسب کو فراموش کرکے اپنا لقب انصار رکھ لیا ہے جو کہ کسی طور بہتر نہیں ہے۔ آپ ان لوگوں کو ان کے نسب کی طرف لوٹا دیں تو یہ بہتر ہوگا۔

معاویہ نے کہا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے ہماری توہین لازم آئے۔

عمرو بن العاص نے کہا: آپ ایک کوشش تو کریں اگر یہ کوشش کامیاب ہوگئی تو بہتر ورنہ ان کے پاس اپنی پہچان کے لئے ایک لقب تو موجود ہی ہے۔

معاویہ نے حاجب سے کہا: تم پکار کر کہو عمرو بن عامر کی اولاد داخل ہو جائے۔

جب حاجب نے یہ آواز دی تو انصار کے علاوہ عمرو بن عامر کی اولاد دربار میں داخل ہوگئی۔ معاویہ نے نگاہ تعجب سے عمرو کی طرف دیکھا اور کہا تیری کوشش ناکام ہوگئی۔

پھر اس نے حاجب سے کہا: تم آواز دے کر کہو کہ اوس وخزرج کے افراد کو داخل ہونے کی اجازت ہے۔

حاجب نے یہ صدا دی، تو انصار میں سے ایک شخص بھی دربار میں نہ گیا۔
معاویہ نے حاجب سے کہا: اب آواز دے کر کہو کہ انصار کو داخلہ کی اجازت دی جاتی ہے۔

جیسے ہی یہ اعلان ہوا تو تمام انصار نعمان بن بشیر کی قیادت میں داخل ہوئے اور نعمان نے دربار میں کھڑے ہو کر یہ اشعار پڑھے۔

یاسعد لا تعد الدعاء فمالنا نسب نجیب به سوی الانصار

نسب تخیره الاله لقومنا اثقل به نسبا علی الکفار

ان الذین ثووا ببدر منکم یوم القلیب هم وقود النار

''اے سعد (حاجب) ہمیں دوبارہ اس طرح سے مت پکارنا،
لفظ انصار سے بڑھ کر ہمارے لئے کوئی بہتر نسب نہیں ہے۔ یہ
ایک ایسا نسب ہے جسے خدا نے ہماری قوم کے لئے منتخب کیا
ہے اور یہ نسب کافروں کے لئے انتہائی گراں ہے۔ جو لوگ

بدر میں قتل ہوئے اور جن کی لاشوں کو کنوئیں میں ڈالا گیا وہ
دوزخی تم میں سے تھے۔''

یہ اشعار پڑھ کر وہ ناراض ہوکر واپس لوٹا۔ معاویہ نے بڑی مشکل سے اسے راضی کیا، اور ان کی ضروریات پوری کیں، پھر معاویہ نے عمر سے کہا۔ ہم اس چیز سے بے نیاز تھے۔ (اابن شہاب کا نام محمد بن مسعود قرشی الزہری ہے۔ کا)اصحاب صحاح نے اس سے احادیث نقل کی ہیں (تہذیب التہذیب ۲/۲۰۷)الآغانی طبع ساسی ۱۴/۱۲۰۔۱۲۲۔ طبع بیروت ۱۶/۱۳۔۱۷)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ برسر اقتدار گروہ لفظ''انصار'' کو بھی ختم کرنے کے درپے تھا اور وہ اہلِ مدینہ کی اس پہچان کو ختم کرنا چاہتا تھا کیونکہ انصار کا تعلق حکمران طبقہ سے نہیں تھا اور حکمران طبقہ ان کے اس نام کے شرف کو بھی برداشت کرنے پر آمادہ نہ تھا۔

۲۔ ابو الفرج نے اپنی سند سے ابن شہاب سے روایت نقل کی کہ خالد بن عبداللہ القسری نے مجھے حکم دیا کہ میں انساب پر کتاب لکھوں۔

میں نے کتاب کی ابتداء قبیلہ حضر کے نسب سے شروع کی اور مجھے لکھتے ہوئے چند دن گزرے تو خالد نے مجھ سے پوچھا۔ کیا لکھ رہے ہو میں نے کہا: میں قبیلہ حضر کے انساب لکھ رہا ہوں اور ابھی تک اس کی تکمیل نہیں کر سکا۔

خالد نے کہا: اسے ختم کرو، خدا! انہیں ان کی جڑ سمیت ختم کرے، تم اس کی بجائے میرے لئے سیرت نبوی تحریر کرو۔ میں نے کہا: میں سیرت تو لکھوں گا لیکن سیرت نبوی میں علی بن ابی طالبؑ کا بار بار تذکرہ ہوگا تو کیا میں علیؑ کا ذکر بھی کرتا جاؤں؟ خالد نے کہا: ہرگز نہیں، ہاں اگر علیؑ تجھے جہنم کی گہرائی میں دکھائی دے تو پھر ذکر لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (نعوذ باللہ ولعنۃ اللہ علی قائلہ)

(الآغانی طبع ساسی ۱۹/۵۹۔ طبع بیروت ۲۲/۲۳

اس واقعہ سے حکمران طبقہ کی یہ پالیسی عیاں ہوتی ہے کہ وہ سیرت نبوی کے ضمن میں حضرت علیؑ کے نام لکھنے کے روا دار نہیں تھے۔ اور وہ اپنے دور کے محدّثین سے یہ کہتے تھے کہ اگر علیؑ کی مذمت میں کوئی روایت ہوتو اسے نقل کرو۔ علیؑ کی مدح کی کوئی روایت نقل نہ کرو۔ ان روح فرسا حالات میں یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ محدّثین نے حضرت علیؑ کی خلافت کی نصوص کو کھل کر نقل کیا ہوگا؟ خلفائے اسلام نے سنتِ نبویؐ کی نشرو اشاعت کو ممنوع قرار دیا تھا اور جس نے بھی سنت رسولؐ کی اشاعت کی تو اسے ذلیل کیا گیا اور بعض اوقات اسے قتل کر دیا گیا۔

تضعیفِ روایات اور قتل علماء کی روش

مکتبِ خلفاء سے وابستہ علماء کی ہر دور میں یہ روش رہی ہے کہ جس بھی راوی نے آل محمد کی مدح کی ہے یا جس نے بھی برسر اقتدار طبقہ کی مذمت میں کوئی جملہ کہا ہے تو ایسے راوی کو ہمیشہ ضعیف کہہ کر اس کی کردار کشی کی گئی اور اس کی تمام روایات کو ضعیف کہہ کر ٹھکرا دیا گیا اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ عوام الناس نے اپنے نظریات کی مخالفت کرنے والے علماء کو قتل بھی کر دیا۔ ہم بحث کو طوالت سے بچانے کے لئے چار مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں:

۱۔ وصایت علیؑ کا ذکر کرنے والوں کی توہین وتضعیف

البدایہ والنہایہ کا مولف ابن کثیر انتہائی متعصب شخص تھا اور اس کے تعصب کے ثبوت کے لئے اس کے یہ الفاظ ہی کافی ہیں:

بہت سے جاہل شیعہ اور کند ذہن قصہ گو اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ رسولؐ

خدا نے حضرت علیؑ کی خلافت کے لئے وصیت کی تھی۔ ایسا سمجھنا جھوٹ، بہتان اور افترا ہے اور اس سے صحابہ کی خیانت ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے حضرت علیؑ کو خلافت سے علیحدہ کر کے حکم پیغمبر کی خلاف ورزی کی ہے۔۔۔۔ بعض بازاری داستان گو حضرت علیؑ کی وصیت کی روایات پڑھتے رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہذیان ہے اور یہ بعض کم ظرف جاہلوں کی تراشی ہوئی بات ہے اس کا پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا اور کسی کند ذہن اور درماندہ شخص کے علاوہ ان باتوں پر کوئی اعتماد نہیں کرسکتا۔

(البدایہ والنہایہ ۷/۲۲۴)

ابن کثیر کی زبان کا لب ولہجہ آپ نے ملاحظہ کیا، جس سے اس کے ''حسن اخلاق'' کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ اب آیئے ہم ذرا ان قصہ گولوگوں کی ایک ہلکی سے فہرست بیان کرنا چاہتے ہیں جنہوں نے وصایت علیؑ کی داستان بیان کی ہے اور اس فہرست میں یہ نام سرفہرست ہیں:

طبقہ صحابہ میں سے وصیت کے راوی

۱۔ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام

۲۔ سلمان محمدی (فارسی)

۳۔ ابو ایوب انصاری

۴۔ ابوسعید خدری انصاری

۵۔ انس بن مالک انصاری

۶۔ بریدہ بن حصیب اسلمی

۷۔ عمرو بن العاص قرشی

۸۔ ابوذر غفاری

۹۔ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

۱۰۔ امام حسین علیہ السلام

۱۱۔ حسان بن ثابت

۱۲۔ فضل بن عباس بن عبد المطلب

۱۳۔ نعمان بن عجلان انصاری

۱۴۔ سعید بن قیس انصاری

۱۵۔ حجر بن عدی الکندی

۱۶۔ خزیمہ بن ثابت

۱۷۔ عمرو بن الحمق الخزاعی

۱۸۔ عبد اللہ بن عباس

۱۹۔ مغیرہ بن حارث بن عبد المطلب

۲۰۔ اشعث بن قیس الکندی (ایک مشہور دشمن علی)

طبقہ تابعین میں سے روایت کے راوی

۱۔ جریر بن عبد اللہ بجلی

۲۔ نجاشی شاعر قیس بن عمرو

۳۔ محمد بن ابی بکر بن ابی قحافہ

۴۔ منذر بن حمیفتہ الوداعی

۵۔ عبد الرحمٰن بن جعیل

۶۔ نضر بن عجلان

۷۔ مالک اشتر

۸۔ عمر بن حارثہ انصاری

۹۔ عبدالرحمٰن بن ذؤیب اسلمی

مکتبِ خلفا کے حکام و آئمہ

۱۔ پہلے عباسی خلیفہ سفاح کا چچا علی بن عبداللہ

۲۔ ہارون الرشید عباسی

۳۔ مامون الرشید عباسی

۴۔ امام شافعیہ محمد بن ادریس شافعی

مؤلفین میں سے وصیت کی احادیث لکھنے والے علماء

مندرجہ ذیل علماء نے وصیت کے متعلق رسولِ خدا کی احادیث کو اپنی تالیفات میں جگہ دی۔

۱۔ امام الحنابلہ احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ در کتاب مناقب علی

۲۔ دینوری المتوفی ۲۸۲ھ در الاخبار الطّوال

۳۔ امام المورخین طبری المتوفی ۳۲۰ھ در تاریخ طبری

۴۔ امام بیہقی در کتاب المحاسن والمساوی

۵۔ مسند الدنیاء طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ در معاجم

۶۔ ابونعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ در حلیۃ الاولیاء

۷۔ حافظ ابن عساکر شافعی المتوفی ۵۷۱ھ در تاریخ شہر دمشق

۸۔ ابن اثیر در تاریخ کامل

۹۔ ابن ابی الحدید شافعی المتوفی ۶۵۶ھ در شرح نہج البلاغہ

۱۰۔ متقی ہندی المتوفی ۹۷۵ھ در کنز العمال

یہ ہیں وہ حضرات جنہیں ابن کثیر نے اپنے تعصب سے جاہل اور داستان گو کہا ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے صحابہ و تابعین نے بھی ابن کثیر کے قول کے مطابق بازاری داستان گو افراد سے متاثر ہو کر اپنے اشعار اور خطبات میں حضرت علیؑ کی وصیت کا ذکر کیا ہے جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

زبیر بن بکار نے الموفقیات میں، طبری اور ابن اثیر نے اپنی اپنی تاریخ میں، خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں، سعودی شافعی نے مروج الذھب میں اور امام المحدثین حاکم نے المستدرک میں اور ذھبی نے تذکرۃ الحفاظ میں وصیت علیؑ کی احادیث نقل کی ہیں۔

آج ہم ابن کثیر کی روح سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا تمام مذکورہ افراد بازاری داستان گو تھے اور ان سے متاثر ہونے والے افراد کند ذہن اور عاجز اشخاص تھے۔

اور اگر ایسا نہیں ہے اور ہرگز ایسا نہیں ہے تو اس سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ ابن کثیر کے مذکورہ الفاظ صرف تعصب اور آل محمدؐ کی دشمنی پر مبنی ہیں، ورنہ علمی دنیا میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

۲۔ رواۃِ حدیث پر طعن و تشنیع کرنا

ابن عبدالبر نے شعبی سے نقل کیا اور اس نے حارث ہمدانی کے متعلق کہا تھا:

حدثنی الحارث و کان احد الکذابین ''مجھ سے حارث نے بیان کیا اور وہ کذابوں میں سے ایک کذاب تھا۔''

ابن عبدالبر نے کہا:۔

لم بین من معنی الحارث کذب وانما نقم علیه افراطه فی حب علی وتفضیله له علی غیره ومن ههنا والله اعلم کذبه الشعبی لان الشعبی یذهب الی تفضیل ابی

بکر والی انه اول من اسلم.(۱)

''حارث کا آج تک کوئی جھوٹ ثابت نہیں ہوا۔ شعبی اس پر اس لئے ناراض ہوا کہ وہ حضرت علیؑ سے زیادہ محبت کرتا تھا اور حضرت کو غیروں سے افضل سمجھتا تھا اسی لئے شبعی نے اسے کاذب کہا ہے اور شعبی حضرت ابوبکر کی تفضیل کا قائل تھا اور وہ یہ نظریہ رکھتا تھا کہ سب سے پہلے ابوبکر نے اسلام قبول کیا۔''

۳۔ آئمہ حدیث پر طعن و تشنیع کرنا

مکتب خلفاء کا پرانا دستور رہا ہے کہ جس بھی امام حدیث نے ایسی حدیث نقل کی جو عوام کے مزاج کے مطابق نہیں تھی تو انہوں نے فوراً امام حدیث پر ہی طعن و تشنیع کا دروازہ کھول دیا۔ اس کے لئے امام حاکم کو بطور نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ ذھبی حاکم کے حالات میں لکھتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے:

ابوعبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد حمدویہ نیشاپوری المعروف ابن البیع ایک عظیم حافظ الحدیث اور امام المحدثین تھے۔ ۳۱۲ھ کو پیدا ہوئے اور ۴۰۵ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے بچپن سے ہی حدیث کو تلاش کیا اور طلب حدیث کے لئے انہوں نے عراق، خراسان اور ماوراء النہر کا سفر کیا اور دو ہزار محدثین سے احادیث نقل کیں۔ انہوں نے چھوٹی بڑی پانچ سو کتابیں لکھیں اور ان کی تالیفات میں سے ایک کتاب فضائل الشافعی بھی ہے۔ ان کے دور کے تمام آئمہ حدیث انہیں اپنے پر مقدم جانتے تھے اور ان کی فضیلت کے معترف تھے اور دل و جان سے ان کا احترام کرتے تھے۔

ذہبی کہتے ہیں۔ ایک دفعہ امام حاکم سے ''حدیث طیر'' کے متعلق پوچھا گیا:

توانہوں نے کہا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو نبی کے بعد علیؑ ہی تمام صحابہ سے افضل قرار پاتے۔ مگر کچھ عرصہ بعد امام حاکم کی رائے بدل گئی اور انہوں نے اسی ''حدیث طیر'' کو اپنی مستدرک میں لکھ دیا۔ ذھبی نے علماء سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے مستدرک حاکم کے متعلق کہا، حاکم نے اس کتاب میں

ایسی احادیث جمع کی ہیں جن کے متعلق وہ سمجھتے تھے کہ یہ بخاری و مسلم کی شرائط پر پوری اترتی ہیں مگر یہ حدیثیں ان سے رہ گئیں۔ مستدرک میں حاکم نے ''حدیث طیر'' اور ''من كنت مولاه فعلي مولاه'' جیسی احادیث بھی نقل کی ہیں۔ اسی لئے اصحاب حدیث نے حاکم کا انکار کیا اور اس کے قول کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔

ذہبی کہتے ہیں: ''حدیث طیر'' بہت سی اسناد سے مروی ہے۔ میں نے ''حدیث طیر'' کے اثبات کے لئے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں اس حدیث کے تمام طرق و اسناد کو جمع کیا ہے۔ اور اسی طرح سے ''من كنت مولاه فعلي مولاه'' کے اسناد بہترین ہیں اور میں نے اس حدیث کے اثبات کے لئے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ ص ۳۹۔ا۔۱۰۴۵)

مئولف کتاب ہذا عرض کرتا ہے کہ ہم رسولِ خدا سے مروی نصوص کے باب میں حدیث ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ'' پر بحث کریں گے۔ ''حدیث طیر'' کا ماحصل یہ ہے کہ انس بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا کے پاس بھنا ہوا ایک پرندہ بھیجا گیا۔ آپ نے دعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو بھیجے جو اسے اپنی تمام مخلوق میں سے زیادہ محبوب ہو اور وہ آپ کے ساتھ مل کر پرندہ کا گوشت کھائے۔ اس دعا کے بعد حضرت علیؑ آئے اور رسولِ خدا کے ساتھ پرندے کا گوشت کھایا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا کے بعد تمام مخلوق میں سے حضرت علیؑ خدا کو زیادہ پیارے تھے۔ اور اس سے علیؑ کی تمام صحابہ پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اسی لئے مکتبِ خلفاء کے علماء نے امام حاکم پر اعتراض کیا کہ اس نے یہ حدیث کیوں لکھ دی۔

ہم نے حدیثِ طیر کو نصوص کے باب میں نہیں لکھا ہے کیونکہ ہم باب النصوص میں فضائل علیؑ کی احادیث کو جمع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس باب میں ہم نے صرف ایسی احادیث کا تذکرہ کیا ہے جن کا تعلق براہ راست مسئلہ خلافت و

امامت سے ہے۔

امام حاکم نے حدیث طیر لکھ کر حضرت علیؑ کی فضیلت کا اقرار کیا ہے اور امام حاکم معاویہ کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ اسی لئے مکتب خلفائے کے علماء کی نظر میں ناپسندیدہ شخصیت قرار پائے اور مذکورہ علماء کے اقوال کی ترجمانی کرتے ہوئے ذہبی نے لکھا: ثقة فی الحدیث ۔ رافضی خبیث

''حاکم حدیث میں ثقہ تھا لیکن وہ رافضی خبیث تھا۔''

كان يظهر التسنن في التقديم والخلافة وكان منحرفا عن معاوية واله. يعني يزيد. متظاهر بذلک ولا يعتذر منه.

''وہ خلافت کی ترتیب کے لئے عقیدہ تسنن کا اظہار کرتا تھا اور وہ معاویہ اور اس کے خاندان یعنی یزید سے منحرف تھا اور اس عقیدہ کو کھل کر بیان کرتا تھا اوراس عقیدہ سے معذرت نہیں کرتا تھا۔''

ذہبی مزید لکھتے ہیں:

قلت : اما انحرافه عن خصوم علی فظاهر واما امر الشيخين فمعظم لهما بكل حال فهو شيعي لارافضي، وليته لم يصنف المستدرک فانه غض من فضائله بسوء تصرفه

''میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ علیؑ کے مخالفین سے اس کا انحراف تو ظاہر ہے اور جہاں تک شیخین کا معاملہ ہے تو وہ ہر حالت میں قابل احترام ہیں بہرحال امام حاکم شیعہ ضرور ہے لیکن رافضی نہیں ہے۔ کاش حاکم نے مستدرک نہ لکھی ہوتی تو بہتر تھا کیونکہ یہ کتاب ان کے فضائل سے انکار کا سبب ثابت ہوئی ہے''

مؤلف کتاب ہذا کہتا ہے کہ امام حاکم کی توہین و تذلیل صرف اس لئے کی گئی کہ وہ حضرت علیؑ سے محبت کرتے تھے اور دشمنان علیؑ سے منحرف تھے۔ اس سلسلہ میں امام شافعی، امام حاکم کے لئے اسوہ حسنہ کا درجہ رکھتے تھے۔ محبت آل محمدؐ کی وجہ سے لوگوں نے امام شافعی پر رفض کے فتوے عائد کئے تھے۔ جس کے جواب میں امام شافعی نے یہ اشعار پڑھے تھے:

قالوا ترفضت قلت کلا ما الرفض دینی ولا اعتقادی
لکن تولیت غیر شک خیر امام وخیر هادی
ان کان حب الوصی رفضا فاننی ارفض العباد

''لوگوں نے کہا کہ تو رافضی ہوگیا ہے، میں نے کہا ہرگز نہیں، رفض نہ تو میرا دین ہے اور نہ ہی میرا اعتقاد ہے۔ البتہ میں نے بغیر شک کے بہتر امام اور بہتر هادی سے محبت کی ہے۔ اگر وصی کی محبت رفض ہے تو میں تمام بندگان خدا سے بڑا رافضی ہوں''

امام شافعی نے اپنی ایک اور نظم میں یہ مصرعہ ارشاد فرمایا تھا:

ان کان رفضا حب آل محمد
فلیشهد الثقلان انی رافضی

''اگر آل محمدؐ کی محبت رفض ہے تو جن وانس گواہی دیں کہ میں رافضی ہوں۔''

---

(۱) دیوان شافعی طبع بیروت اور النصائح الکافیہ عن یتولی معاویۃ میں ''الوصی'' کا لفظ مرقوم ہے جب کہ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں ''الوصی'' کی بجائے ''الولی'' لکھا ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ ''الولی'' لکھنا یہ ان کے کتمان حقیقت کا ایک حصہ ہے۔

اولیائے برصغیر میں سے ایک بزرگ نے کہا تھا:

من علی را دوست دارم خلق گوید رافضی
پس خدا و مصطفیٰ جبریل باهم رافضی

(من المترجم)

محبت کو پوشیدہ رکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے جیسا کہ انہوں نے اپنے ان
اشعار میں خود فرمایا ہے:

مازال کتما منک حتی کاننی
برد جواب السائلین لاعجم
واکتم ودی مع صفاء مودتی
لتسلم من قول الوشاة واسلم

''میں اپنی محبت چھپانے پر مجبور ہو جاتا ہوں اور سوال کرنے
والوں کے جواب میں خاموشی اختیار کرکے گونگا بن جاتا ہوں،
میں اپنی صاف مودت کے باوجود بھی اپنی محبت کو چھپاتا ہوں
تاکہ چغل خوروں کی باتوں سے محفوظ رہ سکوں۔''

اس تمام تر احتیاط و خاموشی نے امام شافعی کو کوئی فائدہ نہ دیا اور لوگوں نے
ان پر رفض کا فتویٰ لگا دیا اور رفض کا فتویٰ صرف امام شافعی تک ہی محدود نہ رہا بلکہ
اسے محبّ آلِ محمدؑ کا لقب دیا گیا۔

مکتبِ خلفاء سے وابستہ علماء کا یہ پرانا وطیرہ رہا ہے کہ جن رواۃ نے بھی
آلِ محمدؑ کی مدح میں کوئی حدیث بیان کی تو ان پر تشیع اور رفض کا گھسا پٹا الزام لگا
کر عوام الناس کی نظروں میں بے وقعت بنانے کی کوشش کی گئی اور انہوں نے مدح
آلِ محمدؑ کی ہر حدیث کو ضعیف کہہ کر رد کیا اور جس نے بھی ان کے سامنے ایسی
حدیث سے استدلال کیا تو فوراً اس حدیث کو ضعیف کہہ کر ٹھکرا دیا، اور یوں راویانِ
حدیث کو معنوی طور پر قتل کیا گیا، اور تاریخ میں ایسے واقعات بھی موجود ہیں جب
کسی عالم دین کو صرف معنوی طور پر ہی نہیں بلکہ جسمانی طور پر بھی قتل کیا گیا۔ اور

اس فضل عشق کو بہت سے علماء نے اپنے خون سے رنگین کیا ہم یہاں نمونہ کے لئے صرف ایک عالم دین کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

امام نسائی کی شہادت

ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ کے ص ۶۸۹ اور ابن خیات نے وفیات الاعیان ۱/۵۹ پر لکھا جس کا ماحصل یہ ہے:

حافظ، امام، شیخ الاسلام ابوعبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی اپنے دور کے امام حدیث تھے اور انہوں نے کتاب السنین تالیف کی۔ آپ حدیث کی مکمل پہچان رکھتے تھے اور آپ نے بلند اسناد سے احادیث کی روایت کی۔ آپ نے مصر میں رہائش اختیار کی۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے اورآپ کی راتیں عبادت الٰہی میں بسر ہوتی تھیں۔ آپ نے امیر مصر کے ساتھ غزوات میں شرکت کی اورامیر مصر کے ساتھ خورد ونوش سے پرہیز کرتے تھے۔

آپ زندگی کے آخری ایام میں حج کے لئے روانہ ہوئے اور دمشق پہنچے۔ آپ نے دمشق میں رہ کر فضائل امیر المومنین پر ایک کتاب لکھی جس کا نام خصائص نسائی ہے۔

اس کتاب میں انہوں نے زیادہ روایات احمد بن حنبل سے نقل کیں۔ اہل شام کو ان کی یہ کتاب پسند نہ آئی۔ اس کتاب کے متعلق امام نسائی خود لکھتے ہیں:

''میں دمشق میں داخل ہو اور وہاں حضرت علیؑ سے انحراف کرنے والوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس چیز کو مدنظر رکھ کر میں نے یہ کتاب لکھی اور امید کرتا ہوں کہ خدا اس کتاب کے ذریعہ ان کو ہدایت دے گا۔''

امام نسائی نے دمشق میں خطبہ دیا، جس میں انہوں نے حضرت علیؑ کے فضائل کی احادیث بیان کیں اہل شام فضائل علیؑ کو برداشت نہ کرسکے اور امام نسائی سے کہا:

''کیا تم فضائل معاویہ کی احادیث بیان نہیں کرو گے''؟

امام نسائی نے جواب میں کہا:

میں معاویہ کی فضیلت میں کون سی حدیث بیان کروں؟ کیا میں یہ حدیث بیان کروں:

اللهم لا تشبع بطنه ''اللہ! معاویہ کے پیٹ کو کبھی نہ بھرنا''

امام نسائی کا یہ جواب سن کر سوال کرنے والے خاموش ہوگئے۔ پھر انہوں نے کہا۔ کیا معاویہ کے فضائل میں کوئی احادیث مروی نہیں ہیں؟

امام نسائی نے کہا۔ اگر معاویہ خدا کے عذاب سے بچ جائے تو یہی اس کے لئے کافی ہے اس کی فضیلت کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لوگوں نے یہ سن کر امام نسائی پر حملہ کر دیا اور اس کے خصیتین پر شدید چوٹیں آئیں امام نسائی بے ہوش ہوگئے اور انہیں اٹھا کر مسجد سے باہر پھینک دیا گیا۔ امام نسائی کو وہاں سے ''رملہ'' لے جایا گیا۔ جہاں وہ چوٹوں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہوگئے۔

حافظ ابونعیم کہتے ہیں: انہیں چوٹوں کی وجہ سے امام نسائی کی وفات ہوئی۔

دارقطنی کہتے ہیں: امام نسائی کی دمشق میں آزمائش ہوئی اور انہوں نے شہادت پائی اور یہ واقعہ سن ۳۰۳ھ میں پیش آیا۔

----------☆----------

چوں نام حق بلند شود دارمی شود

شہدائے راہ حق کی ایک طویل فہرست ہے۔ سنت رسولؐ کی نشرو اشاعت کے لئے صرف امام نسائی ہی شہید نہیں ہوئے بلکہ نبی اکرم کے فداکار اور جانثار صحابی حضرت ابوذر کو بھی اسی جرم میں ربذہ کے لق و دق صحرا میں جلا وطن کر دیا گیا تھا، جہاں انہوں نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔

اگر شہدائے راہ حق کی داستانیں ملاحظہ کرنی ہوں تو علامہ امینی کی کتاب "شهداء الفضيلة" کا مطالعہ فرمائیں۔

جب فضائل علیؑ بیان کرنے پر زبانیں کٹتی ہوں اور فضائل آلِ محمدؑ لکھنے پر ہاتھ قلم ہوتے ہوں تو ان روح فرسا حالات میں آلِ محمدؑ کے فضائل لکھنے اور بیان کرنے کی کس میں جرأت ہوسکتی تھی؟ مگر یہ صداقت آل محمدؑ کا زندہ معجزہ ہے کہ ایسے حالات کے باوجود بھی ان کے فضائل سے کتابیں چھلک رہی ہیں اور معاویہ کے ماننے والے اگرچہ اس کے لیے حدیث سازی کرتے رہے مگر آج ان کے دامن میں ایک حدیث میں دکھائی نہیں دیتی اور اگر معاویہ کی فضیلت میں احادیث دکھائی دیتیں تو ابن کثیر کو یہ ضرورت کبھی محسوس نہ ہوتی کہ مذمت معاویہ کی حدیث کو کھینچ تان کر اس سے فضیلت معاویہ کو ثابت کرتا پھرے۔

جب زمینی حقائق یہ ہوں اور حق کہنے پر پابندی ہو اور علیؑ نام رکھنا تک جہاں جرم قرار دیا جاچکا ہو اور جہاں اسی (۸۰) ہزار مساجد و منبر سے حضرت علیؑ پر سب وشتم کیا جاتا ہو، وہاں سنتِ رسولؐ کی نشرواشاعت کیسے ممکن ہوسکتی ہے؟

---------☆---------

کتاب اور کتاب خانوں کو نذر آتش کرنا

مسلک خلافت نے اپنی علم دشمنی کا ہر سطح پر مظاہرہ کیا اورانہوں نے پوری کوشش کی کہ کوئی ایسی حدیث عوام الناس کے گوش گزار نہ ہونے پائے جس میں حضرت علیؑ اور ان کے خاندان کی تعریف و توصیف کی گئی ہو۔ اور انہوں نے تفصیلی ذکر آپ کتاب ہذا کے مصادر شریعت اسلامیہ کے ابواب میں ملاحظہ کریں گے۔
یہاں صرف اتنا لکھنا ہی کافی سمجھتے ہیں۔

طبقات ابن سعد میں مرقوم ہے:

ان الاحاديث كثرت على عهد عمر فانشد الناس ان ياتوه بها، فلما اتوه بها، امر بتحر يقها.

''حضرت عمرؓ کے عہد میں احادیث کی کثرت ہوگئی ۔ انہوں نے حکم دیا کہ لوگ احادیث کے مجموعے لے کر ان کے پاس آئیں۔ لوگ اپنے اپنے خیالات کے مجموعے لے کر پہنچے تو حضرت عمرؓ نے ان کے جلا دینے کا حکم دیا۔''

زبیر بن بکار لکھتے ہیں:

سلیمان بن عبدالملک اپنی ولی عہدی کے دور میں حج کرنے کی غرض سے مدینہ سے گزرا۔ اس نے حضرت عثمانؓ کے فرزند ابان کو حکم دیا کہ وہ اس کے لئے نبی کریمؐ کی سیرت وغزوات کے واقعات قلم بند کرے۔

ابان نے کہا۔ اس کے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ میرے پاس پہلے ہی سے سیرت وغزوات نبوی کا مواد لکھا ہوا موجود ہے اور میں نے یہ مواد باوثوق افراد سے جمع کیا ہے۔

سلیمانؑ نے اس نسخے کو نقل کرنے کے لئے دس کاتب مقرر کئے۔ جب نسخہ مکمل ہوگیا تو سلیمانؑ نے اسے سرسری نظر سے دیکھا، اس میں انصار کی بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ کا ذکر موجود تھا اور بدر کے حوالہ سے انصار کا ذکر موجود تھا۔ سلیمانؑ نے انصار کی فداکاری کے واقعات پڑھنے کے بعد کہا:

میں تو انصار کی کسی ایسی فضیلت سے واقف نہیں تھا معلوم ہوتا ہے کہ میرے خاندان والوں نے یا تو ان پر ظلم کر کے انہیں دبایا ہے یا پھر ان کی فضیلت کی یہ داستانیں جھوٹ پر مبنی ہیں۔

ابان بن عثمان نے کہا:

امیر! یہ سچ ہے کہ انصار نے میرے والد خلیفہ مظلوم کی کوئی مدد نہیں کی تھی لیکن اس کے باوجود ہمیں حق کو چھپانا نہیں چاہئے اور اس کتاب میں اس کی جو خدمات درج ہیں وہ حقائق پر مبنی ہیں۔

سلیمانؑ نے کہا: ہمیں ایسی کتاب کی ضرورت ہی نہیں ہے جس میں ہمارے خاندان کی تعریف کی بجائے انصار کی تعریف ہو پھر اس نے اس کتاب کو نذر آتش کرنے کا حکم صادر کیا: اور اس کے حکم کی تعمیل ہوئی اور کتاب جلا دی گئی۔ حج سے واپسی پر سلیمان نے اس واقعہ کا ذکر اپنے والد عبدالملک سے کیا تو اس نے کہا۔ ہمیں ایسی کتاب کی ضرورت ہی کیا ہے جس میں ہماری کوئی فضیلت نہ ہو اور ہم اہل شام کو دوسرے امور سے مطلع کرنا پسند نہیں کرتے۔ لہذا تم نے کتاب نذر آتش کر کے بہت اچھا کیا ہے۔

سلیمان نے کہا۔ مجھے بھی آپ سے اس بات کی توقع تھی۔

☆

بغداد کے اسلامی کتاب خانہ کی تباہی

ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ۱۲/۱۹ اپر ۴۱۶ھ کے واقعات کے تحت سابور بن اردشیر کے متعلق تحریر کیا:

سابور بن اردشیر ایک مخیّر اور سلیم الطبع شخص تھا اور جب وہ آذان سنتا تو دنیا کے تمام کاروبار چھوڑ دیتا تھا۔ اس نے ۳۱۸ھ میں ایک لائبریری قائم کی تھی اور اس میں اس نے نفیس کتابیں جمع کیں اور لائبریری کے لئے اس نے غلہ کی ایک کثیر مقدار وقف کی تھی۔ یہ مکتبہ ستر سال تک قائم رہا اور ۴۵۰ھ میں طغرل کی آمد کے ساتھ اس مکتبہ کو نذر آتش کر دیا گیا۔ یہ مکتبہ 'محلہ بین السورین'' میں واقع تھا۔

حموی نے معجم البلدان میں ''بین السورین'' کے متعلق لکھا:

''بین السورین'' کے کرخ کے ایک بڑے محلّہ کا نام ہے یہاں ایک عظیم الشان لائبریری تھی جسے وزیر بہاء الدولہ نے وقف کیا تھا۔ اس وقت پوری روئے زمین پر اس مکتبہ کی کوئی نظیر نہیں تھی۔ اور اس میں ہرفن کے آئمہ کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتابیں موجود تھیں۔ بنی سلجوق کے پہلے سلطان طغرل بیگ کی آمد کے وقت یہ عظیم الشان کتب خانہ جلا دیا گیا۔

ابن کثیر نے شیخ ابوجعفر طوسی کے حالات زندگی کے ضمن میں ۴۶۰ھ کے واقعات میں لکھا:

اس سال کرخ میں شیخ طوسی کا کتب خانہ جلا دیا گیا۔ مصر میں فاطمی خلفاء کے کتب خانوں کو بڑی بے دردی سے تباہ کیا گیا۔ چنانچہ مقریزی المتوفی ۸۴۸ھ نے فاطمی خلفاء کے کتب خانوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک کتب خانہ کے متعلق لکھا۔

یہ کتب خانہ دنیا کے عجائبات میں سے ایک عجوبہ تھا اور اس وقت پوری اسلامی قلمرو میں اس سے بہتر کتب خانہ کہیں موجود نہیں تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کتب خانہ میں چھ لاکھ ایک ہزار کتابیں تھیں۔ اس کی جلدوں کے چمڑوں سے ایوبی فوج کے جوتے تیار کرائے گئے اور اس کتب خانہ کو جلانے کی وجہ یہ ہے کہ فاتح افواج نے یہ محسوس کیا کہ اس کتب خانہ میں ایسی کتابیں رکھی گئی ہیں جو ان کے نظریات سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ اسی لئے بہت سی کتابیں دریا میں بہائی گئیں اور باقی کتابوں کو نذر آتش کیا گیا اور اس کتب خانہ کی راکھ کا ڈھیر آج بھی ایک بہت بڑے ٹیلے کی شکل میں موجود ہے اور اسے کتابوں کا ٹیلہ کہا جاتا ہے۔

(خطط المقریزی ۲/۲۵۴۔۲۵۵)

قارئین کرام! جب مذہبی تعصب یہاں تک پہنچ جائے کہ مخالفین کے نفیس اور بے نظیر کتب خانے نذر آتش ہونے لگیں تو وہاں پوری سنتِ رسولؐ کے ذخیرہ ملنے کی توقع کرنا غلطی ہوگی اور ان کتب خانوں کے جلنے سے رسولِؐ خدا کی بہت سی احادیث بھی نذر آتش ہوئی ہوں گی۔ اگر آج وہ عظیم الشان کتب خانے دنیا میں موجود ہوتے تو ممکن ہے کہ آل رسولؐ کے حق میں ہمیں بہت زیادہ احادیث دکھائی دیتیں۔

اخفائے سنت کی اقسام میں سے تحریف سنتِ رسولؐ اور تحریف سیرتِ صحابہ اہم ترین قسم ہے۔ ہم ان دونوں کی کچھ وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔

۹۔ سیرت صحابہ میں تحریف

مکتب خلفاء سے وابستہ علماء نے سیرت صحابہ میں تحریف اور ردوبدل کی ہے اس کے لئے ہم حضرت امام حسین علیہ السلام کے اس خطبہ کو بطور نمونہ پیش

کرتے ہیں۔

طبری اور ابن اثیر نے اپنی تاریخوں میں لکھا کہ امام حسین علیہ السلام نے روز عاشورا اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

اما بعدا فانسبونی ، فانظروا من انا ثم ارجعوا الی انفسکم وعا تبوها هل یجوز لکم قتلی وانتهاک حرمتی؟ الست ابن بنت بنیکم وبن وصیه وابن عمه اول المئومنین بالله والمصدق لرسولِہ بما جآء من عند ربه؟ اولیس حمزة سید الشهداء عم ابی اویس جعفر الطیار ذوالجناحین عمی ..... (۲)

(تاریخ طبری طبع یورپ۲/۳۲۹ تاریخ ابن اثیر طبع یورپ۴/۵۲۔طبع مصر۴/۲۵)

''اما بعد ! تم میرا نسب بیان کرو اور غور کرو کہ میں کون ہوں، پھر تم اپنے دلوں میں فیصلہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرواور سوچو کیا تمہارے لئے میرا قتل اور میری بے حرمتی جائز ہے؟ اور کیا میں تمہارے نبی کی بیٹی کا فرزند نہیں ہوں؟ اور کیا میں رسولِ خدا کے وصی اور ان کے ابن عم اور خدا پر سب سے پہلے ایمان لانے والے اور رسولؐ کی خدائی احکام کے متعلق تصدیق کرنے والے کا بیٹا نہیں ہوں؟ اور کیا سید الشہدا حمزہ میرے والد کا چچا نہیں ہے اور کیا دو پروں سے پرواز کرنے والا جعفر میرا چچا نہیں ہے۔''

اس خطبہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے والد کو وصی رسولؐ اور اول المومنین کہا ہے اور یہ دونوں باتیں مکتب خلفاء کے لئے قابل قبول نہیں ہیں۔ اس لئے ابن کثیر نے اس خطبہ میں اپنی طرف سے تحریف کی اور اس نے خطبہ کو اس

شکل میں ڈھالا:

راجعوا انفسکم وحا سبوھا ھل یصلح لکم قتال مثلی وانا ابن بنت نبیکم ولیس علی وجه الارض ابن بنت بنی غیری وعلی ابی وجعفر ذوالجناحین عمی وحمزة سید الشھداء عم ابی.

''تم اپنے دلوں میں خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ کیا مجھ جیسے انسان سے تمہاری جنگ درست ہے جب کہ میں تمہارے نبی کی بیٹی کا فرزند ہوں اور اس وقت پوری روئے زمین پر میرے علاوہ نبی کا کوئی نواسہ موجود نہیں ہے۔ اور علیؑ میرا باپ ہے اور دو پروں والا جعفر میرا چچا ہے اور سید الشہداء حمزہ میرے والد کا چچا ہے۔''

ابن کثیر نے اپنے مذہبی تعصب کی وجہ سے امام حسین علیہ السلام کے خطبہ میں سے وصایت علیؑ کے الفاظ کو حذف کر دیا کیونکہ حضرت علیؑ کی وصایت کا عقیدہ اس کے اصول مذہب کے منافی تھا۔ لہذا اس نے اس کا آسان طریقہ یہی نکالا کہ خطبہ میں سے ان الفاظ کو ہی حذف کر دیا۔ اس نے اپنے مسلک کو بہت سے سوالیہ نشانات سے بچانے کے لئے امام مظلوم کے سارے خطبہ میں تحریف کر دی۔

حق چھپانے کی یہ قسم مکتبِ خلافت میں قدیم الایام سے رائج ہے اور کتمان حق کی یہی روش سیرتِ پیغمبر کے ساتھ روا رکھی گئی ہے جسے ہم کتمان حق کی دسویں قسم کے ضمن میں بیان کریں گے۔

۱۰۔ صحیح روایات کے بدلے خود ساختہ روایات کو رائج کرنا

مکتب خلافت سے وابستہ علماء نے دانستہ طور پر صحیح روایات کو چھوڑ کر خود

ساختہ روایات کی نشر واشاعت کی اور یہ سب کچھ انہوں نے اپنے ممدوح افراد کی حمایت میں کیا اور مذکورہ علماء نہیں چاہتے تھے کہ اصل حقائق عوام الناس پر واضح ہوں کیونکہ انہیں اس بات کی خبر تھی کہ اگر عوام الناس اصل حقائق سے آگاہ ہو گئے تو حکام وسلاطین سے ان کی عقیدت ختم ہو جائے گی۔

اس کے لئے بطور نمونہ ہم صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

طبری اپنی تاریخ میں حضرت ابوذر کے متعلق لکھتے ہیں:

اس سال ابوذر اور معاویہ کے درمیان جو کچھ ہوا اس کے بعد معاویہ نے انہیں شام سے مدینہ بھیج دیا اگرچہ اس بارے میں بہت سی باتیں کہی گئی ہیں لیکن میں ان میں سے اکثر باتوں کا نقل کرنا پسند نہیں کرتا تاہم جن لوگوں نے اس معاملے میں معاویہ کے لیے عذر خواہی کرنا چاہی ہے۔ انہوں نے ایک داستان نقل کی ہے جو سری نے میرے لیے لکھی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ شعیب نے اسے سیف سے روایت کیا ہے کہ-----

اس کے بعد طبری نے سیف کی باقی روایت کو جو اس نے ابوذر اور معاویہ کی داستان کے سلسلے میں نقل کی ہے اپنی تاریخ میں ثبت کر دیا ہے۔

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن اسوداء نے ابوذر کو اکسایا کہ وہ معاویہ اور عثمان کے خلاف شورش برپا کریں واضح رہے کہ ابن اسوداء یعنی عبد اللہ بن سبا سیف کا تخلیق کردہ فرضی کردار ہے جسے سیف نے گھڑا اور اس کا تعارف ایک یہودی کے طور پر کر دیا جس نے بظاہر اسلام قبول کیا تھا اور سبائیوں کا گروہ تشکیل دیا۔

مکتب خلافت کا ایک اور عالم ابن اثیر اپنی تاریخ کامل میں یوں کہتا ہے۔

اس سال یعنی ۳۰ھ میں ابوذر کی داستان اور معاویہ کا انہیں شام سے

مدینہ بھجوانے کا واقعہ پیش آیا۔ اس طرز عمل کی توجیہ کے سلسلے میں بہت سی باتیں لکھی گئی ہیں اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ معاویہ نے انہیں بُرا بھلا کہا اور قتل کر دینے کی دھمکی دی۔ پھر انہیں بے کجا وہ اونٹ پر سوار کر کے شام سے مدینہ بھیج دیا اور ان کی مدینہ سے جلا وطنی ایسی ناگوار اور تکلیف دہ حالت میں انجام پائی کہ اس کا بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔

آیئے دیکھیں یہ ''سیف'' کون ہے جس سے طبری نے یہ واقعہ نقل کیا ہے اور معاویہ کے وہ خواہوں نے اس واقعہ کو اپنے لیے سند بنالیا ہے۔ اسی لئے ضروری ہے کہ ہم سیف کی شخصیت اور اس کی روایات کا ہلکا سا جائزہ لیں۔

اس کا نام سیف بن عمر تمیمی تھا اور اس کی وفات ۱۷۰ھ کے لگ بھگ واقع ہوئی۔ اس نے عہد پیغمبر اور سقیفہ وبیعت ابی بکر اور مرتدین سے غزوات اور فتوحات مسلمین اور جنگ جمل کے متعلق روایات بیان کی ہیں:۔

علمائے رجال نے اس کے لئے متفقہ فیصلہ صادر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

ضعیف متروک الحدیث لیس بشئی کذاب ، کان یضع الاحادیث واتھم بالزندقۃ.

''سیف ضعیف اور متروک الحدیث ہے، وہ کچھ بھی نہیں ہے، وہ بدترین جھوٹا ہے' وہ اپنی طرف سے احادیث بنایا کرتا تھا اور اس پر زندیق ہونے کا الزام لگایا گیا۔'' (۱)

---

(۱) یحییٰ بن معین المتوفی ۲۳۳ھ، ابوداؤد المتوفی ۲۷۵ھ امام نسائی المتوفی ۳۰۳ھ ابن ابی حاتم الرازی المتوفی ۳۲۷ھ، ابن حبان ۳۵۴ھ اور حاکم المتوفی ۴۰۵ھ نے سیف کو ضعیف اور کذاب قرار دیا۔ اس کی مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''عبداللہ بن سبا'' جلد اول کا مطالعہ کریں۔

سیف کی روایات کی نوعیت

سیف دنیا کا بدترین کذاب تھا۔ اس نے ایک سو پچاس خود ساختہ صحابی تراشے جن میں سے ترانوے خود ساختہ صحابیوں کی بحث ہماری کتاب ''ایک سو پچاس خود ساختہ صحابی'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ سیف نے اپنے قبیلہ تمیم میں سے انتیس (۲۹) صحابی تراشے اور ان کی زبانی فتوحات، معجزات اور اشعار و واقعات بیان کیے!

سیف کا کرشمہ یہ ہے کہ اس نے ایسے افراد سے روایات حاصل کی تھیں جنہیں خدا نے پیدا ہی نہیں کیا تھا۔ زمین پر تو ان کا کوئی وجود نہیں تھا البتہ سیف کے ذہن میں ان کے خاکے موجود تھے۔

سیف نے اپنے خود ساختہ صحابیوں سے بہت سی روایات حاصل کی تھیں مگر اس نے روایات میں بھی فرق روا رکھا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے ہی ایک خود ساختہ راوی محمد بن مسعود بن فویرہ سے دو سو سالہ احادیث روایت کیں اور کچھ اور خود ساختہ صحابہ سے اس سے کچھ کم روایات نقل کیں اور اپنے تخلیق کردہ ایک کردار سے ایک روایت بھی نقل کی تھی۔

سیف نے شعر بھی تراشے اور اسے عرب و روم کے مشاہیر کے نام سے منسوب کیا اور اس نے تاریخی واقعات کے سن وسال تبدیل کیئے، اور تاریخ اسلامی میں مذکور اسلامی شخصیات کے ناموں میں بھی رد وبدل کیا اور اس نے مرتدین کے ساتھ کئی خیالی جنگیں بھی تخلیق کی تھیں اور ان خود ساختہ جنگوں کے حوالے سے ہزاروں افراد کے قتل ہونے کی داستانیں تراشی تھیں اور اس نے ان فرضی جنگوں سے

یہ تاثر ابھارنے کی کوشش کی تھی کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔

سیف کی خود ساختہ روایات کو مکتبِ خلافت میں بہت پذیرائی نصیب ہوئی اور ستر (۷۰) سے زیادہ کتابوں میں اس کی خود ساختہ روایات موجود ہیں۔ جس میں احادیث تاریخ اور ادب کی کتابیں شامل ہیں۔

سیف نے عہد نبوی سے لے کر دور معاویہ تک کی تاریخ اپنے خود ساختہ نظریات کے تحت تراشی تھی اور مکتبِ خلافت کے امام المورخین محمد بن جریر طبری نے اپنی کتاب میں اس کی بہت سی روایات نقل کی ہیں اور اس کے تراشے ہوئے افسانوں میں سے کچھ نمونے حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ ایک دفعہ مسلمانوں کا لشکر مسلسل ایک دن اور رات تک سطح سمندر پر چلتا رہا اور سمندر پر چلنے سے ان کے پاؤں تک نہ بھیگے۔

۲۔ جنگ قادسیہ کے موقع پر اسلامی لشکر کے لئے عاصم بن عمرو تمیمی جانور تلاش کرنے کے لئے گیا۔ واضح رہے کہ عاصم بن عمرو تمیمی بھی سیف کا خود ساختہ کردار ہے۔ بہر نوع اس نے ایک ایرانی سے کہا کہ مجھے اپنے لشکر کو گوشت کھلانا مقصود ہے اگر تم مجھے گائے کے گلہ کے متعلق بتاؤ تو یہ تمہاری مہربانی ہوگی۔

ایرانی نے گائے کے گلے کو چھپایا ہوا تھا اور اس نے کہا کہ اس علاقہ میں گائے نہیں پائی جاتی۔ اس وقت ایک گائے نے عربی زبان میں پکار کر کہا کہ ہم یہاں موجود ہیں۔ اس نے ہمیں چھپایا ہوا ہے۔ تم آؤ اور ہمیں اپنے ساتھ ہانک کر لے جاؤ۔ ہماری خواہش ہے کہ لشکر اسلام ہمیں ذبح کر کے ہمارا گوشت کھائے۔

۳۔ جنگ قادسیہ کی فتح پر خبات نے خوشی سے اشعار کہے تھے اور انہوں نے

بنی تمیم کی فدا کاری کی تعریف کی تھی۔

۴۔ شوش کا شہر مسلمان فوج سے فتح نہیں ہو رہا تھا۔ دجال نے قلعہ شوش کے دروازہ پر پاؤں کی ٹھوکر ماری اور ''افتح بظار'' کے الفاظ کہے۔ جس سے شہر شوش کا دروازہ کھل گیا اور مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔

۵۔ ''بہر سیر'' کی فتح کے وقت اسود بن قطبہ تمیمی کی زبان سے فرشتوں نے گفتگو کی۔

الغرض سیف کی جھوٹی داستانوں کو محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں جگہ دی اور تاریخ طبری سے یہ جھوٹی داستانیں باقی کتابوں میں منتقل ہوئیں۔

تاریخ طبری ہی بنیادی ماخذ ہے:۔

محمد ابن جریر طبری کے بعد مکتب خلافت کے جتنے بھی نامور مورخین پیدا ہوئے وہ بنیادی طور پر طبری کے خوشہ چین تھے۔

ابن اثیر ایک مشہور مورخ گذرے ہیں انہوں نے تاریخ کامل تالیف کی تھی۔ وہ اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

میں نے اس کتاب میں اتنا مواد جمع کیا ہے جو کہ کسی بھی کتاب میں جمع نہیں ہے۔ مواد کے انتخاب کے لئے میں نے تاریخ طبری کی طرف رجوع کیا کیونکہ ابن جریر کی یہ کتاب تمام لوگوں کے نزدیک مستند شمار ہوتی ہے اور اختلاف روایات کے وقت طبری کی روایت فیصلہ کن تسلیم کی جاتی ہے۔

طبری کے علاوہ میں نے دوسری مشہور تواریخ کی طرف رجوع کیا اور میں نے ان کے وہ اقتباس اپنی کتاب میں درج کئے جو کہ تاریخ طبری میں نہیں تھے۔۔۔ اصحاب رسولؐ کے باہمی اختلافات کے متعلق میں نے تاریخ طبری کے ساتھ کسی اور

تاریخ کی روایت کو شامل نہیں کیا۔ البتہ اگر کسی دوسری تاریخ میں بیان کی وضاحت یا کسی انسان کا نام موجود تھا تو میں نے اسے ضرور نقل کیا یا صرف ایسی روایت کو نقل کیا جس سے کسی پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا تھا۔

بہر نوع میں نے اپنی تاریخ میں مذکورہ تواریخ اور مشہور کتب سے استفادہ کیا ہے اور میں نے صرف ایسے راویوں کی روایات نقل کی ہیں جن کی صداقت مسلم اور جن کی صحت تدوین معلوم ہے۔

ابن کثیر بھی محمد بن جریر کا خوشہ چین تھا۔ چنانچہ اس نے واقعات ارتداد و فتوحات کے آخر میں یہ الفاظ لکھے:

یہ ابن جریر طبری کے بیان کردہ واقعات کا ماحصل ہے۔ ابن جریر فن تاریخ کے امام تھے۔ ابن جریر نے اہل ہوا اور شیعوں سے روایات نقل نہیں کیں کیونکہ شیعوں نے صحابہ کے متعلق خود ساختہ داستانیں بنائی ہوئی ہیں اسی لئے ابن جریر نے ان سے روایات لینے میں تامل سے کام لیا۔

ابن خلدون بھی فن تاریخ میں ابن جریر طبری کے مقلد تھے۔ انہوں نے اپنی تاریخ میں لکھا:

یہاں ہم ارتداد فتوحات اور غزوات واتفاق واتحاد کے واقعات کا اختتام کرتے ہیں اور ہم نے یہ واقعات بطور خلاصہ ابن جریر طبری کی تاریخ نقل کی ہیں۔ ابن جریر کی کتاب تمام قسم کے اعتراضات سے ارفع واعلیٰ ہے اور اس کتاب میں امت کی بزرگ شخصیات اور خاص طور پر صحابہ کرام کے متعلق نہایت محتاط انداز اختیار کیا گیا ہے۔

علماء کی مذموم روش اور سیف کی روایات

طبری نے رسولِ خدا کے صادق اللہجہ صحابی حضرت ابوذر اور معاویہ کے اختلافات کے متعلق یہ الفاظ لکھے:

ابوذر اور معاویہ کے اختلافات کے وجوہات میں سے اکثر کا ذکر کرنا مجھے ناپسند دکھائی دیا، تاہم جن لوگوں نے اس معاملے میں معاویہ کے لئے عذرخواہی کرنا چاہی ہے۔ انہوں نے سیف کی بیان کردہ داستان کا سہارا لیا ہے۔

ابن اثیر لکھتا ہے:

اس سال ابوذر کی داستان اور معاویہ کا انہیں شام سے مدینہ بھجوانے کا واقعہ پیش آیا۔ اس طرز عمل کی توجیہہ کے لئے بہت سی باتیں کہی گئی ہیں اور واقعات یہ ہیں کہ معاویہ نے ابوذر کو گالیاں دیں اور قتل کر دینے کی دھمکی دی پھر انہیں بے کجاوہ اونٹ پر سوار کر کے شام سے مدینہ بھیج دیا اور ان کی مدینہ سے جلا وطنی ایسی ناگوار اور تکلیف دہ حالت میں انجام پائی کہ اس کا بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔''

پھر اس کے بعد ابن اثیر نے طبری سے سیف کی تراشی ہوئی داستان نقل کی، اور کہا کہ معاویہ کے خیر خواہ معاویہ کے لئے اس روایت کو بطور جواز پیش کرتے ہیں۔

ابوذر و معاویہ کے اختلافات کی وجوہ کو دوسرے راویوں نے بھی بیان کیا تھا مگر طبری اور ابن اثیر نے جان بوجھ کر ان کی روایات کو نقل نہیں کیا اور ان کی بجائے سیف جیسے اعلیٰ درجہ کے کذاب کی روایت کو نقل کیا۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہی تھی کہ اگر طبری او ابن اثیر دوسرے راویوں کی روایات کو نقل کرتے تو

معاویہ کا جرم ثابت ہوتا تھا اور ابوذر کی مظلومیت واضح ہوتی تھی، جب کہ سیف کذاب کی روایت سے معاویہ کی بے گناہی اور ابوذر کا جرم ثابت ہوتا تھا اسی لئے طبری نے دوسری روایات کونقل کرنا پسند نہیں کیا کیونکہ وہ ''آبگینوں'' کوٹھیس پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔

ابن کثیر نے جنگ جمل کے واقعات لکھنے کے بعد تحریر کیا:

یہ ابن جریر طبری کے اس بیان کا ماحصل ہے جو اس نے ان معاملات کے آئمہ سے نقل کیا ہے۔ اور ان معاملات کے آئمہ سے مراد سیف زندیق اور اس کے خود ساختہ راوی ہیں۔

ابن خلدون کے تاریخ طبری کی روایات کو صحیح قرار دینے کی واحد وجہ یہ بیان کی ہے۔

طبری کی روایات ہمارے ہاں قابل اعتماد ہیں کیونکہ ان میں بزرگان امت پر طعن وتشنیع نہیں پائی جاتی۔

مسلکِ خلافت کے علمائے نے ہمیشہ ایسی روایات کوضعیف ومجہول کہہ کر ٹھکرایا، جن سے ان کے ممدوح افراد پر کسی طرح کا اعتراض وارد ہوتا تھا اور اس کی بجائے انہوں نے ایسی خود ساختہ روایات کونقل کیا جن سے الٹا مظلوم ہی ظالم دکھائی دیتا ہو اور یقیناً یہ حرکت تاریخ کا چہرہ مسخ کرنے کی مذموم کوشش ہے۔ جیسا کہ ابوذر کا واقعہ اس کی ایک مثال ہے۔ طبری اور اس کے مقلد علماء نے سیف زندیق کی روایات نقل کر کے ابوذر کو عبد اللہ بن سبا کا پیروکار قرار دیا اور معاویہ کو حق وصداقت کا نقیب قرار دیا۔

اسی طرح سے مسلکِ خلافت کے علماء ابو محجن ثقفی کی روایت کے متعلق

بڑے پریشان ہوئے اور مختلف توجیہات سے سعد بن ابی وقاص کے عمل کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوششیں کیں۔

الاستیعاب، اسد الغابہ اور الاصابہ میں ہے کہ ابو محجن ثقفی شراب کا رسیا شخص تھا۔ حضرت عمر نے شراب نوشی کی وجہ سے اس پر سات مرتبہ حد شرعی جاری کی تھی لیکن وہ اس سزا کے باوجود بھی شراب نوشی سے باز نہ آیا۔ حضرت عمر نے اسے مدینہ سے جلا وطن کر دیا تھا۔

ابو محجن سعد بن ابی وقاص کے لشکر میں شامل ہوگیا اور وہاں بھی اس نے شراب نوشی کی۔ سالار لشکر سعد بن ابی وقاص نے اسے قید کر دیا اور جب جنگ قادسیہ اپنے عروج پر پہنچی تو سعد بن ابی وقاص کی بیوی نے اسے آزاد کر دیا۔ اس نے جنگ میں بہادری کے کارنامے سرانجام دیئے۔ اس کے جنگی جوہر کو دیکھ کر سعد نے اس سے کہا: ''خدا کی قسم! ہم شراب کی وجہ سے تمہیں کبھی کوڑے نہیں ماریں گے۔''

ابو محجن نے کہا۔ اگر یہی بات ہے تو میں پھر شراب نہیں پیوں گا۔

یہ ایک سیدھا سا واقعہ ہے اور اس واقعہ سے سعد بن ابی وقاص پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حدود الہٰی کو معطل کرنے کا اختیار سعد کو کب سے ملا؟ اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان سے غلطی صادر ہوئی۔

چنانچہ ابن حجر نے ابن فتحون کے حوالہ سے اس واقعہ کو اپنی کتاب الاصابہ میں ابی محجن ثقفی کے حالات کے ضمن میں درج کیا اور الاستیعاب کے مؤلف ابن عبدالبر تنقید کرتے ہوئے لکھا۔

ابن فتحون نے ابن عبد البر پر ابی محجن ثقفی کے واقعہ کے متعلق شدید تنقید

کی ہے کیونکہ ابن عبد البر نے ابی مجن کے متعلق لکھا کہ وہ شراب کا رسیا تھا۔۔۔۔
ابن فتحون نے ان راویوں پر بھی جرح کی ہے جنہوں نے کہا کہ سعد نے ابی مجن سے حد شرعی کو ختم کر دیا تھا اور اس نے کہا: سعد کے متعلق ایسا گمان کرنا صحیح نہیں ہے، پھر اس نے لکھا کہ سعد نے کسی اچھی توجیہہ کی وجہ سے حد شرعی کو ختم کیا ہوگا۔

ابن فتحون نے اچھی توجیہہ کا ذکر تک نہیں کیا اور وہ اچھی توجہہ شاید یہی ہوسکتی ہے کہ اس نے اپنے دل میں یہ عہد کرلیا ہوگا کہ اگر اس پر اس کی شراب نوشی ثابت ہوگئی تو وہ اسے سزا دے گا ورنہ نہیں دے گا اور ادھر اللہ نے ابی مجن کو توبہ کی توفیق عنایت فرما دی اور اس نے شراب کو خیر باد کہہ دیا۔ (الاصابہ ۴/۱۷۳-۱۷۵)

مکتبِ خلافت سے وابستہ محدثین و مورخین نے اپنے بزرگوں کے دفاع کو اپنی شرعی ذمہ داری قرار دیا ہوا ہے اور وہ خلفائے ثلاثہ بلکہ معاویہ، مروان اور یزید بن معاویہ کی غلطیوں کی بھی توجیہہ پیش کرتے ہیں اور یہی ان کے نزدیک امت اور صحابہ کے بزرگ ترین افراد شمار کئے جاتے ہیں۔

مکتبِ خلفا سے وابستہ افراد نے اپنے بزرگوں کو بچانے کے لئے جان بوجھ کر سیف بن عمرو زندیق کی روایات کو ترجیح دی ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ سیف مکتبِ خلفاء کے دفاع کے لئے جھوٹی داستانیں تراشنے کا ماہر تھا اور اسے یہ ملکہ حاصل تھا کہ وہ حکمران طبقہ کی غلطیوں کو جھوٹے واقعات کی ملمع کاری سے غلطی نہیں رہنے دیتا تھا بلکہ اسے ان کا کارنامہ بنا کر پیش کرتا تھا اور مکتبِ خلافت سے وابستہ علماء کی اس خواہش سے سیف زندیق نے بھرپور فائدہ حاصل کیا اور وہ مصادر اسلامیہ میں ایسی روایات شامل کرانے میں کامیاب ہوگیا جن کی وجہ سے اسلامی عقائد پر حرف آتا تھا اور اس نے خرافات کی تشہیر کرکے اسلامی عقائد کا چہرہ مسخ کیا

اور اس نے اپنی روایات کی دنیا کو یہ باور کرایا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔

سیف نے جھوٹی روایات سے اپنے اہداف کو حاصل کیا اور ہم یہاں اس کی چند مثالیں نقل کرتے ہیں۔

ا۔ سیف کی زبانی اسود عنی کا قصہ

طبری نے اسود عنی کے متعلق سیف سے بہت سی روایات نقل کی ہیں جن کا ماحصل یہ ہے:

اسود عنی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور یمن کے بادشاہ شہر بن باذان کو قتل کرکے اس کی بیوی سے نکاح کیا اور آہستہ آہستہ پورے یمن پر اس کا قبضہ ہوگیا۔ اس نے قیس بن (عبد یغوث) کو سالار لشکر مقرر کیا اور یمن میں رہائش پذیر ایرانیوں پر فیروز اور دازویہ کو حاکم مقرر کیا۔

نبی کریم نے جشیش بن الدیلمی کے پاس ایک خط بھیجا جس میں آپ نے انہیں دینِ اسلام پر قائم رہنے کا حکم دیا اور یہ بھی لکھا کہ لڑائی یا حیلے سے، جیسے بھی ممکن ہو اسود عنی کو قتل کر دو۔

حضور اکرمؐ کا یہ خط پڑھ کر اہل ایمان اپنے ایمان پر ثابت قدم ہو گئے اور اسود عنی کو قتل کرنے کی ترکیب سوچنے لگے اور انہوں نے اس کے سالار لشکر قیس اور ایرانی سردار فیروز کو اپنے ساتھ ملایا اور اس کی بیوی سے ملاقات کرکے اسے بھی اپنا ہمنوا بنالیا۔

اسود عنی کو شیطان آنے والے حالات کی خبر دیا کرتا تھا اور اسود اپنے شیطان کو فرشتہ کہا کرتا تھا۔ چنانچہ شیطان نے اسے قیس کے منصوبہ کی اطلاع دے

دی۔ اس نے قیس کو طلب کیا اور اس سے کہا۔

قیس ! مجھے معلوم ہے کہ فرشتہ تیرے متعلق کیا کہہ رہا ہے؟ قیس نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے اسود نے کہا۔ یہ کہتا ہے کہ تم نے قیس کی عزت کی اس کا درجہ بڑھایا اور جب اس نے تمہارے مزاج میں پورا دخل حاصل کرلیا اور تمہاری طرح سے معزز اور متمکن ہوگیا وہ تمہارے دشمن سے جاملا وہ تمہاری حکومت کے درپے اور بدعہدی پر کمر بستہ ہوگیا۔ اے اسود ! تم فوراً اس کا سر قلم کر کے اس کا لباس اتارلو ورنہ وہ خود تمہارا سر قلم کر کے تمہارا لباس اتارے گا۔

قیس نے اس کے جواب میں قسم کھا کر کہا کہ آپ کا فرشتہ دروغ بیانی کر رہا ہے۔ میرے دل میں آپ کی عزت وعظمت ہے میں تو یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا۔

اسود نے کہا۔ تم کس قدر بڑے ہو کہ فرشتے کو جھٹلاتے ہو۔ فرشتے نے جو بات مجھ سے کہی ہے وہ سچ ہے مگر مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے کیے پر نادم ہو اور تائب ہو کیونکہ تمہاری سازش کا راز آشکار ہوگیا۔

قیس وہاں سے نکل کر ہمارے پاس آیا اور ہمیں اسود کے شک وشبہ کے متعلق خبر دی ہم نے کہا کہ ہمیں محتاط رہنا چاہئے اور پوری احتیاط کے ساتھ ساتھ اسود عنسی کو ٹھکانے لگانا چاہئے۔ قیس نے ہماری تائید کی۔ اسی اثنا میں اسود عنسی نے دوبارہ قیس کو اپنے پاس طلب کیا اور کہا۔ فرشتہ مجھ سے یہ کہہ رہا ہے کہ اگر تو نے قیس کا سر قلم نہ کیا تو وہ تیرا سر قلم کرے گا۔

قیس نے کہا:

پہلے یہ بات ہرگز جائز نہیں ہے کہ میں آپ کو جو اللہ کے رسولؐ

ہیں قتل کروں اور آپ جو چاہیں میرے متعلق حکم دیں۔ آپ کو میرے متعلق جو شبہ
ہو گیا ہے اس سے مجھے سخت بے اطمینانی ہے۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ آپ مجھے
قتل کر دیں تو میں اس خوف سے نجات حاصل کرلوں گا اور روزانہ کی اموات سے
ایک بار ہی موت بہتر ہے۔

سیف کہتا ہے کہ قیس کی یہ باتیں سن کر اسود کو اس پر ترس آ گیا۔ پھر اس
نے ایک سو جانور طلب کئے۔ تھوڑی دیر میں ایک سو جانور لائے گئے جن میں گا
بیل اور اونٹ موجود تھے۔ اسود نے ان جانوروں کے سامنے ایک لکیر کھینچ دی ا
ان جانوروں کو لکیر کے پار کھڑا کر دیا اور خود لکیر کی دوسری جانب کھڑا ہو گیا۔ پھر ا
نے نہ تو جانوروں کو رسے سے باندھا نہ ہی کسی شخص سے جانوروں کو پکڑنے کے
لئے کہا۔ اور چھرا دے کر ایک سو جانوروں کو باری باری ذبح کر دیا اور کسی جانور نے
کوئی مزاحمت نہ کی اور گردنیں جھکا کر ذبح ہوتے گئے۔

راوی (سیف) کہتا ہے کہ میں نے اس سے زیادہ ہولناک منظر ا
زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔۔۔

راوی کہتا ہے کہ رات کے وقت اسے قتل کرنے کے لئے چند جانباز ا
کے گھر میں داخل ہوئے چنانچہ جب فیروز قتل کے لئے آگے بڑھا تو شیطان نے
اسود کو جگا دیا اور اس کی زبان سے شیطان بولنے لگا اور وہ لیٹے لیٹے بربڑانے لگا
یہ بھی کہا کہ فیروز تم کیسے؟

فیروز نے اس کی گردن مروڑ کر اسے ہلاک کر دیا۔ اس اثنا میں اس کے
دوسرے دوست بھی آ گئے اور انہوں نے ارادہ کیا کہ اسود کی گردن کاٹ دی جا
مگر اس وقت ایک عجیب بات ہوئی مرے ہوئے اسود کو شیطان نے حرکت دی

اس طرح تڑپا کہ کوئی اسے قابو میں نہ رکھ سکا۔ میں نے کہا سب اس کے سینے پر بیٹھ جاؤ۔ دو شخص اس کے سینے پر بیٹھ گئے اور اس کی بیوی نے اس کے سر کے بال پکڑ لیے اور اس کے حلقوم سے خرخراہٹ کی آواز آئی۔ میں نے اس کے منہ پر توبرا چڑھا دیا اور چھری سے اس کا گلا کاٹ ڈالا۔ اس کے حلقوم سے ایسی شدید خرخراہٹ کی آواز آئی جیسے کہ کسی زبردست بیل کو ذبح کرنے کے بعد اس کے حلقوم سے آتی ہے۔ میں نے ایسے زور کی خرخراہٹ کبھی اس سے پہلے نہ سنی تھی۔

اس آواز پر اس کے پہرے دار سپاہی دوڑ کر آئے مگر اس کی بیوی نے ان کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اس وقت نبی پر وحی آرہی ہے۔ یہ اس کی آواز ہے۔ پھر اسود ٹھنڈا ہوگیا۔

طبری اور ذہبی نے اپنی تاریخوں میں سیف سے یہ روایت نقل کی ہے اور طبری سے ابن اثیر، ابن کثیر اور ابن خلدون نے روایت کی ہے۔ البتہ ابن خلدون نے اس واقعہ کو اختصار سے لکھا ہے۔

اس واقعہ کے راویوں پر ایک نظر

الف۔ طبری نے اسود کے واقعہ کی سیف سے گیارہ روایات نقل کی ہیں اور سیف نے چار راویوں سے یہ روایات بیان کی ہیں اور وہ چار راوی یہ ہیں:۔

۱۔ سہل بن یوسف خزرجی السلمی ۲۔ عبید بن صخر خزرجی السلمی

۳۔ مستنیر بن یزید نخعی ۴۔ عروہ بن غزیہ دثینی

مذکورہ چاروں راوی سیف زندیق کے تراشے ہوئے ہیں۔ اس نام کے راوی اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نہیں کیے تھے اور عالم آب وگل میں ان لوگوں کا کوئی

وجود نہیں تھا۔

ب۔ ہم نے اسود عنی کے متعلق صحیح روایات کو اپنی کتاب عبد اللہ بن سبا کی جلد دوم میں بیان کیا ہے۔ قارئین اس کی طرف رجوع فرمائیں۔

۲۔ خدا کے حضور شاہ ایران کی رسولِ خدا سے گفتگو:۔

طبری نے سیف کی زبانی یہ روایت نقل کی:

اہل فارس کو جب جلولاء میں شکست ہوئی تو اس وقت یزدگرد بن شہریار بن کسریٰ ایران کا شہنشاہ تھا۔ پے در پے شکستوں سے بچنے کے لئے اسے خراسان لے جایا گیا۔ اور سفر اتنی تیزی سے کیا گیا کہ وہ محمل میں ہی سوتا تھا۔ ایک مقام پر انہوں نے کچھ دیر کے لئے اونٹوں کو بٹھانے کا ارادہ کیا اور اونٹ بٹھانے سے قبل انہوں نے یزدگرد کو بیدار کیا۔

یزدگرد نے اپنے ملازمین سے کہا تم نے مجھے جگا کر اچھا نہیں کیا کیونکہ میں اس وقت خدا کے حضور میں مسلمانوں کے نبی کی گفتگو سن رہا تھا اور اگر تم مجھے جگاتے تو میں تمہیں بتا دیتا کہ اس امت کے اقتدار کی مدت کتنی ہے۔

میں اور محمدؐ دونوں خدا کے حضور موجود تھے۔

اللہ نے کہا: میں تیرے پیروکاروں کو ایک سو سال کی حکومت دیتا ہوں،

محمدؐ نے کہا: خدایا! اس میں اضافہ کر،

اللہ نے کہا: پھر میں ایک سو دس سال انہیں حکومت دوں گا۔

محمدؐ نے کہا: خدا! اس میں اضافہ فرما،

اللہ نے کہا: میں انہیں ایک سو بیس سال حکومت دوں گا۔

محمدؐ نے کہا: خدایا! سب کچھ تیرے اختیار میں ہے۔

ابھی میں یہ باتیں سن ہی رہا تھا کہ تم نے مجھے جگا دیا اور اگر تم نے مجھے نہ جگایا ہوتا تو اس امت کے اقتدار کی مدت معلوم کر لیتا۔ (۱)

اس روایت کے راویوں پر ایک نظر:

سیف زندیق نے یہ روایت اپنے تراشے ہوئے تین افراد سے نقل کی ہے۔ جن کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ محمد بن عبد اللہ بن سواد بن نویرہ

۲۔ مہلب بن عقبہ اسدی

۳۔ عمرو۔ سیف نے اپنے زورِ تخیل سے عمرو نام کے دو افراد تراشے تھے۔ اس کا نام اس نے عمرو بن ریان اور دوسرے کا نام عمرو بن رخیل رکھا ہے۔

ان راویوں کے متعلق ہم اپنی کتابوں عبد اللہ بن سبا اور ''ایک سو پچاس خود ساختہ صحابیؓ'' میں بحث کر چکے ہیں اور یہاں اس بحث کو دہرانا پسند نہیں کرتے۔ آیئے دیکھیں کہ مذکورہ دو روایات تراشنے سے سیف کا ہدف کیا تھا۔

سیف نے یہ کہا کہ اسود عنسی جو کہ نبوت کا دعویدار تھا اسے اس کا شیطان ہر بات سے باخبر رکھتا تھا اور اس نے قیس کو بلا کر اسے اس کے ارادوں سے باخبر کیا تھا اور اسے ان ارادوں سے باز رہنے کے لئے کہا تھا۔

اسود عنسی کے پاس ایسی عظیم غیبی قوت تھی کہ اس نے ایک سو تنو مند جانوروں کو ایک جگہ کھڑا کیا اور اس نے ایک لکیر قائم کی اور دوسری طرف وہ خود کھڑا ہوا۔ پھر اس نے جانوروں کو رسیوں سے باندھے بغیر ذبح کر دیا اور تمام جانور

۱۔ حوالہ جات کے لئے ہماری کتاب ''ایک سو پچاس خود ساختہ صحابیؓ'' کی طرف رجوع کریں۔

گردنیں جھکائے کھڑے رہے اور کسی بھی جانور نے وہاں سے بھاگنا پسند نہ کیا۔

اور دوسری روایت میں سیف نے یہ کہا ہے کہ خدا کے حضور شاہ ایران یزدگرد اور رسولِ خدا کا اجتماع ہوا اور اس سہ فریقی کانفرنس میں شاہ ایران اللہ تعالیٰ اور رسولِ خدا کی باہمی گفتگو سنتا رہا۔

پہلی داستان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کے نبی محمدؐ مصطفیٰ کے پاس ایک فرشتہ آتا تھا جو انہیں غیب کی خبریں بتاتا تھا اور نبی اکرم سے معجزات صادر ہوتے تھے۔

اسی طرح سے اسودعنی نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا ور اس کے اپنے کہنے کے مطابق ایک فرشتہ اس کے پاس آکر اسے غیب کی خبریں دیتا تھا اور اسود سے بھی معجزات صادر ہوئے۔ کیونکہ جانوروں کا سر جھکائے رہنا اور کوئی مزاحمت کئے بغیر ذبح ہو جانا ایک معجزہ ہی ہے۔

اسودعنی کی یہ داستان تراش کر درحقیقت سیف نے مسلمانوں کے اذہان میں نبوت محمدؐ کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کئے ہیں۔

دوسری روایت میں اس بے دین نے رب العالمین کا مذاق اڑایا ہے ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ رب العالمین ، محمد مصطفیٰ اور شاہ ایران یزدگرد کو اپنے ہاں جمع کرکے سہ فریقی کانفرنس منعقد کرے؟ جب کہ ایک شخصیت اللہ کا محبوب ہے اور دوسرا شخص آگ کا پجاری ہے۔

سیف نے اپنی روایات کے ذریعہ سے اسلام کے حسین چہرے کو داغدا بنانے کی پوری کوشش کی ہے اور اس کی وضع کردہ داستانیں اس وقت اسلامی مصاد کا ایک حصہ بن چکی ہیں۔

سیف نے ایسی کئی مسلسل داستانیں تخلیق کی تھیں جن سے یہ بتانا مقصود تھا کہ اسلام بزدر شمشیر پھیلا ہے۔ جب کہ یہ نظریہ سراسر غلط ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ محمد و آل محمدؐ کے کردار سے پھیلا ہے۔ اور جہاں بھی تلوار سے اسلام پھیلانے کی کوشش بھی ہوئی تو وہ کاوش ناکامی سے دوچار ہوئی۔ اس کے لئے اندلس اور سسلی کی مثالیں موجود ہیں۔

بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

سیف نے مرتدین کے سات غزوات وفتوحات کو جس طرح سے بیان کیا ہے اس سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اسلام کا دارومدار تلوار پر رہا ہے۔ سیف نے مرتدین سے غزوات کے حوالہ سے ناقابلِ یقین حد تک کذب بیانی سے کام لیا ہے۔ مرتدین سے غزوات کے واقعات بیان کرنے سے پہلے سیف نے کچھ اس طرح کی تمہید باندھی ہے۔

سرزمین عرب پر کفر چھا گیا اور کفر کے شعلے بلند ہونے لگے اور قریش وثقیف کے علاوہ تمام قبائل عرب مرتد ہوگئے تھے۔ پھر اس نے بطور نمونہ مرتدین کے نام گنواتے ہوئے کہا۔

قبیلہ غطفان مرتد ہوگیا۔ بنی ہوازن نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور قبیلہ طے اور اسد کے لوگوں نے طلیحہ کو نبی مان لیا۔ اسی طرح سے بنو سلیم بھی مرتد ہوگئے اور یوں تمام عرب کے لوگ مرتد ہوگئے تھے اور اس دوران نبی کریم کے مقررہ کردہ حکام نے ہر جگہ سے مرکز خلافت کو خطوط تحریر کئے جس میں انہوں نے لوگوں کے مرتد ہونے کی خبر دی۔

ابن اثیر اور ابن خلدون نے سیف کے جملے اپنی تاریخوں میں نقل کیے ابن کثیر نے اس کے جملوں کا مفہوم ان الفاظ سے بیان کیا۔ رسولِ خدا کی وفات کے بعد مکہ و مدینہ کے علاوہ تمام عرب مرتد ہوگیا۔

ارتداد کا ہولناک منظر پیش کرنے کے بعد سیف نے مرتدین کے ساتھ غزوات کا ذکر کیا جس میں اس نے بتایا کہ اہل مدینہ کی تلوار نے تمام عرب کو دوبارہ اسلام میں داخل کیا اور یوں اسلام تلوار کا مرہون منت بنا۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

قبیلہ عک اور اشعرین کا ارتداد

سیف نے اپنے ''ذہن رسا'' سے کئی جنگیں تراشی تھیں جن میں سے ایک جنگ کو اس نے ''جنگ اخابث'' کا نام دیا تھا۔ اس خود ساختہ جنگ کی تفصیل سیف نے کچھ یوں بیان کی۔

نبی اکرم کی وفات ہوتے ہی تہامہ میں عک اوراشعرین نے اسلام کو خیر باد کہہ دیا اورانہوں نے اپنی ایک بڑی فوج تشکیل دی اورطریق ساحل پر ''اعلاب'' کے مقام پر انہوں نے پڑاؤ ڈالا۔ ظاہر نے جو کہ ابوہالہ سے حضرت خدیجہ کا بیٹا تھا اور رسولِ خدا کے گھر میں پلا تھا، ابوبکر کو ان قبائل کی بغاوت و ارتداد کے متعلق تحریر کیا گیا۔ بعد ازاں طاہر ان کا مقابلہ کرنے کے لئے سرورق عکی کو ساتھ لے کر چلا اور طاہر کی فوج نے ان کی فوج سے شدید جنگ کی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائی اور مرتدین بڑے طریق سے قتل ہوئے اور مرتدین کے مقتولین کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ان کی لاشوں کی بدبو سے تمام راستے بدبودار ہوگئے اور ان کا

قتل مسلمانوں کے لئے عظیم فتح ثابت ہوا۔ حضرت ابوبکر نے طاہر کو جواب میں لکھا:

مجھے تیرا خط موصول ہوا جس میں تو نے بیان کیا کہ تو مسروق اوراس کی قوم کو لے کر ان اخابث (خبیث کی جمع) کی طرف شام اعلاب کی جانب روانہ ہو رہا ہے۔ تو نے ایسا کر کے صحیح کیا ہے اور تم بہت جلد ان پر حملہ کردو اور میرے دوسرے خط کے آنے تک تم اپنی فوج سمیت ''اعلاب'' میں ٹھہرے رہو۔

یہی وجہ ہے کہ آج تک ''راشعرین کے ان گروہوں اور ان سے منسوب ہونے والے افراد کو ''اخابث'' کے نام سے پکارا جاتا ہے اوراس راستہ کو بھی ''شاہراہ اخابث'' کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد سیف نے طاہر بن ابی حصالہ کے چند اشعار بھی نقل کئے ہیں۔

طاہر کون تھا؟

سیف نے اپنی اس روایت میں طاہر بن ابی ھالہ کے متعلق بیان کیا کہ اس نے عک اور اشعرین کے فتنہ ارتداد کی سرکوبی کی۔ آیئے ذرا دیکھیں یہ طاہر کون تھا۔

سیف بیان کرتا ہے کہ طاہر ایک زندہ اور گوشت پوست کا جیتا جاگتا کردار تھا۔ اس ایک باپ کا نام ابوہالہ تمیمی تھا۔ اس کی ماں حضرت خدیجہ تھیں اور اس نے رسولؐ خدا کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ رسولؐ خدا نے اسے اپنی زندگی میں اپنا عامل مقرر کیا تھا اوراس نے مرتدین کی سرکوبی کی تھی اور حضرت ابوبکر کو خط لکھا تھا اور حضرت ابوبکر نے بھی اسے جواب تحریر کیا تھا۔

سیف کی انہی دریافت کی وجہ سے محدثین اور مورخین نے اسے حقیقی شخص

سمجھ لیا اور اسے صحابہ رسولؐ میں سے تصور کیا۔ اور یوں سیف کے بچھائے ہوئے جال میں طبری، ابن اثیر، ابن کثیر، ابن خلدون اور میر خواند جیسے مورخین پھنس گئے اور مذکورہ تواریخ کے علاوہ معجم شعراء اور سیر النبلاء میں بھی طاہر کے تذکرہ نے جگہ پائی۔

درج بالا کتابوں کے حوالہ جات سے متاثر ہو کر علامہ شرف الدین نے اپنی کتاب ''الفصول المھمہ'' میں اسے شیعان علیؑ میں سے قرار دیا۔

سیف کی روایات پر انحصار کرتے ہوئے جغرافیہ دان حضرات نے اعلاب اور اخابث کے مقامات کی نشان دہی کی۔ چنانچہ حموی نے معجم البلدان اور عبد المومن نے مراصد الاطلاع میں مذکورہ فرضی مقامات کی نشان دہی کی ہے۔

اس واقعہ کی حقیقت

سیف نے پانچ روایات میں طاہر کا ذکر کیا ہے اور اس نے طاہر کی روایات مندرجہ ذیل راویوں سے نقل کی ہیں اور وہ راوی یہ ہیں:

۱۔ سہل بن یوسف السلمی　　　　۲۔ عبید بن صخر بن لوذان

۳۔ جریر بن یزید جعفی　　　　۴۔ طلحہ کا آزاد کردہ غلام ابوعمرو

اس سلسلہ کی حقیقت یہ ہے کہ یہ سارے کا سارا سلسلہ روایت ہی جھوٹ پر مبنی ہے۔ ام المومنین خدیجہ کے کسی بیٹے کا نام طاہر نہیں تھا۔ اور درج بالا راویوں کا بھی دنیا میں کہیں وجود نہیں تھا۔ اور عک اور اشعرین نے بھی اسلام کو چھوڑ کر کفر کو اختیار نہیں کیا تھا۔ اور طاہر کی بھی ان سے کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی اور اخابث اور اعلاب نامی قبائل اور جگہ کا بھی دنیا میں کوئی وجود نہیں تھا۔ جنگ اخابث کا حقیقی دنیا

میں کوئی وجود نہیں ہے۔ اور اگر یہ جنگ واقع ہوئی ہے تو زمین پر یہ جنگ نہیں لڑی گئی۔ یہ جنگ صرف اور صرف سیف کے دماغ میں ہی لڑی گئی ہے۔

طاہر بن ابی ھالہ کے متعلق مزید تحقیق کے لئے آپ ہماری کتاب ''ایک سو پچاس خود ساختہ صحابی'' کی طرف رجوع فرمائیں۔

سیف پرلے درجے کا جھوٹا اور بے دین شخص تھا۔ اس نے مرتدین سے غزوات کے سلسلہ میں کئی غزوات تراشیں جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

مرتدین طے سے جنگ، ام رمل کی جنگ، اہل عمان سے جنگ، اہل یمن سے پہلی جنگ اور اہل یمن سے دوسری جنگ وغیرہ۔

سیف نے عرب کے تمام قبائل کا ارتداد بیان کیا اور ان سے اسلامی لشکر کی جنگیں بیان کیں اور اس نے لوگوں کو یہ باور کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ تمام جنگیں حضرت ابوبکر کے عہد حکومت میں واقع ہوئیں۔ سیف نے خود ساختہ غزوات کے مقتولین کی تعداد بہت زیادہ بیان کی۔ مرتدین کی غزوات کے علاوہ اس نے خود ساختہ فتوحات کا بھی تذکرہ کیا اور اس نے ایسی ایسی جنگوں کا ذکر کیا جو کہ حقیقی دنیا میں لڑی ہی نہیں گئیں۔

فتح الیس اور امغیشیا کی بربادی کی داستان

سیف نے اپنی خود ساختہ جنگ الیس کے متعلق بیان کیا ہے۔

خالد بن ولید نے اہل الیس سے بڑے زور شور کی جنگ کی۔ مشرکین کو جاذویہ کے آنے کی توقع تھی اس لئے وہ خوب جم کر لڑے جب کہ مسلمانوں کو صرف اس بات کی آس تھی کہ علم الٰہی میں ہمارے لیے ضرور کوئی بھلائی ہے اسی لئے وہ بھی

خوب لڑے۔

اس جنگ میں خالد نے کہا۔ الٰہی ! اگر تو نے ہم کو ان پر فتح عنایت فرمائی تو میں تیرے نام کی نذر مانتا ہوں کہ ان میں سے جس کسی پر ہم کو قابو حاصل ہوگا اس کو زندہ نہ رکھوں گا اور ان کے خون سے ایک نہر جاری کروں گا۔

خون کی نہر

خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی باوران کے دشمن کو مغلوب کر دیا۔ خالد نے اعلان کر دیا۔ قید کرو، قید کرو، اور مزاحمت کرنے والے کے علاوہ کسی کو قتل نہ کرو۔

اسلامی فوجیں قیدیوں کو گرفتار کرکے ہانکتی ہوئی لانے لگیں او رخالد نے کچھ لوگوں کو متعین کر دیا کہ ان کی گردنیں اڑا کر ان کا خون نہر میں بہا دیں۔ یہ عمل ایک رات اور ایک دن تک جاری رہا اور اس کے بعد دوسرے روز نہرین تک اور الیس کے چاروں طرف اتنے ہی فاصلے سے دشمنوں کو پکڑ پکڑ کر لاتے رہے اور قتل کرتے گئے۔

فعقاع اوران جیسے اورلوگوں نے خالد سے کہا:۔

اگر آپ روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کو بھی قتل کر دیں تو بھی ان کا خون نہیں بہے گا کیونکہ خون میں زیادہ رقت نہیں ہوتی اسی لئے وہ زمین پر بہتا نہیں ہے اور نہ ہی زمین اس کو چوستی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اس پر پانی بہا دیں یوں آپ کی قسم پوری ہو جائے گی۔

اس سے پہلے خالد نے نہر کا پانی روک دیا تھا۔ اس مشورہ کے بعد اس

نے نہر میں دوبارہ پانی جاری کرایا تو خالص سرخ خون بہتا ہوا نظر آنے لگا۔
اس واقعہ کی وجہ سے یہ نہر آج تک ''خون کی نہر'' کے نام سے مشہور ہے۔

دوسرے راویوں کا بیان یہ ہے کہ جب زمین نے حضرت آدم کے بیٹے ہابیل کا خون چوسا تھا تو اللہ نے اسے مزید خون چوسنے سے منع کر دیا تھا اور خون کو بھی بہنے سے روک دیا گیا تھا مگر اس قدر کہ جب تک ٹھنڈا نہ ہو۔۔۔۔۔۔

نہر کی پن چکیاں

مغیرہ کا بیان ہے کہ اس نہر پر پن چکیاں لگی ہوئی تھیں۔ وہ سرخ پانی سے چل رہی تھیں ان میں تین روز تک اٹھارہ ہزار یا اس سے زیادہ افراد کے لئے آٹا پستا رہا۔ اس کے بعد طبری نے سیف کی زبانی امغیشیا کی فتح کے عنوان سے لکھا حب خالد الیس کی فتح سے فارغ ہوگئے تو امغیشیا آئے مگر آپ کے آنے سے قبل ہی وہاں کے باشندے اس شہر کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور سواد میں منتشر ہوگئے۔ اس روز سے سکرات سواد کے علاقے میں شامل ہوگیا۔

خالد نے امغیشیا اور اس کے قرب و جوار کے تمام مکانات منہدم کرادیئے۔ امغیشیا حِیرہ کا برابر کا شہر تھا اور الیس اس مقام کی فوجی چوکی تھی اور اس میں مسلمانوں کو اس قدر مال غنیمت ہاتھ آیا کہ اس سے قبل کبھی ہاتھ نہ آیا تھا۔۔۔

سیف کی روایات کا ناقدانہ جائزہ

سیف نے اپنی قوت تخیل کے زور سے خون کا دریا بہا دیا اور امغیشیا نامی شہر کو منہدم کرایا۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہلاکو اور چنگیز نے بھی شہروں کو تباہ

و برباد کیا تھا اور انہوں نے اپنے قیدیوں کو بے دریغ قتل کیا تھا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ سیف نے چنگیز و ہلاکو کی انسان دشمنی کی روایت خالد سے منسوب کی اور یہاں تک کہا کہ خالد نے خون کا دریا جاری کیا تھا۔ ہلاکو اور چنگیز لاکھ ظالم سہی مگر خون کا دریا تو انہوں نے بھی کبھی نہیں بہایا تھا۔ آپ تاریخ طبری میں سیف کی بیان کردہ فتوحات کا جائزہ لیں تو آپ دیکھیں گے کہ اس نے اپنی قوت تخیل کے زور سے ثنی، فرار، مقر، ضم فرات بادقلی اور جنگ وصیح جیسی بہت سی جنگوں کا تذکرہ کیا اور اسی طرح سے اس نے جنگ زمیل اور جنگ فراض کا ذکر کرتے ہوئے رومی مقتولین کی تعداد ایک لاکھ بیان کی ہے۔

سیف کی ان خود ساختہ روایات سے تاریخ طبری، کامل، البدایہ والنہایہ اور تاریخ ابن خلدون بھری پڑی ہیں۔ جبکہ حقیقی دنیا میں ان جنگوں کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

اس کی تفصیلی بحث کے لئے ہماری کتاب عبد اللہ بن سبا کے باب ''اسلام اور تلوار'' کا مطالعہ فرمائیں۔

جب اسلامی مصادر اس طرح کی جنگوں سے بھرے ہوئے ہوں تو دشمنان اسلام کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ اسلام دنیا میں تلوار کے زور سے پھیلا۔

معلوم ہوتا ہے کہ سیف اپنی دیو مالائی داستانوں سے صرف یہی ثابت کرنا چاہتا تھا کہ اسلام اپنی صداقت کے زور پر نہیں پھیلا بلکہ تلوار کے زور پر پھیلا ہے۔ اور وہ اپنی اس کوشش میں سو فیصد کامیاب ہوا۔ اور اس وجہ سے علمائے رجال نے اسے زندیق اور بے دین کہا ہے۔

سیف کو پذیرائی کیوں ملی؟

ہمیں تعجب ہے کہ امام المورخین طبری اور مکتب خلافت کے علامہ ابن اثیر اور ان کے کثیر الروایت ابن کثیر اور ان کے فلسفی مورخ ابن خلدون اور ابن عبد البر اور ابن عساکر اور ذہبی و ابن حجر کو یہ علم نہیں تھا کہ سیف زندیق اور بے دین ہے اور اس کی بیان کردہ روایات کی کوئی حیثیت نہیں ہے!

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام لوگ جانتے تھے کہ سیف زندیق اور کذاب ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ طبری، ابن اثیر اور ابن خلدون نے واقعہ ذات السلاسل کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں:

سیف کا یہ بیان سیرت نگاروں کے بیان کے برخلاف ہے۔

اب پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مذکورہ علماء اسے کذاب و زندیق جانتے تھے تو انہوں نے تھوک کے حساب سے اس کی روایات کو اپنی کتابوں میں جگہ کیوں دی؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سیف اگرچہ زندیق اور کذاب تھا مگر وہ برسر اقتدار صحابہ کی شان میں زیادہ سے زیادہ روایات بیان کرتا تھا اور مکتب خلافت سے وابستہ علماء برسر اقتدار رہنے والے صحابہ کے فضائل و مناقب کو پھیلانا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے جان بوجھ کر زندہ مکھی کو نگلا تھا۔

ان مورخین کی مجبوری یہ تھی کہ سیف کی طرح سے اور کوئی راوی فضائل صحابہ بیان نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ اس کی اسی ''خوبی'' کی وجہ سے مذکورہ مورخین نے اس کے تمام تر افترا اور زندیقیت سے درگزر کیا اور اسے اپنا مرکزی راوی قرار دیا۔

اور یہ سیف ہی تھا جس نے خالد بن ولید کے متعلق حضرت ابوبکر کے تاثرات ان الفاظ سے نقل کئے کہ جنگ الیس اور فتح امغیشیا کے بعد حضرت ابوبکر نے خالد کے متعلق یہ جملے کہے۔

اے گروہ قریش ! تمہارے شیر نے ایک شیر پر حملہ کیا اور اس کے کچھار میں گھس کر اس کو مغلوب کر دیا۔ عورتیں خالد جیسا بہادر پیدا نہیں کرسکتیں۔

یہ سیف ہی تھا جس نے خود ساختہ روایات کی ملمع کاری سے حضرت ابوبکر کے مناقب میں اضافہ کیا۔ اور سیف نے ہی حضرت عمر کے عہد کی، شام و ایران کی فتوحات کو اس انداز سے پیش کیا کہ حضرت عمر کے مناقب میں چار چاند لگ گئے۔ اور اس سیف نے ہی حضرت عثمان کے مخالفین کی کردار کشی کر کے حضرت عثمان کی اقربا پروری پر پردہ ڈالا اور اسی سیف نے ہی مخالفین علیؑ کو عقیم القدر ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور انہیں باغیوں کی فہرست سے نکال کر طالبان حق کی بزم میں لے آیا تھا۔

الغرض سیف نے ہر طرح سے مکتب خلافت کی خدمت کی اور اس کی اسی عادت نے اسے مورخین کی محبوب شخصیت کا درجہ دلایا اور مورخین نے اسی کی داستانوں کو اپنی کتابوں میں جگہ دی اور یوں صحیح روایات طاق نسیان میں چلی گئیں۔ جب کہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سیف کی وضع کردہ اکثر روایات میں صحابہ کی مدح کا پہلو کم اور مذمت کے پہلو زیادہ نکلتے ہیں۔ کیا یہ فضیلت ہے کہ خالد کے حکم سے لاکھوں افراد کو گاجر مولی کی طرح سے کاٹ دیا جائے اور پھر ان کے خون سے نہر جاری کی جائے اور نہر کا نام ''نہر خون'' رکھ دیا جائے۔

اور اس طرح سے امغیشیا کے ہنستے بستے شہر کو ایک ہی حکم سے منہدم کر دیا

جائے اور اس جیسی دوسری روایات سے صحابہ کی کوئی شان ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس جیسی روایات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ شخصیات نعوذ باللہ خون کی پیاسی تھیں ۔ اور کوئی بھی باضمیر شخص ایسی حرکات کی تعریف نہیں کرسکتا اور دنیا کے کسی بھی فلسفہ کے تحت یہ امر قابل تعریف ہی نہیں ہے۔ البتہ ''مانی'' کے فلسفہ کی بات اور ہے کیونکہ اس نے کہا تھا کہ زندگی نور کا قید خانہ ہے اسی لیے زندگی کو ختم کر دینا چاہئے تا کہ نور کو قید خانہ سے آزادی حاصل ہو۔

سیف کے پاس مدح صحابہ کی پونجی تھی جس کی خوب فروخت ہوئی اور اس بدبخت نے برسر اقتدار طبقہ کے لئے ایسی روایات تخلیق کی تھیں جن میں ان کی مدح کم اور مذمت زیادہ موجود تھی لیکن نادان دوستوں کو ایسے ہی کھرے سودے کی ضرورت تھی اس لئے انہوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کی اساطیر اور دیومالائی داستانوں کو حقائق تاریخ کے نام سے امت اسلامیہ میں رائج کیا۔

سیف کی روایات کا یک دردناک پہلو یہ بھی ہے کہ اس نے برسر اقتدار صحابہ کے لئے ہی فضیلت کی داستانیں نہیں تراشی تھیں بلکہ اس کی ہمت اتنی بڑھی کہ اس نے رسولؐ خدا کے خود ساختہ صحابی بھی تخلیق کر لئے تھے۔ اور یہ ایسے صحابی تھے کہ اللہ نے انہیں پیدا ہی نہیں کیا تھا اور اس نے صرف صحابی بنانے پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ اس نے اپنے تراشے ہوئے صحابہ کے لئے مناقب و کرامات و فتوحات و اشعار بھی تخلیق کئے تھے۔ الغرض سیف نے پوری ڈھٹائی سے تاریخ اسلام کے چہرے کو داغدار بنانے کی کوشش کی۔ ہمیں سیف جیسے زندیق کے اس کردار پر تعجب نہیں ہے البتہ اگر ہمیں تعجب ہے تو مکتب خلافت کے علماء پر ہے جنہوں نے صرف برسر اقتدار صحابہ کی شان و عظمت کو بلند کرنے کی غرض سے سیف جیسے بے دین کی

روایات نہ صرف قبول کیں بلکہ انہیں اپنی کتابوں میں لکھ کر حقائق کے چہرے کو سیاہ کرنے کی مذموم کوششیں کیں اور تیرہ صدیوں سے وہی جھوٹ امت اسلامیہ کا مقدر بن چکا ہے۔

سیف کی روایات کی دوسری نوعیت

یہاں تک ہم نے سیف کی روایات کا ایک پہلو اجاگر کیا ہے یعنی سیف برسر اقتدار صحابہ کے فضائل ومناقب کے لئے دیو مالائی داستانیں تخلیق کیا کرتا تھا۔ یہ پہلو سیف کی شخصیت کا پورا احاطہ نہیں کرتا۔ اس کی شخصیت کا ایک اور پہلو بھی تھا جو کہ پہلے پہلو سے بھی مورخین کو زیادہ پسندیدہ معلوم ہوتا تھا۔سیف نے اپنی روایات کی بنیاد دو چیزوں پر رکھی۔

۱۔ برسر اقتدار صحابہ کے حق میں زیادہ سے زیادہ فضائل و مناقب بیان کئے جائیں۔

۲۔ اور اگر کسی وجہ سے برسر اقتدار طبقہ بدنام ہو رہا ہو تو خود ساختہ روایات کے ذریعہ سے انہیں اس غلطی سے نجات دلائی جائے اور ان کے ناقدین کو ہر قیمت پر مورد الزام ٹھہرایا جائے اور یوں مکتبِ خلافت کو مشکلات سے نجات دلائی جائے۔

اور سیف کے اس طرز عمل کی ہم یہاں چند مثالیں بیان کرتے ہیں۔

وصایتِ علیؑ کی شہرت مکتبِ خلافت کیلئے پریشان کن ہے

اس حقیقت سے ہم سب باخبر ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام لفظ ''وصی''

سے مشہور ہیں اور آپ کی یہ شہرت مکتبِ خلافت کی عملی نفی ہے۔ کیونکہ جب آپ رسولِؐ خدا کے وصی ٹھہرے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ رسولِؐ خدا نے آپ کو خلافت کی وصیت کی تھی۔ اور یوں سقیفائی خلافت کی بنیاد متزلزل ہو جاتی ہے۔

بی بی عائشہ نے اسی لئے حضرت علیؑ کی وصایت کا انکار کیا اورام المومنین سے لے کر ابن کثیر تک پورے سات سو سال تک مکتبِ خلافت کا تمام تر زورِ قلم اور زورِ زبان اس بات پر صرف ہوتا رہا کہ حضرت علی وصی نہیں ہیں۔

جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ رسولِؐ خدا نے اپنی زبان سے حضرت علیؑ کو اپنا وصی کہا تھا اور حدیث غدیر کے ذریعہ سے رسولِؐ خدا نے حضرت علی کے اولیٰ بالتصرف ہونے کا اعلان کیا۔

آپؐ نے اپنی دسیوں احادیث میں یہ امر واضح کیا کہ حضرت علیؑ ہی آپ کے وارث اور جانشین ہیں۔ مکتبِ خلافت نے دو طرح سے ان احادیث کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔

پہلے مرحلہ میں وصایت علی کی احادیث کو جھوٹ اور غلط کہہ کر جان چھڑائی گئی اور دوسرے مرحلہ میں جب حدیث کا انکار ممکن نہ ہوسکا تو ایسی احادیث کو خلافت و وراثت کی بجائے فضیلتِ آلِ محمد پر محمول کیا گیا۔

اس بحث کا عجیب ترین پہلو یہ ہے کہ اہل کتاب کے علماء بھی جب خاتم الانبیاء کے وصی کا لفظ ادا کرتے تو اس سے ان کا مقصد بھی رسولِؐ خدا کا بلافصل جانشین ہوتا تھا۔

حضرت علیؑ کے احبابؑ وانصار اپنے خطبات و اشعار میں حضرت علیؑ کی وصیت کو اجاگر کرتے تو ان کا مقصد بھی حضرت کی خلافت کا ثبوت فراہم کرنا ہوتا تھا۔

لفظ وصیت سے استدلال کرنے والوں میں حضرت ابوذر بھی شامل تھے انہوں نے عثمانی عہد میں لفظ وصیت سے امامت علی کا استدلال کیا تھا۔ اور حضرت علیؑ کی عمومی بیعت کے دن مالک اشتر نے بھی لفظ وصیت سے استدلال کیا تھا ان کے علاوہ محمد بن ابی بکر نے معاویہ کے نام خطوط لکھ کر اور امام حسنؑ مجتبیٰ نے اپنے خطبہ خلافت اور امام حسین علیہ السلام میں کربلا کے میدان میں اپنے خون کے پیاسوں کے سامنے خطبہ دے کر حضرت علیؑ کی وصایت کو ثابت کیا۔

لفظ وصی اور وصایت ان تمام نصوص کا جامع ہے جو حضرت علیؑ کی خلافت کے متعلق وارد ہوئی ہیں اور جب بھی لفظ وصی سے استدلال کیا جاتا ہے تو درحقیت اس موضوع کی تمام احادیث سے استدلال مقصود ہوتا ہے۔

شہادت امام حسین علیؑ ہ السلام کے باوجود بھی اولاد علیؑ ہر دور میں خلافت و امامت کو اپنا حق تصور کیا کرتی تھی اور بنی امیہ اور بنی عباس کے ادوار حکومت میں علویوں کی تحریک جاری رہی اور اس تحریک کا محرک وصایت علیؑ کا عقیدہ تھا۔

مامون الرشید نے اپنے دور حکومت میں محسوس کیا کہ علویوں کی طرف سے وصایت کے عقیدہ سے ہمیشہ استدلال کیا جاتا ہے اس نے امام علیؑ رضا کو اپنی ولی عہد بنایا جس کی وجہ سے علویوں کی تمام تحریکیں خود بخود دم توڑ گئیں اور چند دنوں کے بعد جب ہر طرف سے سکون ہوگیا تو اس نے زہر سے امام علیؑ رضا کی زندگی کا چراغ بجھا دیا۔

بہر نوع حضرت علیؑ کی لفظ وصی سے شہرت مکتبِ خلافت کے لئے سب سے زیادہ پریشان کن مسئلہ ثابت ہوئی۔ اب آیئے دیکھیں اس مسئلہ کو سیف نے کس طرح سے کیا ہے۔

مکتبِ خلافت پر سیف کا احسان

مسئلہ وصایت مکتبِ خلافت کے لئے گلے کی ہڈی بن گیا اور مکتبِ خلافت نے ذکر وصیت کو چھپانے اور حذف کرنے کی سرتوڑ کوششیں کیں اور جب کچھ نہ بن سکا تو انہوں نے تاویل سے کام لیا مگر سچ یہ ہے کہ مکتبِ خلافت ان تمام تر کوششوں کے باوجود کوئی خاص کامیابی حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ اتنے میں سیف زندیق آیا جب اس نے مکتبِ خلافت کی اس پریشانی کو دیکھا اور محسوس کیا کہ یار کا پاؤں زلف دراز میں پھنسا ہوا ہے تو اس نے مکتبِ خلافت کو اس الجھن سے بچانے کے لیے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا اور اس نے حقائق میں تحریف کرتے ہوئے اپنی طرف سے کچھ روایات وضع کیں جس میں اس نے عقیدۂ وصایت کو ایک یہودی زادے کی ذہنی اختراع قرار دیا اور اس نے پورا ایک قصہ تخلیق کیا۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں:

ا۔ طبری نے ۳۵ھ کے واقعات کے ضمن میں تحریر کیا:

سیف نے عطیہ سے، اس نے یزید فقعسی سے روایت کی۔ اس نے کہا عبداللہ بن سبا شہر ضعاء کا یہودی تھا اس کی ماں ایک سیاہ فام حبشی عورت تھی۔ حضرت عثمان کے عہد حکومت میں اس نے اسلام قبول کیا پھر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے مختلف شہروں میں گیا پہلے پہل وہ حجاز گیا، وہاں سے کوفہ گیا، وہاں سے بصرہ اور پھر شام گیا۔

اہل شام نے اس کی دعوت کو تسلیم نہ کیا اور اسے اپنے پاس سے نکال دیا

وہ وہاں سے مصر آیا اور مصر میں قیام کیا اور لوگوں سے کہا:

مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ آخری زمانہ میں واپس آئیں گے۔ یہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ محمد مصطفیٰ اس دنیا میں واپس آئیں گے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی واپسی کی اطلاع دیتے ہوئے قرآن مجید میں فرمایا:۔

"اِنَّ الَّذِی فَرَضَ عَلَیۡکَ القُراٰنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ"

(القصص۔۸۵)

"بے شک جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے وہ ضرور تجھے ٹھکانے تک پہنچا دے گا"

عیسیٰ کی بہ نسبت محمدؐ واپس آنے کے زیادہ مستحق ہیں۔

مصر کے لوگوں نے اس کے نظریات کو قبول کیا اور اس نے عقیدہ رجعت کا اختراع کیا اور وہ نظریہ لوگوں میں خاصا مقبول ہوا۔

اس عقیدہ کے بعد اس نے کہا کہ اللہ نے ہزاروں نبی بھیجے اور ہر نبی کا کوئی نہ کوئی وصی ہوتا تھا اور محمد مصطفیٰ کے وصی حضرت علیؑ ہیں۔ پھر اس نے کہا: محمدؐ خاتم الانبیاء اور علیؑ خاتم الاوصیاء ہیں۔ اور جن لوگوں نے وصی پیغمبر کی موجودگی میں حکومت وخلافت پر قبضہ کیا انہوں نے بہت بڑے ظلم کا ارتکاب کیا۔

پھر اس نے کہا: عثمان نے کسی حق کے بغیر مسند خلافت پر قبضہ کر رکھا ہے جب کہ وصی پیغمبر بھی موجود ہے۔ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ عثمان کو اس کے منصب سے ہٹا دو اور اس کے معزول کرنے کے لئے اس کے مقرر کردہ حکام پر اعتراض کرو۔ اور ظاہری طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا طریقہ اپناؤ اور اس طرح سے

لوگوں کے دلوں کو اپنی جانب مائل کرو اور انہیں اس امر کی دعوت دو۔

عبد اللہ بن سبا نے مصر میں رہ کر اچھی خاصی کامیابی حاصل کی اور اس نے بہت سے داعی اور مبلغ تیار کیے۔ اس کے داعی تمام شہروں میں پھیل گئے اور انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جامہ پہن رکھا تھا۔

سبائی مبلغین دوسرے شہروں کے لوگوں کو خط لکھتے تھے جس میں وہ اپنے حکام کی شکایت کرتے تھے اور دوسرے شہروں سے بھی ان کے بھائی بند انہیں ان جیسے خطوط لکھتے تھے۔ چنانچہ ہر شہر کے داعی اپنے اپنے شہروں میں بیٹھ کر کہا کرتے تھے کہ ہم تو الحمد للہ خیریت سے ہیں لیکن دوسرے شہروں کے لوگ سخت تنگی میں مبتلا ہیں اور اس طرح کے خطوط صحابہ کے نام مدینہ منورہ بھیجے گئے۔

جب تمام شہروں کے متعلق سبائیوں کے خط اہل مدینہ کو ملے تو انہوں نے کہا کہ ہم تو خیرت سے ہیں لیکن ہمارے دوسرے مسلمان بھائی سخت اذیت میں مبتلا ہیں چنانچہ حقیقت حال کی جستجو کے لئے محمد اور طلحہ حضرت عثمان کے پاس گئے اور اس سے کہا کیا آپ کے پاس بھی وہ خبریں آرہی ہیں جو ہمارے پاس آرہی ہیں؟

حضرت عثمان نے کہا:

میرے پاس تو سلامتی اور عافیت کے علاوہ کوئی خبر نہیں آئی۔

اس کے بعد انہوں نے تفصیل سے حضرت عثمان کو لوگوں کی شکایت سے مطلع کیا۔

حضرت عثمان نے ان سے کہا۔ تم لوگ میرے شریک کار اور مومنین کے گواہ ہو اس کے لئے تم لوگ مجھے مشورہ دو کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟

انہوں نے کہا کہ ہمارا مشورہ یہ ہے کہ آپ حالات کا جائزہ لینے کے لئے

با اعتماد افراد روانہ کریں جو وہاں کے چشم دید حالات سے آپ کو باخبر کریں۔

چنانچہ محمد بن مسلمہ کو کوفہ، اسامہ بن زید کو بصرہ، عمار بن یاسر کو مصر اور عبداللہ بن عمر کو شام بھیجا گیا۔ اسی طرح دوسرے شہروں کی طرف بھی صحابہ کو نمائندہ بنا کر بھیجا گیا۔

تمام نمائندے اپنے اپنے شہروں میں گئے اور حالات کا جائزہ لے کر واپس آئے مگر عمار یاسر نے واپس آنے میں بڑی دیر کر دی تمام نمائندوں نے دربارِ خلافت میں یہ رپورٹ کی کہ معاملات درست نہج پر چل رہے ہیں حکام عدل وانصاف کر رہے ہیں اور پوری رعایا مطمئن ہے اور کہیں بھی بے چینی کے آثار دکھائی نہیں دیتے۔

لوگوں کو عمار بن یاسر کی واپسی کا شدت سے انتظار تھا اور عمار کی آمد میں تاخیر کی وجہ سے لوگوں نے سمجھا کہ شاید انہیں راستہ میں کہیں قتل نہ کیا گیا ہو۔ لوگ عمار کی واپسی کے منتظر تھے کہ حاکم مصر عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کا خط پہنچا جس میں اس نے لکھا تھا کہ مصر میں ایک گروہ نے عمار کو اپنے ساتھ ملایا ہے اور اس گروہ میں عبد اللہ بن سباء، خالد بن ملجم، سوداان بن حمران اور کنانہ بن بشیر شامل ہیں:

ب۔ ذہبی نے ۳۵ھ کے واقعات کے ضمن میں درج ذیل دو واقعات تحریر کئے:

(۱) سیف بن عمر نے عطیہ سے، اس نے یزید فقعسی سے روایت کی اس نے کہا جب ابن السوداء مصر گیا تو اس نے کنانہ بن بشیر کے ہاں قیام کیا پھر سوداان بن حمران کا مہمان بنا۔ پھر غافقی کے پاس ٹھہرا۔ اس نے اس کے سر پر چوٹ لگائی اور اسے زخمی کر دیا۔ خالد بن ملجم اور عبد اللہ بن رزین

جیسے افراد اسے بچانے کے لیے آگے آئے۔ اس نے ان سے اپنا نظریہ بیان نہ کیا اور اس نے محسوس کیا کہ وہ لوگ اس کی دعوت کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔۔۔۔۔

۲۔ اس کے بعد ذہبی نے عمار کے متعلق لکھا:

سیف نے مبشر اور سہل بن یوسف سے روایت کی، انہوں نے محمد بن سعد بن ابی وقاص سے روایت کی اس نے کہا:

عمار بن یاسر مصر سے واپس آیا اور میرے والد کو اس کا شدت سے انتظار تھا جب انہیں عمار کی آمد کی اطلاع ملی تو انہوں نے مجھے بھیجا کہ میں انہیں لے کر ان کے پاس آؤں۔

عمار میرے والد کا پیغام سن کر میرے ساتھ چل پڑے۔ اس وقت انہوں نے میلا عمامہ اور فر کا جبہ پہنا ہوا تھا۔ جب وہ میرے والد کے پاس آئے تو میرے والد نے ان سے کہا:

ابو الیقظان ! ہم تو تجھے ایک اچھا انسان سمجھتے تھے اب میں تمہارے متعلق یہ کیا سن رہا ہوں کہ تم مسلمانوں میں فساد پیدا کر رہے ہو اور لوگوں کو امیر المومنین کے خلاف بھڑکا رہے ہو کیا تمہارے پاس عقل نام کی بھی کوئی چیز موجود ہے یا نہیں ہے؟

میرے والد کے یہ الفاظ سن کر عمار غصہ میں آئے اور اپنے سر سے اپنا عمامہ اتار کر کہا۔ جس طرح سے میں نے اپنے عمامہ کو سر سے اتارا ہے اسی طرح میں عثمان کو منصب خلافت سے اتارتا ہوں۔

یہ سن کر سعد نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔ پھر انہوں نے عمار سے کہا:

تجھ پر نہایت افسوس ! اب جب کہ تو بوڑھا ہوگیا اور تیری ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور تیری زندگی اختتام کے قریب آ گئی تو تو نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا اور لباس دین چھوڑ کر تو عریاں ہوگیا۔

عمار ناراض ہو کر سعد کے پاس سے اٹھے اور وہ یہ کہتے جاتے تھے۔ میں اپنے رب سے سعد کے فتنہ سے بچنے کے لئے پناہ طلب کرتا ہوں۔

سعد نے کہا: "الا فی الفتنة سقطوا" یہ لوگ فتنہ میں گر چکے ہیں، پھر سعد نے کہا: خدایا! عثمان کے عفو وحلم کی وجہ سے اس کی درجات میں اضافہ فرما اور جب تک عمار دروازے سے باہر نہ نکلے اس وقت تک میرے والد یہی الفاظ دہراتے رہے۔

جب عمار ہمارے گھر سے نکل کر روانہ ہوگئے تو میرے والد سعد مجھے گلے لگا کر خوب روئے یہاں تک کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی اور انہوں نے کہا اب فتنہ سے کون محفوظ رہے گا پھر کیا پیارے بیٹے ! تو نے جو کچھ یہاں سنا ہے اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا یہ گفتگو تیرے پاس امانت ہے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں لوگ عمار کے گرد جمع نہ ہو جائیں اوراس کی باتوں میں نہ آ جائیں۔ رسولؐ خدا نے اس کے متعلق فرمایا تھا:

"حق عمار کے ساتھ رہے گا یہاں تک کہ اس پر بڑھاپے کا غلبہ نہ ہو" اب اس پر بڑھاپے کا غلبہ ہوچکا ہے اور یہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگ گیا ہے، محمد بن ابوبکر صدیق نے بھی عثمان کی مخالف کی تھی سالم بن عبد اللہ سے اس کی مخالفت کا سبب پوچھا گیا تو اس نے کہا۔ اس کی مخالفت کی بنیاد ناراضگی اور طمع پر تھی اس سے پہلے محمد بن ابی بکر کا اسلام میں ایک مقام تھا لوگوں نے اسے فریب دیا تو وہ طمع

کرنے لگ گیا اس نے ناز نخرہ کیا اور اس کے ذمہ ایک حق تھا جسے عثمان نے اس کی پشت سے حاصل کیا تھا۔

ابوذر غفاری کے واقعہ میں تحریف

ج۔ طبری نے ۳۰ھ کے واقعات کے ضمن میں ابوذر غفاری کے حالات کو یوں مسخ کر کے لکھا۔ سیف نے عطیہ سے، اس نے یزید فقعسی سے روایت کی اس نے کہا:

جب ابن السوداء شام آیا تو اس نے ابوذر سے ملاقات کی اور اس سے کہا:

کیا تمہیں یہ سن کر حیرانی نہیں ہوتی کہ معاویہ بیت المال کو "مال اللہ" کہہ کر پکارتا ہے جب کہ یہ بات صحیح ہے کہ ہر چیز خدا کی ملکیت ہے لیکن معاویہ بیت المال کو "اللہ کا مال" اس لئے کہتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس سے محروم کرنا چاہتا ہے جب کہ اسے چاہئے کہ وہ اس دولت کو "مال المسلمین" کے نام سے پکارے۔ (ابوذر اس کی اس تقریر سے متاثر ہوئے) اور وہ معاویہ کے پاس گئے اور اس سے کہا:

تم مسلمانوں کے مال کو "مال اللہ" کیوں کہتے ہو؟

معاویہ نے کہا: ابو ذر! خدا تجھ پر رحم فرمائے کیا ہم سب اللہ کے بندے نہیں اور مال اللہ کا مال نہیں اور ساری مخلوقات اس کی مخلوق نہیں ہیں اور کیا تمام امور اس کے نہیں ہیں؟ اس کے باوجود بھی اگر تمہارا یہی اصرار ہے تو میں آئندہ اسے "مال مسلمین" کہہ کر پکاروں گا۔

سیف نے کہا کہ ابن السوداء ابو الدرداء صحابی کے پاس گیا۔ ابو الدرداء

اس کے پنجہ میں نہ آیا اور اس سے کہا تو کون ہے؟ خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ تو یہودی ہے۔

پھر وہ عبادہ بن الصامت سے ملا۔ عبادہ اسے پکڑ کر معاویہ کے پاس لے گئے اور اس سے کہا: یہی وہ شخص ہے جس نے ابوذر کو تیرے پاس بھیجا تھا۔

حضرت ابوذر نے شام میں یہ تقریر شروع کر دی۔

دولت مند لوگو! غریبوں کے ساتھ ہمدردی کرو۔ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوش خبری دے دو۔ یہی سونا چاندی گرم کر کے ان کی پشت اور چہروں کو داغا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا یہ تمہارا وہی خزانہ ہے جسے تم جمع کیا کرتے تھے۔

ابوذر دن رات یہی تبلیغ کرتے تھے یہاں تک کہ شام کے غرباء کا طبقہ ان کا پیروکار بن گیا اور انہوں نے دولت مند طبقہ پر واجب سمجھ لیا کہ وہ ہر قیمت پر ان کی مدد کریں۔

یہ حالات دیکھ کر دولت مند طبقہ نے لوگوں کی معاویہ سے شکایت کی۔ معاویہ نے عثمان کو خط لکھا جس میں اس نے تحریر کیا کہ ابوذر نے مجھے بہت تنگ کیا ہوا ہے اور اس نے فلاں فلاں کام کیے ہیں۔

حضرت عثمان نے جواب میں لکھا:

فتنہ کی نکیل اور آنکھ، ظاہر ہو چکی ہے اب اس کے کھڑے ہونے کی دیر ہے۔ لہذا تم زخموں کو مت کریدو اور ابوذر کی تیاری کرا کے میرے پاس بھیج دو اور اس کے ساتھ ایک راہ نما مقرر کرو اور اسے مناسب زادراہ فراہم کرو اور اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو اور تم سے جہاں تک ممکن ہو اس کو اذیت دینے سے پرہیز کرو اور

انہیں لوگوں کی اذیت سے بھی محفوظ رکھو۔

معاویہ نے ایک راہ دکھانے والے کو ابوذر کے ساتھ مدینہ روانہ کیا۔ جب ابوذر مدینہ پہنچے اور انہوں نے دیکھا کہ مدینہ کی آبادی پھیل کر مقام سلع تک آ گئی ہے تو انہوں نے کہا:

اہل مدینہ کو سخت لوٹا مار اور کمر توڑ جنگ کی بشارت ہو۔

ابوذر عثمان کے پاس آئے۔ عثمان نے ابوذر سے کہا۔

ابوذر! اہل شام تمہارے رویہ کی شکایت کیوں کرتے ہیں؟

ابوذر نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ میں شام میں یہ کہا کرتا تھا کہ مسلمانوں کے مال کو مال اللہ نہیں کہنا چاہئے اور میں نے دولت مندوں سے کہا تھا کہ وہ دولت کے ڈھیر جمع نہ کریں۔

حضرت عثمان نے کہا۔ ابوذر! میں تو صرف یہی کرسکتا ہوں کہ اپنے فرائض صحیح طریقہ سے سرانجام دوں اور رعیت کے ذمہ ہمارے جو حقوق ہیں وہ حقوق فاصل کرسکتا ہوں۔ میں لوگوں کو زہد پر مجبور نہیں کرسکتا البتہ انہیں میانہ روی کی دعوت دے سکتا ہوں۔

حضرت ابوذر نے کہا: پھر مجھے یہاں سے جانے کی اجازت دے دیں۔ کیونکہ مدینہ میرا گھر نہیں ہے۔

حضرت عثمان نے کہا: مدینہ کو چھوڑ کر کسی بڑی جگہ کا انتخاب کرنا چاہتے ہو؟

حضرت ابوذر نے کہا: مجھے رسولؐ خدا نے حکم دیا تھا کہ جب مدینہ کی آبادی مقام سلع تک پھیل جائے تو تم مدینہ کو چھوڑ دینا۔

حضرت عثمان نے کہا: پھر آپ پیغمبر خدا کے فرمان پر عمل کریں۔

اس کے بعد ابوذر نے مدینہ کو چھوڑ دیا اور ربذہ چلے گئے اور وہاں انہوں نے ایک مسجد تعمیر کی اور عثمان نے انہیں اونٹوں کا ایک گلہ عطا کیا اور ان کی خدمت کے لیے دو غلام ان کے حوالے کئے۔ اور ابوذر کو پیغام بھیجا کہ مدینہ آتے جاتے رہا کرو تاکہ تم اعرابی بن کر مرتد نہ بن جاؤ۔ ابوذر اس بات پر عمل کرتے رہتے تھے۔

اخبار فتن کے متعلق سیف کی روایات پر ایک نظر

سیف نے اموی خلفاء عثمان، معاویہ ومروان اور اموی دور کے حکام ولید اور سعد بن ابی سرح اور دیگر بنی امیہ کے دفاع کے لیے اس طرح کے افسانے تراش رکھے تھے اور مکتب خلافت سے وابستہ علماء کو بھی ایسے ہی بے سرو پا افسانوں کی شدید ضرورت تھی اسی لئے انہوں نے خوشدلی سے ان افسانوں کو اپنی کتابوں میں جگہ دی اور یوں ایک بے دین شخص کے افسانے اسلامی مصادر کا حصہ بن گئے۔ ہم نے ان واقعات کی تفصیل اپنی کتاب عبد اللہ بن سبا اور احادیث ام المومنین عائشہ کی جلد اول میں بیان کی ہے اور یہاں ہم صرف سیف کی مذکورہ تحریف شدہ روایات کا ہلکا سا جائزہ لیں گے۔

ا۔ سیف کی روایات تحریف کا بدترین شاہکار ہیں

ہم سیف کی سابقہ روایات میں بناوٹ اور تحریف کا جائزہ لینے کے لئے ان رواۃ پر نظر ڈالتے ہیں، جن سے یوسف نے مذکورہ روایات نقل کی ہیں۔

الف۔ مذکورہ روایات میں سیف نے عطیہ، مبشر، سھل بن یوسف اور یزید فقعسی نام ایسے راوی اپنی طرف سے تراشے ہیں۔

عطیہ، سیف کا تراشا ہوا کردار ہے۔ سیف نے اس کا ایک فرضی نسب نامہ بھی تراشا ہوا تھا اور وہ کچھ یوں تھا کہ عطیہ بلال بن ابی بلال ھلال ضبی کا بیٹا تھا اور سیف عطیہ کا ایک فرضی بیٹا بھی تراشا ہوا تھا جس کا نام اس نے صعب رکھا ہوا تھا۔ سیف اپنے تراشے ہوئے راویوں سے روایات بیان کرتا تھا کبھی وہ عطیہ سے روایت نقل کرتا تھا اور کبھی اس کے بیٹے صعب سے روایت نقل کرتا تھا اور صعب کی زبانی کبھی عطیہ سے اور کبھی کسی دوسرے سے روایات نقل کرتا تھا۔

ہم نے سیف کی ان تمام روایات کو جو اس نے عطیہ سے نقل کی تھیں، اپنی کتاب ''رواۃ مختلقون'' میں جمع کیا ہے اور اس کے ساتھ سیف کے خود ساختہ کردار ''قعقاع'' کی حقیقت کو بھی ہم نے اپنی کتاب ''ایک سو پچاس خود ساختہ صحابی'' کی جلد اول اور اپنی کتاب عبد اللہ بن سبا کی جلد اول میں علاء الحضرمی کے حالات کے ضمن میں بیان کیا ہے۔

سھل بن یوسف بھی یوسف کا اپنا پیدا کردہ کردار ہے سیف نے اس کا نسب نامہ یوں تراشا ہے۔ سہل بن یوسف بن سھل بن مالک انصاری، ہم نے اس مصنوعی راوی کی مکمل بحث اپنی کتاب ''رواۃ مختلقون'' اور ''ایک سو پچاس خود ساختہ صحابیؓ'' میں قعقاع کی روایت کے ضمن میں کی ہے۔

مبشر بھی سیف کا خود ساختہ راوی ہے اور سیف نے کہا تھا کہ اس کا والد فضیل تھا ہم نے سیف کی مبشر سے بیان کردہ روایات کی تفصیلی بحث اپنی کتاب ''عبد اللہ بن سباء'' کی جلد اول میں کی ہے۔

یزید فقعسی کا ذکر حدیث، سیر، تاریخ، ادب، انساب، طبقات اور تراجم رجال میں کہیں دکھائی نہیں دیتا البتہ تاریخ طبری میں اس کی پانچ روایات ہیں اور

اس کی ایک روایت ذہبی کی تاریخ الاسلام میں بھی موجود ہے اور لطف یہ ہے کہ اس کی یہ تمام تر روایات کا روای سیف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اس راوی کو پیدا ہی اس لئے کیا تھا کہ سیف اس سے چھ روایات حاصل کر سکے۔ اس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ اس نام کے حقیقی شخص کا دنیائے آب وگلِ میں کہیں کوئی وجود نہیں تھا یہ راوی بھی دیگر بہت سے رواۃ کی طرح سے سیف کا ساختہ پر داختہ تھا۔

(ب) سیف نے غافقی نام کا ایک شخص تراشا اور عبد اللہ بن سبا کو اس کا مہمان بنایا اور پھر غافقی سے عبد اللہ بن سباء کو زخمی کرایا۔ ہم طوالت سے بچنے کی غرض سے اس پر مزید بحث نہیں کرنا چاہتے۔

سیف نے سابقہ واقعات کے متن میں درج ذیل باتوں کو اپنی طرف سے شکل کیا۔

(ا) اس نے زورِ تخیل سے عبد اللہ بن سباء کا واقعہ تراشا اور اس سلسلہ کی صحیح احادیث کے لئے ہماری کتاب احادیثِ اُم المومنین کے باب ''فی عصر الصھرین'' اور ''مع معاویۃ'' کا مطالعہ فرمائیں۔

(ب) سیف نے بے حیائی کی تمام حدود کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حضرت عمار یاسر اور حضرت ابوذر جیسے عظیم القدر صحابیوں کو عبد اللہ بن سباء یہودی کا پیروکار بتایا۔ اور سیف نے اپنا منہ کالا کرتے ہوئے کہا کہ عمار و ابوذر کی بہت سے لوگوں نے پیروی کی اور انہیں سبائیہ کہا گیا۔

سوال یہ ہے کہ ابوذر وعمار کی پیروی کرنے والے یا تو صحابی ہوں گے یا تابعین ہوں گے ۔ سیف نے صرف اپنے پسندیدہ حکمرانوں کو محفوظ کرنے کے لئے صحابہ و تابعین کو سبائی کہنے سے گریز نہیں کیا۔

(ج) سیف نے مزید جھوٹ یہ تخلیق کیا کہ حقیقت حال کے جائزہ کے لئے محمد بن مسلمہ کو کوفہ اور اسامہ بن زید کو بصرہ اور عمار بن یاسر کو مصر اور عبد اللہ بن عمر کو شام روانہ کیا گیا عمار کے علاوہ سب نے آ کر سب اچھا کی رپورٹ دی، عمار مصر پہنچ کر عبد اللہ بن سباء کا پیروکار بن گیا اور مصر میں فساد پھیلانے میں مصروف ہو گیا۔

سیف نے اپنے تراشیدہ واقعات کو تفصیل سے بیان کیا جب کہ ان جزئیات کو کسی دوسرے مورخ نے بیان نہیں کیا۔ اس سلسلہ کی صحیح ترین روایت وہ ہے جسے بلاذری نے انساب الاشراف میں نقل کیا ہے اور ہم نے اس کتاب سے وہ روایت اپنی کتاب ''احادیث ام المومنین'' میں بھی نقل کی ہے۔

(د) ابوذر اور معاویہ کے درمیان ہونے والی گفتگو میں بھی سیف نے تحریف سے کام لیا اور جان بوجھ کر حق کو چھپایا۔

(ہ) سیف نے اپنی طرف سے فرضی خطوط بھی تراشے اور اس کے قول کے مطابق حضرت عثمان اور ان کے حکام کے درمیان ان خطوط کا تبادلہ ہوتا رہا۔

۲۔ سابقہ روایات میں تحریف کی مثالیں

(ا) سیف نے سابقہ روایات میں لوگوں کے ناموں میں تحریف کی مثلاً اس نے حضرت علیؑ علیہ السلام کے قاتل عبد الرحمٰن بن ملجم اور خوارج کے سردار عبد اللہ بن وہب کے ناموں میں تبدیلی کی اور اس نے عبد الرحمٰن بن ملجم کو خالد بن ملجم اور عبد اللہ بن وہب کو عبد اللہ بن سباء کے نام سے یاد کیا۔

اس کی مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''عبد اللہ بن سباء'' کی جلد دوم کی فصل ''تصحیف و تحریف'' کا مطالعہ فرمائیں۔

(ب) واقعات میں تحریف

سیف نے عبادہ بن صامت اور معاویہ کے واقعہ کے متعلق تحریف سے کام لیا ہے۔ اس سلسلہ کی صحیح روایت وہی ہے جسے ہم نے ''احادیث ام المومنین'' کی فصل ''فغ معاویۃ'' میں نقل کیا ہے۔

سیف نے کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ عقیدہ رجعت کا بانی عبد اللہ بن سباء تھا۔

ہم اس وقت عقیدہ رجعت پر بحث کرنا نہیں چاہتے اور اس کے دلائل پر گفتگو بھی نہیں کرنا چاہتے۔ البتہ ہم یہاں صرف ایک ہی روایت پر اکتفا کرنا چاہتے ہیں اور اس روایت سے ہمارے قارئین کو معلوم ہو جائے گا کہ عقیدہ رجعت کا بانی کون ہے۔

جب حضرت پیغمبر اسلام کی وفات ہوئی تو اس وقت حضرت ابوبکر اپنی بیوی کے پاس سخ نامی محلہ میں تھے۔ حضرت عمر رسولؐ خدا کے جنازہ پر آئے اور کہنے لگے۔

کچھ منافقین یہ سمجھ رہے ہیں کہ رسولؐ خدا کی وفات ہوگئی ہے جب کہ رسولؐ خدا کی وفات نہیں ہوئی آپ حضرت موسیٰ کی طرح سے اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں جس طرح سے حضرت موسیٰ چالیس راتوں کے بعد واپس آتے تھے اسی طرح سے حضرت محمد بھی واپس آئیں گے۔

تفصیل کے لئے ہماری کتاب عبد اللہ بن سباء کی جلد اول میں سے باب وفات رسولؐ کا مطالعہ فرمائیں۔

سیف نے عقیدہ وصایت کو عبد اللہ بن سباء کی اختراع بتایا:

علاوہ ازیں اس نے حضرت عمار کے متعلق وارد ہونے والی حدیث میں یہ کہہ کر تحریف کی کہ رسولؐ خدا نے عمار کے متعلق فرمایا تھا:

الحق مع عمار مالم تغلب علیہ ولهة الکبر

''حق عمار کے ساتھ ہوگا جب تک اس پر بڑھاپے کی حماقت غلبہ حاصل نہ کرلے'' اورسیف نے اپنی طرف سے سعد بن ابی وقاص کی زبانی یہ الفاظ تراشے:

ان عمارًا ولہ' وخزف ''عمار بوڑھا ہوگیا اور سٹھیا گیا''

جب کہ حضرت عمار یاسر کے متعلق پیغمبر اکرمؐ کا فرمان ہے:

اذا اختلف الناس کان ابن سمیة مع الحق

''جب لوگوں میں اختلاف ہو جائے تو ابن سمیہ حق کے ساتھ ہوگا۔

(تاریخ ذہبی ۲/۱۷۹۔ تاریخ ابن کثیر ۷/۲۷۰)

طبقات ابن سعد میں مرقوم ہے کہ حضرت علیؑ نے عمار کی شہادت کا مرثیہ کہتے ہوئے یہ الفاظ کہے تھے:

ان عمارا مع الحق والحق معه' یدور عمار مع الحق اینما دار

''عمار حق کے ساتھ اور حق عمار کے ساتھ ہے عمار حق کے ساتھ ادھر پھرتا ہے جدھر حق پھرتا ہے۔''

سیف نے رسولؐ خدا کے فرامین میں یہ کہہ کر تحریف کی کہ حق اُس وقت تک عمار کے ساتھ رہے گا جب تک وہ سٹھیا نہ جائے۔

ابن ہشام نے سیرت النبی میں مسجد نبوی کے تعمیر کے باب میں یہ جملے

لکھے ہیں (مسجد نبوی تعمیر ہو رہی تھی اور تمام لوگ ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے جبکہ عمار دو دو اینٹیں اٹھا رہے تھے) ایک شخص نے ان پر اعتراض کیا تو رسولؐ خدا نے فرمایا:

مالهم ولعمار يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار ان عمارا جلدة مابين عيني وانفي

''ان لوگوں کا عمار سے کیا تعلق ہے عمار انہیں جنت کی طرف بلائے گا اور وہ اسے دوزخ کی طرف بلائیں گے عمار میری آنکھوں اور میرے ناک کے درمیان کا چمڑا ہے۔''

ابن ہشام نے روایت نقل کی مگر اس نے یہ واضح نہ کیا کہ عمار پر اعتراض کس نے کیا تھا سیرت ابن ہشام کی شرح میں ابوذر نے بیان کیا کہ عمار پر اعتراض کرنے والے عثمان بن عفان تھے۔ (طبقات ابن سعد طبع بیروت ۳/۲۶۲)

اس حدیث کی تشریح کے لئے ہماری کتاب احادیث امام المومنین کی فصل ''فی عصر الصھرین'' کی طرف رجوع فرمائیں۔

سیف نے بے حیائی کی تمام حدود پھلانگتے ہوئے حضرت ابوذر کو عبداللہ بن سباء کا پیروکار بتایا ہے جب کہ حضرت ابوذر رسولِ خدا کے عظیم القدر صحابی تھے وہ زہد وتقویٰ میں حضرت عیسٰی بن مریم کی شبیہ تھے ان کے متعلق رسولؐ خدا نے فرمایا تھا۔

ما اظلت الخضراء وما اقلت الغبراء من رجل اصدق لهجة من ابی ذر (۱)

۱۔ سنن ابن ماجہ۔ مقدمہ باب ۱۱ الحدیث ۱۵۶۔ سنن ترمذی کتاب المناقب، باب مناقب ابی ذر۔ مسند احمد ۲/۱۶۳۔۱۷۵۔۲۲۳، ۵/۳۵۱۔۳۵۶، ۶/۴۴۲۔ طبقات ابن سعد طبع یورپ ۴/ق ۱/ ۱۶۸

''آج تک آسمان نے سایہ نہیں کیا اور آج تک زمین نے اپنی پشت پر کسی ایسے شخص کو نہیں اٹھایا جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو''

سیف اور دوسرے رواۃ کی روایات کا موازنہ

ذہبی اپنی تاریخ میں دور عثمان کی شورشوں کے متعلق لکھتے ہیں:

زہری کا بیان ہے کہ حضرت عثمان کے اقتدار کے پہلے چھ سال تک لوگ ان سے خوش رہے اور وہ لوگوں کو عمر سے بھی زیادہ پیارے لگتے تھے۔ کیونکہ عمر سختی کرتے تھے جب کہ عثمان نے نرمی کا ثبوت دیا تھا۔

چھ برس کے بعد انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو کلیدی مناصب پر فائز کر دیا اور ملک مصر یا افریقہ کا پورا خمس مروان کے حوالے کر دیا اور بیت المال میں اپنے رشتہ داروں کو دوسروں پر ترجیح دی اور اس سلسلہ میں ان کا موقف یہ تھا کہ جس صلہ رحمی کا اللہ نے حکم دیا ہے وہ اس پر عمل کر رہے ہیں اور انہوں نے بھاری مقدار میں بیت المال سے قرض لیا اور کہا کہ ابوبکر و عمر نے اپنا حق چھوڑ دیا تھا اور میں بیت المال سے اپنا حق لے کر اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر رہا ہوں لوگوں کو ان واقعات سے تکلیف پہنچی اور ان پر تنقید کرنے لگے۔

میں کہتا ہوں کہ لوگوں نے ان پر یہ اعتراض کیا کہ انہوں نے ایک صالح شخصیت عمیر بن سعد کو حمص کی حکومت سے معزول کر کے حمص کو شام میں ضم کر دیا اور پھر پورا شام معاویہ کی حکومت میں دے دیا۔ اسی طرح انہوں نے عمرو بن العاص کو مصر کی حکومت سے معزول کر کے عبد اللہ بن ابی سرح کو مصر کا حاکم مقرر کیا۔ حضرت عثمان نے ابوموسیٰ اشعری کو بصرہ سے معزول کر کے عبد اللہ بن عامر کو وہاں

کا حاکم مقرر کیا اور مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ سے معزول کر کے سعید بن عاص کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔

کتاب میں مغیرہ بن شعبہ لکھا ہوا ہے جو کہ غلط ہے۔ اصل میں انہوں نے سعد ابن ابی وقاص کو معزول کیا تھا۔

ذہبی مزید لکھتے ہیں:

حضرت عثمان نے صحابہ کو بلایا جس میں عمار بھی شامل تھے اور ان سے کہا:
میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ تم میری تصدیق کرو۔

میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا رسولؐ خدا قریش کو بالعموم اور بنی ہاشم کو بالخصوص دوسرے لوگوں پر ترجیح نہ دیتے تھے؟

صحابہ اس کے جواب میں خاموش رہے۔ پھر حضرت عثمان نے کہا:۔

''اگر جنت کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہوتیں تو میں بنی امیہ کو اس میں داخل کر دیتا۔'' (۱)

بن امیہ کے حکام نے مصر، شام، کوفہ، بصرہ و مدینہ میں جو گل کھلائے اس سے تمام تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ ہم یہاں صرف ابوذر کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا اس کے متعلق کچھ اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ تاریخ اسلام ذہبی ۱۲۲/۲۔ مؤلف کہتا ہے کہ جنت کی چابیاں تو ان کے ہاتھ میں نہ تھیں البتہ بیت المال کی چابیاں ان کے ہاتھ میں تھیں جس سے انہوں نے بنی امیہ کو خوب مستفیض کیا۔

ابوذر سے بدسلوکی

ابی کثیر نے اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ اس نے کہا:

میں ابوذر کے پاس گیا اس وقت وہ جمرہ وسطیٰ کے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کو فتویٰ دے رہے تھے۔ لوگ بڑی تعداد میں ان کے گرد جمع تھے۔

اتنے میں ایک شخص آکر ان کے پاس کھڑا ہوگیا اوران سے کہا۔

کیا تجھے فتویٰ دینے سے روکا نہیں گیا تھا؟

ابوذر نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ کیا تجھے میری نگرانی پر مامور کیا گیا ہے؟

پھر ابوذر نے کہا اگر تم میری گردن پر تلوار بھی رکھ دو اور مجھے معلوم ہو کہ تلوار چلنے سے قبل میں رسولِ خدا سے سنا ہوا جملہ بیان کرسکتا ہوں تو میں ضرور بیان کروں گا۔ (سنن دارمی ۱/۱۳۷۔ طبقات ابن سعد ۲/۳۵۴)

امام بخاری نے اس روایت میں کانٹ چھانٹ کی ہے اور انہوں نے یہ الفاظ لکھے ہیں:

ابوذر نے کہا اگر تم میری گردن پر تلوار بھی رکھ دو اوراگر مجھے معلوم ہو کہ تلوار چلنے سے قبل میں رسولِ خدا سے سنا ہوا جملہ بیان کرسکتا ہوں تو بھی میں ضرور بیان کروں گا۔ (صحیح بخاری۔ کتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل ۱/۱۶)

ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:

ابوذر سے بات کرنے والا شخص قریشی تھا اور انہیں فتویٰ سے عثمان نے منع کیا تھا۔ (فتح الباری ۱/۱۷۰۔۱۷۱)

ابن حجر لکھتے ہیں:

ابوذر نے ''کلمۃ'' کو نکرہ کی شکل میں بیان کیا جس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ میں رسولِ خدا کی ہر چھوٹی اور بڑی بات ضرور بیان کروں گا اگرچہ اس کے لئے مجھے قتل بھی کیوں نہ ہونا پڑے۔

ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا:

وعلیٰ راسه فتی من قریش فقال امانهاک امیر المومنین عن الفتیا...... (تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۸)

''ابوذر کے سر پر قریش کا ایک جوان کھڑا تھا اور اس نے ان سے کہا کہ کیا امیر المومنین نے تجھے فتویٰ سے منع نہیں کیا''؟

ابوذر مسجد حرام میں

امام حاکم نے اپنی سند سے حنش الکنانی سے روایت کی۔ اس نے کہا کہ ابوذر کعبہ کے دروازہ کو پکڑ کر کہہ رہے تھے:

لوگو! جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو نہیں جانتا میں ابوذر ہوں، میں نے رسولِ خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا۔

مثل اهل بیتی کسفینة نوح من رکبها نجا ومن تخلف عنها غرق

میری اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو اس سے پیچھے رہا وہ غرق ہوگیا۔

حاکم کہتے ہیں یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ (مستدرک حاکم ۲/۳۴۳)

ابوذر مسجد رسولؐ میں

یعقوبی نے حضرت ابوذر اور اس وقت کے حاکم مسلمین کی گفتگو کی تفصیل یوں بیان کی ہے۔

حضرت عثمان کو اطلاع دی گئی کہ ابوذر مسجد نبوی میں بیٹھتا ہے اور لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور ابوذر ان کے سامنے حکام پر تنقید کرتا ہے اور حضرت عثمان کو یہ بھی بتایا گیا کہ ایک دن ابوذر نے مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑے ہوکر یہ تقریر کی:

لوگو! جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو مجھے نہیں جانتا تو سن لے میں ابوذر غفاری ہوں۔ میں جندب بن جنادہ ربذی ہوں۔

ان اللّٰہ اصطفی آدم ونوحا وآل ابراھیم وال عمران علی العالمین ذریۃ بعضھا من بعض واللہ سمیع علیم.

''بے شک اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ اور خاندان ابراہیمؑ اور خاندان عمران کو تمام جہانوں میں پر منتخب کیا وہ سب ایک دوسرے کی اولاد تھے اوراللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

محمدؐ، نوحؑ کی صفوت اور آل ابراہیمؑ اور ذریت اسماعیلؑ ہیں ہدایت کرنے والی عترت محمدؐ کا حصہ ہے۔ محمدؐ ان کے شرف کے لئے ذریعہ شرف ہیں۔ آل محمدؐ قوم میں مستحق فضیلت ہیں۔ ان کا ہمارے اندر وہی مقام ہے جو بلند آسمان کا ہے اور جو غلاف میں لپٹے ہوئے کعبہ کا ہے۔ وہ مقرر کردہ قبلہ کی مانند ہیں یا چمکتے ہوئے سورج کی مثال ہیں۔ وہ سفر کرنے والے چاند کی مانند ہیں یا ہدایت کرنے والے

ستاروں کی طرح ہیں۔

آل محمدؐ صاف تیل رکھنے والے درخت زیتون کی طرح ہیں جس کی جھاگ بابرکت ہے۔ محمدؐ مصطفیٰ علم آدمؑ اور انبیاء کے فضائل کے وارث ہیں اور علیؑ بن ابی طالب وصی محمدؐ اور ان کے علم کے وارث ہیں۔

اپنے نبی کے بعد حیرت میں ڈوبی ہوئی امت! سن لو اگر تم نے اسے مقدم رکھا ہوتا جسے خدا نے مقدم رکھا ہے اور اسے موخر کیا ہوتا جسے خدا نے موخر کیا ہے اور اگر تم نے اپنے پیغمبر کی اہل بیت کی ولایت و وراثت کا اقرار کرلیا ہوتا تو تمہیں تمہارے سروں کے اوپر سے بھی رزق ملتا اور تمہارے قدموں کے نیچے سے بھی تمہیں رزق ملتا اور خدا کا کوئی دوست مفلس نہ رہتا اور خدا کا کوئی فریضہ پامال نہ ہوتا اور حکم خداوندی کے متعلق دو افراد میں اختلاف پیدا نہ ہوتا۔ (ہاں اگر اختلاف ہوتا بھی) تو تم اس کا علم ان کے پاس کتاب اللہ اور سنت پیغمبر کے مطابق پاتے۔ بہر نوع! اب تم جو کچھ کر چکے ہو تو اپنے معاملہ کا وبال بھی چکھو اور ظالموں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ان کا انجام کیا ہونے والا ہے۔

یعقوبی اس کے بعد تحریر کرتے ہیں:

حضرت عثمان کو اطلاع ملی کہ ابوذر ان پر تنقید کرتے ہیں اور انہوں نے رسولؐ خدا کی سنت اور سیرت شیخین میں جو تبدیلیاں کی ہیں وہ ان تبدیلیوں کا تذکرہ کرتے ہیں اسی لئے حضرت عثمان نے انہیں معاویہ کے پاس شام روانہ کر دیا۔ جب وہ شام پہنچے تو وہ وہاں بھی مسجد میں بیٹھ کر وہیں باتیں کرتے تھے جو وہ مدینہ میں کیا کرتے تھے لوگ جمع ہو کر ان کی باتیں سنتے تھے اور آہستہ آہستہ لوگوں کی بڑی تعداد ان کی باتیں سننے لگی۔۔۔۔

یعقوبی اس کے بعد لکھتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے۔

معاویہ نے عثمان کو خط لکھا جس میں اس نے تحریر کیا کہ تو نے ابوذر کو شام روانہ کر کے شام کو اپنے مخالف بنالیا۔

حضرت عثمان نے جواب میں لکھا:

تم ابوذر کو بے پالان اونٹ پر سوار کر کے مدینہ بھیج دو۔

چنانچہ جب ابوذر مدینہ پہنچے تو ان کی رانوں سے گوشت اڑ چکا تھا اور عثمان سے ان کی تلخ گفتگو ہوئی جس کی وجہ سے عثمان نے انہیں ربذہ جلا وطن کر دیا۔

کوفہ کے گورنر ولید نے بھی صحابی رسول عبد اللہ بن مسعود کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا تھا اور جب وہ مدینہ پہنچے تو حضرت عثمان نے انہیں زمین پر گرا دیا تھا اور انہیں سخت سزا دی گئی جس کی وجہ سے ان کی وفات ہوگئی اور ایسا ہی سلوک عمار یاسر سے روا رکھا گیا تھا:

ان تمام واقعات کی تفصیلی بحث کے لئے ہماری کتاب ''احادیث ام المومنین'' کی طرف رجوع فرمائیں۔

دورِ عثمان کی شورشوں کا انجام

حضرت عثمان نے بنی امیہ کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی اور انہوں نے بھی موقع سے خوب فائدہ اٹھایا اور دونوں ہاتھوں سے مسلمانوں کی دولت لوٹی اور جس نے بھی حکام کے خلاف آواز بلند کی تو اسے سخت اذیتیں دی گئیں جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ عوام مسلمین حضرت عثمان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ان حالات میں بنو تمیم طلحہ اور آل زبیر زبیر کی خلافت کے خواب دیکھنے لگ گئے اور ام المومنین بی بی عائشہ کی

تقاریر نے بھی جلتی پر تیل کا کام کیا۔

عوام کی بھاری اکثریت نے حضرت عثمان سے منصب خلافت چھوڑنے کا مطالبہ کیا جب ان کے مطالبہ کو پذیرائی نصیب نہ ہوئی تو انہوں نے طیش میں آ کر ان کا کام تمام کر دیا۔ اور اس پورے عرصہ میں اہل مدینہ نے حضرت عثمان کی کوئی مدد تک نہ کی اور خاموشی سے حالات کا جائزہ لیتے رہے۔

اس سال حضرت عثمان محصور ہونے کی وجہ سے حج پر نہ جاسکے اور ان کی طرف سے عبد اللہ بن عباس امیر حج بن کر مکہ گئے اور انہوں نے مکہ میں لوگوں کو بتایا کہ خلیفہ محصور ہو چکا ہے مگر حج کے اجتماع میں سے کسی نے بھی حضرت عثمان کی مدد کے لیے کوئی سرگرمی نہ دکھائی اور معاویہ جو کہ پورے صوبہ شام پر مدت سے حکومت کر رہا تھا اس نے بھی حضرت عثمان کی مدد کے لئے کوئی عملی اقدام نہ کیا اور یوں مسلمانوں کا خلیفہ اپنے گھر میں قتل ہوگیا۔

حضرت عثمان کی وفات کے بعد کسی نے بھی طلحہ و زبیر کی بیعت کا نام تک نہ لیا۔ بزرگ صحابہ ہزاروں افراد کا مجمع لے کر حضرت علیؑ کی خدمت میں آئے اور ان سے بیعت کی درخواست کی جسے بہت زیادہ اصرار کے بعد حضرت علیؑ نے قبول کیا اور لوگوں نے کھلے ذہن اور کھلے ماحول میں حضرت کے دست حق پرست پر بیعت کی اور سب سے پہلے طلحہ اور اس کے بعد زبیر نے آپ کی بیعت کی۔

جب آپ کی حکومت میں استحکام پیدا ہوا تو آپ نے بیت المال کا وظیفہ تمام مسلمانوں میں یکساں طور پر تقسیم کیا ہے جسے اشرافیہ طبقہ برداشت نہ کرسکا اور آپ نے اشرافیہ طبقہ کی تمام مراعات کو ختم کر دیا اور ان کی تمام جائیدادیں ان سے

واپس لے لیں جس کی وجہ سے مدتوں کے کینے پھر دوبارہ جاگ اٹھے اور دشمنی کی چنگاری دہکتے دہکتے الاؤ میں تبدیل ہوگئی۔

طلحہ وزبیر مدینہ میں مکہ آئے اور اُم المومنین کو ساتھ ملایا اور خونِ عثمان کا نعرہ بلند کرکے حضرت کے خلاف بغاوت کردی اُم المومنین نے فوج کی کمان سنبھالی اور ایک اونٹ پر سوار ہوکر بصرہ آئیں بصرہ کے بیت المال کو تاراج کیا اور محافظوں کو شہید کردیا۔

ان حالات سے مجبور ہوکر حضرت علیؑ علیؑ ہ السلام نے جوابی اقدام کیا اور بصرہ کے قریب عہد شکن افراد سے ایک خونریز جنگ لڑی گئی۔

زبیر میدان جنگ چھوڑ کر واپس بھاگ گیا جہاں راستہ میں ایک شخص نے اسے قتل کردیا اور طلحہ میدان جنگ میں مارا گیا اور دونوں طرف سے ہزاروں افراد مارے رہے اس کے بعد امیر المومنین نے اُم المومنین کو باعزت طریقہ پر مدینہ بھیج دیا۔

حضرت عثمان کے دور کی شورش بیعتِ علیؑ اور جنگ جمل کا یہی جامع خلاصہ ہے ان واقعات کی تفصیل و مصادر کی بحث کے لئے ہماری کتاب ''احادیث اُم المومنین عائشہؓ'' کا مطالعہ فرمائیں۔

صحیح روایات کے مدمقابل سیف کی خود ساختہ روایات

سیف نے صحیح حالات و واقعات کو مسخ کر کے ان کی غلط تعبیر و توجیہہ کی اور حقائق کو چھپانے کی بھرپور کوشش کی۔

تاریخ کا سچا اور صحیح فیصلہ یہی ہے کہ حضرت عثمان کے خلاف جو شورش اٹھی تھی وہ ان کی اقربا پروری اور بنی امیہ کے حکام کے غلط رویہ کے ردعمل کے طور پر نمودار ہوئی تھی اور آخر کار اپنی ہی پالیسیوں کی وجہ سے جان کی بازی ہار گئے تھے۔

سیف یہ حقائق برداشت نہیں کرسکتا تھا اور آئینہ میں حقیقی تصویر دیکھنے پر آمادہ دنہ تھا۔ اس نے حضرت عثمان کے شورش و اضطراب کا سبب کچھ یوں تخلیق کیا ہے۔

یمن کے شہر صنعاء میں ایک یہودی رہتا تھا جس کی والدہ سیاہ فام حبشی عورت تھی اور اس شخص کا نام عبداللہ بن سباء تھا۔ حضرت عثمان کے عہد میں اس نے بظاہر اسلام قبول کیا پھر اس نے عجیب وغریب نظریات تراشے اس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ رسولؐ خدا اپنی وفات کے بعد واپس دنیا میں تشریف لائیں گے اور اس نے یہ نظریہ دیا کہ حضرت علیؑ رسول خداؐ کے وصی ہیں اور حضرت عثمان وصی کے حقوق کے غاصب ہیں۔ اسی لئے مسلمانوں پر واجب ہے کہ اصلی حقدار کو حق دلانے کے لئے

حضرت عثمان کے خلاف خروج کریں۔

اور اس نے اپنی دعوت سر عام کرنے کے لئے مدینہ، شام، کوفہ، بصرہ اور مصر کے دورے کیئے جس کے نتیجہ میں حضرت ابوذر، عمار یاسر اور حجر بن عدی اور دیگر عظیم القدر صحابہ کرام اس کے ہمنوا بن گئے اور اس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئے اور یوں ایک سبائی جماعت تشکیل پائی۔

اس جماعت کے لوگ بظاہر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے اور دوسرے شہروں میں خطوط بھیجتے تھے کہ یہاں اموی حکام نے اندھیر مچا رکھا ہے۔ اسی طرح دوسرے شہروں والے بھی بنی امیہ جیسے مخلص اور شریف حکمرانوں کے خلاف ان کے پاس خطوط بھیجتے تھے اور یہ لوگ ان خطوط کو لوگوں میں پھیلاتے تھے اور عوام الناس کو لائق وفائق حکام سے برگشتہ کرتے تھے۔

سیف نے یہاں تک جسارت کی کہ عمار آخری زندگی میں سٹھیا گئے تھے اور حق سے منحرف ہوگئے تھے اور اس کی جسارت یہاں تک بڑھی کہ اس نے رسولؐ خدا پر جھوٹ باندھا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ حق اس وقت تک عمار کے ساتھ ہو گا جب تک وہ بڑھاپے کی وجہ سے سٹھیا نہ جائے۔

اسی طرح کی جسارت اس نے حضرت ابوذر کے متعلق بھی کی تھی سبائی جماعت نے جس میں صحابہ کی ایک معتدبہ جماعت شامل تھی، حالات کو سنگین سے سنگین تر بنایا اور ابن سباء کی تعلیمات سے متاثر ہو کر لوگوں کو مدینہ لائے اور حضرت عثمان کو ناحق شہید کر دیا۔ اس کے بعد اس سبائی جماعت نے حضرت علیؑ کی بیعت کی اور اسی جماعت نے طلحہ و زبیر کو بھی حضرت علیؑ کی بیعت پر مجبور کر دیا تھا۔

بڑی مشکل سے طلحہ و زبیر مدینہ سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوئے اور مکہ آئے اور یہاں اُم المومنین بی بی عائشہ کو ساتھ ملایا اور مظلوم عثمان کے خون کا قصاص

کے لئے فوج تشکیل دے کر بصرہ آئے۔

حضرت علیؑ نے ان کے اس ''معصومانہ کردار'' کو بغاوت پر محمول کیا اور آپ فوج لے کر بصرہ آئے جہاں فریقین میں کامیاب مذاکرات ہوئے اور دونوں فریق صلح صفائی پر آمادہ ہوگئے مگر سبائی جماعت صلح کو پسند نہ کرسکی اور فریقین کی مصالحت میں انہیں اپنی موت دکھائی دینے لگی اب جب کہ دوسرے دن باقاعدہ مصالحت ہونا تھی سبائی گروہ نے اس رات اپنا کام کر دکھایا اور دونوں طرف سے رات کے سناٹے میں ایک دوسرے پر اچانک تیر اندازی ہونے لگی۔ جس کی وجہ سے ہر فریق نے یہ سمجھا کہ مخالف فریق نے حملہ کر دیا ہے اور انہیں اصل حالات کا پتہ نہ چل سکا۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے چنگاری بھڑک کر جنگ کے الاؤ میں تبدیل ہوگئی۔ اور یوں فریقین میں خونریز جنگ ہوئی جس میں طلحہ و زبیر قتل ہوئے اور فریقین کے ہزاروں افراد مارے گئے۔ اور یہ جنگ حضرت علیؑ کی فتح پر منتج ہوئی۔

سیف نے اس طرح کی سینکڑوں داستانیں تخلیق کی تھیں اور ان کی نسبت اپنے خودتراشیدہ راویوں کی طرف کی تھی۔

اس حقیقت سے ہم سب اچھی طرح واقف ہیں کہ طبری، ابن اثیر، ابن عساکر، ابن کثیر اور ابن خلدون جیسے علماء سیف کی خیانت سے بخوبی واقف تھے اور سیف کی داستان طرازی ان پر ہرگز مخفی نہ تھی اور وہ یہ بات بھی بخوبی جانتے تھے کہ سیف بے دین اور زندیق شخص ہے اور علمائے رجال کا اس کے متعلق متفقہ فیصلہ ہے کہ سیف کذاب اور زندیق ہے کسی بھی محدث نے اس کی توثیق نہیں کی اور عجیب بات یہ ہے کہ مذکورہ مورخین نے خود بھی اس کی روایات کو ضعیف قرار دیا ہے ہم نے مذکورہ مورخین کے اقوال پر مبنی اپنی کتاب ''عبداللہ بن سباء) میں تفصیل سے بیان کیئے ہیں۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ مذکورہ مورخین کو اصل واقعات و حقائق کا بھی پورا علم تھا مگر اس کے باوجود ہمیں نہایت افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ صحیح واقعات جاننے کے باوجود انہوں نے انہیں لکھنے سے گریز کیا اور ان کی بجائے انہوں نے سیف جیسے بے دین کی بے سرو پا روایات سے اپنی کتابوں کے اوراق سیاہ کیئے۔ اور اسی سلسلہ میں مذکورہ مورخین نے اپنی پالیسی خود اپنی زبانی بیان کی کہ عوام الناس ایسی باتوں کو سننا پسند نہیں کرتے۔

ہم انتہائی دکھ سے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ کاش اگر مذکورہ مورخین حقیقت کو چھپانا ہی چاہتے تھے تو چھپا لیتے لیکن حقائق کے برعکس جھوٹی داستانیں تحریر نہ کرتے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے:

وَلَاتَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ.

(البقرہ ابلے=42)

"اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو مت چھپاؤ" جبکہ تم جانتے ہو"

اللہ تعالیٰ کے اس واضح فرمان کی موجودگی میں تاریخ کے ان ''چاند تاروں'' نے حق کو باطل کے ساتھ نہ ملایا اور جان بوجھ کر حق کو بھی چھپایا۔

کیا مذکورہ مورخین حضرت ابوذر، عمار یاسر، عبداللہ بن مسعود اور حجر بن عدی جیسے دسیوں عظیم القدر صحابہ کی عظمت سے ناواقف تھے؟

جی ہاں، مذکورہ مورخین کو ان صحابہ کے مقام کا بخوبی علم تھا لیکن انہوں نے ایک زندیق کی اتباع کرتے ہوئے اسلام کے جانثار صحابہ کو عبداللہ بن سبا یہودی کا پیروکار بتایا اور ان بزرگواروں کے متعلق یہاں تک گستاخی کی کہ ان لوگوں نے اسلامی معاشرہ میں فتنہ وفساد کو رواج دیا اور انہی کی ذاتی کوششوں کی وجہ سے امت اسلامیہ میں انتشار پیدا ہوا یوں مسلمان ایک دوسرے کو قتل کرنے لگ گئے۔

اس طرح کی بے سر و پا روایات دیکھ کر ہم "اناللہ و انا الیہ راجعون" ہی پڑھ سکتے ہیں اور ایسی لغو اور پوچ روایات کی تصدیق کرنے والوں کے متعلق یہی کہہ سکتے ہیں تصویر تو اے چرخ گرداں تفو۔ عبداللہ بن سباء کی داستان اتنی پوچ اور لغو ہے کہ رتی برابر عقل رکھنے والا شخص بھی اس کی تائید نہیں کرسکتا عجیب بات یہ ہے کہ اصلی متاثرہ فریق یعنی حضرت عثمان کو بھی عبداللہ بن سباء کا کوئی علم نہیں ہوا اور انہیں آخری لمحات کا یہ پتہ نہ چل سکا کہ ان کی مخالفت کرنے والا خفیہ ہاتھ کس کا ہے انہیں تو ابوذر، عبداللہ بن مسعود اور عمار یاسر کے متعلق یہ پتہ نہ چل سکا کہ یہ لوگ دراصل کسی اور کے ایجنٹ کا بھی کردار ادا کر رہے ہیں۔

ہمارا تعجب اس وقت مزید بڑھ جاتا ہے کہ حضرت عثمان کے رشتہ دار جو کلیدی مناصب پر فائز تھے، انہیں بھی شورش کے اصل محرک کا پتہ نہ چل سکا اور ہمیں یقین ہے کہ اگر اسی طرح کا کوئی جیتا جاگتا کردار ہوتا تو بنی امیہ اسے پاتال سے بھی ڈھونڈھ نکالنے میں کامیاب ہو جاتے۔ سیف نے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ حضرت علی کی وصایت کا عقیدہ بھی اسی عبد اللہ بن سباء کا ساختہ پرداختہ تھا۔ اور اس کے نظریہ سے ابوذر و عمار جیسے عظیم المرتبت صحابہ نے خود حضرت علیؑ سے یہ پوچھنے کی زحمت تک گوارا نہ کی کہ یہودی زادہ آپ کو وصی پیغمبر کہتا ہے تو اس بات میں کہاں تک صداقت موجود ہے!!

سیف کے بیان کے مطابق حضرت ابوبکر کا فرزند حضرت محمد بھی عبداللہ بن سباء سے متاثر ہوا اور اس نے حضرت علیؑ کو وصی ماننا شروع کر دیا حالانکہ تمام لوگ اس بات سے باخبر ہیں کہ محمد بن ابی بکر نے حضرت علیؑ کے گھر میں پرورش پائی تھی مگر اس کے باوجود اس نے حضرت علیؑ سے اس عقیدہ کے متعلق کوئی سوال تک نہ کیا!!

مجھے تعجب ہے کہ لوگ ایسی لایعنی اور غیر منطقی باتوں کو کیسے مان لیتے ہیں اور علمائے تاریخ نے سیف کی لغو باتوں کی تصدیق کیونکر کی!!

مجھے یقین ہے کہ مورخین سیف کی ان داستانوں کو قلبی طور جھوٹ کا پلندہ سمجھتے تھے اور اس کے ساتھ مجھے عوام الناس پر تعجب ہے کہ انہوں نے جھوٹ کے اس طور مار کو سچ کیسے مان لیا؟!

علمائے تاریخ اپنے وجدان وضمیر کی عدالت میں سیف کو کذاب ومفتری جانتے تھے مگر انہوں نے ''دفاع صحابہ'' کے نظریہ کے تحت اس کی روایات کو دھڑلے سے نقل کیا۔ کیونکہ سیف نے اپنی روایات کو اس انداز سے منظم کیا تھا جس سے برسراقتدار طبقہ پر کوئی حرف نہ آتا تھا سیف نے اپنی روایات سے برسراقتدار طبقہ کو بے گناہ ثابت کرنے کی پوری کوشش کی اس نے مالک بن نویرہ کے قتل کو جائز قرار دیا اور اس کی بیوی سے خالد کے نکاح کو خالص شرعی عمل سے تعبیر کیا۔ اس نے مغیرہ بن شعبہ کو زنا کے الزام سے بری ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

سعد بن ابی وقاص کی طرف سے ابو محجن ثقفی پر سے حد شرعی ہٹانے کی پرزور وکالت کی۔ اور ولید کی شراب نوشی اور اس پر حد شرعی کے نفاذ کا پورا دفاع کیا۔

الغرض سیف بن عمر نے برسراقتدار طبقہ کے تمام گناہوں اور غلطیوں کو چھپانے کی بھرپور کوشش کی۔ اسی لئے علمائے تاریخ کو اس کی یہ ادا بہت پسند آئی اور انہوں نے اس کی روایات کو اپنی کتابوں میں جگہ دی مذکورہ علمائے تاریخ نے عصمت قلم کو اس حد تک داغدار کیا کہ برسر اقتدار طبقہ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے حضرت ابوذر، عبداللہ بن مسعود اور عمار یاسر جیسے عظیم القدر صحابہ کو گناہ گار ثابت

کیا گیا۔

ہمارے مورخین کا مقصد اول و آخر صرف یہی تھا کہ برسراقتدار طبقہ کی صفائی پیش کی جائے اور اگر اس کے لئے عظیم القدر صحابہ کی کردار کشی ہوتی ہو تو بڑے شوق سے انہیں قربانی کا بکرا بنا دیا جائے۔

محمد بن جریر طبری حضرت عثمان کے قتل کے حقیقی محرکات سے واقف تھا لیکن اس نے ان کا تذکرہ نہیں کیا اور اس کی جگہ یہ لکھا۔ **فاعرضنا عن ذکر کثیر منہا العلل دعت الی الاعراض عنہا ا** ۔ ہم نے کچھ وجوہات کی بنا پر بہت سے واقعات کے ذکر سے اعراض کیا اور اس اعراض کی بھی بہت سی وجوہات ہیں

(تاریخ طبری طبع یورپ ۱/۲۹۸۰)

ہم جانتے ہیں کہ کن علل و اسباب کی وجہ سے طبری نے بہت سے واقعات نقل نہیں کیئے۔ وہ علل و اسباب صرف یہی تھے کہ اگر طبری صحیح واقعات نقل کرتے تو برسراقتدار طبقہ پر الزام آتا تھا اور عوام مسلمین کی نظر میں ان کا مقام مجروح ہونے کا خطرہ تھا ویسے بھی طبری نے اپنی پالیسی کا اظہار ان الفاظ سے کیا تھا **"محالا یتحملہ عامۃ اللناس"** میں نے ایسے واقعات لکھنے سے دانستہ گریز کیا ہے جنہیں عوام الناس برداشت نہیں کرتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے ان مورخین نے حق چھپانے کی ہرممکنہ کوششیں کیں انہوں نے حدیث رسولؐ، سیرت رسولؐ، سیرت اہل بیتؑ، سیرت صحابہ اور ان کے صحیح واقعات کے متعلق دل کھول کر تحریف کی اور اصلی واقعات کی جگہ فرضی قصے کہانیاں گھڑ کر لوگوں کو مطمئن کرنے کی ناکام کی۔

سیف نے اپنی زندیقی کی وجہ سے اس طرح کے فرضی واقعات تخلیق کیئے اور ہمارے مورخین نے اس کے خودساختہ قصوں کو اپنی کتابوں میں جگہ دے کر کذب و افترا کو جاری کرنے میں اس سے بھرپور تعاون کیا اور اس کا تکلیف دہ پہلو یہ

ہے کہ ہمارے علماء دل و جان سے سیف کو جھوٹا سمجھتے تھے اور تاریخی حقائق سے بھی باخبر تھے مگر انہوں نے برسراقتدار طبقہ کو تنقید سے بچانے کے لئے یہ سب کچھ کیا!!!

ہمیں مکتبِ خلافت میں کتمانِ حقیقت کی ایسی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں۔

نتیجہ بحث

اس تمام تر بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ مکتبِ خلافت سے وابستہ علماء نے ہر دور میں ایسی تمام روایات کو چھپانے کی کوشش کی جس کی وجہ سے برسراقتدار طبقہ پر حرف آتا ہو اور ان کی شخصیت داغدار ہوتی ہو۔ اور حق کوشی کے لئے ان کی دلیل یہ ہے کہ ان کا تعلق صحابہ کی جماعت سے تھا اور ایسی روایات کا بیان کرنا درست نہیں ہے جس کی وجہ سے حضور اکرم کے صحابہ پر الزام آتا ہو۔

مگر یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کیا صرف برسراقتدار طبقہ ہی صحابیت کے شرف سے مشرّف تھا اور کیا عمار یاسر، عبداللہ بن مسعود اور ابوذر جیسے افراد صحابی نہیں تھے؟

اگر مورخین کو صحابیت کا تقدس ہی ملحوظ خاطر ہوتا تو رسولؐ خدا کے ان جانثار صحابہ کی کبھی کردارکشی نہ کرتے اور انہیں عبداللہ بن سباء یہودی کا پیرو کار اور سٹھیایا ہوا کبھی نہ کہتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مورخین کا مقصد تقدیس صحابہ کی بجائے تقدیس حکام تھا۔

برسراقتدار گروہ کے دفاع کے لئے علماء نے کبھی مکمل روایت کو چھپایا اور کبھی پوری روایت کی بجائے اس میں سے اس حصہ کو حذف کیا جس سے برسراقتدار طبقہ پر حرف آتا تھا اور اس ٹکڑے کو حذف کر کے باقی پوری روایت بکھیر دی۔

علماء کی ستم گری ملاحظ ہو کہ جس روایت و خبر کے الفاظ سے برسراقتدار طبقہ پر حرف آسکتا تھا، انہوں نے ان الفاظ کو بدل کر ان کی جگہ مبہم اور بے معنی

الفاظ تراشے تاکہ حقیقت واضح نہ ہو پائے اور بعض مقامات پر انہوں نے ہاتھوں کی ایسی صفائی دکھائی کہ مجرم کو بے گناہ ار بے گناہ کو مجرم بنا دیا اور یوں حقیقت کو بالکل مسخ کرپیش کیا اور پھر تحریف شدہ روایات کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا گیا اور اسلامی اجتماعات میں صحیح اخبار و روایات کی بجائے خود ساختہ روایات کی ترویج کی گئی اور اگر کسی راوی نے سچ کہہ دیا اور کسی مؤلف نے حق بات نقل کر دی تو علماء نے اس راوی اور مؤلف کی خوب خبر لی اور پوری طرح سے اسے رگیدا۔ ایسے سر پھرے راوی اور مؤلف کو ضعیف اور احمق کہا گیا اور اس کی ہر طرح کردار کشی کی گئی بعض اوقات انہیں قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا گیا اور اگر یہ سب کچھ نہ ہو سکا تو روایت کی ایسی من مانی تاویل کی گئی کہ مذمت کی روایت مدح محسوس ہونے لگی۔

اور جس راوی نے حالات سے سمجھوتہ کر کے برسراقتدار طبقہ کے حق میں روایت کی تو ایسے راوی اور ایسے مؤلف کی جی بھر کر تعریف و توصیف کی گئی اور اس کی روایت کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا گیا اور ایسی کتاب کو بہترین دستاویز کی سند دی گئی۔

یہی وجہ ہے کہ سیرت ابن ہشام کو خوب پذیرائی ملی جب کہ سیرت ابن اسحاق جو کہ اس کا ماخذ ہے، اسے طاق نسیان کر دیا گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ آج کل سیرت ابن اسحاق نایاب ہو چکی ہے اور ڈھونڈھے سے نہیں ملتی جب کہ سیرت ابن ہشام کے نسخے ہر مکتبہ اور ہر زبان میں دکھائی دیتے ہیں۔

ابن ہشام نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے اپنی کتاب کی روایات سیرت ابن اسحاق سے نقل کی ہیں البتہ میں نے ایسی روایات نقل کرنے سے گریز کیا ہے جنہیں لوگ سننا نہیں چاہتے "مایسوء الناس ذکرہ" اور اسی لئے محمد بن جریر طبری کی تاریخ کو شہرت ملی اور اسے اسلامی تاریخ کی موثق ترین دستاویز

قرار دیا گیا اور کتمانِ حق کی وجہ سے طبری کو مکتبِ خلافت میں امام المورخین کا لقب دیا گیا۔ کیونکہ طبری نے حقیقی واقعات کی بجائے سیف جیسے زندیق کی روایات کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا اسی خوبی کی وجہ سے تاریخ طبری باقی کتب تاریخ کا ماخذ و مصدر قرار پائی۔

طبری کے بعد والے مورخین نے طبری کی روایات کو نقل کیا اور آہستہ آہستہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ حقیقی واقعات لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے اور خود ساختہ پر واقعات نے تاریخی حقائق کی جگہ لے لی۔

اس کتمان حق کی 'خوبی' کی وجہ سے محمد ابن اسماعیل بخاری کو امام المحدثین کا لقب دیا گیا اور اس کی کتاب کو اصح الکتب بعد کتاب الباری کا لقب دیا گیا اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کے علاوہ باقی کتب احادیث کی روایات کو دوسرے درجہ کی روایات بنا دیا گیا۔

صحیح وضعیف روایات کا تجزیہ و میزان

جب آپ ہماری سابقہ مباحث اور اجتہادات خلفاء کا مطالعہ کریں گے جس کا تذکرہ اسی کتاب کی جلد دوم میں کیا جائے گا تو آپ کو اسلامی روایات کے اختلاف سے سرچشموں کا بخوبی انداز ہو جائے گا کتابوں میں دو طرح کی روایات ہیں جو ایک دوسرے کی متضاد ہیں ان میں سے کچھ روایات وہ ہیں جو حکمران طبقہ کو تنقید سے محفوظ رکھتی ہیں اور دور ملوکیت کو سراہتی ہیں اور دوسری ایسی روایات وہ ہیں جو طبقہ حکام کی خواہشات سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ تو ایسی تمام روایات جو دور ملوکیت کے مطلق العنان خلفاء و سلاطین کے حق میں ہیں وہ ضعیف ہیں اور جو ان کے میلانات سے علیحدہ ہیں وہ قوی ہیں مثلاً بخاری میں مردہ پر رونے سے منع کرنے کی روایات موجود ہیں اور اس میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ یہ بات ایک حاکم کے

مزاج اور افتادِ طبع کے عین مطابق تھی۔

اور اس کی متضاد روایت اُم المومنین بی بی عائشہ سے بھی مروی ہے جس میں انہوں نے کہا کہ سننے والے کو غلطی ہوئی ہے اور میت پر رونا جائز ہے اور یہ سنت رسولؐ ہے۔ اب پہلی روایت ایک حاکم کے مزاج کی عکاسی کرتی ہے اور دوسری روایت حاکم کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی اسی لئے دوسری روایت قوی اور صحیح ہوگی اور پہلی روایت کمزور اور غیر موثق قرار پائے گی۔

صحیح بخاری میں بی بی عائشہ سے منقول ہے کہ رسولؐ خدا نے علیؑ کو وصیت کب کی تھی جب کہ ان کا وصال میری گود میں ہوا تھا؟

اور اسی اُم المومنین سے ایک دوسری روایت بھی مروی ہے جس میں انہوں نے بیان کیا کہ رسولؐ خدا کے آخری لمحہ اور دم واپسیں تک حضرت علیؑ رسولؐ خدا کے پہلو میں موجود رہے تھے۔

ان روایات میں سے پہلی روایت حکمران طبقہ کے مزاج کی عکاسی کرتی ہے اور ان کے موقف کی مؤیدّ ہے جب کہ دوسری روایت ان کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی۔ لہذا پہلی روایت ضعیف اور دوسری روایت قوی متصور ہوگی۔ اور یہی سچا اور کھرا میزان ہے اور اسی میزان پر احادیث پیغمبر اور سیرت صحابہ و تابعین کا وزن کیا جانا چاہیے۔

حقیقتِ حال کی وضاحت

علوم اسلامی سے آشنائی رکھنے والے افراد اس بات سے واقف ہیں کہ مکتبِ خلافت میں حق و باطل کا میزان حکمران طبقہ رہا ہے اور جو بھی روایت وخبر ان کے مفاد کے خلاف ہو یا اس سے ان کی شخصیت مجروح ہوتی ہو تو وہ روایت اور خبر غیر صحیح، ضعیف اور باطل ہے اور جو بھی راوی کوئی ایسی روایت کرے تو وہ راوی

ضعیف ہے اور جس بھی مؤلف نے ایسی روایت نقل کی ہو تو وہ مؤلف ضعیف اور غیر موثق ہے اور اس پر مختلف قسم کے الزامات عائد کیئے جاتے ہیں اور اگر کسی راوی یا مؤلف پر اعتراض کرنا ممکن نہ رہے تو پھر حدیث کی من مانی تاویل کر کے اس اپنے مقصد کے لئے کارآمد بنالیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس وہ راوی اور مؤلف جس نے حکمران طبقہ کی مدح وتوصیف کی ہو اور ایسی روایات کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہو جو مذکورہ طبقہ کے لئے بدنامی کا باعث بنتی ہوں تو ایسا راوی اور ایسا مؤلف ثقہ، امین اور قابل تصدیق ہے۔ اور اس کی روایات اس قابل ہیں کہ اسے اپنی کتابوں میں جگہ دی جائے اور ان روایات کی خوب تشہیر کی جائے۔ اسی جذبہ کے تحت سیف زندیق اپنی خود ساختہ داستانوں کو اسلامی مصادر میں داخل کرنے میں کامیاب ہوا اور اس کی بیان کردہ روایات تیرہ صدیوں سے ستر سے زیادہ کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔

سیف زندیق نے حدیث وسیرت میں کس طرح تحریف کی اس کی تفصیل کے لئے ہماری کتاب ایک سو پچاس خود ساختہ صحابی'' کے ابواب رسول النبی، عمال الرسول، الوافدون علی رسول اللہ اور بیت رسول اللہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

اور اس کتاب میں ہم نے حدیث عمار کی طرف اشارہ کیا اور یہ بھی واضح کیا۔ کہ سیف نے اپنی خباثت باطنی کے وجہ سے اس حدیث کو کس طرح سے داغدار کیا۔

سیف ہو یا ابوالحسن البکری جس نے الانار نامی کتاب لکھی اور سیرت النبی کے ضمن میں خود ساختہ روایات بیان کیں یا کعب الاحبار ہو جس نے اسرائیلی روایات کو مصادر اسلامیہ میں داخل کیا۔ سب ایک ہی سکےّ کے مہر ہیں اور ان لوگوں کا مشن ہی یہی تھا کہ زیادہ جھوٹ بول کر اسلام کے صاف و شفاف چشمہ کو گدلا کیا

جائے اور اس میں باطل کی آمیزش کر کے اسے قابل نفرت بنایا جائے۔ ان کے اخبار و آثار کو ہم نے اپنی کتاب ''احیائے دین میں ائمہ کا کردار'' میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اور سیف اور ابوالحسن البکری اور کعب الاحبار کے متعلق ہمارا جو نظریہ ہے وہ تو واضح ہے لیکن ہم بخاری اور اس کی صحیح اور ابن ہشام اور اس کی سیرت اور طبری اور اس کی تاریخ کے متعلق اس سے جداگانہ نظریہ رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان علماء کے اسلوب پر بھی ہمیں اعتراض ہے مگر اس کے باوجود ہم ان کی کتابوں کو یکسر مسترد نہیں کرتے ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں بہت سی صحیح سنن رسولؐ بیان کی ہیں جن پر ہم اعتماد کرتے ہیں اور اس کی روایت بھی کرتے ہیں۔

مکتبِ اہل بیت سے وابستہ علماء کا ہمیشہ سے یہی اسلوب رہا ہے کہ ہم جلیل القدر شخصیات کی تالیفات پر آنکھیں بند کر کے انہیں صحیح قرار نہیں دیتے۔ علمائے امامیہ نے جہاں صحیح بخاری کی بہت سی روایات پر جرح کی ہے وہاں انہوں نے ثقۃ الاسلام کلینی کی کتاب الکافی کی روایات پر بھی جرح کی ہے اور علامہ مجلسی نے مراۃ العقول لکھ کر الکافی کی بہت سی روایات کو ضعیف کہا ہے۔

علمائے امامیہ صرف حق کی پیروی کو ہی اپنا مقصد حیات قرار دیتے ہیں اس کے لئے وہ صحیح بخاری اور الکافی میں کوئی فرق روا نہیں رکھتے۔ جب کہ اس کے برعکس مکتبِ خلافت وابستہ علماء صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات پر اندھا اعتماد کرتے ہیں اور وہ ان کتابوں کی کسی روایت پر جرح کرنے کو گناہ کبیرہ تصور کرتے ہیں اور صحیحین اور دوسری چار کتابوں کی روایات کے علاوہ جنہیں وہ صحاح ستہ سے نام کسے یاد کرتے ہیں، باقی کتب حدیث کی روایات کو بڑی مشکل سے قبول کرتے ہیں جب کہ مکتبِ خلافت میں صحاح ستہ کے علاوہ اور بھی بے شمار احادیث و سیرت

وتاریخ کی کتابیں موجود ہیں جن میں سے حسب ذیل کتب بہت مشہور ہیں۔

صحیح ابن خزیمه المتوفی ۳۱۱ھ

صحیح ابن حبان المتونی ۳۵۴ھ

الصحاح الماثورة عن رسول الله (ص) از حافظ ابی علی ابن السکن لمتوفی ۳۵۳ھ

مسند الطیاسی المتوفی ۲۰۴ھ

مسند احم دبن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ

سنن بیهقی المتوفی ۴۵۸ھ

سنن ابی بکر الشافعی المتوی ۳۷۴ھ

المعاجم الثلاثه طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ

مصنف عبدالرزاق صنعانی المتوفی ۲۱۱ھ

مصنف ابن ابی شیبه المتوفی ۲۳۵ھ

مجمع الزوائد هیشمی المتوفی ۸۰۷ھ

مستدرک حاکم المتوفی ۴۰۵ھ

اس کے علاوہ حدیث وسیرت کے عنوان پر بیسیوں کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں خلیفہ بن خیاط کی الطبقات و التاریخ بلاذری کی فتوح البلدان و انساب الاشراف اور مسعودی کی التنبیہ و الاشراف اور مروج الذہب اور واقدی کی کتاب المغازی اور ابن سعد کی طبقات بڑی مشہور ہیں۔

ان کتابوں کے باوجود مکتبِ خلافت کے علماء نے علمِ حدیث میں صحاح ستہ اور سیرت و مغازی میں سے سیرت ابن ہشام اور کتب تاریخ میں سے تاریخ طبری کو مخصوص نظریہ کے تحت اہمیت دی ہے اور دوسری کتابوں کو کوئی خاص اہمیت نہ دی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مکتب خلافت کے علماء نے ہمیشہ اسی ایک ہدف کو مدنظر رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر دور میں سنت وسیرت وحدیث میں سے ان روایت کو چھپانے کی سرتوڑ کوشش کی ہے جو برسراقتدار طبقہ کے مزاج کے مطابق نہیں تھیں۔ اور کے لئے انہوں نے سیرت رسولؐ اور سیرت انبیاء وسیرت اہل بیت وصحابہ کے درمیان کوئی حدِ فاصل قائم نہیں کی۔ حد یہ ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر میں بھی ہاتھ کی صفائی دکھانے سے گریز نہیں کیا۔ جیسا کہ ہم سابقہ مباحث میں (**فَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ**) کی آیت کے تحت لکھ چکے ہیں کہ رسولؐ خدا نے اس آیت کے تحت اولاد عبدالمطلب کو دعوت طاعم دی اور اس دعوت میں اپنی نبوت کا اعلان کیا اور یہ بھی فرمایا کہ تم میں سے طعام ایسا ہے جو اس کام میں میری مدد کرے وہ میرا وصی اور خلیفہ ہوگا۔ حضرت علی نے کھڑے ہو کر آنحضرتؐ کی نصرت کا وعدہ کیا تو رسولؐ خدا نے فرمایا۔

ان هذا اخی ووزیری و وصی وخلیفتی فیکم فاسمعوا له واطیعوا!

"بے شک یہ میرا بھائی اور وزیر اور میرا وصی اور تم میں میرا جانشین ہے تم اس کا فرمان سنو اور اطاعت کرو۔"

اس اعلانِ پیغمبر میں طبری اور ابن کثیر نے خیانت کر کے لکھا، **ان هذا فی وزیری و کذا و کذا۔** بے شک یہ میرا بھائی اور میرا وزیر اور یہ یہ ہے۔"

اور آنحضرتؐ کی ان نصوص میں بھی ہاتھ کی صفائی دکھائی گئی ہے جن میں ایسے احکام سلطنت بیان ہوئے ہیں جو خلفاء کے اجتہاد کے مطابق نہیں ہیں۔ اس کی وضاحت آپ کتاب ہذا کی جلد دوم میں مکتب خلافت میں مصادر شریعت" کی بحث میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آج جب کہ مسلمان اپنی بیداری کے دور کا آغاز کرنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ فقہ کے لئے مذاہب اربعہ اور حدیث کی صحت وضعف کے لئے صحاح ستہ اور بالخصوص صحیحین پر انحصار کرنے کی روایت کو خیر باد کہیں اور خلفاء کے ان اجتہادات کو بھی دین کا حصہ نہ سمجھیں جو نص رسولؐ کے مقابلہ میں کیا گیا ہے۔ اپنی پرانی روش کو چھوڑ کر ہمیں رسول مقبول کی صحیح سنت کی پیروی کرنی چاہئے اور اس کے ساتھ ہمیں اس سنت کو تلاش کرنا ہوگا جسے مصلحت وقت کے تقاضوں کے تحت چھپایا گیا ہے اور یقین جانیں جب امت اسلامیہ کے محققین اس طرز عمل کو اپنائیں گے تو انہیں حقائق دین صحیح صورت میں دکھائی دینے لگیں گے اور تمام مسلمان کتاب اللہ اور سنت رسول پر جمع ہوسکیں گے۔ یہ کام اگرچہ مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن ہرگز نہیں ہے اور خدا کے فضل وکرم سے ہمیں اس دن کا انتظار کرنا چاہئے جب تمام مسلمان اپنے تعصّبات کے خول سے نکل کر حقائق کی دنیا میں آئیں گے اور ان میں حقیقی وحدت فکر وعمل پیدا ہوگی۔

بحثِ وصایت کی تکمیل

حضرت علیؑ کی وصایت کی نصوص حکمران طبقہ کے مفاد میں نہیں تھیں اور ان نصوص سے مقتدر طبقہ کی جبینوں پر شکنیں خندہ زن ہوتی تھیں اسی لئے مکتبِ خلافت کے علماء نے ان کے چھپانے کی سرتوڑ کوشش کیں۔

اسی کوشش کے تحت مکتبِ خلافت کے علماء نے ان راہبوں کا واقعہ نقل کرنے سے گریز کیا جن سے صفین کی طرف جاتے ہوئے حضرت کی ملاقات ہوئی تھی جب کہ مکتبِ اہل بیت کے علماء نے ان روایات کو اہمیت دی اور اپنی کتابوں میں ان واقعات کو درج کیا۔[1]

(ان روایات کے لئے بحارالانوار طبع تہران ۱۰/۱۱۔۵۰ تک کا مطالعہ فرمائیں)

مکتبِ خلافت سے وابستہ علماء نے ان دو یہودیوں کی روایت بھی نقل نہیں کی جو وفات پیغمبرؐ کے بعد مدینہ آئے اور انہوں نے پوچھا کہ پیغمبر کے بعد ان کا وصی کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابوبکر کی طرف اشارہ کیا انہوں نے ان سے بہت سے سوال پوچھے جن کا جواب حضرت ابوبکر نہ دے سکے پھر انہوں نے ان یہودیوں کو حضرت علیؑ کے پاس بھیجا انہوں نے حضرت علیؑ سے بھی وہی سوالات کیئے حضرت نے انہیں جواب سے مطمئن کیا تو انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ خاتم الانبیاء کے وصی ہیں۔

مکتبِ خلافت کے علماء نے اہل کتاب کے ان علماء کی آمد کا تذکرہ کرنا بھی مناسب نہ سمجھا جو حضرت عمر کے عہد حکومت میں مدینہ آئے اور ان سے سوالات کیئے۔ حضرت عمر نے انہیں حضرت علیؑ کے پاس بھیجا اور آپ نے انہیں مطمئن کیا اور انہوں نے بھی آپ کے وصی ہونے کی تائید کی۔

اسی طرح سے مکتبِ خلافت کے علماء نے کعب الاحبار کے ان سوالات کو بھی نظر انداز کر دیا جو انہوں نے حضرت عمر سے کیے تھے اور حضرت عمر نے انہیں حضرت علی کے پاس بھیجا تھا۔

اور مکتبِ خلافت کے علماء کی یہی روش متقدمین سے لے کر متاخرین تک قائم رہی۔ اس کے لئے بطور نمونہ ابن کثیر کا رویہ ملاحظہ فرمائیں: ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں تورات سے یہ عبارت نقل کی:

''اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اسماعیلؑ کی بشارت دی اور فرمایا کہ میں اس سے ایک نسل جاری کروں گا اور ان میں بارہ سردار مقرر کروں گا۔''

اس کے بعد ابن کثیر نے ابن تیمیہ حرانی کا یہ قول نقل کیا:

یہ وہی بارہ سردار ہیں جن کی بشارت جابر بن سمرہ کی حدیث میں دی گئی

ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک بارہ سردار دنیا میں نہ آ جائیں۔
ابن تیمیہ نے مزید کہا کہ بہت سے نومسلم یہودیوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ اس سے وہی بارہ امام مراد ہیں جن کی دعوت شیعہ دیتے ہیں اور انہوں نے غلط فہمی کی وجہ سے شیعوں کی پیروی کی۔

ہم ابن تیمیہ اور ابن کثیر سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ خدا را! ہمیں ان نو مسلم یہودیوں کی کثیر تعداد کی فہرست فراہم کریں جنہوں نے شیعوں کی پیروی کی تھی جب کہ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ طبری کے فارمولے کے مطابق جن روایات کو عوام الناس سننے پر تیار نہیں تھے، میں نے ان روایات کو حذف کر دیا اسی لئے اگر کوئی اہل کتاب مسلمان ہوجائے اور انہوں نے شیعوں کی پیروی بھی کی تو ان کا اتذکرہ تک کتابوں میں کہیں دکھائی نہیں دیتا۔

ایسی نصوص و روایات جنہیں چھپا دیا گیا

اسے حق کی قوت کا نام دیا جائے یا صداقت علیؑ کا معجزہ قرار دیا جائے مکتب خلافت کی طرف سے کتمان حق کی مسلسل کوششوں کے باوجود بھی ہمیں ایسی روایات پھر بھی مل ہی جاتی ہیں جنکی وجہ سے ہم امیرالمومنین کی حقانیت کا استدلال کر سکتے ہیں۔

ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں خوارج کی مذمت پر مبنی احادیث پیغمبر کو نقل کیا۔ واضح رہے کہ خواراج نے نہروان میں حضرت علیؑ سے جنگ کی تھی۔ ابن کثیر نے خوارج کی مذمت پر مبنی احادیث سترہ صفحات پر نقل کیں اور اس کے ساتھ جنگ جمل و جنگ صفین کے متعلق بھی کچھ حقیقتیں جو اس وقت تک دستبرد زمانہ سے بچ گئی تھیں ، بیان کیں۔

چنانچہ ان روایات کی وجہ سے ہم ضائع شدہ احادیث کے خسارے کی کچھ نہ کچھ تلافی ضرور کر سکتے ہیں۔

اس مقام پر ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ مکتب خلفاء نے مذمت خوارج کی احادیث صرف اس لئے نقل نہیں کی تھی کہ انہوں نے حضرت علیؑ کے خلاف خروج کیا تھا۔ اور ہم یقین سے کہتے ہیں کہ اگر خوارج نے صرف حضرت علیؑ کے خلاف خروج کیا ہوتا اور باقی خلفائے سے بنائے رہتے تو آج ہمیں ان کی مذمت

پر مبنی کوئی بھی حدیث اسلامی مصادر میں دکھائی نہ دیتی۔ اصل بات یہ ہے کہ فرقہ خوارج نے صرف حضرت علیؑ کے خلاف ہی خروج نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے تمام خلفاء کے دور میں اپنے خونی مقابلے جاری رکھے تھے۔ اسی لئے علمائے خلافت نے ان کی بھر پور مذمت کی اور ایسی روایات کو دل کھول کر نقل کیا جن میں ان کی مذمت پائی جاتی تھی۔

بہرنوع خوارج کے خلاف قلمی جہاد جس بھی نیت سے کیا گیا ہو اس سے حضرت علیؑ کی ذات کو ضرور فائدہ پہنچا۔

ہم بار بار عرض کر چکے ہیں کہ علمائے مکتبِ خلافت نے حضرت علیؑ کی وصایت پر مبنی نصوص کو ہر طرح سے چھپانے کی کوشش کی۔ کیونکہ حضرت علیؑ کی وصایت کو اگر مان لیا جائے تو پھر سقیفائی حکومت کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ علماء نے نصوص وصایت کو چھپایا او راس سلسلہ میں صحابہ کے اشعار و نثر کی بھی مخفی رکھنے کی بھر پور کوشش کی گئی۔

اور اس کام کی ابتدا اُم المومنین بی بی عائشہ نے وصایت کا انکار کر کے کی تھی۔ کتمان حق کی پالیسی کے تحت درج ذیل طریقے اپنائے گئے:

(ا) بعض علما نے اس کلام کو سرے سے حذف کر دیا جس میں وصیت کا ذکر موجود تھا اور اس کی طرف اشارہ تک بھی نہ کیا۔ چنانچہ نعمان بن عجلان انصاری کے اشعار کے ساتھ یہی حربہ آزمایا گیا۔

(ب) بعض علماء نے روایت کے کچھ حصہ کو حذف کر کے اس کی جگہ مبہم الفاظ لگا دیئے۔ جیسا کہ ابن کثیر اور طبری نے (وصی و خلیفتی) کے الفاظ حذف کر کے ''کذا و کذا'' کے بے معنی الفاظ لکھ ڈالے۔

(ج) بعض علماء نے روایت میں سے وصایت کے الفاظ نکال دیئے اور پوری

روایت میں تحریف کی۔ ابن کثیر نے امام حسینؑ کے روز عاشور کے خطبہ سے یہی سلوک روا رکھا۔

(د) بعض علماء نے وصایت علیؑ پر مبنی روایت کو سرے سے ہی حذف کر دیا اور اس کی طرف کوئی اشارہ تک نہ کیا جیسا کہ ابن ہشام نے دعوت ذوالعشیرہ کے متعلق اسی طریقہ پر عمل کیا اور ''وصی و خلیفتی'' کا کوئی ذکر تک نہ کیا۔

(و) بعض علماء نے وصیت کے معانی میں من مانی تاویلیں کیں۔ چنانچہ طبرانی نے حدیث رسولؐ کی من مانی تاویل کی اور ابن ابی الحدید نے امیرالمومنین کے کلام کی تشریح میں من مانی تاویلات کا سہارا لیا۔

(ز) بعض علماء نے وصایت علیؑ کی روایت غلطی سے اپنی کتاب میں لکھ دی لیکن جب بعد میں پتہ چلا کہ ایسی روایت سے حکام کے ماتھے پر ابھر آئیں گے تو اپنی دوسری کتاب میں اسے بھی حذف کر دیا اور اس کی جگہ مبہم الفاظ داخل کر دیئے چنانچہ طبری نے اپنی تاریخ و تفسیر میں اسے نسخہ پر عمل کیا۔

(ح) بعض علماء نے اپنی کتاب کے پہلے ایڈیشن میں وصایتِ علیؑ کی نصِ قطعی لکھی لیکن جب بعد میں اسے معلوم ہوا کہ اس نے ایسا کر کے دراصل اپنے ہی مسلک کی جڑوں کو کاٹا ہے تو اس نے اس کی تلافی یوں کی کہ دوسرے ایڈیشن میں اس روایت کو حذف کر دیا اور اس حقیقت کے اظہار کے لئے محمد حسین ہیکل کی کتاب ''حیات محمدؐ'' کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن کا مطالعہ کریں۔

وصایتِ علیؑ کی دیگر نصوص

ہماری سابقہ مباحث سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ مکتبِ خلافت نے علیؑ اور اولادِ علیؑ کی امامت وصایت اور خلافت کی روایات و نصوص کو ہر دور میں مخفی رکھا یہی وجہ ہے کہ ہمیں آج بہت زیادہ روایات دکھائی نہیں دیتیں مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت تھی کہ دنیا میں وصایت علیؑ کی روایات باقی رہنی چاہئیں، لہذا اللہ کی مشیت ان سب کوششوں پر غالب آئی اور اتنی سخت احتیاطی تدابیر کے باوجود بھی وصایت علیؑ کی روایات کتب حدیث و سیرت میں موتیوں کی طرح جگمگا رہی ہیں اور ہم ان نصوص میں سے کچھ نصوص کا یہاں تذکرہ کریں گے۔

مختلف الفاظ سے وصی کی تعیین

اس سے قبل ہم اصطلاحات کے باب میں یہ عرض کر چکے ہیں کہ وصی کا تعیین کبھی تو لفظ وصیت اور اس کے مشتقات سے کی جاتی ہے۔ مثلاً وصیت کرنے والا شخص اپنے وصی سے کبھی یہ الفاظ کہتا ہے "**اوصیک بعدی بکذا و کذا**" یعنی میں تجھے اپنے بعد فلاں فلاں امور کی انجام دہی کی وصیت کرتا ہوں۔

اور کبھی اس سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ اپنے وصی کی تعیین کی جاتی ہے اور کوئی شخص اس طرح کے الفاظ کہہ کر بھی کسی کو اپنا وصی بناتا ہے "**اطلب فیک ان تفعل کذا و کذا**" میں تجھ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ میرے بعد فلاں فلاں کام کرنا اور اسی طرح سے کبھی وصیت کرنے والا شخص دوسروں کو اپنے وصی کی خبر اس طرح کے الفاظ سے دیتا ہے:

''عهدت الی فلان، او اوکلت الیه بامر کذا و کذا''

'' میں نے ولاں سے عہد کیا یا میں نے فلاں کو فلاں فلاں
امور سپرد کیے ہیں۔''

غرض یہ کہ اس طرح کے تمام الفاظ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اس شخص نے کسی کو اپنا وصی مقرر کیا ہے اور حضرت رسول کریمؐ نے بھی اس طرح کے متفرق الفاظ سے حضرت علیؑ کی وصایت کا اثبات کیا ہے۔

اس طرح کے الفاظ میں ہمیں لفظ ''وزیر'' بھی دکھائی دیتا ہے اور روایات بیان کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا وزیر مقرر کیا تھا۔ اور منصب وزارت کے اثبات کیلئے ہم پیغمبر اکرمؐ کے فرمان کو قرآن مجید کی نص کے ساتھ ملا کر پیش کرتے ہیں۔

نبی کا وزیر

(۱) قرآن مجید میں ایک وزیر کا ذکر ہے اور حدیث پیغمبر میں بھی ایک وزیر کا تذکرہ موجود ہے حضرت رسول کریمؐ کی ایک مشہور حدیث ہے کہ آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

اماترضیٰ ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الاانه لانبی بعدی

''کیا تو راضی نہیں کہ تجھے مجھ سے وہی نسبت حاصل ہو جو ھارونؑ کو موسیٰ سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے''

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کا قصہ بیان کرتے ہوئے ان کی یہ درخواست بیان کی کہ انہوں نے اللہ سے دعا مانگتے ہوئے کہا تھا:

"وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْراً مِّنْ اَھْلِیْ ھَارُوْنَ اَخِیْ اُشْدُدْ بِہٖ اَزْرِیْ"

(طه: ۲۹)

"اور میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر مقرر فرما اس کے ذریعہ سے میری پشت کو مضبوط فرما۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی دعا کو قبول فرمایا اور اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی الْکِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗ اَخَاهُ هَارُوْنَ وَزِیْراً

(الفرقان : ۳۵)

"اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے ساتھ ہارون کو وزیر بنایا"

(۲) رسولؐ نے علیؑ کو اپنا وزیر کب مقرر کیا؟

دعوت ذوالعشیرہ میں رسولؐ خدا نے اولادِ عبدالمطلب کے سامنے اعلان کیا تھا کہ تم میں سے کون ہے جو اس امر میں میرا بوجھ ہلکا کرے تو حضرت علیؑ نے کھڑے ہو کر اعلان کیا تھا کہ میں آپ کا مددگار رہوں گا چنانچہ اس وقت رسولؐ خدا نے انہیں اپنا وزیر مقرر کیا۔

اسماء بنت عمیس سے مروی ہے کہ میں نے رسولؐ خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِّیْ وَزِیْراً مِّنْ اَھْلِیْ:

"پروردگار میرے لئے میرے اہل میں سے وزیر مقرر فرما" پھر آپ نے اپنے رب سے دعا کرتے ہوئے عرض کیا:

اللھم انی اقول کما قال اخی موسیٰ: اللھم اجعل لی وزیرا من اھلی اخی علیؑا اشدد بہ ازری.

"خدایا! میں بھی وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی موسیٰؑ نے کہا

تھا۔ خدایا میرے لئے میرے اہل میں سے میرا وزیر مقرر فرما
یعنی میرے بھائی علیؑ کو میرا وزیر بنا اور اس کے ذریعہ سے
میری پشت کو مضبوط فرما''

علامہ جلال الدین سیوطی نے ''واجعل لی وزیرا من اھلی'' کی تفسیر کے ضمن میں لکھا:

لمانزلت هذه الاية دعا رسول الله ربه وقال ''اللهم اشددازری باخی علیؑ'' فاجابه الی ذلک.

''جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول خدا نے اپنے رب سے دعا مانگی اور کہا خدایا میرے بھائی علیؑ کے ذریعہ سے میری پشت کو مضبوط فرما اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی''

ابن عمر نے رسولؐ خدا سے روایت کی کہ آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

انت اخی و وزیری تقضی دینی و تنجز موعدی . . .
الی اخر الحدیث

''تو میرا بھائی اور میرا وزیر ہے تو میرے قرض ادا کرے گا اور میرے وعدے پورے کرے گا۔''

(مجمع الزوائد ۹/۱۲۱۔ کنزالعمال طبع اول ۶/۱۵۵ نقلا عن الطبرانی)

حقیقت یہ ہے کہ حدیثِ منزلت کے ذریعہ سے رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کے لئے ان تمام مراتب کا اثبات فرمایا ہے جو ہارون کے لئے ثابت تھے البتہ آپ نے ان مراتب میں سے منصب نبوت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اسی لئے نبوت کے علاوہ حضرت ہارون کو جو بھی مناصب حاصل تھے وہ سب کے سب حضرت علیؑ کے لئے

بھی ثبت رہیں گے اور حضرت ہارون کے مناصب میں سے سر فہرست منصب وزارت تھا۔ ہم عنقریب حضرت علیؑ کے مصادر بیان کریں گے۔

نہج بلاغہ میں ہے کہ رسول خا نے خدت علی سے یہ اشاعت من قیس نے حضرت علی کو خلافت کی مبارک دیتے ہوئے ایک نظم کہی **وزیر النبی ودو صهرة ولكنك وزیر** (خطبہ قاصعہ از نہج البلاغہ)

لیکن تو وزیر ہے۔

"یعنی آپ نبی کے وزیر اور داماد ہیں"

رسول خدا نے حضرت علیؑ کو یہ کہہ کر کہ" تو میرا بھائی اور میرا وزیر ہے اور تو ہی میرے قرض کو ادا کرے گا اور تو ہی میرے وعدے پورے کرے گا" حضرت علی کی وصایت کو ثابت کیا ہے اور ان الفاظ سے آپ نے انہیں اپنا وصی مقرر کیا ہے۔

خلیفۂ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہم نے کتاب ہذا کے ایک باب میں رسولؐ خدا کے ان جانشینوں کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے جنہیں آپ نے اپنے ایام غیبت میں مدینہ میں جانشین مقرر کیا تھا اور صحیح بخاری کے باب غزوہ تبوک میں مرقوم ہے کہ رسولؐ خدا جب تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا: کیا آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں اپنا جانشین مقرر کر کے جا رہے ہیں؟

یہ سن کر رسولؐ خدا نے فرمایا:

الاترضى ان تكون منى بمنزلة هارون من موسىٰ الاانه ليس نبى بعدى

"کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تجھے مجھ سے وہی مقام حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارونؑ کی خلافت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت موسیٰؑ

کے یہ الفاظ نقل کیے:

وَقَالَ مُوسٰی لِاَخِیْهِ هَارُوْنَ اخْلُفْنِی فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ. الاعراف: ۱۴۲

''اور موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تم میری قوم میں میری نیابت کرو اور اصلاح کرو اور فساد کرنے والوں کے راستہ کی اتباع نہ کرو۔''

احمد بن حنبل مسند میں لکھتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے اولاد عبدالمطلب کو دعوت اسلام دی اور اس دعوت میں آپ نے حضرت علیؑ کو مخاطب کر کے ''وخلیفتی'' کے جملے کہے۔ یعنی تو ہی میرا جانشین ہے۔ (مسند احمد بن حنبل ۱/۱۱۱)

حضرت علیؑ پیغمبرؐ اکرم کے بعد ولی المومنین ہیں

رسولؐ اکرم نے بہت سے مواقع پر حضرت علیؑ کے ولی المومنین ہونے کا اعلان کیا:

(ا) مسند احمد، خصائص نسائی اور مستدرک حاکم میں یہ حدیث موجود ہے۔ مسند میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے:

عن بریدة قال بعث رسول الله بعثین الی الیمن علیؑ احد هما علیؑ بن ابی طالب و علیؑ الاخر خالدبن الولید نقال: اذلقیتهم فعلیؑ علیؑ الناس وان افتر قتما فکل واحد منکما علیؑ جنده قال قلقینا بنی زید من اهل الیمن فاقتتلنا فظهر المسلمون علیؑ المشرکین فقتلنا المقاتلة

وسبينا الذرية فاصطفیٰ علیؑ امراۃ من السبی لنفسہ قال
بریدۃ فکتب معی خالد بن ولید الی رسول اللہ یخبرہ
بذلک . فلما اتیت النبی رفعت الکتاب فقری علیؑہ
فرأیت الغضعب فی وجہ رسول اللہ (ص) فقل: یا
رسول اللہ، ھذا مکان العاءاذ، بعشتنی مع رجل
وامرتنی ان اطیعہ ففعلت ما ارسلت بہ فقال رسول
اللہ: لاتقع فی علیؑ فانہ منی وانامنہ وھوولیکم بعدی
وانہ منی وانامنہ وھو ولیکم بعدی (۱ ے)

''بریدہ سے روایت ہے کہ رسول خدا نے دو فوجی دستے یمن کی طرف روانہ فرمائے۔ ایک دستے کا سالار علیؑ بن ابی طالب اور دوسرے دستے کا سالار خالد

بن

ولید کو مقرر کیا اور فرمایا اگر تم دونوں اکٹھے ہو جاؤ تو پورے لشکر کا سالار علیؑ ہوگا اور اگر تم علیؑ حدہ علیؑ حدہ ہو جاؤ ہر دستہ کا الگ الگ سالار ہوگا۔

راوی کہتا ہے کہ یمن کے رہائشی بنی زید سے ہمارا ٹکراؤ ہوا اور ہم نے ان سے جنگ کی۔ جنگ میں مسلمانوں کو کامیابی ملی۔ ہم نے مرنے والوں کو قتل کیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا۔ حضرت علیؑ نے قیدی عورتوں میں سے ایک عورت کو اپنے لئے چن لیا۔ بریدہ کا بیان ہے کہ میں خالد بن ولید کے دستہ میں شامل تھا۔ اس نے رسولؐ خدا کی طرف ایک خط لکھا جس میں علیؑ کے متعلق انہیں خبر دی۔ (اور وہ خط میرے حوالے کر کے مجھے مدینہ روانہ کیا) جب میں نبی اکرم کی خدمت

ل مسند احمد ۵/ ۳۵۶۔ خصائص انسائی ص ۲۴ معمولی اختلاف کے ساتھ۔ مستدرک حاکم ۳/ ۱۱۰ اختلاف لفظ کے ساتھ۔ مجمع الزوائد ۹/ ۱۲۷۔ کنز العمال مختصراً عن ابن ابی شیبہ ۱۲/ ۲۱۰۔ ۱۲/ ۲۰۷۔ کنوز الحقائق مناوی ص ۱۸۶

میں حاضر ہوا تو میں نے خط پیش کیا۔ خط آپ کو پڑھ کر سنایا گیا۔ میں نے رسولؐ خدا کے چہرے پر غضب کے آثار دیکھے تو میں نے کہا: میں پناہ طلب کرتا ہوں آپ نے مجھے ایک شخص کے ساتھ بھیج کر مجھے اس کی اطاعت کا حکم دیا تھا اور میں نے وہی کچھ کیا جو میرے سالار نے حکم دیا تھا۔

رسول خدا نے فرمایا: علیؑ کا شکوہ نہ کرنا۔ وہ یقیناً مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں میرے بعد وہ تمہارا ولی ہے اور وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور وہ میرے بعد تمہارا ولی (آقا) ہے۔

ایک اور روایت میں بریدہ سے منقول ہے کہ میں نے رسولِ خدا سے عرض کی آپ کو صحبت کا واسطہ آپ اپنا ہاتھ دراز کریں اور از سر نو مجھ سے اسلام کی بیعت لیں۔ بریدہ کہتے ہیں کہ میں اس وقت تک رسولِؐ خدا کی محفل سے نہ اٹھا جب تک میں نے ان کے ہاتھ پر دوبارہ اسلام کی بیعت نہ کرلی۔(۱)

صحیح ترمذی اور مسند احمد و مسند طیالسی وغیرہ کی یہ روایت ملاحظہ کریں۔ ترمذی نے لکھا:

عن عمران بن حصین ان اربعة من اصحاب رسول الله تعاقدوا. فی هذه الغزوة. ان یشکو اعلیٰؑ اذا لقوا رسول الله فلما قدموا علیٰؑ قام احد هم فقال: یا رسول الله الم ترالی علیؑ بن ابی طالب صنع کذا و کذا فا عرض عنه رسول الله وفعل الثانی منهم

۱۔ مسند احمد ۵ / ۳۵۰۔ ۳۵۸۔ ۳۶۱۔ مجمع الزوائد ۹ / ۱۲۸۔ طبرانی نے واسط میں برید سے یہ الفاظ نقل کیئے کہ رسول خدا نے فرمایا۔ من کنت ولیہ فعلیؑ ولیہ۔ "جس کا میں ولی (آقا) ہوں اس کا علیؑ ولی (آقا) ہے"۔

والثالث والرابع مثل اولهم وفي كل مرة يعرض الرسول عن الشاكي قال فاقبل رسول الله والغضب يعرف في وجهه فقال ما تريدون من عليؑ. ما تريدون من عليؑ. ما تريدون من عليؑ ان عليؑ امني وانا منه. ان عليؑ امني وانا منه وهو ولي كل مؤمن بعدي (اھ)

عمران بن حصین کا بیان ہے کہ رسولؐ خدا کے چار صحابیوں نے اس جنگ میں ایک دوسرے سے یہ عہد و پیمان کیا کہ وہ جب بھی رسولؐ خدا سے ملیں گے تو ان سے علیؑ کی شکایت کریں گے چنانچہ جب وہ رسولؐ خدا کی خدمت میں آئے تو ان میں سے پہلا اٹھا اور کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے علیؑ بن ابی طالب کی طرف نہیں دیکھا اس نے فلاں فلاں کام کیا۔

رسولؐ خدا نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا پھر دوسرے، تیسرے اور چوتھے نے بھی وہی کچھ کیا جو پہلے نے کیا تھا اور ہر بار رسولؐ خدا شکایت کرنے والے سے منہ موڑتے رہے راوی کا بیان ہے کہ رسولؐ خدا کے چہرہ پر غصہ کے نشانات دیکھے جاسکتے تھے۔ اسی حالت میں آپ نے فرمایا:

''تم علیؑ سے کیا چاہتے ہو؟ تم علیؑ سے کیا چاہتے ہو؟ تم علیؑ سے کیا چاہتے ہو؟۔

بے شک علیؑ مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کا ولی (آقا) ہے۔''

۲۔ سنن الترمذی ۱۳ / ۱۶۵ باب مناقب علیؑ بن ابی طالب۔ مسند احمد ۴ / ۴۳۷۔ مسند طیالسی ۳ / ۱۱۱ حدیث ۸۲۹۔ مستدرک حاکم ۳ / ۱۱۰۔ خصائص النسائی ص ۱۶ / ۱۹۔ حلیۃ الاولیاء ابونعیم ۱۲ / ۲۹۴۔ الریاض النضرۃ ۲ / ۱۷۱۔ کنز العمال ۱۲ / ۲۰۷، ۱۵ / ۱۲۵

ایک دوسری شکایت پر رسولؐ خدا کا جواب

یہ روایت اسد الغابہ اور مجمع الزوائد وغیرہ میں مرقوم ہے۔ اسد الغابہ کے الفاظ یہ ہیں:

عن وهب بن حمزة: صحبت علیاً من المدینة الی مکة فرایت منه بعض ما اکره فقلت لئن رجعت الی رسول الله لاشکوتک الیه فلما قدمت یقیت رسول الله فقلت رایت من علیؑ کذا و کذا فقال: لاتقل هذا فهوا اولیٰ الناس بکم بعدی (ا ھ)

(اسد الغابہ ۵/۹۴۔ مجمع الزوائد ۹/۱۰۹)

"ھب بن حمزہ کا بیان ہے کہ میں مدینہ سے مکہ تک علیؑ کا ہم سفر رہا اس اثنا میں مجھے علیؑ سے کچھ ایسی چیزیں دکھائیدیں جو مجھے پسند نہ آئیں۔ میں نے ان سے کہا جب میں رسول خدا سے ملاقات کروں گا تو یقیناً ان کے پاس تیری شکایت کروں گا۔

جب میں مدینہ آیا اور رسول خدا سے ملا تو میں نے کہا کہ میں نے علیؑ سے یہ یہ کام دیکھا۔رسول خدا نے فرمایا: یہ بات نہ کرعلیؑ میرے بعدتم سب کا حاکم ومتصرف ہے۔"

شکایت کب کی گئی؟

مورخین اور سیرت نویس حضرات لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ دو مرتبہ یمن تشریف لے گئے تھے جب کہ ہماری تحقیق یہ ہے کہ آپ تین مرتبہ یمن گئے تھے۔ اور تیسرے سفر سے واپسی حجۃ الوداع کے موقع پر ہوئی تھی۔ شکایت کرنے والوں نے آپ کی شکایت آپ کے دوسرے سفرِ یمن کے موقع پر مدینہ میں کی تھی۔ بریدہ نے بھی مدینہ میں آپ کی شکایت کی تھی اور دوسرے چار منحرف افراد نے بھی آپ کی

شکایت مدینہ میں ہی کی تھی اور وہب بن حمزہ نے بھی مدینہ میں ہی آپ کی شکایت کی تھی اور رسولؐ خدا نے تمام شکایت کنندگان کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا تھا کہ خبردار علیؑ کی شکایت مت کرو۔ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور وہ میرے بعد تمہارا آقا و مولا ہے۔

بعض اہل علم کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ اہل یمن نے مکہ میں رسولؐ خدا سے حضرت علیؑ کی شکایت کی تھی جس کی وجہ سے رسولؐ خدا نے مقام غدیرخم پر پالانوں کا ممبر بنا کر ''من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ'' فرمایا تھا: اور یہ کہ حدیث غدیر کو اہل یمن کی کسی شکایت سے واسطہ نہیں ہے کیونکہ حضرت علیؑ اس وقت تیسری بار یمن سے واپس آئے تھے اور مکہ میں انہوں نے رسولؐ خدا سے ملاقات کی تھی۔ اس وقت نہ تو کسی یمنی نے آپ کی شکایت کی تھی اور نہ ہی رسول خدا نے کسی یمنی کو مطمئن کرنے کے لئے غدیر کا جلسہ عام منعقد کیا تھا۔

(۲) دوسری نصوص جن کا زمانہ معین نہیں کیا گیا۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

انت ولی کل مؤمن بعدی۔ تو میرے بعد ہر مومن کا ولی (آقا) ہے۔

(مسند طیالسی ۱۱/۳۶۰ حدیث ۲۷۵۲۔ الریاض النضرۃ ۲/۲۰۳)

''حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا نے ان سے فرمایا:

انک ولی المومنین بعدی۔ ''تو میرے بعد مومنین کا ولی (آقا) ہے''

(تاریخ بغدادی خطیب ۴/۳۳۹۔ کنز العمال ۱۵/۱۱۴، ۱۲/۲۲۱)

جلسہ غدیر اور ولی عہدیؑ امیرؑ

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو اپنا ولی عہد اور وصی مقرر کرنے کے لئے ایک عظیم الشان جلسہ عام منعقد کیا۔ حاکم جسکانی لکھتے ہیں:

عن ابن عباس وجابر قالا: امر الله محمدا ان ينصب عليؑ
اللناس ليخبرهم بولايته فتخوف رسول الله ان يقولوا
حابیٰ ابن عمه وان يطعنوا فی ذلک علیؑه فاوحی الله
اليه (يَاَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغ مَاانُزِلَ اِلَيکَ مِنَّ رَّبِکَ وَاِن لَّم
تَفعَل فَمَابَلَّغتَ رِسَالَتَه، والله يَعصِمُکَ مِنَ النَّاسِ) المائدة / ٦٧:
فقال رسول الله بولايته يوم غدير خم (۱ـ)

''ابن عباس اور جابر نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کو حکم دیا کہ وہ علیؑ کو لوگوں کا حاکم و آقا منصوب کریں اور لوگوں کو ان کی ولایت کی خبر دیں۔ رسول خدا ڈرے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ اس نے اپنے ابنِ عم کو اپنا وارث بنا دیا ہے اور اس لئے اعتراض نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی فرمائی۔ اے رسولؐ! اس مسئلہ کی تبلیغ کر جو تیرے رب کی طرف سے تجھ پر نازل ہوا ہے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اللہ کی رسالت کی تبلیغ ہی نہیں کی۔ اس آیت کے بعد رسولؐ خدا نے غدیرخم کے دن حضرت علیؑ کی ولایت کا اعلان کیا۔''

شواہد التنزیل میں زیاد بن منذر سے روایت ہے وہ کہا کرتا تھا:

میں ابوجعفر محمد بن علیؑ (امام محمد باقر علیہ السلام) کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور آپ اس وقت لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں بصرہ کا ایک شخص کھڑا ہوا جسے عثمان اعشیٰ کہا جاتا تھا اور وہ حسن بصری کی روایات بیان کرتا تھا۔ اس نے کہا:

۱ـ شواہد التنزیل ۱ / ۱۹۲۔ حدیث ۲۴۹۔ حافظ عبیداللہ بن عبداللہ بن احمد، حاکم جسکانی کے نام سے مشہور تھے۔ آپ پانچویں صدی ہجری کے اعلام میں سے تھے۔ تذکرۃ الحفاظ طبع ہندوستان ۴ / ۳۹۰۔

فرزند رسول! اللہ مجھے آپ پر فدا کرے۔ حسنؒ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ (یاایھالرسول بلغ) کی آیت ایک شخص کی وجہ سے نازل ہوئی اور وہ ہمیں اس شخص کے متعلق کچھ نہیں بتاتا کہ وہ کون تھا جس کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: اگر وہ بتانا چاہتا تو بتا بھی سکتا تھا لیکن اس نے خوف کی وجہ سے نہیں بتایا۔ جبریل امین نبی اکرم پر نازل ہوئے یہاں تک کہ اس نے کہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اپنی امت کو ان کے سر پرست کی ایسی ہی رہنمائی فرمائیں جیسا کہ آپ نے لوگوں کو نماز، زکوۃ، روزے اور حج کی رہنمائی فرمائی ہے تا کہ تمام لوگوں پر حجت قائم ہو جائے۔ رسول خدا نے عرض کی خدایا! میری قوم دور جاہلیت کے انتہائی قریب ہے ان میں سابقت اور فخر کا جذبہ پایا جاتا ہے اور ان میں سے ہر شخص کسی نہ کسی وجہ سے علیؑ پر ناراض ہے اور مجھے ڈر ہے کہ یہ لوگ کہیں میری تکذیب نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: (یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ) اے رسول! آپ اس مسئلہ کی تبلیغ کریں جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر اتارا گیا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے خدا کی رسالت کی تبلیغ نہیں کی۔ یعنی آپ نے مکمل تبلیغ نہیں کی۔ (واللہ یعصمک من الناس) اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے بچالے گا۔"

جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو حفاظت کی ضمانت دی تو آپ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں کو دکھایا۔

(شواہد التنزیل ۱/۱۹۱۔ ہکذا فی تفسیر الایۃ فی اسباب النزول الواحدی ونزول القرآن لابی نعیم)

حاکم حسکانی لکھتے ہیں:

عن ابن عباس فی حدیث المعراج ان الله عزاسمه قال لنبیه فی ما قال وانی لم البعث نیا الاوجعلت له وزیرا

وانک رسول اللہ وان علیؑ وزیرک . . . . الی آخر الخبر

(شواہد التنزیل حسکانی ۱/۱۹۲، ۱۹۳)

''ابن عباس نے حدیث معراج بیان کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جو وحی کی تھی اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ وحی بھی فرمائی تھی کہ میں نے جتنے بھی نبی مبعوث کیئے ان کے وزیر بھی مقرر کیئے اور آپ اللہ کے رسول ہیں اور علیؑ آپ کا وزیر ہے'' ابن عباس کہتے ہیں: رسولؐ خدا معراج سے واپس زمین پر تشریف لائے تو آپ نے لوگوں کو اس بات کے متعلق بتانا پسند نہ کیا کیونکہ لوگ عہد جاہلیت کے قریب تھے ۔ ۔ ۔ ۔ اور جب حضور اکرم حج کر کے واپس آ رہے تھے اور اٹھارہ ذی الحج کا دن ہوا تو اللہ نے آپ پر یہ آیت نازل فرماوی "**یا ایھالرسول بلغ ماانزل الیک من ربک**" اے رسول آپ اس مسئلہ کی تبلیغ کریں جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا۔

رسول خدا نے فرمایا: لوگو! اللہ نے میری طرف ایک پیغام بھیجا تھا اور میں اس کے پہنچانے سے گھبراتا رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم مجھ پر تہمت لگاؤ اور میری تکذیب کرو یہاں تک کہ میرے رب نے مجھ پر دھمکی آمیز وحی نازل کی ہے:

عن ابی هریرة انزل الله (یاایھالرسول بلغ ماانزل الیک. فی علیؑ بن ابی طالب. وان لم تفعل فمابلغت رسالته . . .(۱ف)

۱؎ شواہد التنزیل حسکانی ۱/۱۸۷۔ ابن عساکر نے بہت سے اسناد سے اس حدیث کو تاریخ دمشق میں حدیث نمبر ۴۵۲ میں نقل کیا ہے۔

حسکانی رقم طراز ہیں:

عن عبداللہ ابی اوفیٰ قال: سمعت رسول اللہ یقول یوم غدیر خم وتلا ھذہ الایة (یا ایھاالرسول بلغ ما انزل الیک من ربک . . .) ثم رفع یدیه حتی یری بیاض ابطیه ثم قال "الامن کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ . . ."

(شواہد التنزیل حسکانی ۱/۱۹۰)

''عبداللہ بن ابی اوفیٰ نے کہا کہ میں نے غدیر خم میں رسول خدا سے سنا اور اس "یا ایھالرسول بلغ" کی آیت کی تلاوت کی۔ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کیا یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی اور فرمایا: آگاہ رہو جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔''

واحدی اسباب النزول اور سیوطی درمنشور میں ابی سعید خدری سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نزلت ھذہ الایة فی علیؑ بن ابی طالب۔ یا ایھاالرسول بلغ ما انزل الیک من ربک "یا ایھالرسول بلغ" کی آیت علیؑ بن ابی طالب کے حق میں نازل ہوئی۔

(اسباب النزول واحدی ص ۱۳۵۔ درمنثور ۲/۲۹۸۔ فتح القدیر ۲/۵۷ تفسیر نیشا پوری ۶/۱۹۴)

سیوطی درمنثور میں رقم طراز ہیں:

عن ابن مسعود قال کنا نقرا علیؑ عھد رسول اللہ یا ایھالرسول بلغ ما انزل الیک من ربک۔ ان علیؑ مولیٰ المؤمنین۔ وان لم تفعل فمابلغت رسالته . . .

ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم عہد پیغمبر میں اس آیت کو یوں [illegible] کرتے تھے:

یا ایھالرسول بلغ ماانزل الیک من ربک ۔ علیؑ مولی المومنین وان لم تفعل مخابلغت رسالته

''اے رسول! اس پیغام کو پہنچا جو تیرے رب کی طرف سے تجھ پر نازل کیا گیا کہ علیؑ مومنین کا مولا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کی رسالت کی تبلیغ نہیں کی۔'' ابن مسعود کا مقصد یہ تھا کہ عہد پیغمبر میں صحابہ اس آیت کی تفسیر کو یوں ہی پڑھا کرتے تھے۔

واقعہ غدیر کی تفصیل

جب رسولؐ خدا حجۃ الوداع سے فارغ ہوئے اور واپس مدینہ آنے لگے تو ذی الحج کی اٹھارہ تاریخ کو آپ پر (یا ایھاالرسول بلغ ۔ ۔ ۔) کی آیت نازل ہوئی۔ آپ نے جحفہ کے قریب مقام غدیر خم پر قیام کیا۔[۱]

وہاں سے مصر، شام اور مدینہ کے راستے جدا ہوتے ہیں۔(۲)

آپ نے وہاں قیام کیا یہاں تک کہ پیچھے آنے والے آ کر مل گئے اور آگے جانے والے واپس آ گئے۔(۳)

آنخضرتؐ نے لوگوں کو متفرق درختوں کے سایے میں بیٹھنے سے منع کر دیا۔ پھر آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ درختوں کے نیچے صفائی کی جائے۔(۴)

اور اس کے بعد الصَّلاۃُ جَامِعَۃٌ کی صدا بلند ہوئی۔(۵)

پھر رسول خدا نے ان درختوں کی طرف رخ کیا۔(۶)

ببول کے ایک درخت پر کپڑا باندھ کر رسول خدا کے لئے سایہ کا انتظام کیا گیا۔(۷)

آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔(۸)

پھر آپ نے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور وعظ و نصیحت فرمائی اور جو خدا کو منظور تھا وہ کچھ فرمایا پھر آپ نے فرمایا:

۱۔ مجمع الزوائد ۹/۱۶۳۔۱۶۵۔ ابن کثیر ۵/۲۰۹۔۲۱۳ ۲۔ معجم البلدان در مادہ جحفہ ۳۔ تاریخ ابن کثیر ۵/۲۱۳ ۴۔ مجمع الزوائد ۹/۱۰۵ ۵۔ مسند احمد ۴/۲۸۱۔ سنن ابن ماجہ باب فضل علیؑ۔ تاریخ ابن کثیر ۵/۲۰۹، ۵/۲۰۹ ۶۔ مجمع الزوائد ۹/۱۶۳۔۱۶۵ ۷۔ مسند احمد ۴/۳۷۲۔ ابن کثیر ۵/۲۱۲ ۸۔ مسند احمد ۴/۲۸۱۔ سنن ابن ماجہ باب فضل علیؑ۔ ابن کثیر ۵/۲۱۲

خطبہ غدیر

انی واشک ان ادعیٰ فاجیب وانی مسؤل و انتم سؤلون فماذ انتم قائلون قالو:
نشھد انک بلغت ونصحت فجزاک اللہ خیرا۔ قال

ایس تشھدون ان لااله الا الله وان محمد عبده و
رسوله وان الجنة حق وان النار حق قالو: بلیٰ نشهد
ذلک. قال اللهم اشهد . ثم قال الاتسمعون قالوا:
نعم. قال. یا ایها الناس انی فرط وانتم واردون علیؑ
الحوض و ان عرضه مابین بصریٰ الی صفاء (۱م) فیه
عدد النجوم قدحان من قضة وانی سائلکم عن الثقلین
فانظروا کیف تخلفو ننی فیهما. فنادیٰ فاد و ماالثقلان
یا رسول الله؟
قال: کتاب الله طرف بیدالله وطرف بایدیکم
فاستمسکوابه ولا تضلوا و لاتبدلوا وعترتی اهل بیتی و
قدض نبانی اللطیف الخبیر انهمالن یتفر قاحتی یردا
علیؑ الحوضی سالت ذلک لهماربی فلاتقدموهما
فتهکواکو ولا تقصرو اعنهما فتهلکو ولا تعلموهما
فهم اعلم منکم (۲م)ثم قال الستم تعلمون انی والیٰ
بالمؤمنین من انفسهم؟
قالوا: بلیٰ یا رسول الله. (۳م)
قال الستم تعلمون. اوتشهدون. انی اولیٰ بکل مؤمن
من نفسه؟
قالوا: بلیٰ یا رسول الله (۴م) . ثم اخذ بید علیؑ بن
ابی طالب بضبعیه فرفعها حتی نظر الناس الی بیاض

ابطیهما(۵ھ)ثم قال

ایهاالناس الله مولای وانا مولاکم (٦ھ) فمن کنت مولاہ فهذا علیؑ مولاہ (۷ھ)

اللهم وال من والاہ وعادمن عاداہ (۸ھ) وانصرمن نصرہ واخذل من خذله (۹ھ) واجب من احبه وابغض من ابغضه (۱۰ھ) ثم قال: اللهم اشهد (۱۱ھ) ثم لم یتفرقا رسول الله و علیؑ حتی نزلت هذہ الایة

اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُم دِینَکُم وَاَتمَمکَ عَلَیکُم نِعمَتِی وَ رَضِیتُ لَکُمُ الاِسلَامَ دِینًا. فقال رسول الله الله اکبر علیٰؑ اکمال الدین و اتمام النعمة و رضا الرب برسالتی والولایة لعلیؑ(۱۲ھ)

1۔بھری نام کی دو بستیاں ہیں ایک دمشق کے قریب دوسری بغداد کے قریب ۔

2۔مجمع الزوائد ۹/۱۶۲۔۱۶۳ ۱۶۵ اس کے بعض الفاظ مستدرک حاکم ۳/۱۰۹ای۱۰۰ الدبن کثیر کے ۲۰۹/۵ پر مزکور ہیں ۔۳۔مند احمد ۱/۱۱۸۔۱۱۹ ۴/۲۸۱متن ابنماجہ

ا۔فری من نفسہ ۴ مسنداحمد ۴ / ۲۸۱ ۔ ۳۶۸۔ ۳۷۰ ۔۳۷۲ ابن کثیر ۵ / ۲۰۹ ۔ ۲۱۲ ۵ حاکم حسکانی ۱ / ۱۹۰ ٦ حاکم حسکانی فی شواہد التنزیل ۱ / ۱۹۱۔ ابن کثیر ۵/ ۲۰۹ پر وانا کل مؤمن کے الفاظ مرقوم ہیں۔ ۷ تمام سابقہ مصادر میں یہ حدیث موجود ہے۔ ۸ مسند احمد ۱ / ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۴/ ۲۸۱۔ ۳۷۰۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳، ۵/ ۳۴۷۔ ۳۷۰۔ مستدرک حاکم ۳ / ۱۰۹ سنن ابن ماجہ باب فضل علیؑ ۔ حاکم حسکانی ۱ / ۱۹۰۔ ۱۹۱ ۔ تاریخ ابن کثیر ۵ / ۲۰۹ ۔ ۲۱۰ ۔۲۱۳۔ ابن کثیر نے جلد ۵ / ۲۰۹ پر لکھا میں نے زید سے پوچھا کیا تو نے یہ بات رسول خدا سے خود سنی تھی؟ اس نے کہا کہ پالانوں کے منبروں کے موقع پر تمام افراد نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا اور کانوں سے سنا تھا۔ ابن کثیر نے لکھا ہمارے شیخ ابوعبداللہ ذہبی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ ۹ مسند احمد ۱ / ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ مجمع الزوائد ۹ / ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۷۔ شواہد التنزیل ۱/ ۱۹۳ ۔ تاریخ ابن کثیر ۵ / ۲۱۰۔ ۲۱۱ ۱۰ شواہد التنزیل حسکانی ۱/ ۱۹۱ تاریخ ابن کثیر ۵/ ۲۱۰ ۱۱ شواہد التنزیل ۱/ ۱۹۰ ۱۲ حاکم حسکانی ابوسعید خدری سے جلد اول ص ۱۵۷۔ ۱۵۸ پر حدیث ۲۱۱ ۔۲۱۲ کے ضمن میں روایت کی ہے اور ص ۱۵۸ حدیث ۲۱۳ پر ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔ تاریخ ابن کثیر ۵/ ۲۱۴۔

ترجمہ خطبہ غدیر کا ترجمہ

لوگو! قریب ہے کہ مجھے خدا کا بلاوا آجائے اور میں اس پر لبیک کہوں۔ اور مجھ سے بھی پوچھا جائے گا اور تم سے بھی پوچھا جائے گا۔ بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟

لوگوں نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے تبلیغ کی اور خیر خواہی کی خدا آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپؐ نے فرمایا: کیا تم یہ گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں اور جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے؟

لوگوں نے کہا: جی ہاں، ہم یہ گواہی دیتے ہیں۔ رسولؐ خدا نے کہا: خدایا' گواہ رہنا۔

پھر آپ نے فرمایا: کیا تم سن نہیں رہے؟

لوگوں نے کہا: کیوں نہیں، ہم سن رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا: لوگو! میں تم سے پہلے روانہ ہو جاؤں گا اور تم میرے پاس حوض پر آؤ گے۔ میرے حوض کا عرض بصریٰ سے صفاء تک کے برابر ہوگا۔ اس میں تاروں کی تعداد کے برابر چاندی کے پیالے ہوں گے اور میں تم سے دو گراں قدر چیزوں کے متعلق سوال کروں گا تم دیکھو کہ تم ان دو چیزوں کے متعلق مجھ سے کیا سلوک کرتے ہو؟

ایک منادی نے ندا دے کر کہا:

(۱) رسوال اللہ! دوگراں قدر چیزیں کیا ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: اللہ کی کتاب کا ایک سرا تمہارے ہاتھوں میں ہے اور دوسرا حصہ اللہ کے ہاتھ میں ہے تم اس سے تمسک کرو اور تم گمراہ نہ ہو گے اور تم میں

تبدیلی نہیں آئے گی۔ اور دوسری چیز میری عترت اہل بیت ہے۔ لطیف وخبیر خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ حوض پر میرے پاس وارد ہو جائیں۔ میں نے اپنے رب سے اس چیز کا سوال کیا ہے تم ان دونوں سے آگے نہ بڑھو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور ان سے پیچھے نہ رہو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور ان دونوں کو تعلیم نہ دو تم سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں تمام مومنین پر ان کی جانوں سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہوں؟

لوگوں نے کہا: جی ہاں، یارسول اللہ!

آپ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے یا تم یہ گواہی نہیں دیتے کہ میں ہر مومن کی بہ نسبت اس کی جان پر زیادہ تصرف رکھتا ہوں؟

پھر آپ نے حضرت علیؑ کے بازو سے پکڑ کر اسے بلند کیا یہاں تک کہ بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی پھر آپ نے فرمایا:

لوگو! اللہ میرا مولا ہے اور میں تمہارا مولا ہوں پس جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے۔ خدایا اس سے دوستی رکھ جو علیؑ سے دوستی رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علیؑ سے دشمنی رکھے اور اس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے اور اسے چھوڑ دے جو علیؑ کو چھوڑ دے اور اس سے محبت رکھ جو علیؑ سے محبت رکھے اور اس سے بغض رکھ جو علیؑ سے بغض رکھے۔

پھر آپ نے فرمایا: خدایا! گواہ رہنا۔

ابھی تک رسولؐ خدا اور علیؑ جدا نہیں ہوئے تھے کہ اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور میں نے تم پر

اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا"

رسولؐ خدا نے فرمایا: میں تکمیل دین اور اتمام نعمت اور خدا کی طرف سے میری رسالت اور علیؑ کی ولایت پر رضا مندی کی وجہ سے خدا کی بزرگی بیان کرتا ہوں۔

تاریخ یعقوبی میں ایک باب کا عنوان ہے "مدینہ میں نازل ہونے والی آیات" اور اس باب میں یعقوبی رقم طراز ہیں:

ان اخرمانزل علیہ (الیوم اکملت . . .) وھی الروایة الصحیحة الثابتة وکان نزولها یوم النص علیٰ امیر المؤمنین علیؑ بن ابی طالب. صلوات الله علیہ. بغدیر خم

"رسول خدا پر سب سے آخر میں (الیوم اکملت لکم) کی آیت نازل ہوئی اور یہی صحیح اور پائیدار روایت ہے۔ اور یہ آیت آنحضرت پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ نے امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالب کے متعلق غدیرخم میں نص فرمائی تھی۔(۱)

اس اعلان کے بعد حصرت عمر بن خطاب علیؑ علیؑ ہ السلام سے ملے اور انہیں مبارک دیتے ہوئے کہا:

ھنیئا لک یاابن ابی طالب، اصبحت واسیت مولیٰ کل مؤمن و مؤمنة. (۲م)

"اے فرزند ابو طالب! تمہیں مبارک ہو تم میرے اور ہر مومن مرد اور مومن عورت کے مولا (آقا) بن گئے"

ایک اور روایت میں حضرت عمر کے یہ الفاظ وارد ہیں:

بَخٍ بَخٍ لک یا ابن ابی طالب۔

اے فرزند ابو طالب! تجھے مبارک ہو۔

(تاریخ یعقوبی ۲/۴۳ـ۲ اي مسند احمد ۴/۲۸۱ـ تاریخ ابن کثیر ۵ ص۲۱۰ ۳ے شواہد التنزیل ۱/۱۵۷ـ ۱۵۸)

حضرت علیؑ کی تاج پوشی

رسول اکرم کے ایک عمامہ کا نام ''سحاب'' تھا۔ آپ نے وہی عمامہ حضرت علیؑ کو بندھایا۔ (۱)

اس عمامہ کا رنگ سیاہ تھا (۲) اور آپؐ اسے مخصوص مواقع پر باندھا کرتے اور آپ نے فتح مکہ کے دن بھی وہی عمامہ زیب سر کیا تھا۔ (۳)

علماء نے حضرت علیؑ کی دستار بندی کا واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا:

عبدالاعلی بن عدی البھرانی نے بیان کیا:

دعا رسول الله علیاً یوم غدیر خم فعممه وارخیٰ عذبة العمامة من خلفه . (۴)

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

عممنی رسول الله یوم غدیر خم بعمامة سوداء طرعنها علیٰ منکبی. ۵

''رسول خدا نے غدیرخم کے دن علیؑ کو بلایا اور انہیں دستار بندھائی اور عمامہ کا پلو ان کے پیچھے لٹکایا۔''

''رسولؐ خدا نے غدیرخم کے دن میری دستار بندی ایک سیاہ عمامہ کے ساتھ فرمائی تھی۔ جس کا پلو میرے کندھے پر تھا''

---

۱ اس عمامہ کا رنگ عبداللہ بن بشر اور حضرت علیؑ کی روایت میں بیان کیا ہے جو کہ ابھی ذکر کی جائیں گی۔ ۲ صحیح مسلم کتاب الحج حدیث ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ سنن ابی داؤد ۴/ ۵۴/ ۳ باب فی ایمائم مترجم المواھب ۵/ ۱۰ بحوالہ معفتہ الصحابہ ابونغیم لریاض النفرة ۲/ ۲۸۹۔ اسد الغابہ ۳/ ۱۱۴

۴ الاصابہ درحالات عبداللہ بن بشر ۲/ ۲۷۴ بحوالہ بغدی

۔ باب فی العمائم شرح المواھب ۵/ ۱۰ بحوالہ معرفتہ الصحابہ ابونعیم۔

مسند طیالسی اور سنن بیہقی میں حضرت علیؑ سے یہ الفاظ منقول ہیں:

عممنی رسول الله یوم غدیر خم بعمامة سدلها خلفی ثم قال: ان الله عزو جل امدنی یوم بدر و حنین یعتمون هذا العمة . . . و اقال

(زادالمعاد ابن قیم برحاشیہ موجاہب الدنیہ ۱ / ۱۴۱)

ان العمامة حاجزة بین المسلیمن و المشرکین

(کنز العمال ۲۰ / ۴۵۔ مسند طیالسی ۱ / ۲۳ / بیہقی ۱۰ / ۱۴)

رسول خدا نے غدیر خم کے دن مجھے دستار بندھائی جس کا سرا میرے پیچھے لٹکایا پھر آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر وحنین میں جن فرشتوں کے ذریعہ سے میری مدد فرمائی تھی وہ بھی اسی طرح کے عمامے باندھے ہوئے تھے ---آپؐ نے فرمایا عمامہ مشرکین ومسلمین کی پہچان کے لئے حد فاصل ہے۔"

حضرت علیؑ سے منقول ہے۔

ان النبی عممه بیده فذنب العمامة من ورائه ومن بین یدیه ثم قال له النبی " ا (دبر)" نادبر ثم فال له "اقبل" فاقبل. و اقبل علیؑ اصحابه فقال النبی هکذاکذا تکون یتجان الملائکة

"رسول خدا نے اپنے ہاتھ سے ان کی دستار بندی کی تھی اور عمامہ کا ایک سرا پیچھے اور ایک سرا آگے پھیلا دیا تھا۔ پھر نبی کریم نے ان سے کہا۔ "پشت میری طرف کرو" انہوں نے پشت کی۔ پھر رسول خدا نے فرمایا: "ادھر رخ کرو" انہوں نے اس طرف رخ کیا۔ پھر علیؑ اپنے دوستوں کی طرف آئے تو نبی کریم نے فرمایا: ملائکہ کے تاج ایسے ہی ہوتے ہیں"

ابن عباس کا بیان ہے:

لماعمم رسول اللّٰہ علیؑ بالسحاب قال له: یا علیؑ

العمائم تیجان العرب. (کنزالعمال عن الدیلمی)

''جب رسول خدا نے حضرت علیؑ کی عمامہ سحاب سے دستار بندی فرمائی تو ارشاد فرمایا:

علیؑ ،'' عمامے عرب کا تاج ہیں۔''

عبداللہ بن بشر کا بیان ہے:

بعث رسول الله (ص) یوم غدیر خم الی علیؑ فعممه واسد العمامة بین کتفیه وقال: وهکذا امدنی ربی یوم حنین با لملائکة معممین وقد اسد لواء العمائم وذلک حجزبین المسلمین و المشرکین. (۱)

''رسول خدا نے غدیرخم کے دن علیؑ کو بلایا اور ان کی دستار بندی کی اور ان کے کندھوں پر عمامہ کا سرا پھیلا دیا اور فرمایا جنگ حنین میں اللہ تعالیٰ نے جن فرشتوں کو میری امداد کے لیے روانہ کیا تھا انہوں نے بھی اسی طرح سے عمامے پھیلا رکھے تھے۔ اور یہ مسلمین ومشرکین میں امتیازی علامت تھی۔

واقعہ غدیر کی گواہ

حضرت علیؑ علیہ السلام نے اپنے زمانہ خلافت میں لوگوں کو مسجد کوفہ کے صحن میں جمع کیا۔ (تاریخ ابن کثیر ۵ج/۲۱۱)

پھر ان سے فرمایا:

میں ہر اس مسلمان کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں جس نے رسولؐ خدا سے غدیرخم کی گفتگو سنی ہو تو وہ کھڑا ہو کر گواہی دے اور صرف وہی کھڑا ہو کر گواہی دے جس نے وہ منظر دیکھا ہو۔

۱۔ یہ الفاظ ابن طاؤس نے امان الاخطار میں تحریر کیئے اور یہی روایت الاصابہ ۲/۲۷۴ پر بھی عبداللہ بن بشر کے حالات میں مذکور ہے اور اس میں غدیرخم کے الفاظ نہیں ہیں۔

یہ سن کر تیس (۳۰) شخص کھڑے ہوئے ایک اور روایت کے مطابق بہت سے افراد کھڑے ہوئے۔ (مسند احمد ۴/ ۳۷۰، ابن کثیر ۵/ ۲۱۱)

عبدالرحمٰن کی روایت ہے کہ بارہ بدری صحابی کھڑے ہوئے اور مجھے آج بھی محسوس ہوتا ہے کہ میں انہیں دیکھ رہا ہوں۔ سب نے کھڑے ہو کر یہ گواہی دی کہ رسول خدا نے غدیر خم میں فرمایا تھا:

(اتعلمون انی اولٰی بالمؤمنین من انفسهم)

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں تمام مومنین کی جانوں پر ان سے بھی زیادہ حق تصرف رکھتا ہوں؟"

سب نے کہا تھا۔ جی ہاں، یا رسول اللہ!

پھر رسولؐ خدا نے آپ کا بازو پکڑ کر فرمایا تھا:

من کنت مولاہ فهذا علیؑ مولاہ اللهم وال من والاہ و عاد من عاداہ وانصر من نصرہ و اخذل من خذله.

"جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے، خدایا جو اس سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ اور جو اس کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد کر اور جو اسے چھوڑ دے تو بھی اسے چھوڑ دے"

عبدالرحمٰن نے کہا کہ تین اشخاص نے گواہی نہیں دی تھی۔ حضرت علیؑ نے انہیں بد دعا دی اور ان پر بد دعا کا اثر ہوا۔

ابوالطفیل نے کہا: میں وہاں سے نکلا تو میرے دل میں کچھ شک تھا۔ میں زید بن ارقم سے ملا اور اس سے کہا۔ آج میں نے علیؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ زید بن ارقم نے کہا۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے میں نے یہ بات خود رسول خدا سے سنی تھی۔ (۱)

(۱) (مسند احمد ۱/ ۱۱۸، ۴/ ۳۷۰۔ تاریخ ابن کثیر ۵/ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ مجمع الزوائد ۹/ ۱۰۵۔ الریاض النضرہ ۲/ ۱۶۹، ابن کثیر ۵/ ۲۱۲)

ایک اور روایت میں مروی ہے:

انصار کا ایک گروہ مقام رحبہ میں حضرت علیؑ کے پاس آیا اور انہوں نے آپ کو اپنا آقا کہہ کر سلام کیا۔

حضرت نے فرمایا: میں تمہارا آقا کیسے ہو سکتا ہوں جب کہ تم تو عرب ہو۔ انہوں نے کہا: ہم نے رسولؐ خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا: **من کنت مولا ہ فان ھذا مولاہ۔** ''جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا و آقا ہے۔''

راوی کہتا ہے کہ ان کے چلے جانے کے بعد میں ان کے پیچھے چلا اور میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟

مجھے بتایا گیا کہ یہ انصار کا گروہ ہے اور ان میں ابو ایوب انصاری بھی موجود ہیں، ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت نے ان سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟

انہوں نے کہا: امیر المومنین ہم آپ کے غلاموں میں سے ہیں۔

وصی موسیٰ اور وصی مصطفیٰ میں مشابہت

تورات کے باب گنتی کے ستائیسویں باب کی آیت میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

موسیٰؑ نے خداوند سے کہا کہ ہ خداوند سارے بشر کی روحوں کا خدا کسی آدمی کو اس جماعت پر مقرر کرے ہ جس کی آمد و رفت ان کے روبرو ہو اور وہ ان کو باہر لے جانے اور اندر لے آنے میں ان کا راہبر ہو تا کہ خداوند کی جماعت ان بھیڑوں کی مانند نہ رہے جن کا کوئی چرواہا نہیں ہ

خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ تو نون کے بیٹے یشوع کو لے کر اس پر اپنا ہاتھ رکھ کیونکہ اس شخص میں روح ہے ہ اور اسے الیعزر کاہن اور ساری جماعت کے سامنے کھڑا کر کے ان کی آنکھوں کے سامنے وصیت کر ہ اور اسے اپنے رعب و دبدبہ سے بہرہ ور کر دے تا کہ بنی اسرائیل کی ساری جماعت اس کی فرماں برداری

کرے ٥ ۔ ۔ ۔ الی آخرہ

حضرت موسیٰ کی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے خاتم الانبیاء کی طرف حضرت علیؑ کے متعلق یہ حکم نازل کیا: يَا اَيُّهَاالرَّسُوْلُ بَلِّغِ مَااُنْزِلَ اِلَيْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفعَلْ فَمَا بَلَّغتَ رِسَالَتَهُ وَاللّٰهُ يَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لاَ يَهْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِيْنَ ۔ (المائدہ۔ آیۃ :٦٧)

''اے رسول ! اس امر کی تبلیغ کر جو تیرے رب کی طرف سے تجھ پر نازل کیا گیا اور اگر تو نے یہ کام نہ کیا تو تو نے اللہ کی رسالت کی تبلیغ ہی نہیں کی، اللہ تجھے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا بے شک اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔''

حضرت موسیٰ کی طرح سے رسول کریم نے بھی غدیر خم میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا اور جب تمام قافلے جمع ہوگئے تو آپ نے ان کے سامنے عظیم الشان خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں تمام مومنین کا حاکم ہوں؟ سب نے جواب دیا جی ہاں آپ ہمارے آقا و مولا ہیں۔

اس وقت رسولؐ خدا نے حضرت موسیٰ کی طرح حضرت علیؑ کو اپنی ہیبت سے بہرہ ور کیا اور ان کا بازو پکڑ کر تمام مجمع کو دکھا کر اعلان کیا:

من کنت مولاہ فھذا علیؑ مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ.

''جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے، خدایا! جو علیؑ سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور جو علیؑ سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔

یہاں تک سنت نبوی کی چند نصوص آپ نے مطالعہ فرمائیں اور اب ہم کتاب اللہ سے امامت اہلِ بیت کا استدلال پیش کریں گے۔

ولایت اور اولی الامر بزبان قرآن

(۱۔) نص جلی بر ولایت علیؑ

سابقہ صفحات میں احادیث پیغمبر سے یہ ثابت کیا گیا کہ رسولؐ خدا کے بعد

حضرت علیؑ ہی جماعت مومنین کے سربراہ اور ان کے ہادی ہیں۔ اور یہی بات قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے بیان فرمائی ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ. (المائدہ : ۵۵)

'' اے ایمان والو! بس تمہارا ولی اللہ ہے او راس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان جونماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔''

تفسیر طبری، اسباب النزول واحدی، شواہد التنزیل حسکانی اور انساب الاشراف بلاذری کی روایات کا خلاصہ ہے(۱)

ابن عباس، ابوذر، انس بن مالک اور حضرت علیؑ سے مروی ہے:

ایک مفلس مسلمان مسجد نبوی میں خیرات لینے کے لئے آیا اور اس نے خیرات کے لئے صدا دی اس وقت حضرت علیؑ نماز نوافل میں مصروف تھے اور آپ حالت رکوع میں تھے سائل کی صدا نے آپ کے دل پر اثر کیا اور آپ نے بائیں ہاتھ سے سائل کو آنے کا اشارہ کیا اور اپنی انگلی کی انگشتری کی طرف اشارہ کیا۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں سرخ عقیق یمنی کی انگشتری موجود تھی جسے آپ نماز میں پہنا کرتے تھے۔

سائل نے آپ کا اشارہ سمجھ کر وہ انگشتری آپ کی انگلی سے اتارلی اور آپ کو دعائیں دیتا ہوا رخصت ہوگیا۔ ابھی وہ سائل مسجد سے باہر نہیں نکلا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے (انما ولیکم اللہ ۔۔۔) کی آیت نازل فرمائی۔

---

۱ تفسیر طبری ۶ / ۱۸۶ ۔ اسباب النزول واحدی ص ۱۳۳، ۱۳۴۔ شواہد التنزیل ۱ / ۱۶۱، ۱۶۴ میں ابن عباس سے اسی مفہوم کی پانچ روایات مذکور ہیں اور ص ۱۶۵ ، ۱۶۶ پر انس بن مالک سے دو روایات مروی ہیں اور ص ۱۶۷ ، ۱۶۹ پر اسی سلسلہ کی مزید چھ روایات منقول ہیں۔ انساب الاشراف بلاذری ح ۱۵۱ درحالات حضرت علیؑ اور رقم ۲۲۵۔ غرائب القرآن نیشاپوری بر حاشیہ طبری ۶ / ۱۶۷ ۔ ۱۶۸۔ سیوطی نے تفسیر درمنثور ۲ / ۲۹۳۔ ۲۹۴ میں اس سلسلہ کی بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ لباب النقول فی اسباب النزول ص ۹۰ ، ۹۱ میں بہت سی روایات کے بعد یہ الفاظ مذکور ہیں (مخعذہ شواھد یعوی بعضھا بعضا) یہ شواہد ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔

حسان بن ثابت نے آپ کی مدح میں یہ شعر کہے ۔

اباحسن تفدیک نفسی ومهجتی　　وکل بطئی فی الهدی و مسارع
فانت الذی اعطیت اذ انت راکع　　فدتک نفوس القوم یاخیر راکع
فانزل فیک الله خیر ولایة　　فاثبتها فی محکمات الشرائع

''اے ابوالحسن: تجھ پر ہماری روح و جان قربان ہو اور تجھ پر ہدایت میں جلدی کرنے والا اور دیر کرنے والا ہر فرد قربان ہو۔ آپ نے حالت رکوع میں زکوٰۃ دی۔ اے بہترین رکوع کرنے والا! تمام لوگوں کی جانیں آپ پر نثار ہوں۔ اللہ نے آپ کے حق میں ولایت کی آیت نازل فرمائی اور اسے محکمات شرائع میں ثبت فرمایا۔''

دلالت آیت پر اعتراض

بعض افراد یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آیت مجیدہ میں (الذین آمنوا الذین یقیمون الصلاۃ و یؤتون الزکوۃ وھم راکعون) کے الفاظ جمع ہیں۔ اس سے اکیلے امیرالمومنین کو مراد کیسے لیا جاسکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں ہم یہ عرض کریں گے کہ واحد سے جمع مراد لینا درست نہیں ہے لیکن جمع سے واحد مراد لینا عربی زبان اور بالخصوص قرآن مجید میں رائج ہے اور قرآن پاک میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ اس کے لئے سورہ منافقین کی ان آیات کو بطور استشہاد پیش کیا جاسکتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. اِذَاجَائَکَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لِرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهُ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَکَاذِبُوْنَ . . . . وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْلَکُم رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوا رُءُو سَهُم وَرَاَيْتَهُم يَصُدُّوْنَ وَهُم مُستَکبِرُونَ . . . . . هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لاَ تُنفِقُوا عَلٰی مَن عِندَ رَسُولِ اللّٰهِ حَتّٰی يَنفَضُّوا وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰاتِ وَ الْاَرْضِ وَلٰکِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لاَيَفْقَهُوْنَ. يَقُوْلُوْنَ لَئِن رَّجَعنَا اِلٰی الْمَدِيْنَةِ لَيُخرِجَنَّ الاَعَزُّمِنهَا الاَذَلَّ وَاللّٰهِ

الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَايَعْلَمُونَ

(المنافقون ۱ - ۸)

''بنام خدائے رحمان و رحیم۔ جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔۔۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسولؐ اللہ تمہارے حق میں استغفار کریں گے تو وہ سر پھیر لیتے ہیں اور تم انہیں دیکھو گے کہ وہ تکبر کرتے ہوئے منہ موڑ لیتے ہیں۔۔۔۔ یہی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ کے ساتھیوں پر کچھ خرچ نہ کرو تاکہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں۔ حالانکہ آسمان و زمین کے سارے خزانے اللہ ہی کے لئے ہیں اور منافقین اس بات کو نہیں سمجھتے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ واپس آ گئے تو ہم صاحبان عزت ان ذلیل افراد کو نکال باہر کریں گے حالانکہ ساری عزت اللہ، رسولؐ اور صاحبان ایمان کے لئے ہے اور منافقین یہ بات نہیں جانتے''

ان آیات کے متعلق طبری اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

انما عنی بهذه الآيات، كلها عبدالله بن ابی سلول . . . .

وانزل الله فيه هذه السورة من اولها الى آخرها. (لـ)

''یہ تمام آیات عبداللہ بن ابی سلول کے متعلق نازل ہوئیں اور یہ پورے کا پورا سورہ اس کے متعلق نازل ہوا۔'' (تفسیر طبری ۲۸، ۲۷۰)

سیوطی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے:

وكل شئى انزله المنافقين . فى هذه السورة . فانما اراد عبدالله بن ابى . (تفسیر درمنثور سیوطی ۶ / ۲۲۳)

''اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق جتنی بھی آیات نازل فرمائیں اس سے مراد عبداللہ بن ابی ہے۔''

سورہ منافقین کا شان نزول بیان کرتے ہوئے اہل سیرت و مفسرین نے

یہ واقعہ نقل کیا جس کا ماحصل یہ ہے:

جہجاہ غفاری نامی ایک شخص حضرت عمر کا ملازم تھا۔ غزوہ بنی مصطلق کے بعد وہ پانی بھرنے گیا تو وہاں بنی خزرج کے ایک حلیف سنان جہنی کے ساتھ اس کا جھگڑا ہوگیا۔ جس پر جہنی نے ''یا معشر الانصار'' کہہ کر انصار کو اپنی مدد کے لئے پکارا اور جہجاہ غفاری نے ''یا معشر المھاجرین'' کہہ کر مہاجرین کو اپنی مدد کے لئے آواز دی۔

عبداللہ بن ابی کو اس بات سے سخت غصہ آیا اور اس وقت اس کے ساتھ اس کی قوم کے افراد موجود تھے جن میں زید بن ارقم بھی شامل تھا جو کہ اس وقت انتہائی کمسن تھا۔

عبداللہ بن ابی نے کہا: کتنے افسوس کی بات ہے کہ یہ لوگ مہاجر بن کر ہمارے پاس آئے اور ہم نے اپنی پناہ دی اور ان کی ہر طرح سے مدد کی اور اب ہمارا اور ان کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک مثال ہے ''سمن کلبک یاکلک'' کتے کو پال کر موٹا تازہ کرو کہ وہ تمہیں کھالے۔'' خدا کی قسم! اگر ہم یہاں سے بخیریت مدینہ پہنچ گئے تو عزت والے ان ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے۔ پھر اس نے اپنی قوم سے کہا: یہ سب تمہارا اپنا کیا دھرا ہے۔ تم لوگوں نے انہیں اپنے ہاں پناہ دی اور انہیں اپنی دولت میں شریک کیا اور اگر تم نے ان سے ہاتھ روک لیا تو یہ لوگ یہاں سے خود بخود ہی چلے جائیں گے۔

زید بن ارقم نے اس کی تمام باتیں رسولؐ خدا تک پہنچائیں۔ اس وقت رسولؐ خدا کے ساتھ عمر بن خطاب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر نے کہا: یا رسولؐ اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن اڑا دیتا ہوں۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: اگر تم نے ایسا کیا تو اس کی وجہ سے بہت سے لوگ حرکت میں آجائیں گے۔ حضرت عمر نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! اگر آپ نہیں چاہتے کہ اسے کوئی مہاجر قتل کرے تو آپ سعد بن معاذ اور محمد بن سلمہ انصاری کو حکم دیں کہ وہ اس کو قتل کر دیں گے۔ رسول اکرم نے فرمایا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ لوگ یہ کہنے لگیں کہ محمدؐ اپنے ہی اصحاب کو قتل کر رہا ہے۔

عبداللہ رسول خدا کے پاس آیا اور قسم کھا کر کہا کہ آپ کو جو کچھ بتایا گیا ہے وہ سب جھوٹ ہے۔ ایسی کوئی بات سرے سے ہوئی ہی نہیں۔

انصار نے زید بن ارقم کی خوب ملامت کی اور عبداللہ سے کہا۔ تمہارے لئے بہتری اسی میں ہے کہ تم رسولؐ خدا کے پاس جا کر معذرت کرو اور ان سے استغفار کی درخواست کرو۔

عبداللہ نے گردن مروڑ کر جواب دیا:

تم نے مجھے ایمان لانے کے لئے کہا تو میں تمہارے کہنے پر ایمان لایا اور تم نے مجھے زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تو میں نے تمہارے کہنے پر زکوٰۃ دی۔ اب بس محمدؐ کے سامنے سجدہ کرنا باقی رہ گیا ہے اس کی باتوں کے جواب میں اللہ نے سورہ منافقین کی مذکورہ آیات نازل فرمائیں اس تمام تر بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ سورہ منافقین کی ان آیات میں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے جب کہ اس سے فرد واحد مراد ہے۔

قرآن مجید میں ایسی بہت سی آیات موجود ہیں جن میں صیغہ جمع کا استعمال ہوا اور اس سے فرد واحد مراد لیا گیا۔ ایسی بیسیوں آیات میں یہ آیات بھی شامل ہیں:

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ (يُؤْذُوْنَ) النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَاُذُنٌ (التوبہ:٦١)

"اور ان میں وہ بھی ہیں جو نبی کو اذیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو نرا کان ہیں۔ اذیت دینے والا ایک فرد تھا جب کہ صیغہ جمع کا ہے۔"

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْجَمَعُوْا لَكُمْ (آل عمران: آیہ-١٧٣)

"وہ لوگ جن سے لوگوں نے کہا تھا کہ لوگ تمہارے خلاف جمع ہو گئے ہیں۔"

اس آیت میں بات کہنے کی نسبت ایک گروہ کی طرف کی گئی ہے جب کہ اس سے مراد بھی فرد واحد ہے۔

يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَامِنَ الْاَمْرِمِنْ شَيْءٍ . . . (آل عمران:١٥٤)

"وہ کہتے ہیں کہ کیا اس معاملہ میں ہمیں بھی کوئی دخل حاصل ہے؟"

یہ الفاظ اگرچہ جمع کے ہیں لیکن یہاں بھی بات کرنے والا فرد واحد ہی تھا۔ اس بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض اوقات صیغہ جمع سے فرد واحد مراد ہوتا

ہے۔ اسی طرح سے آیت ولایت میں اگر چہ جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں پھر بھی اس سے تنہا حضرت علیؑ علیہ اسلام مراد ہیں۔

ب: اولی الامر: علیؑ اور ان کی اولاد

سابقہ روایات سے یہ ترشح ہوتا ہے کہ رسولؐ خدا کے بعد حضرت علیؑ ہی مومنین کے آقا اور ان کے ولی امر تھے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

یَاایُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ. (النساء : ۵۹)

''ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ اور جو تم میں صاحبان امر ہوں ان کی اطاعت کرو۔''

اس آیت مجیدہ کی تفسیر کے لئے حسب ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

الف: شواہد التنزیل میں حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس آیت مجیدہ کے نزول کے بعد رسولؐ خدا سے پوچھا کہ اولی لامر سے مراد کون ہیں؟

رسولؐ خدا نے فرمایا: انت اولھم۔ ''تو ان کا پہلا فرد ہے۔''

ب۔ آیت (وَاُولِی الاَمرِ مِنکُم) کے متعلق مجاہد نے کہا:

اس سے علیؑ بن ابی طالب مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول خدا نے انہیں مدینہ میں حاکم مقرر کیا۔ اور اللہ نے اپنے بندوں کو اس کی اطاعت کا حکم دیا اور اس کی نافرمانی سے منع فرمایا:

ج۔ ابوبصیر نے امام محمد باقرؑ علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: یہ آیت علیؑ بن ابی طالب کے متعلق نازل ہوئی۔

میں (راوی) نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے علی اور اس کے اہل بیت کا نام قرآن میں کیوں نہیں لیا؟

امام محمد باقرؑ علیہ السلام نے فرمایا:

تم ان سے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز قائم کرنے کا حکم دیا

لیکن یہ وضاحت نہیں کی کہ نماز کی تین رکعات ہیں یا چار رکعات ہیں۔ رسول خدا نے اپنے عمل سے اس کی تفسیر فرمائی۔ اسی طرح اللہ نے حج کا حکم نازل کیا لیکن سات مرتبہ طواف کا حکم نازل نہیں کیا۔ رسول خدا نے اپنے عمل سے اس کی وضاحت فرمائی۔ اور اللہ تعالیٰ نے (اَطِیعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیعُوا الرَّسُولَ وَاُولِی الاَمرِ مِنکُم) کی آیت علیؑ اور حسنؑ وحسینؑ کے لئے نازل فرمائی۔ رسول خدا نے لوگوں سے فرمایا:

واصیکم بکتاب اللّٰہَ و اھل بیتی انی سالت اللہ ان لایفرق بینھما حتی یردا علیؑ الحوض فا عطانی ذلک۔(۱)

میں تمہیں اللہ کی کتاب اور اپنی اہل بیت کے متعلق وصیت کرتا ہوں۔ میں نے خدا سے درخواست کی کہ وہ انہیں ایک دوسرے سے جدا نہ کرے یہاں تک کہ دونوں میرے پاس حوض پر وارد ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی۔

(مذکورہ تینوں روایات شواہد التنزیل ۱ر ۱۴۸ ۔ ۱۵۰ پر مذکور ہیں)

ج۔ اہلِ بیت سفینۂ نوح اور باب حطہ کی مثال ہیں

بہت سے صحابہ نے حضرت علیؑ، ابوذر، ابوسعید خدری اور ابن عباس اور انس بن مالک سے روایت کی کہ رسول خدا نے فرمایا:

مثل اھل بیتی کسفینۃ نوح من رکبھانجا ومن تخلف عنھا غرق

''میری اہل بیت کشتیٔ نوح کی مانند ہیں جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو پیچھے رہ گیا وہ غرق ہوگیا۔''

بعض احادیث میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں:

ومثل باب حطۃ فی بنی اسرائیل.

''میری اہل بیت کی مثال بنی اسرائیل کے باب حِطّہ جیسی ہے۔''

یہ حدیث حسب ذیل کتابوں میں موجود ہے:

ذخائر العقبیٰ محب طبری ص ۲۰،

مستدرک حاکم ۲ / ۳۴۳، ۳ / ۱۵۰،

حلیۃ الاولیاء ابونعیم ۴ / ۳۰۶،

تاریخ بغدادی خطیب ۱۲ / ۱۹

مجمع الزوائد ہیثمی ۹ / ۱۶۸"

درمنثور سیوطی درتفسیر (**وادخلوا الباب سجدا وقولوا حطة نغفرلكم خطاياكم**) تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۷۰ پر منصور کے حالات کے ضمن میں مرقوم ہے۔ مامون نے رشید سے، اس نے مہدی سے، اس نے منصور سے، اس نے اپنے باپ سے اس نے اپنے دادا سے، اس نے ابن عباس سے اس نے نبی کریم سے روایت کی آپ نے فرمایا:

مثل اهل بيتي كسفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف عنها هلک.

"میری اہل بیت کی مثال سفینہ نوحؑ جیسی ہے جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہوگیا۔"

یہ حدیث کنزالعمال ۶ / ۱۵۳ ۔ ۲۱۶ میں مذکور ہے اور ابن حجر نے اپنی کتاب **صواعق المحرقه** کے ص ۷۵ پر اس حدیث کو دارقطنی، طبرانی، ابن جریر اور احمد بن حنبل کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

کتاب وسنت کی ان واضح ترین نصوص سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خدا و رسول نے حضرت علیؑ کو مسلمانوں کا حاکم و آقا مقرر کیا اور بعد کے صفحات میں ہم ان نصوص قطعیہ کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں جو دوسرے الفاظ سے وارد ہوئی ہیں۔

علیؑ اور ان کی اولاد رسول اکرمؐ کی طرف سے مبلغ ہیں

اللہ تعالی نے قرآن مجید کی متعدد آیات میں تبلیغ کو انبیاء کی کلیدی ذمہ

داری کے عنوان سے بیان کیا ہے۔

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

۱ .مَاعَلٰی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَا غُ . (المائدہ: ۹۹)

''رسول کی ذمہ داری صرف پیغام پہنچانا ہے۔''

۲ .وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَا غُ الْمُبِیْنُ. (النور: ۵۴۔عنکبوت: ۱۸)

''اور رسول کی ذمہ واضح تبلیغ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔''

۳.اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلَا غُ الْمُبِیْنُ. (المائدہ: ۹۲، التغابن: ۱۲)

''رسول کی ذمہ داری صرف واضح پیغام پہنچا دینا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاء کا وظیفہ تبلیغ کو قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔

فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلَا غُ. (آل عمران: ۲۰، النحل: ۳۵، الرعد: ۱۳)

آپ کی ذمہ داری صرف پیغام پہنچانا ہے۔

۲ .اِنْ عَلَیْکَ اِلَّاالْبَلَا غُ. (الشوری : ۴۸)

''آپ پر پیغام پہنچانے کے علاوہ اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔''

تبلیغ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ براہ راست تبلیغ۔۲۔ بالواسطہ تبلیغ۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسولؐ نے دو طرح کے امور کی تبلیغ کرنی ہوتی ہے۔ ایسا امر جو فی الواقع موجود ہو اور دوسرا ایسا امر جو ابھی تک منصۂ شہود پر نہ آیا ہو۔ مثلاً مسلمانوں کے دو گروہوں کی باہمی جنگ اور اس میں امت اسلامیہ کی ذمہ داری۔ یا ایک ظالم حکمران کے مدمقابل مسلمانوں کا طرز عمل۔ یقیناً یہ مسائل حبیب خدا کی زندگی میں موجود نہیں تھے۔

اس مقام پر ہم یہ بھی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ رسولؐ جو کچھ پہنچاتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔جس کے الفاظ و معانی خدا کی طرف سے نازل ہوئے ہوں اور اسے اللہ کی کتاب کہا جاتا ہے اور کتاب خدا کو قرآن مجید کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْ بَلَغَ. (الانعام: ۱۹)

''اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ اس کے ذریعہ میں تمہیں اور جہاں تک یہ پیغام پہنچے سب کو ڈراؤں۔''

(ب۔) ایسے مطالب جن کا مفہوم آپ پر نازل ہوا ہو مگر الفاظ نازل نہ ہوئے ہوں اور رسولؐ خدا نے اس مفہوم کو اپنے الفاظ میں ادا کیا ہو۔ جیسا کہ آپ نے شریعت کے احکام کی تبلیغ فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَاوَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَاتَتَفَرَّقُوْا. (الشوریٰ: ۱۳)

اس نے تمہارے لئے دین میں وہی راستہ مقرر کیا ہے جس نے نصیحت نوح کو کی ہے اور جس کی وحی پیغمبر تمہاری طرف بھی کی ہے اور جس کی نصیحت ابراہیمؑ، موسیٰ اور عیسیٰؑ کو بھی ہے کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ پیدا نہ ہونے پائے۔''

رسول خدا نے امت کو جو کچھ بھی بتایا خواہ اس کا تعلق نماز، احکام نماز سے ہو یا احکام روزہ سے ہو، ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے خواہ گزشتہ واقعات کی خبر ہو یا آئندہ حالات کی پیش گوئی ہو غرض یہ کہ آپ نے جس بھی چیز کی تبلیغ کی تو آپ پر اس کی وحی نازل ہوئی تھی البتہ وہ وحی الفاظ کے پیراہن کی بجائے مفہوم کی شکل میں نازل ہوتی تھی اور یوں آپ کا ہر فرمان وحی الٰہی کے زیر اثر تھا۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:

وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی. (النجم: ۳، ۴)

''اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا، اس کا کلام وہی وحی ہے جو مسلسل نازل ہوتی رہتی ہے۔'' اس طرح کی تبلیغ کو حدیث شریف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ سابقہ آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسولؐ کی مسئولیت تبلیغ ہے اور رسولؐ کی صفت ممیّزہ ہی تبلیغ ہے اور جب رسولؐ کسی کے متعلق ''اِنَّہٗ مِنِّیْ''

کے جملے کہہ دیں تو اس کا مفہوم صرف یہی ہوگا کہ میری طرح سے وہ بھی فریضہ تبلیغ میں شریک ہے۔ یہ بات ہم صرف عقیدت کے طور پر ہی نہیں کہتے بلکہ احادیث میں اس کی تشریح موجود ہے جیسا کہ سورہ برأت کے سلسلہ میں عملی طور پر رسولؐ خدا نے دنیا کو بتایا کہ ان کی جگہ پر تبلیغ کا فریضہ صرف علیؑ ہی ادا کر سکتے ہیں۔

آیاتِ برأت کی تبلیغ کا واقعہ

سورہ براء ت کی ابتدائی آیات کی تبلیغ کا یہ واقعہ صحیح ترمذی، تفسیر طبری، خصائص نسائی اور مستدرک حاکم کے علاوہ اور بھی بیسیوں کتابوں میں مذکور ہے اور یہ واقعہ انس، ابن عباس، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر اور ابی سعید خدری، عمر بن میمون اور حضرت علیؑ اور حضرت ابوبکر سے مروی ہے۔ (۱)

ہم یہاں مسند احمد کی روایت نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

دعا النبی اباباکر فبعثه لاهل مكة، لايحج بعد العام مشرک ولايطوف بالبيت عريان ولايدخل الجنة الانفس مسلمة ومن كان بينه وبين رسول الله مدة فاجله الى مدتة والله برى من المشركين و رسوله. قال: فساربها ثلاثا ثم قال لعلیؑ: الحقه فرد علیؑ اباابکر و بلغهاانت.

قال: فغعل . فلما قدم علیؑ النبی ابوبکربکی وقال: يا رسول الله حدث فی شئی؟

قال: ماحدث فیک لاخیر ولکنی امرت ان لایبلغہ الا انا اورجل منی۔ (۲)

''رسولؐ خدا نے حضرت ابوبکر کو بلایا اور اہل مکہ کے لئے سورہ برأت کی آیات ان کے سپرد کیں اور کہا کہ وہ حج کے مجمع میں اعلان کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا اور کوئی شخص ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا اور

(۱) سنن ترمذی ۱۳/۱۶۴۔ ۱۶۵۔ مسند احمد ۱/ ۱۵۱، ۳/ ۲۸۳۔ خصائص نسائی ص ۲۸، ۲۹۔ تفسیر طبری ۱۰/۴۶۔ مستدرک حاکم ۳/ ۵۱، ۵۲ مجمع الزوائد ۷/۲۹، ۹/ ۱۱۹

(۲) مسند احمد ۱/ ۳، ۲،۴ من مسند ابی بکر۔ احمد شاکر لکھتے ہیں اس کی اسناد صحیح ہیں کنز العمل، کتاب التفسیر تفسیر سورۃ براءۃ ۲/ ۲۶۷، ۲۷۰۔ ذخائر العقبیٰ ص ۶۹

جنت میں صرف مسلمان ہی جائیں گے اور جس کا رسولؐ خدا سے معاہدہ ہوتو وہ اس کو اس کی مدت تک مہلت حاصل ہوگی اور اللہ اور اس کا رسولؐ مشرکین سے بیزار ہیں۔

راوی کا بیان ہے: حضرت ابوبکر وہ آیات لے روانہ ہوئے انہیں سفر کرتے تین دن گزرے تھے کہ آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: تم جا کر ابوبکر سے ملاقات کرو اور اسے میرے پاس واپس بھیج دو اور آیات کی تبلیغ تم جا کر کرو۔

راوی کہتا ہے کہ حضرت علیؑ نے آپ کے فرمان پر عمل کیا۔ حضرت ابوبکر رسول خدا کے پاس واپس آئے اور رو پڑے اور کہا: یا رسول اللہ! کیا میرے متعلق کوئی نئی چیز پیش آئی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، تمہارے متعلق اچھائی کے علاوہ کوئی نئی چیز پیش نہیں آئی۔ بات یہ ہے کہ مجھے خدا کی طرف سے یہ حکم ہوا ہے کہ ان آیات کی تبلیغ یا تو میں خود کروں یا وہ شخص کرے جو مجھ سے ہو۔"

عبداللہ بن عمر کی روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں:

ولکن قیل لی: انه لایبلغ عنک الا انت اورجل منک۔

"لیکن مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ اپنی طرف سے آپ خود تبلیغ کریں یا وہ مرد کرے جو آپ میں سے ہو۔" (مستدرک حاکم ۳/ ۵۱)

ابوسعید خدری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

لایبلغ عن غیری اورجل منی

"میری طرف سے میرا غیر ان آیات کی تبلیغ نہیں کرسکتا یا وہ مرد ان کی تبلیغ کرسکتا ہے جو مجھ سے ہو۔"

اس مقام کے حالیہ اور مقالیہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات میں جس تبلیغ کی گفتگو کی گئی اور ابتداء میں حکم الٰہی یا رسول خود پہنچا سکتے ہیں یا وہ شخص پہنچا سکتا ہے جو حضور کا حصہ ہو اور ان میں سے ہو اور ہاں جب رسول یا وہ شخص جو رسول سے مقام "فسیت" رکھتا ہو کسی مسئلہ کی تبلیغ کرلیں تو اس کے بعد باقی لوگوں کو بھی اس کی تبلیغ کی اجازت ہے اور رسول خدا نے "**لا یبلغ عنی غیری اوررجل منی**" کہہ کر یہ واضح فرمایا کہ کسی بھی حکم شرعی کی ابتدائی تبلیغ یا تو رسول کرسکتے ہیں یا وہ شخصیت کرسکتی ہے جو حضور کا جزو ہو اور ان میں سے ہو۔

اور اسی "فسیت" اور "مِنّیْ" کو حدیث منزلت میں بھی بیان کیا گیا ہے

ہارون محمدی

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند طیالسی، مسند احمد، سنن ترمذی اور ابن ماجہ میں یہ حدیث مذکور ہے۔ صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں کہ رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لیس نبی بعدی

"تجھے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے حاصل تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا"

صحیح مسلم میں حدیث کے آخری الفاظ یوں مذکور ہیں:

لا انه لانبی بعدی۔ "مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔" (1)

ابن سعد طبقات میں براء بن عازب اور زید بن ارقم کی روایت سے رقم طراز ہیں۔ جیش عسرت یعنی غزوہ تبوک کے وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ و والہ وسلم نے حضرت علیؑ بن ابی طالب سے فرمایا: "مدینہ میں میرا یا تمہارا رہنا ضروری ہے۔"

بعدازاں رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ جب رسولؐ خدا جہاد کے لئے روانہ ہوئے تو لوگوں نے کہا کہ رسولؐ خدا نے علیؑ کو کسی ایسی چیز کی وجہ سے پیچھے ٹھہرایا ہے جو انہیں ناگوار گزری ہے۔ حضرت علیؑ کو ان باتوں کا علم ہوا تو وہ رسولؐ خدا کے پیچھے روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ رسول خدا سے ان کی ملاقات ہوئی۔ رسولؐ خدا نے ان سے فرمایا: علیؑ! تمہیں کون سی چیز یہاں لائی ہے؟ حضرت علیؑ نے عرض کیا: میں نے لوگوں کی باتیں سنیں جو یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے مجھے میری کسی غلطی کی وجہ سے مدینہ میں ٹھہرایا ہے۔

یہ سن کر رسول خدا ہنس دیئے اور فرمایا:

یا علیؑ اماترضیٰ ان تکون منی کهارون من موسیٰ غیر انک لست بنبی؟

"یا علیؑ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم کو مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی مگر تم میرے بعد نبی نہیں ہو؟"

---

1. صحیح بخاری ۲ / ۲۰۰ باب مناقب علیؑ بن ابی طالب۔ صحیح مسلم ۷ / ۱۲۰ باب فضائل علیؑ بن ابی طالب۔ سنن ترمذی ۱۳ / ۱۷۱ باب مناقب علیؑ۔ لمسند طیالسی ۱ / ۲۸۔ ۲۹ حدیث ۲۰۵۔ ۲۰۹۔ ۲۱۳ سنن ابن ماجہ باب فضل علیؑ بن ابی طالب حدیث ۱۱۵۔ مسند احمد ۱ / ۱۷۰۔ ۱۷۳۔ ۱۷۵۔ ۱۷۷۔ ۱۷۹۔ ۱۸۲۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۳۳۰، ۳ / ۳۲۔ ۳۳۸، ۶ / ۳۶۹۔ ۴۳۸۔ مستدرک حاکم ۲ / ۳۳۷۔ طبقات ابن سعد ۳ / ۱ / ۱۴۔ ۱۵۔ مجمع الزوائد ۹ / ۱۰۹۔ ۱۱۱

حضرت علیؑ نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! (یعنی میں اس پر راضی ہوں) رسولؐ خدا نے فرمایا: تو معاملہ اسی طرح سے ہے۔ (۱)

لفظِ ''مِنّی'' سے کیا مراد ہے؟

حدیث منزلت میں لفظ ''مِنّی'' استعمال ہوا ہے اور رسولؐ خدا نے فرمایا:

(انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ) تجھے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے حاصل تھی۔

اس حدیث کے ذریعہ سے رسولؐ خدا نے اپنی امت کو یہ پیغام دیا ہے کہ میرے بعد نبوت کا عہدہ نہیں ہوگا اس لئے علیؑ نبی نہیں ہوں گے البتہ نبوت کے علاوہ حضرت ہارونؑ کو جتنے بھی مناصب حاصل تھے وہ سب کے سب علیؑ کو حاصل ہوں گے۔

حضرت ہارون کو سب سے پہلا منصب یہ حاصل تھا کہ وہ تبلیغ احکام میں حضرت موسیٰ کے شریک تھے اسی طرح سے حضرت علیؑ بھی تبلیغ احکام میں رسول خدا کے ساتھ شریک ہیں۔

رسول خدا نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفات کے میدان میں ارشاد فرمایا:

(علیؑ منی وانا من علیؑ لایؤدی عنی الاانا اوعلیؑ) (۲)

''علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں میری طرف سے پیغام یا میں خود پہنچا سکتا ہوں یا علیؑ پہنچا سکتا ہے۔''

اس حدیث میں لفظ ''منی'' سے حضور اکرمؐ نے یہ مسئلہ واضح فرمایا کہ خدائی احکام کی بلاواسطہ تبلیغ یا تو رسولؐ خدا خود کر سکتے ہیں یا علیؑ کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ حدیث بریدہ میں آنحضرتؐ کے یہ الفاظ مذکور ہیں:

---

(۱) طبقات ابن سعد ۳ رق ۱/۱۵۔ مجمع الزوائد ہیثمی ۹/۱۱۱۔ الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ اس سے قبل ہم جانشینان پیغمبر کے باب میں اس حدیث کے بعض الفاظ پر بحث کر چکے ہیں۔

(۲) سنن ابن ماجہ کتاب المقدمہ، باب فضائل الصحابۃ جلد اول ص ۹۲۔ سنن ترمذی، کتاب المناقب، ۱۳/۱۶۹ کنز العمال ۶/۱۵۳ طبع اول، مسند احمد ۴/۱۶۴۔ ۱۶۵ بروایت حبشی بن جنادہ باسناد متعددہ

لاتقع فی علیؑ فانہ منی . . . .

''خبردار علیؑ کو شکوہ نہ کرنا وہ مجھ سے ہے۔''

عمران بن حصین کی روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

ان علیاً منی . . . .

''بے شک علیؑ مجھ سے ہے۔''

مذکورہ تمام روایات کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کے ائمہ احکام الٰہی کی براہ راست تبلیغ کے لئے رسول خدا کے ساتھ تبلیغ میں شریک ہیں۔ اور آنحضرت کے اس فرمان کا مقصد بھی یہی ہے کہ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔

اس جیسی احادیث کا مقصد یہ ہے کہ ان کا قول ان کا نہیں بلکہ میرا قول ہے اور ان کی تبلیغ خود ان کی طرف سے نہیں بلکہ میری طرف سے ہے البتہ فرق یہ ہے کہ رسول خدا احکام الٰہی کو بذریعہ وحی حاصل کرتے تھے اور آئمہ اہل بیت رسول خدا سے براہ راست حاصل کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان ذوات قدسیہ کو شریک کار تبلیغ اس لئے قرار دیا کہ خدا کو ان کی امانت اور صداقت پر اعتماد تھا۔ اور اس اعتماد کی وجہ یہ تھی کہ اللہ نے انہیں خصوصی طہارت سے سرفراز کیا تھا اور ان کی طہارت کے لئے آیت تطہیر نازل فرمائی۔

رسولؐ خدا نے اللہ سے براہ راست علم حاصل کیا اور حضرت علیؑ نے رسولؐ خدا سے وہ علم حاصل کیا اور بعد ازاں آئمہ اہل بیت نے یکے بعد دیگرے اس علم کو حاصل کیا۔ جیسا کہ حسب ذیل روایات میں اس کی توضیح کی گئی ہے۔

علوم رسولؐ کا حامل

فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر اور متقی نے کنز العمال میں حضرت علیؑ کا یہ فرمان نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

علمنی رسول اللہ الف باب من العلم و تشعب لی من کل باب الف باب.

"رسولؐ خدا نے مجھے علم کے ایک ہزار دروازوں کیتعلیم دیپھر
ہر دروازے سے علم کے ایک ہزار دروازے کھل گئے۔"

تفسیر طبری، طبقات ابن سعد، تہذیب التہذیب، کنز العمال اور فتح الباری میں حضرت علیؑ کی یہ تقریر مذکور ہے۔ چنانچہ فتح الباری کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: ابو الطفیل کا بیان ہے کہ میں نے علیؑ سے سنا وہ خطبہ میں کہہ رہے تھے:

" سلونی اللّٰہ لاتسالونی عن شئی یکون الی یوم القیامۃ الاحدثتکم بہ و سلونی عن کتاب اللہ فواللہ مامن آیۃ الا وانا اعلم ابلیل نزلت ام بنہار ام فی سھل ام فی جبل . . . . (ا ھ)

(تفسیر کبیر در تفسیر (ان اللہ اصطفی ادم ـ ـ ـ) کنز العمال ۶ / ۳۹۲ ـ ۳۰۵)

"تم مجھ سے پوچھو خدا کی قسم قیامت تک کے حالات میں سے تم جس چیز کے متعلق بھی مجھ سے پوچھو گے تو میں بتا دوں گا تم مجھ سے کتاب اللہ کے متعلق پوچھو۔ خدا کی قسم میں ہر آیت کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ رات کو اتری یا دن کو اتری، میدان میں اتری یا پہاڑ میں اتری۔"

یہی وجہ ہے کہ حضرت رسول کریمؐ نے حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا تھا: جیسا کہ جابر بن عبداللہ کی روایت ہے:

انا مدینۃ العلم وعلیؑ بابھا فمن اراد المدینۃ فلیات بابھا

"میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے جسے شہر میں آنے کا شوق ہو تو وہ دروازے سے آئے۔"

اس حدیث کے متعلق امام حاکم مستدرک میں لکھتے ہیں:

ھذا حدیث صحیح الاسناد: اس حدیث کے اسناد صحیح ہیں۔ (۲)

---

۱ تفسیر ابن جریر ۲۶ / ۱۱۶، طبقات ابن سعد ۲ / ق ۲ / ۱۰۱ ـ تہذیب التہذیب ۷ / ۳۳۷ فتح الباری ۱۰ / ۲۲۱ ـ حلیۃ الاولیاء ۱ / ۶۷، ۶۸ کنز العمال ۱ / ۲۲۸

(۲) مستدرک حاکم ۳ / ۱۲۶ ـ اور ص ۱۲۷ میں یہی حدیث دوسری سند سے مروی ہے۔ تاریخ بغداد ۴ / ۳۴۸، ۷ / ۱۷۲، ۱۱ / ۴۸ اور اسی کتاب کے ص ۴۹ پر یحییٰ بن معین سے منقول ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اسد الغابہ ۴ / ۲۲ ـ مجمع الزوائد ۹ / ۱۱۴ ـ تہذیب التہذیب ۶ / ۳۲۰، ۷ / ۴۲۷ ـ متن فیض القدیر ۳ / ۳۶ ـ کنز العمال طبع دوم ۱۲ / ۲۰۱ حدیث ۱۱۳۰ ـ الصواعق المحرقہ ص ۷۳

دوسری حدیث میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

فمن اراد العلم فلیات با بھا. (مستدرک حاکم ۳ / ۱۲۷ ۔ ۱۲۹)

''جسے علم کی ضرورت ہوتو وہ دروازے سے آئے''

ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے حدیبیہ کے دن رسولؐ خدا سے سنا اس وقت آپ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا:

هذا امیر البررة وقاتل الفجرة منصور من نصره مخذول من خذله. یمد بها صوتة. انا مدینة العلم و علیؑ بابها فمن اراد البیت فلیات الباب

''یہ نیک لوگوں کا امیر اور فاجروں کا قاتل ہے اس کے مدد کرنے والے کی خدا کی طرف سے مدد کی جائے گی اور اسے بے یار و مددگار چھوڑنے والا خدا کی طرف سے بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے گا۔ آپ آواز بلند کر کے یہ فرما رہے تھے۔ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے جسے گھر میں داخل ہونا مطلوب ہو تو وہ دروازے سے آئے۔''

ابن عباس کی روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

انا مدینه العلم و علیؑ بابها فمن اراد المدینة فلیا تا من بابها.

''میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے جسے شہر میں داخل ہونے کی خواہش ہوتو وہ اس کے دروازے سے آئے۔''

(کنز العمال طبع دوم ۱۲ / ۲۱۲ حدیث ۱۲۱۹۔ کنوز الحقائق مناوی)

یہ حدیث حضرت علیؑ کی زبانی ان الفاظ میں مروی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا:

انادار العلم بابها

''میں علم کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔''

(الریاض النضرة ۲ / ۱۹۳ ۔ ۳ تاریخ بغداد خطیب ۱۱ / ۲۰۳)

ابن عباس سے مروی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا:

انا مدینة الحکمة وعلیؑ بابها فمن ارادا لحکمة فلیات با بها

''میں حکمت کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے جسے حکمت کی ضرورت ہے وہ دروازے پر آئے۔''(سنن الترمذی کتاب المناقب باب مناقب علیؑ بن ابی طالب)

حضرت علیؑ کی زبانی رسولؐ خدا سے یہ حدیث ان الفاظ میں منقول ہے:

انادار الحکمة و علیؑ بابها

''میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔''

ابوذر کا بیان ہے کہ رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کے متعلق ارشاد فرمایا:

علیؑ باب علمی و مبین لامتی ما ارسلت به بعدی . . . .

''علیؑ میرے علم کا دروازہ اور جو کچھ مجھے دے کر بھیجا گیا ہے میرے بعد میری امت کے لئے بیان کرنے والا ہے۔''(کنز العمال طبع اول ۶ / ۱۵۶)

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ حضرت علیؑ سے فرمایا:

انت تبین لامتی ما اختلفوا فیه بعدی.

''میرے بعد میری امت جس چیز میں اختلاف کرے گی تو اس کی وضاحت کرے گا۔''

امام حاکم لکھتے ہیں:

هذا حدیث صحیح علیؑ شرط الشیخین

''یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔''

(مستدرک حاکم ۳ / ۱۲۲۔ کنز العمال طبع اول ۶ / ۱۵۶۔ کنوز الحقائق مناوی ص ۱۸۸)

ایک اور روایت میں ہے کہ رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

انت تؤدی عنی و تسمعهم صوتی و تبین لهم مااختلفوا فیه بعدی (۱)

''تو میری طرف سے پیغام پہنچائے گا اور انہیں میری آواز سنائے گا اور

(سنن الترمذی ۱۳ / ۱۷۱ باب مناقب علیؑ بن ابی طالب ۔ حلیۃ الاولیاء ابونعیم ۱ / ۶۴۔ کنز العمال طبع اول ۶ / ۱۵۶)

میرے بعد جس امر میں وہ اختلاف کریں گے تو اس کی ان کے لئے وضاحت کرے گا۔"

اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تقاضے کے تحت حضرت علیؑ کی پرورش رسولؐ خدا کے ہاتھوں میں ہوئیتا کہ علیؑ، رسولؐ خدا کی مکمل تصویر ثابت ہوں۔ امام حاکم رقم طراز ہیں:

حضرت علیؑ پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان یہ ہوا کہ ابھی وہ چھوٹے تھے کہ قریش قحط اور خشک سالی میں مبتلا ہوگئے۔ حضرت علیؑ کے والد کی بہت سی اولا دیں تھیں۔ ایک دن رسولؐ خدا نے اپنے چچا عباس سے فرمایا۔ عباس بنی ہاشم کے دولت مند شخص تھے۔ ابوالفضل! آپ کا بھائی ابوطالب کثیر العیال شخص ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان دنوں لوگ قحط میں مبتلا ہیں۔ آپ میرے ساتھ ان کے پاس چلیں ہم ان بچوں کی دیکھ بھال اپنے ذمے لگا کر ان کی ذمہ داریوں کو کچھ ہلکا کریں۔ میں اس کا ایک بیٹا اٹھاؤں گا اور ایک بیٹے کو آپ گود میں لے لیں اور ہم ان کی کفالت کریں۔ عباس نے کا جی ہاں۔ پھر وہ دونوں ابوطالب کے پاس آئے اور ان سے کہا ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے عیال کا بوجھ کچھ ہلکا کریں تا کہ آپ قحط سالی کے ایام میں پریشان نہ ہوں۔

ابوطالب نے ان سے کہا: تم عقیل کو میرے پاس رہنے دو اس کے بعد تم جو چاہو کرو۔

رسولؐ خدا نے علیؑ کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا اور عباس نے جعفر کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا۔

حضرتِ علیؑ رسولِ خدا کے اعلانِ نبوت تک آپ کے ساتھ رہے اور جب آپ نے نبوت کا اعلان کیا تو حضرت علیؑ نے آپ کی پیروی کی اور آپ کی تصدیق کی۔

جعفر عباس کے پاس رہے یہاں تک کہ انہوں نے اسلام قبول کیا اور عباس سے بے نیاز ہوگئے۔ (مستدرک حاکم ۳ / ۵۷۶)

زید شہید ابن امام زین العابدین سے روایت ہے انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے اپنے دادا سے یہ روایت کی کہ:

رسولؐ خدا اپنے چچا عباس اور حمزہ کو ساتھ لے کر گھر سے برآمد ہوئے اس وقت علیؑ ، جعفر اور عقیل زمین پر کام کر رہے تھے آپ نے اپنے دونوں چچاؤں سے فرمایا ان میں سے تم ایک ایک بچے کا انتخاب کرو۔

ان میں سے ایک نے کہا۔ میں جعفر کو چن رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا۔ میں عقیل کو چن رہا ہوں۔

رسول خدا نے فرمایا: تمہیں چناؤ کے لئے کہا گیا تو تم نے اپنی مرضی کے مطابق چناؤ کیا۔ اللہ نے میرے لئے علیؑ کا چناؤ کیا ہے۔ (مستدرک حاکم ۳/۵۷۶۔۵۷۷)

حضرت علیؑ کی پرورش کی کہانی ان کی اپنی زبانی

حضرت علیؑ علیؑ ہ السلام نے اپنی پرورش و تربیت کی کہانی اپنی زبانی یوں بیان کی ہے واضح رہے کہ اس سے قبل ہم نے خطبہ کے اکثر اقتباسات کو نقل کیا ہے مگر کچھ مزید فوائد کے لئے اسے دوبارہ نقل کر رہے ہیں۔

تم جانتے ہی ہو کہ رسولؐ اللہ سے قریب کی عزیز داری اور مخصوص قدر و منزلت کی وجہ سے میرا مقام ان کے نزدیک کیا تھا۔ میں بچہ ہی تھا کہ رسولؐ نے مجھے گود میں لے لیا تھا اپنے سینے سے چمٹائے رکھتے تھیدرون بستر اپنے پہلو میں جگہ دیتے تھے۔ اپنے جسم مبارک کو مجھ سے مس کرتے تھے اور اپنی خوشبو مجھے سنگھاتے تھے۔ پہلے آپ کسی چیز کو چباتے پھر اس کے لقمے بنا کر میرے منہ میں دیتے تھے۔ انہوں نے نہ تو میری کسی بات میں جھوٹ کا مشابہپایا اور نہ میرے کسی کام میں لغزش و کمزوری دیکھی۔ اللہ نے آپ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی سے فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت ملک (روح القدس) کو آپ کے ساتھ لگا دیا تھا جو انہیں شب و روز بزرگ خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر لے چلتا تھا اور میں ان کے پیچھے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے ۔ آپ ہر روز میرے لئے اخلاق حسنہ کے پرچم بلند کرتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے اور ہر سال (رکوہ) حرا میں کچھ عرصہ قیام فرماتے تھے اور وہاں میرے علاوہ کوئی

انہیں نہیں دیکھتا تھا۔ اس وقت رسولؐ اللہ اور اُم (المومنین) خدیجہ کے گھر کے علاوہ کسی گھر کی چار دیواری میں اسلام نہ تھا۔ البتہ تیسرا ان میں تھا۔ میں وحی و رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔

جب آپ پر (پہلے پہل) وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ سنی جس پر میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ میں آواز کیسی ہے؟

آپ نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے جو اپنے پوجے جانے سے مایوس ہوگیا ہے۔ (اے علیؑ) جو میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو، فرق اتنا ہے کہ تم نبی نہیں ہو بلکہ (میرے) وزیر و جانشین ہو اور یقیناً بھلائی کی راہ پر ہو میں رسولؐ کے ساتھ تھا کہ قریش کی ایک جماعت آپؐ کے پاس آئی اور انہوں نے آپ سے کہا کہ اے محمدؐ آپ نے ایک بہت بڑا دعویٰ کیا ہے۔ ایسا دعویٰ نہ تو آپ کے باپ دادا نے کیا اور نہ آپ کے خاندان والوں میں سے کسی اور نے کیا ہم آپ سے ایک امر کا مطالبہ کرتے ہیں اگر آپ نے اسے پورا کر کے دکھلا دیا تو پھر ہم یقین کریں گے کہ آپ نبی اور رسول ہیں اور اگر نہ کر سکے تو ہم جان لیں گے کہ (معاذ اللہ) آپ جادو گر اور جھوٹے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ تمہارا مطالبہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے لئے اس درخت کو پکاریں کہ یہ جڑ سمیت اکھڑ آئے اور آپ کے سامنے آ کر ٹھہر جائے آپؐ نے فرمایا کہ بلا شبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اگر اس نے تمہارے لئے ایسا کر دکھایا تو کیا تم ایمان لے آؤ گے۔ اور حق کی گواہی دو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا جو تم چاہتے ہو تمہیں دکھائے دیتا ہوں اور میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم بھلائی کی طرف پلٹنے والے نہیں ہو یقیناً تم میں کچھ لوگ تو وہ ہیں جنہیں چاہ (بدر) میں جھونک دیا جائے گا اور کچھ وہ ہیں جو (جنگ) احزاب میں جتھا بندی کریں گے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے درخت اگر تو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں، تو تو اپنی جڑ سمیت اکھڑ کر میرے سامنے تک چلا آ (رسول کا یہ فرمان تھا کہ) اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق

کے ساتھ مبعوث کیا وہ درخت جڑ سمیت اکھڑ آیا اور اس طرح آیا کہ اس سے سخت کھڑکھڑاہٹ اور پرندوں کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ کی سی آواز آئی تھی یہاں تک کہ وہ لچکتا جھومتا ہوا رسولؐ کے روبرو آ کر ٹھہر گیا اور بلند شاخیں ان پر اور کچھ شاخیں میرے کندھے پر ڈال دیں اور میں آپؐ کی دائیں جانب کھڑا تھا، جب قریش نے دیکھا تو نخوت و غرور سے کہنے لگے کہ اسے حکم دیں کہ آدھا آپؐ کے پاس آئے اور آدھا اپنی جگہ پر رہے۔ چنانچہ آپ نے اسے یہی حکم دیا تو اس کا آدھا حصہ آپ کی طرف بڑھ آیا اس طرح کہ اس کا آنا (پہلے آنے سے بھی) زیادہ عجیب صورت سے اور زیادہ تیز آواز کے ساتھ تھا۔ اور اب کہ وہ قریب تھا کہ وہ رسولؐ اللہ سے لپٹ جائے اب انہوں نے کفر و سرکشی سے کہا کہ اچھا اب اس آدھے کو حکم دیجئے کہ یہ اپنے دوسرے حصے کے پاس پلٹ جائے جس طرح پہلے تھا۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا اور وہ پلٹ گیا میں نے (یہ دیکھ کر) کہا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، آپ اللہ کے رسولؐ میں آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والا اور سب سے پہلے اس کا اقرار کرنے والا ہوں پھر اس درخت نے بحکم خدا آپ کی نبوت کی تصدیق کی اور آپ کے کلام کی عظمت و برتی دکھانے کے لئے جو کچھ کیا ہے وہ امر واقعی ہے۔ (کوئی آنکھ کا پھیر نہیں) یہ سن کر وہ ساری قوم کہنے لگی کہ یہ (پناہ بخدا) پر لے درجے کے جھوٹے اور جادوگر ہیں۔ ان کا سحر عجیب و غریب ہے اور وہ جادو میں بڑی مہارت رکھتے ہیں اس امر پر آپ کی تصدیق ان جیسے ہی کرسکتے ہیں اور اس سے مجھے مراد لیا (جو چاہیں کہیں) میں تو اس جماعت میں سے ہوں کہ جن پر اللہ کے بارے میں کوئی ملامت اثر انداز نہیں ہوتی وہ جماعت ایسی ہے جن کے چہرے سچوں کی تصویر اور جن کا کلام نیکوں کے کلام کا آئینہ دار ہے، وہ شب زندہ داروں کے روشن مینار اور خدا کی رسی سے مضبوطی سے پکڑنے والے ہیں یہ لوگ اللہ کے فرمانوں اور پیغمبر کی سنتوں کو زندگی بخشتے ہیں۔ نہ سر بلندی دکھاتے ہیں نہ خیانت کرتے ہیں اور نہ فساد پھیلاتے ہیں۔ ان کے دل جنت میں اٹکے ہوئے اور جسم اعمال میں لگے ہوئے ہیں۔

(نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۰ خطبہ قاصعہ)

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ کے معلّم تھے اور آپ نے حضرت علیؑ کی نہ صرف جسمانی پرورش کی بلکہ ان کی روحانی و اخلاقی پرورش بھی کی اور آپ ہر روز ان کے لئے اخلاق عالیہ کا پرچم بلند کر کے اس کی پیروی کا حکم دیتے تھے اور انہیں یوں علم عطا کرتے جیسا کہ پرندہ اپنے بچے کے منہ میں دانہ بھرتا ہے اور آپ انہیں اپنی سرگوشی کے لئے مخصوص کرتے تھے۔

صحیح ترمذی اور دیگر کتب حدیث میں یہ روایت موجود ہے۔ ترمذی نے جابر سے روایت کی اس نے کہا:

دعا رسول الله علیاً یوم الطائف فانتجاه فقال الناس: لقد طال بخواه مع ابن عمه فقال رسول الله ماانتجیه ولکن الله انتجاه۔

(سنن ترمذی۔ کتاب المناقب، باب مناقب علیؑ بن ابی طالب ۱۷۳/۱۳۔ تاریخ بغداد خطیب ۴۰۲/۷)

''طائف کے دن رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو بلایا اور اس سے سرگوشی کی لوگوں نے کہا: ان کے اپنے ابن عم سے سرگوشی بہت طویل ہوگئی ہے۔ رسول خدا نے فرمایا: میں نے اس سے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ نے اس سے سرگوشی کی۔''

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

لما کان یوم الطائف دعا رسول الله علیاً فناجاه طویلا فقال بعض اصحابه . . . ۔

'' جنگ طائف کے دن رسول خدا نے علیؑ کو بلایا اور بڑی دیر تک ان سے سرگوشی کرتے رہے رسول خدا کے بعض صحابہ نے کہا۔ ۔ ۔''

(اسد الغابہ ۲۷/۴۔۳۔ کنز العمال طبع دوم ۲۰۰/۱۲ حدیث ۱۱۲۲/۔ الریاض النضرۃ ۲۶۵/۱۲)

جندب بن ناجیہ (یا ناجیہ بن جندب) کی روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

لما کان یوم غزوة الطائف قام النبی (ص) مع علیؑ (ع) ملیاثم مرّ، فقال له ابوبکر یا رسول الله لقد طالت ماجا تک علیؑ؟

منذالیوم فقال: ماانا انتجیته ولکن الله انتجاه.

''جنگ طائف کے دن رسول خدا علیؑ ۵ کے ساتھ اٹھے اور سر جھکا کر کافی دیر تک علیؑ سے راز و نیاز کی باتیں سرگوشی میں کرتے رہے۔ ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ آج تو علیؑ کے ساتھ آپ کی سرگوشیاں طویل ہوگئی ہیں!''

رسولؐ خدا نے فرمایا: میں نے اس سے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ نے اس سے سرگوشی کی ہے یہ محبت یک طرفہ نہ تھی بلکہ حضرت علیؑ کی بھی شدید خواہش ہوتی تھی کہ وہ رسولؐ خدا سے بہت کچھ حاصل کریں۔''

آیت نجویٰ

اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ رسول خدا کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرنے اور سرگوشی کرنے کے لئے صدقہ دینے کی شرط لگائی اور یہ آیت نازل فرمائی:

یَاَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَانَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلُ فَقَدِّ مُوْابَیْنَ یَدَیْ بخوَاکُمْ صَدَقَۃً (المجادلہ : ۱۲)

''اے ایمان والو! جب رسولؐ سے سرگوشی کروتو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ دو۔''

اب اس آیت پر صحابہ نے کس طرح سے عمل کیا اس کے لئے حسب ذیل روایت کا مطالعہ فرمائیں۔

(۱) طبری لکھتے ہیں:

لوگوں کے صدقہ دیئے بغیر رسولؐ خدا سے سرگوشی کرنے سے روکا گیا تو علیؑ ابن ابی طالب کے علاوہ کسی نے بھی رسولؐ خدا سے سرگوشی نہ کی

(تفسیر طبری ۲۸ / ۱۴ / ۱۵۔ درمنثور ۶ / ۱۸۵)

واحدی نے اسباب النزول میں حضرت علیؑ کی زبانی لکھا:

میرے پاس ایک دینا تھا جس کو میں نے درہم میں فروخت کیا (یعنی دینار کو درہموں میں کھلا کرایا) اور میں جب بھی سرگوشی کرنا چاہتا تو اس سے پہلے

ایک درہم صدقہ دیتا تھا یہاں تک کہ وہ درہم ختم ہو گئے۔

(اسباب النزول واحدی ص ۳۰۸۔ والطبری فی تفسیر الدیۃ)

ایک روایت میں حضرت علیؑ سے یہ الفاظ منقول ہیں:

میرے پاس ایک دینار تھا جس کے بدلے میں میں نے دس درہم لیئے اور میں جب بھی نبی اکرم کے پاس جاتا تو ایک درہم صدقہ دیتا تھا۔(درمنثور۶/۱۸۵۔ الریاض النفرۃ ۲/۲۶۵)

زمخشری رقم طراز ہیں:

انه تصدق فی عشر کلمات سالهن رسول الله

حضرت علیؑ نے دس درہم صدقہ کیئے اور اس کے بدلے میں رسول خدا سے دس باتیں پوچھیں۔''

حضرت علیؑ علیہ السلام سے روایت ہے:

ان فی کتاب الله لآیة ماعمل بها احد قبلی ولایعمل بها احد بعدی: آیة النجوی

(یَا اَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اِذَا نَاجَیْتُم. الآیة) کان عندی عشر دینار . . . .ثم نسخت فلم یعمل بها احد منزلت (اَشفَقتُم اَن تُقَدِّمُوا بَینَ یَدِی بخواکم صَدَقَاتٍ . . .)

(المجادلہ: ۱۳)

قرآن مجید ایک آیت ایسی ہے جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور میرے بعد بھی اس پر کوئی عمل نہیں کرے گا وہ آیت آیت بخویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ رسولؐ خدا سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دیا جائے۔ اس وقت میرے پاس دس دینار تھے اور میں ہر دفعہ سرگوشی سے قبل ایک دینا تصدق کرتا تھا میرے علاوہ اس آیت پر کسی نے عمل نہ کیا اور آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو ہی منسوخ کر دیا اور فرمایا کیا تم اپنی سرگوشی سے قبل صدقہ دینے سے گھبرا گئے ہو۔۔۔

حضرت علیؑ بچپن کے لمحات سے رسولؐ خدا کے ساتھ رہتے تھے اور رسولؐ خدا کی زندگی کے آخری لمحات تک رسولؐ خدا کے ہمراہ رہے۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے:

قال رسول الله لما حضرته الوفاة ''ا دعوالی جیبی'' فدعواله اببکر منظر الیه، ثم وضع رائسه ثم قال : ''ادعوالی جیبسی'' فدعواله عمر، فلما نظر الیه، وضع رائسه ثم قال ''ادعوالی جیبی'' فد عواله علیؑ فلما اه ادخله فی الثوب الذی کان علیؑ فلم یزل یحتضنهحتی قبص ویده علیؑ.

رسول خدا نے اپنی وفات کے لمحات میں فرمایا: میرے حبیب کو بلاؤ لوگ ابوبکر کو بلا کر لے آئے۔ رسول خدا نے اسے دیکھ کر اپنا سر رکھ دیا پھر فرمایا: میرے حبیب کو بلاؤ لوگ عمر کو بلا کر لے آئے۔ رسولؐ خدا نے اسے دیکھ کر اپنا سر پھر زمین پر رکھ دیا پھر رسولؐ خدا نے فرمایا: میرے حبیب کو بلاؤ: لوگ حضرت علیؑ کو بلا کر لائے۔ جب آپ نے انہیں دیکھا تو انہیں اپنے ساتھ اس کپڑے میں داخل کیا جو آپ نے اپنے اوپر ڈال رکھا تھا۔ آپ وفات کے وقت تک علیؑ کو اپنی گود میں لئے رہے جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کا ہاتھ علیؑ کے اوپر تھا۔

(الریاض النضرۃ ۲ / ۲۲۷ طبع دوم مطلبہ دارالتالیف مصر۔ ذخائر العقبیٰ ص۷۲) (مجمع الزوائد ۹ / ۳۶)

ابن عباس سے منقول ہے:

ان النبی ثقل وعنده عائشة و حفصة اذ دخل علیؑ فلما راه النبی رفع راسه ثم قال '' ادن منی ادن منی'' فاسنده فلم یزل عنه حتی توفی

''نبی کریم کی طبیعت بوجھل ہوئی اس وقت ان کے پاس عائشہ اور حفصہ موجود تھیں اتنے میں علیؑ داخل ہوئے۔ جب نبی اکرم نے انہیں دیکھا تو سر اٹھا کر کہا: ''میرے قریب آ جاؤ۔ میرے قریب آ جاؤ'' حضرت علیؑ نے رسولؐ خدا کو سہارا دیا اور رسولؐ خدا کی وفات کے وقت تک علیؑ ان کے پاس رہے۔''

حضرت ام سلمہ کا بیان ہے:

والذی اجلف به ان کان علیؑ لاقرب الناس عهدا

برسول الله عدنا رسول الله عذاة وهو يقول جاء علیؑ
جاء علیؑ؟ مرارا فقالت فاطمة: کاتک بعثتهفی حاجة
قالت فجاء بعد قالت ام سلمة: فظننت ان له الیه حاجة
فخرجنا من البیت فقعد نا عندالباب وکنت من ادناهم
الی الباب، فاکب علیؑ ه رسول الله (ص) وجعل یساره
و نیاجیه ثم قبض رسول الله (ص) من یومه ذلک،
فکان علیؑ اقرب الناس عهدا.

میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ علیؑ رسولؐ خدا کے آخری وقت تک ان کے قریب رہے تھے۔ میں نے صبح کے وقت رسولؐ خدا کی عیادت کی اس وقت آپ کہہ رہے تھے۔

''علیؑ آئے ہیں،علیؑ آئے ہیں؟'' آپ نے بار بار یہ جملے دہرائے حضرت فاطمہ نے عرض کی۔تو گویا آپ نے کسی ضرورت کے تحت علیؑ کوکہیں بھیج رکھا ہے؟

پھر کچھ دیر بعد علیؑ آئے۔

ام سلمہ کہتی ہیں''ہم نے یہ گمان کیا کہ رسولؐ خدا نے علیؑ سے کوئی ضروری بات کرنی ہے اسی لئے ہم گھر سے نکل گئیں اور دروازے کے پاس جاکر بیٹھ گئیں اور باقی ازواج کی بہ نسبت میں دروازے کے زیادہ قریب تھی۔

رسول خدا علیؑ پر جھکے اور ان سے راز ونیاز کی باتیں کرنے لگے۔ پھر اسی دن آنحضرتؐ کی وفات ہوگئی۔علیؑ آخری وقت تک رسولؐ خدا کے قریب رہے۔''

امام حاکم کہتے ہیں، یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

(مسند احمد ۱۶ / ۳۰۰۔ خصائص النسائی ص ۴۰۔ مستدرک حاکم ۳ / ۱۳۸۔ ۱۳۹)

ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا:

من سره ان یحیٰ حیاتی یموت مماتی و یسکن جنة
عدن عزسها ربی فلیوال علیؑا من بعدی والیوال ولیه و
لیقتد (با لائمة)من بعدی فانهم عترتی (خلقو)امن
طینتی رزقوا فهما و علما (و ویل)للمکدبین بفصلهم

من امتی القاطعین فیھم صلتی لا انالھم اللہ شفا عتی.

'' جو میری زندگی جیسی زندگی بسر کرنا چاہتا ہو اور میری موت کی طرح سے مرنا چاہتا ہو اور اس جنت عدن میں رہائش رکھنا چاہتا ہو جسے میرے رب نے اگایا ہے تو اسے چاہیئے کہ علیؑ سے محبت رکھے اور میرے بعد ائمہ کی اقتدا کرے کیونکہ وہ میری عترت ہیں میری ہی طینت سے ان کی تخلیق ہوئی ہے۔ انہیں فہم وعلم عطا کیا گیا ہے۔ میری امت کے ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے جو ان کی فضیلت کی تکذیب کریں اور ان سے میرے رشتہ کو قطع کریں۔ اللہ انہیں میری شفاعت نصیب نہ کرے۔''

یہاں تک ہم نے رسول خدا کے پہلے وصی کی وصایت کے دلائل پیش کیئے اور اگلے صفحات پر ہم دوسرے اوصیائے رسولؐ کے متعلق روایات نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

حسنینؑ کریمین کے متعلق چند روایات

رسولؐ خدا نے حسنینؑ کریمین کی فضیلت اور ان کی امامت کے متعلق بہت سی احادیث ارشاد فرمائیں اور ہر ایک کے متعلق ''مِنّی'' کہہ کر انہیں اپنا وارث قرار دیا۔ لفظ ''مِنّی'' کے متعلق ہم سابقہ صفحات میں تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔

حسینؑ کی شان 'منّیت'

مسند احمد میں مقدام بن معدی کرب سے روایت ہے کہ رسول خدا نے حسنؑ کو اپنی گود میں بٹھا کر فرمایا'' ھذا مِنّی۔۔۔۔'' یہ مجھ سے ہے۔

براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول خدا نے حسنؑ یا حسینؑ میں سے کسی ایک کے لئے کہا ھذا مِنّی . یہ مجھ سے ہے۔

سبطِ پیغمبرؐ

بخاری، ترمذی، ابن ماجہ، احمد اور حاکم نے لیلیٰ بن مرہ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا:

حسین وانا من حسین احب اللہ من حب حسینا
حسین سبط من الاسباط (۱)

''حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں اللہ اس سے محبت کرے جو
حسینؑ سے محبت کرتا ہو حسینؑ اسباط میں سے ایک سبط ہے۔''

الحسن والحسین سبطان من الاسباط (کنز العمال ۱۹ / ۲۰۲ الاسباط)

''حسنؑ و حسینؑ اسباط میں سے دو سبط ہیں۔''

ابورشہ کا بیان ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا:

''حسین منی وانا منه هو سبط من الا سباط.''

''حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں اور وہ اسباط میں سے
ایک سبط ہے۔''

براء بن عازب کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حسین منی وانا منه احب الله من احبة الحسن و
الحسین سبطان من الا سباط

''حسینؑ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اللہ اس سے محبت کرے جو
حسینؑ سے محبت کرے۔ حسنؑ و حسینؑ اسباط میں دے دو سبط ہیں۔''

رسولؐ خدا نے جس طرح سے حضرت علیؑ کے لئے ''مِنّی'' کہہ کر تبلیغ میں انہیں اپنا قائم مقام قرار دیا ہے اسی طرح سے آپ نے حسینؑ کو بھی ''مِنّی'' کہہ کر اپنا قائم مقام قرار دیا ہے اور یہ بتایا کہ جس طرح سے تبلیغ احکام میری ذمہ داری ہے اسی طرح سے علیؑ اور حسنؑ و حسینؑ کی بھی یہی ذمہ داری ہے۔

حضرت رسول اکرم نے حسنؑ و حسینؑ کو اپنا ''سبط'' کہا ہے۔ یہاں سبط کہنے سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ یہ دونوں رشتہ میں میرے نواسے ہیں۔ اور اگر

۱۔ ادب المفرد باب معانقة الصبی حدیث ۳۶۴۔ ترمذی ۱۳ / ۱۹۵۔ باب مناقب حسن و حسین۔ ابن ماجہ کتاب المقدمہ باب ۱۱ حدیث ۱۴۴۔ مسند احمد ۴ / ۱۷۲۔ مستدرک حاکم ۳ / ۱۷۷۔ حاکم اور ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اسد الغابہ ۲ / ۱۹، ۵ / ۱۳۰۔

آپ کہتے تو یہ تحصیل حاصل ہوتی کیونکہ تمام لوگ آپ کے اس رشتہ سے واقف تھے اسی لئے آپ کو یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ حسنؑ و حسینؑ ان کے نواسے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ آپ نے (سِبْطٌ مِّنَ الْاَسْبَاطِ) کہہ کر اور "اسباط" پر الف لام داخل کر کے اسے "عہد ذہنی" میں بدل دیا اور اس لفظ سے آپ نے قرآن مجید کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا جن میں لفظ "اسباط" استعمال ہوا ہے اور آپ نے اس ذریعہ سے مسلمانوں کو یہ پیغام دیا کہ امت اسلامیہ میں حسینؑ کو وہی مقام حاصل ہے جو سابقہ امتوں میں "اسباط" کو حاصل تھا۔

آیئے "اسباط" کے حوالہ سے قرآن مجید کی یہ آیات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) (قُوْلُوْا) اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَااُنزِلَ اِلَیْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحَاقَ وَ یَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَمَا اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَمِنْ رَّبِّهِمْ لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ. (البقرہ: ۱۳۶)

"مسلمانو تم کہہ دو کہ ہم اللہ پر اور جو اس نے ہماری طرف بھیجا ہے اور جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ کی طرف نازل کیا ہے اور جو موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور انبیاء کو اپنے پروردگار کی طرف سے دیا گیا ہے، ان سب پر ایمان لیآئے ہیں اور ہم ان پیغمبروں میں تفریق نہیں کرتے اور ہم اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں۔"

(۲) اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْمَاعِیْلَ وَاِسحٰقَ یَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ کَانُوْا هُوْدًا اَوْنَصَارٰی. . . . (البقرہ: ۴۰)

"کیا تمہارا کہنا یہ ہے کہ ابراہیمؑ اسماعیلؑ یعقوب اور اولاد یعقوب یہودی یا نصرانی تھے؟"

(۳) قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَا اُنْزِلَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْمَاعِیْلَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحَاقَ وَ یَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا

اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔ (آل عمران: ۸۴)

" پیغمبر ان سے کہہ دیں کہ ہمارا ایمان اللہ پر ہے اور جو ہم پر نازل ہوا ہے اور ابراہیمؑ ، اسماعیلؑ ، اسحاقؑ ، یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ پر نازل ہوا ہے اور جو موسیٰ ،عیسیٰؑ اور انبیاء کو خدا کی طرف سے دیا گیا ہے ان سب پر ہے۔ ہم ان کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم خدا کے اطاعت گزار بندے ہیں۔"

۴۔اِنَّآ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَ اِسْحَاقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَھَارُوْنَ وَ سُلَیْمَانَ وَ اٰتَیْنَا دَاوٗدَزَبُوْرًا۔ (النساء : ۱۶۳)

" ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی نازل کی ہے جس طرح نوحؑ اور اس کے بعد کے انبیاء کی طرف وحی کی تھی اور ابراہیمؑ ، اسماعیلؑ ، اسحاقؑ ، یعقوبؑ ، اولاد یعقوبؑ ،عیسیٰؑ ، ایوبؑ ، یونسؑ ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف وحی کی ہے اور ہم نے داوٗدؑ کو زبور عطا کی ہے۔"

حسنینؑ کریمین کو رسولؐ خدا نے اسباط قرار دیا اور ان کے والد کو اپنے لئے مثال ہارونؑ قرار دیا۔

حضرت ھارون کا مقام قرآن مجید کی ان آیات سے واضح ہوتا ہے جن میں حضرت موسیٰ کی دعا نقل کی گئی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں:

وَاجعَل لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَھْلِیْ ھَارُوْنَ اَخِی اشْدُدْبِهٖ اَزْرِیْ وَاَشْرِکْهُ فِیْ اَمْرِیْ کَیْ نُسَبِّحَکَ کَثِیْراً وَّنَذْکُرَکَ کَثِیْرًا اِنَّکَ کُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا قَالَ قَدْاُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ یَامُوْسٰی ۔ ۔ ۔ ۔ (طه ۲۹ ، ۳۶)

''اور میرے اہل میں سے وزیر قرار دیدے۔ ہارونؑ کو جو میرا بھائی ہے۔ اس سے میری پشت کو مضبوط کر دے۔ اسے میرے کام میں شریک بنادے تاکہ ہم تیری بہت زیادہ تسبیح کر سکیں۔ اور تیرا بہت زیادہ ذکر کر سکیں۔ یقیناً تو ہمارے حالات سے بہتر باخبر ہے۔''

ارشاد ہوا موسیٰ ہم نے تمہاری مراد تمہیں دے دی ہے

حضرت موسیٰ نے اپنی دعا میں عرض کیا:

وَاَخِیْ هَارُوْنَ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ. قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَخِیْکَ . . . (القصص: ۳۴، ۳۵)

''اور میرے بھائی ہارونؑ مجھ سے زیادہ فصیح زبان کے مالک ہیں لہذا انہیں میرے ساتھ مددگار بنا دے جو میری تصدیق کر سکیں کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ لوگ میری تکذیب نہ کر دیں۔''

ارشاد ہوا ہم تمہارے بازوں کو تمہارے بھائی سے مضبوط کر دیں گے۔

حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے صرف مددگار ہی نہیں بلکہ آپ نے انہیں قوم میں اپنا قائم مقام بھی مقرر کیا تھا۔''

وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هَارُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ۔ (الاعراف: ۱۴۲)

''اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا تم میری قوم میں میری نیابت کرو اور اصلاح کرتے رہو اور مفسدین کے راستہ کی پیروی نہ کرنا۔''

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و ہارونؑ کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی الْکِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗ اَخَاهُ هَارُوْنَ وَزِیْرًا

(الفرقان: ۳۵)

"اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارونؑ کو ان کا وزیر بنا دیا۔"

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی وَاَخَاهُ هَارُوْنَ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ.

(المومنون: ۴۵)

"پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارونؑ کو اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارون موسیٰ کے مدد گار، وزیر اور امر نبوت میں ان کے شریک اور قوم میں ان کے قائم مقام تھے۔"

رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا کہ انہیں ان سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی مگر یہ کہ اب نبوت نہیں ہوگی۔

اس حدیث کے تحت نبوت کے علاوہ حضرت ہارونؑ کو جتنے بھی مناصب حاصل تھے وہ سب کے سب مناصب حضرت علیؑ کو حاصل ہوں گے۔ مثلاً اگر ہارونؑ موسیٰؑ کے مدد گار، وزیر اور تبلیغ میں شریک کار تھے اور بنی اسرائیل میں موسیٰؑ کے جانشین تھے۔ اسی طرح سے حضرت علیؑ کو رسول خدا کا مدد گار، وزیر اور تبلیغ میں شامل اور امت محمدیہ میں رسول خدا کا جانشین تسلیم کرنا پڑے گا۔

حضرت رسولؐ اکرم نے جہاں حضرت علیؑ کو ہارونِؑ محمدی کا درجہ عطا فرمایا وہاں اپنے نواسوں حسنؑ و حسینؑ کو اسباط کا درجہ عطا فرمایا۔ جس طرح اسباط پر ایمان لانا اسلام کی شرط ہے اسی طرح سے حسنینؑ کریمین پر ایمان لانا بھی ایمان و اسلام کی ایک اہم شرط ہے۔ منصب نبوت کے علاوہ اسباط کو جتنے بھی مراتب حاصل ہیں وہ سب کے سب امام حسنؑ و حسینؑ کے لئے تسلیم کئے جائیں گے۔

حسنینؑ کریمین اور ان کے والد نبی نہیں تھے مگر رسولؐ خدا نے ان کی

تشبیہ انبیاء سے دے کر یہ مسئلہ واضح کیا کہ اللہ کے احکام کی تبلیغ کے یہ ذمہ دار ہیں اور سیدھی سی بات ہے جو تبلیغ احکام میں آ کا جانشین ہوگا وہی آپ کا خلیفہ اور امت کا امام ہوگا۔

ظہور مہدیؑ کی بشارت

سابقہ صفحات میں ہم نے رسولؐ خدا کے تین اوصیاء کے متعلق قرآن و حدیث میں سے کچھ دلائل عرض کیئے اور یہاں آخری وصی کے متعلق بھی نبی اکرم کی چند احادیث کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

نبی اور آخری وصی کے نام میں یکسانیت

سنن ترمذی فی باب ماجاء فی المھدی (ع) اور ابو داؤد کتاب المھدی میں رسول خدا کی یہ حدیث مذکور ہے:

لاتذهب الدنيا حتى يملك العرب رجل من اهل بيتي يواطئي اسمه اسمي (۱)

''دنیا ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ میری اہل بیت میں سے ایک شخص عرب پر حکومت کرے جس کا نام میرے نام پر ہوگا۔

مستدرک حاکم اور مسند احمد کے علاوہ بہت سی دیگر کتب احادیث میں ابوسعید خدری سے منقول ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:

لاتقوم اساعة حتى تملاء الارض ظلماً وجوراً وعدوانا ثم. يخرج من اهل بيتي من يملاء ها قسطاوعدلا كما ملئت ظلما وعدوانا. (۲)

---

(۱) سنن الترمذی ۹ / ۸۴۔ ابوداؤد فی کتاب المھدی ۲ / ۷ حدیث ۴۲۸۲۔ حلیۃ الاولیاء ابونعیم ۷۵/۵ مسند احمد ۱ / ۳۷۶۔ تاریخ بغداد خطیب ۴ / ۳۸۸۔ کنزالعمال طبع اول ۸ / ۱۸۸ بزیادۃ (وخلقہ خلقی) درمنثور سیوطی در تفسیر (فهل يَنظُرُونَ اِلَّاالسَّاعَةَ ـ ـ) ۶ / ۵۸۔ (۲) مستدرک ۵۵۷/۴۔ حلیۃ الاولیاء ابونعیم ۳ / ۱۰۱۔ (الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ) مسند احمد ۳ / ۶۳

''اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمین ظلم وجود
اور زیادتی سے بھر نہ جائے پھر میری اہلؑ بیت میں سے وہ
خروج کرے گا جو اسے عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسا کہ
اس سے پہلے ظلم وجور سے بھری ہوگی۔''

مہدی کا تعلق اہل بیتؑ نبوی سے ہوگا

سنن ابن ماجہ کے ابواب الجہاد میں ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:

لولم يبق من الدنيا الايوم لطوله الله عزوجل حتى يملك
رجل من اهل بيتي يملك جبل الديلم والقسطنطنية

''اگر دنیا کے خاتمہ سے ایک بھی دن باقی بچا ہوگا تو بھی اللہ اس
دن کو طویل کر دے گا یہاں تک میری اہل بیت میں سے ایک
شخص حکومت کرے وہ جبل دیلم اور قسطنطنیہ پر حکومت کرے گا۔''

سنن ابن ماجہ کے ابواب الفتن باب خروج المھدی اور مسند احمد میں
حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا:

المهدي منااهل البيت يصلحه الله في ليلة.

''مہدیؑ ہماری اہل بیت میں سے ہوگا اللہ تعالیٰ اس کا کام ایک ہی رات
میں سنوار دے گا۔'' اس حدیث کو دوسرے محدثین نے بھی اپنے ہاں نقل کیا ہے۔(۱)

مہدی کا تعلق نسلِ بتولؑ سے ہوگا

سنن ابی داؤد میں ام سلمہ سے مروی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا:

المهدي من عترتي من ولد فاطمة (۲)

---

۱ حلیۃ الاولیاء ابونعیم ۳ / ۱۷۷۔ اس میں (فِی یَوْمَیْنِ یعنی دو دنوں کے اندر) کے الفاظ ہیں مسند احمد ۱ / ۸۴۔ درمنثور سیوطی ۶ / ۵۸ درتفسیر (فَہَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَۃَ) بحوالہ ابن ابی شیبہ، احمد و ابن ماجہ عن علیؑ فی کتاب الفتن باب خروج المھدی حدیث ۴۰۸۵

''مہدیؑ میری عترت سے ہوگا یعنی فاطمہ کی اولاد میں سے ہوگا''

کنزالعمال میں حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

المهدی رجل منامن ولد فاطمة. (کنز العمال طبع اول ۲۶۱/۷)

''مہدیؑ ہم میں سے ہوگا یعنی وہ فاطمہؑ کی اولاد ہوگا۔

مہدیؑ اولاد حسینؑ میں سے ہوں گے

ذخائر العقبیٰ میں ابوایوب انصاری سے روایت ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا:

یولد منهما. یعنی الحسن و الحسین. مهدی هذه الامة

''حسنؑ و حسینؑ کی اولاد میں سے امت کا مہدیؑ پیدا ہوگا۔''

ذخائر العقبیٰ میں حذیفہ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:

لولم یبق من الدنیا الایو احد لطول ذلک ا لیوم حتی یبعث الله رجلا من ولدی اسمه کاسمی فقال سلمان: من ای ولدک یا رسول اللّٰه؟ قال من ولدی هذا وضرب بیده علیؑ الحسین ۔

ذہبی میزان الدعتدال ۲۴/۲ پر لکھتے ہیں (المھد ی من ولد فاطمۃ) مہدی اولاد فاطمہ میں سے ہوگا۔

''اگر دنیا کے خاتمہ سے ایک دن بھی باقی ہوا تو اس دن کو طویل کر دیا جائے گا یہاں تک کہ میری اولاد میں سے اللہ اس شخص کو مبعوث کرے گا جو میرا ہم نام ہوگا۔''

سلمان نے کہا: یا رسولؐ اللہ! آپؐ کے کس بیٹے کی نسل سے ہوگا؟

رسولؐ خدا نے فرمایا: میرے اس بیٹے کی نسل سے ہوگا اور آپ نے اپنا ہاتھ حسینؑ پر مارا۔

---

[1] ابوداؤد کتاب المھد ی ۴ / ۷ حدیث ۴۲۸۴۔ سنن ابن ماجہ ابواب الفتن باب خروج المھد ی میں یہ الفاظ ہیں (المھد ی من ولد فاطمۃ) مہدی فاطمہ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ امام حاکم مستدرک ۴ / ۵۵۷ پر لکھتے ہیں ''ھو حق و ھو من بنی فاطمة'' مہدیؑ کا اولاد فاطمہؑ ہونا حق ہے۔

حضرت رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کی امامت پر زیادہ زور دیا اور اس کے ساتھ ساتھ آئمہ کی تعداد بارہ بیان فرمائی اور پھر ان کے آخری فرد مہدیؑ کے متعلق زیادہ سے زیادہ بشارت دی۔ ان احادیث کی روشنی میں ہمیں ایسے بارہ امام ماننے ہوں گے جن کا پہلا فرد حضرت علیؑ ہو اور جن کا آخری فرد حضرت مہدیؑ ہو اور یہ ترتیب مذہب شیعہ اثناء عشریہ کے علاوہ کسی اور مکتبِ فکر میں موجود نہیں ہے۔

آئمہ اہل بیت کی امامت کی نصوص

رسولِؐ خدا سے آئمہ اہل بیت کی امامت پر بہت سی نصوص وارد ہیں اور ان میں سے کچھ احادیث ایسی ہیں جو تمام آئمہ اہل بیت کے متعلق ہیں اور کچھ احادیث مخصوص آئمہ کے متعلق ہیں۔ عمومی نصوص کے سلسلہ میں حدیث ثقلین کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

(۱) حدیثِ ثقلین در حجۃ الوداع

ترمذی نے جابر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

رایت رسول الله فی حجة یوم عرفة و هو علیٰ ناقته القصواء یخطب فسمعته یقول یا ایها الناس انی قد ترکت فیکم ما ان اخذ تم به لن تضلوا کتاب الله و عترتی اهل وبیتی.

''اے لوگو! میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم نے اس سے تمسک کیا تو تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور میری عترت اہل بیت''

ترمذی لکھتے ہیں کہ یہی حدیث ابی سعید، زید بن ارقم اور حذیفہ بن اسید سے بھی مروی ہے۔

(ترمذی ۱۳/ ۱۹۹ باب مناقب اھل بیت النبی۔ کنز العمال ۱/ ۴۸)

(۲) حدیث ثقلین درغدیرخم

صحیح مسلم، مسند احمد، سنن دارمی اور بیہقی میں یہ حدیث مرقوم ہے اور صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں۔ زید بن ارقم سے روایت ہے اس نے کہا:

ان رسول الله قام خطیبا بماء یدعی خمابین مکة والمدینة . . . ثم قال: الا یا ایها لناس فانما انا بشرو یوشک ان یاتی رسول ربی فاجیب وانی تارک فیکم الثقلین اولهما کتاب الله فیه الهدی والنور فخذوا بکتاب الله و استمسکوابه . . . . واهل بیتی (۱)

"اے لوگو! میں بھی ایک انسان ہوں قریب ہے کہ میرے پروردگار کا قاصد آجائے اور میں اس کی دعوت پر لبیک کہوں (قریب ہے کہ میری وفات ہو جائے) اور میں تمہارے درمیان دوگراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ ان میں سے پہلی چیز اللہ کی کتاب ہے اس میں ہدایت اور نور ہے تم اللہ کی کتاب کو پکڑو اور اس کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور دوسری میری اہل بیت ہے۔"

سنن ترمذی اور مسند احمد میں بھی یہ حدیث ان الفاظ سے منقول ہے۔ ترمذی کے الفاظ یہ ہیں۔"

اِنی تارک فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا بعدی احدهما اعظم من الاخر: کتاب الله حبل ممدود من السماء الی الارض و عترتی اهل بیتی ولن یفترقاحتی یردا علیَّ الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیهما. (۲)

---

(۱) صحیح مسلم باب فضائل علیؑ بن ابی طالب۔ مسند احمد ۴ / ۳۶۶۔ سنن دارمی ۲ / ۴۳۱۔ سنن بیہقی ۲ / ۱۴۸، ۷ / ۳۰۔ (الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ) مشکل الآثار طحاوی ۴ / ۳۶۸

(۲) سنن ترمذی ۱۳ / ۲۱۰۔ اسد الغابہ ۲ / ۱۲! درحالات امام حسن۔ درمنثور درتفسیر آیت مودت

”میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم نے اس سے تمسک کیا تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے ان میں سے ایک دوسری سے زیادہ باعظمت ہے۔ اللہ کی کتاب آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی رسی ہے اور میری عترت اہل بیت اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر پہنچ جائیں گے۔ دیکھنا تم میرے بعد ان دونوں سے کیا سلوک کرتے ہو؟“

ایک اور روایت میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے:

ایها الناس انی تارک فیکم امرین لن تضلوا ان اتبعتموهما وهما کتاب الله واهل بیتی عترتی . . . .

”اے لوگو! میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں اگر تم نے ان دونوں کی پیروی کی تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور وہ ہیں اللہ کی کتاب اور میری عترت اہل بیت۔“

امام حاکم لکھتے ہیں یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ (۱)

یہی حدیث دوسرے الفاظ کے ساتھ مسند احمد اور حلیۃ الاولیاء وغیرہ میں زید بن ثابت سے بھی منقول ہے۔ (۲)

حجۃ الوداع رسولؐ خدا کی زندگی کے آخری ایام میں واقع ہوئی تھی اور رسولؐ خدا نے میدان عرفات میں تمام مسلمانوں کے مجمع عام سے خطاب کرکے فرمایا:

”میں انسان ہوں میری وفات کا وقت قریب ہے اور میں تمہیں گمراہی سے بچانے کے لئے دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ان میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری عترت اہل بیت ہے اور جب تک تم ان دونوں کے دامن سے وابستہ رہو گے اس وقت تک گمراہی سے محفوظ رہو گے اور یہ بھی یاد رکھو کہ قرآن و اہل بیت ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے اور دیکھنا تم میرے بعد ان سے کیا سلوک روا رکھتے ہو؟“

---

(۱) مستدرک حاکم ۳ / ۱۰۹ پر یہ حدیث دراسناد سے مروی ہے اور جلد ۳ / ۱۴۸ پر بھی اسی مفہوم کی اور حدیث مروی ہے۔ (۲) مسند احمد ۴ / ۳۶۷ ۔ ۳۷۱، ۵ / ۱۸۱۔ تاریخ بغداد خطیب ۸ / ۴۴۲۔ حلیۃ الاولیاء ۱ / ۳۵۵، ۹ / ۶۴۔ اسد الغابہ ۳ / ۱۴۷۔ مجمع الزوائد ہیثمی ۹ / ۱۶۳۔ ۱۱/۴

پھر آپ نے یہی اعلان غدیر خم کے میدان میں بھی کیا آپ نے دونوں مقامات میں یہ اعلان کر کے اپنی امت کو یہ درس دیا کہ ان کی غیر موجودگی میں مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ قرآن کی اتباع کریں اور قرآن فہمی کے لئے وارثان قرآن اہل بیت کی طرف رجوع کریں اور قرآن و اہل بیت ہی مسلمانوں کا مرجع ہیں۔

یہ حدیث تمام ائمہ اہل بیت کے حق پر مشتمل ہے۔

آئمہ کی تعداد

رسولؐ خدا نے اپنے بعد آئمہ کی تعداد بارہ مقرر فرمائی ہے اور اس کو مندرجہ ذیل اصحاب صحاح و مسانید نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا:

ا۔ مسلم نے جابر بن سمرہ سے روایت کی اس نے کہا کہ میں نے نبی کریمؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

لایزال الدین قائما حتی تقوم الساعة اویکون علیکم اثنا عشر خلیفة کلهم من قریش

''یہ دین قیامت تک قائم رہے گا یہاں تک کہ بارہ خلفاء گزر جائیں وہ سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔''

دوسری روایت میں (لایزال امر الناس ماضیا۔۔۔) کے الفاظ ہیں۔ یعنی آپ نے فرمایا: کہ بارہ خلفاء تک لوگوں کے معاملات جاری و ساری رہیں گے۔

صحیح مسلم کی دو احادیث میں ''**الی اثنی عشر خلیفة**'' بارہ خلفاء تک کے الفاظ موجود ہیں۔ سنن ابی داؤد میں یہ الفاظ ہیں: **حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفة** ''یہاں تک کہ تم پر بارہ خلفاء ہوں گے۔''

ایک اور حدیث میں (الی اثنی عشر) یعنی بارہ تک، کے الفاظ مذکور ہیں۔

صحیح بخاری میں یہ الفاظ مذکور ہیں کہ میں نے رسولؐ خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا (**یکون اثنا عشر امیرا**) بارہ امیر ہوں گے اس کے بعد صحیح بخاری میں ہے:

فتال کلمة لم اسمعها فقال ابی: قال: کلهم من قریش.

"اس کے بعد رسول خدا نے ایک لفظ کہا جسے میں سن نہ سکا۔ میرے والد نے مجھے بتایا کہ آپ نے فرمایا: بارہ کے بارہ قریش میں سے ہوں گے۔"

(فتح الباری ۱۶ / ۳۳۸۔ مستدرک حاکم ۳ / ۶۱۷)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

لا تضرهم عداوة من عاداهم.

"دشمنی کرنے والوں کی دشمنی انہیں کوئی نقصان نہیں دے گی۔"

ایک اور روایت میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا:

لاتزل هذه الامة مستقيما امرها ظاهرة علىٰ عدوها حتى يمضى منهم اثنا عشر خليفة كلهم من قريش ثم يكون المرج او الهرج .

(منتخب کنز ۵ / ۳۲۱۔ تاریخ ابن کثیر ۶ / ۲۴۹۔ تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۰۔ کنز العمال ۱۳ / ۲۶۔ الصواعق المحرقہ ص ۲۸)

"اس امت کے معاملات اس وقت تک صحیح نہج پر چلتے رہیں گے اور اپنے دشمن پر یہ امت غالب رہے گی۔ یہاں تک کہ ان میں بارہ خلفاء گزر جائیں ۔ وہ سب کے سب قریش میں سے ہوں۔ اس کے بعد افراتفری واقع ہوگی۔"

ج۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

يكون لهذه الامة اثنا عشرقيمالا يضرهم من خذلهم كلهم من قريش. (کنز العمال ۱۳ / ۲۷۔ منتخب کنز العمال ۵ / ۳۱۲)

"اس امت کے بارہ نگہبان ہوں گے۔ چھوڑنے والے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے وہ سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔"

د. لايزال امر الناس مافيا ماوليهم اثنا عشر رجلاً [1]

---

[1] صحیح مسلم ۱۶ ۳ ۔۴ ۔ کتاب الامارۃ، باب الناس تبع لقریش ۔ صحیح بخاری ۴ / ۱۶۵، کتاب الاحکام سنن ترمذی ابواب الفتن باب ماجاء فی الخلفاء ۶ / ۶۶ ۔ ۶۷ ۔ سنن ابی داؤد ۴ / ۱۰۶ ۔ کتاب المهدی حدیث ۴۲۷۹، ۴۲۸۰ ۔ مسند طیالسی حدیث ۷۶۷ ۔ ۱۲۷۸ ۔ مسند احمد ۵ / ۸۶ ۔ ۹۰ ۔ ۹۲ ۔ ۱۰۱ ۔ ۱۰۲ ۔ ۱۰۸ ۔ کنز العمال ۱۳ / ۲۶ ۔ ۲۷ ۔ حلیۃ الاولیاء ابی نعیم ۴ / ۳۳۳ جابر بن سمرہ بن جنادہ عامری، سعد بن ابی وقاص کا بھانجا اور ان کا حلیف تھا۔ ۷۰ کے بعد کوفہ میں وفات پائی۔ اصحاب صحاح نے اس سے ۱۴۶ احادیث نقل کی ہیں۔ اس کے حالات زندگی اسد الغابہ، تقریب التہذیب اور جوامع السیرہ میں ملاحظہ کیئے جاسکتے ہیں۔

''لوگوں کے کام اس وقت تک چلتے رہیں گے جب تک بارہ افراد حکومت نہ کرلیں۔''

(صحیح مسلم مع شرح النووی ۱۲/ ۲۰۲۔ الصواعق المحرقہ ص ۱۸۔ تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۰۰)

(ہ۔) انس سے روایت ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا:

لن یزال هذا الدین قائما الی اثنی عشر من قریش فاذا هلکوا ماجت الارض باهلها .

''یہ دین قریش کے بارہ خلفاء تک قائم رہے گا اور جب وہ مر جائیں گے تو زمین اپنے اہل سمیت ہلنے لگے گی۔''

(کنز العمال ۱۳/ ۲۷۔)

(و۔) ایک اور روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

لایزال امر هذا الامة ظاهرا حتی یقوم اثنا عشر کلهم من قریش۔ (کنز العمال ۱۳/ ۲۷ بروایت ابن نجار)

''اس امت کا معاملہ غالب رہے گا یہاں تک کہ بارہ خلفاء گزر جائیں۔ سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔''

احمد اور حاکم کے علاوہ دیگر محدثین نے لکھا اور احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

مسروق نے کہا کہ ہم ایک رات عبداللہ بن مسعود کے پاس بیٹھے تھے۔ ابن مسعود ہمیں قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے اتنے میں ایک شخص نے انہیں مخاطب کر کے کہا:

ابوعبدالرحمٰن! کیا تم نے رسولؐ خدا سے یہ بھی پوچھا تھا کہ اس امت میں خلفاء کتنے ہوں گے؟

عبداللہ بن مسعود نے کہا: میں جب سے عراق آیا ہوں، تیرے بغیر مجھ سے یہ سوال کسی نے نہیں کیا۔ ہم نے رسولؐ خدا سے خلفاء کی تعداد پوچھی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا:

اثنا عشر عدة نقباء بنی اسرائیل. (۱)

"نقبائے بنی اسرائیل کی تعداد کے مطابق میرے خلفاء بھی بارہ ہوں گے۔"

ایک اور روایت میں عبداللہ بن مسعود سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ رسولؐ خدا نے فرمایا:

یکون بعدی من الخلفاء عدة اصحاب موسیٰ ۔ (۲)

"اصحاب موسیٰ کی تعداد میں میرے بعد میرے خلفاء ہوں گے۔"

اس کے بعد ابن کثیر لکھتے ہیں:

یہ حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص ، حذیفہ اور ابن عباس سے بھی مروی ہے۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ ابن عباس کی روایت سے وہی حدیث مراد ہے جسے حاکم حسکانی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور حدیث مراد ہے۔

ان احادیث سے یہ بات کھل کر واضح ہوتی ہے کہ رسولؐ خدا نے اپنے خلفاء کی تعداد بارہ بیان فرمائی ہے اور آپ نے یہ بھی بتایا کہ ان کا تعلق قریش سے ہوگا اور قریش کی بہت سی شاخیں ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسولؐ اکرم کے خلفاء کا تعلق قریش کی کس شاخ سے ہے؟

حضرت علی نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ان الائمة من قریش غرسوا فی هذا البطن من هاشم لا تصلح علیٰ من سواهم ولا یصلح الولاة من غیر هم.

(نہج البلاغہ خطبہ ۱۴۲)

---

۱ مسند احمد ۱ / ۳۹۸، ۴۰۶۔ احمد شاکر پہلی حدیث کے حاشیہ میں لکھتے ہیں اس حدیث کے اسناد صحیح ہیں۔ مستدرک حاکم وتلخیص مستدرک از ذہبی ۴ / ۱۰۵۔ فتح الباری ۱۶ / ۳۳۹۔ مجمع الزوائد ۱۹۰/۵۔ الصواعق المحرقہ ابن حجر ص ۱۲۔ تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۰۔ جامع صغیر سیوطی ۱ / ۷۵ کنزالعمال متقی ۱۳ / ۲۷ بتخریج طبرانی ونعیم بن حماد درباب الفتن ۔فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ۲ / ۴۵۸۔ تاریخ ابن کثیر۔ ۲ ابن کثیر ۶ / ۲۴۸۔ کنزالعمال ۱۳ / ۲۷۔ شواہد التنزیل ۱۹ / ۴۵۵ حدیث ۶۲۶ نہج البلاغہ خطبہ ۱۴۲

''بلا شبہ امام قریش میں سے ہوں گے جو اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنی ہاشم کی کشت زار سے ابھریں گے۔ نہ امات وزعیری کسی اور کو زیب دیتی ہے اور نہ ان کے علاوہ کوئی اس کا اہل ہوسکتا ہے۔''

ایک اور مقام پر حضرت علیؑ نے فرمایا:

اللهم بلى لا تخلو الارض من قائم لله بحجة اماظاهرا مشهورا اوخائفا مغمورا لئلا تبطل حجج الله و بيناته۔(۱)

''جی ہاں زمین خدا کے ایسے نمائندے سے خالی نہیں رہتی جو خدا کی حجت کا حامل ہوتا ہے اور کبھی خدائی نمائندہ ظاہر اور مشہور ہوتا ہے اور کبھی خائف اور گم نام ہوتا ہے تاکہ خدا کی حجتیں اور اس کے واضح دلائل باطل نہ ہوں۔''

ابن کثیر لکھتے ہیں: اس وقت جو تورات اہل کتاب کے پاس موجود ہے اس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام کی بشارت دی تھی اور یہ فرمایا تھا کہ خدا اس کی افزائش کرے گا اور اس کی نسل کو کثرت سے پھیلائے گا اور اس کی نسل میں بارہ سردار مقرر کرے گا۔

اس کے بعد ابن کثیر نے لکھا:

ابن تیمیہ نے کہا۔ یہ وہی بارہ سردار ہیں جن کی جابر بن سمرہ کی حدیث میں خبر دی گئی اور رسول خدا نے فرمایا کہ بارہ خلفاء ہوں گے اور جب تک ان کی تعداد پوری نہ ہو اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی۔ یہودیت سے اسلام قبول کرنے والوں میں سے بہت سے افراد کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ اس سے مراد وہی بارہ امام ہیں جن کی وا فضی دعوت دیتے ہیں۔ اور اسی غلط فہمی کی وجہ سے نو مسلم یہودیوں نے شیعوں کی پیروی کی ہے۔ (تاریخ ابن کثیر ۶ / ۲۴۹۔ ۲۵۰)

(ینابیع المودۃ شیخ سلیمان حنفی باب ۱۰۰ ص ۵۲۳۔ احیاء علوم الدین غزالی ۱ / ۵۴۔ حلیۃ الاولیاء ۱ / ۸۰)

تورات میں بارہ اماموں کی بشارت

تورات کے سفر تکوین یعنی باب پیدائش میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مذکور ہے اور اسماعیلؑ کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے بہرہ ومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔

(تورات باب پیدائش آیت ۲۱۔ مطبوعہ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور)

تورات میں یہ بشارت عبرانی زبان میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

می لیشماعیل بیتر خنتی اوتوا وفی هفریتی اوتوهریتی
بمئواد شنیم غسار نسیئیم بولیدفی نتیف لگوی گدول.

(عہد نامہ قدیم۔ سفر التکوین ۱۷۔ ۲۰ ص ۲۲۔ ۲۳)

اس عبارت کا اردو ترجمہ اوپر لکھا گیا ہے۔

عبرانی رسم الخط میں یہ عبارت یوں مرقوم ہے:

تورات کے جملے واضح کرتے ہیں کہ برکت، برومندی اور کثرت نسل کا وعدہ اولاد اسماعیل سے ہے اور راشنیم عسار یعنی بارہ۔ واضح رہے کہ عبرانی زبان میں لفظ ''عسار'' عدد ترکیبی میں اس وقت استعمال ہوتا ہے جب معدود مذکر ہو اور اس عدد کا معدود ''نسیئیم'' ہے جو کہ مذکر ہے اور یہ لفظ جمع ہے کیونکہ اس میں علامت جمع ''یم'' اسم کے آخر میں لگی ہوئی ہے اور اس کا واحد ''ناسی'' ہے جس کے معنی امام، زعیم اور سردار کے ہیں۔ اس عبارت میں لفظ ''فی نفتیف کوی گوول'' خصوصی توجہ کا طلب گار ہے۔ اس میں ''فی'' حرف عطف ہے اور ''ناتن'' فعل ہے یعنی میں بناؤں گا قرار دوں گا اور اور لفظ ''نتیف'' میں ''یف'' ضمیر ہے جس کا مرجع اسماعیل ہے اور اس کا معنی ہے کہ میں اسے بناؤں گا اور ''کوی'' کا معنی امت اور گروہ ہے اور ''گوول'' کا معنی کبیر اور عظیم ہے اور اس فقرہ کا معنی یہ ہوگا کہ میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔

اس جملہ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اسماعیلؑ کے متعلق بشارت دیتے ہوئے وعدہ کیا کہ وہ اسماعیل کی نسل کو خوب پھیلائے گا اور انہیں اپنی برکت سے سرفراز کرے گا اس بشارت کا کسی طرح سے نسل اسحاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم کے حالات کی ترتیب یہ ہے کہ آپ نے نمرود کا ملک چھوڑ اور شام کی طرف روانہ ہوئے۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ آپ کی بیوی سارہ اور آپ کے خالہ زاد بھائی حضرت لوط بھی شریک تھے۔ آپ نے سرزمین فلسطین میں قیام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وسیع رزق سے مالا مال کیا۔ انہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی کہ خدایا مین یہ دولت لے کر کیا کروں گا جب کہ میری کوئی اولا دنہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی میں تجھے بہت زیادہ اولاد دوں گا اور ستاروں کی طرح سے تیری اولاد کا کوئی شمار نہ ہوگا۔

ھاجرہ، حضرت سارہ کی کنیز تھیں انہوں نے اپنی کنیز ابراہیم کو بخش دی اور وہ حاملہ ہوئیں اللہ تعالیٰ نے ان کے شکم سے حضرت اسماعیل کو پیدا کیا اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر چھیاسی برس کی تھی۔

(تاریخ یعقوبی ج ۱/۲۴۔۲۵۔مطبوعہ مؤسسہ نشر ثقافت اھل لبیت قم)

قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کو مکہ کی بے آب وگیاہ زمین میں ٹھہرایا تو آپ نے یہ دعا مانگی تھی:

رَبَّنَا اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ (غَیۡرِ ذِیۡ) زَرۡعٍ عِنۡدَبَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوۡا الصَّلٰوۃَ فَجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِیۡ اِلَیۡهِمۡ ولرزُقهُم مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ. (ابراھیم: ۳۷)

''پروردگار میں نے اپنی ذرّیت میں سے بعض کو تیرے محترم مکان کے قریب بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ دیا ہے تاکہ نمازیں قائم کریں اب تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف موڑ دے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما تاکہ وہ تیرے شکر گزار بندے بن جائیں۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل اور اس کی اولاد

کے لئے رحمت اور برکت کی دعا مانگی ہے اور خدا سے درخواست کی کہ انہیں لوگوں کا رہنما مقرر فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ کو رحمۃ للعالمین بنا کر اور بارہ ائمہ کو ان کے قائم مقام مقرر کر کے ابراہیم کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ اسی لئے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

نحن بقية تلك العترة و كانت دعوة ابراهيم لنا

''ہم اس عترت کا بقیہ ہیں اور ابراہیم کی دعا ہمارے متعلق تھی۔''

احادیث کا ماحصل

سابقہ احادیث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس امت میں امام یکے بعد دیگرے بارہ ہوں گے اور بارہویں امام کے بعد یہ دنیا ختم ہو جائے گی۔

پہلی حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں:

''یہ دین قیامت تک قائم رہے گا یہاں تک کہ بارہ خلفاء ہوں گے اس حدیث میں یہ نکتہ واضح کیا گیا کہ دین قیامت تک قائم رہے گا اور امت کے امام بارہ ہوں گے اور بارہویں پر ہی عمر دنیا کا خاتمہ ہوجائے گا۔''

پانچویں حدیث میں ہے:

'یہ دین بارہ خلفا تک قائم رہے گا ان سب کا تعلق قریش سے ہوگا اور جب وہ بارہ کے بارہ دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو زمین اپنے اہل سمیت تباہ و برباد ہو جائے گی۔''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بارہ ہوں گے اور ان کے بعد یہ زمین ہی تباہ و برباد ہو جائے گی۔

آٹھویں حدیث میں بیان ہوا ہے:

''میرے بعد اصحاب موسیٰ کی تعداد کے برابر خلفا ہوں گے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہویں کے بعد کوئی تیرہواں امام نہیں

ہوگا۔ اور ان کے بعد ہرج و مرج واقع ہوگا اور زمین تباہ ہو جائے گی اور قیامت ہو جائے گی۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے رسول خدا کے بارہویں جانشین کو پردہ غیبت میں بٹھا کر طویل عمر عطا کی تا کہ زمین قائم رہے۔

مشارحین کی پریشانی

بارہ آئمہ کی حدیث نے مکتبِ خلافت سے وابستہ عوام اور علماء کو سخت کشمکش میں ڈال دیا اور اس مکتبِ کے علماء آج تک اس حدیث کے معقول معانی تلاش کرنے سے عاجز رہے ہیں اور وہ آج تک یہ معین نہ کر سکے کہ یہ بارہ اشخاص کون ہیں اور یکے بعد دیگرے کیسے آئیں گے اور ان کا سلسلہ صدر اسلام سے لے کر قیام قیامت تک کیسے قائم رہے گا اور عزت اسلام کا ذریعہ بننے والے امام کن خصوصیات کے حامل ہوں گے۔ اور کیا ہر اقتدار میں آنے والا شخص خلیفہ ہے یا اس کے لئے عادل ہونا ضروری ہے؟

مکتبِ خلافت کے علماء کی حیرانی و سرگردانی ملاحظہ فرمائیں:

اول: مشہور فقیہ ابن العربی سنن ترمذی کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب ہم رسولؐ خدا کے خلفاء کو شمار کرتے ہیں تو انہیں یوں پاتے ہیں:

ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؑ، حسنؑ، صاویہ، یزید بن معاویہ، معاویہ بن یزید، مروان، عبدالملک، ولید، سلیمان، عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبدالملک، مروان بن محمد بن مروان، سفاح اور منصور۔

اور اس طرح وہ خلفاء کی گنتی کرتے ہوئے اپنے زمانے ۵۴۳ھ تک ۲۷ اور اشخاص کے نام لیتے ہیں اور اس کے بعد وہ کہتے ہیں:

''اگر ہم ابتدائے خلافت سے بارہ اشخاص گنیں اور ان اشخاص کو نظر میں رکھیں جو بظاہر خلافت نبوی کے حامل رہے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ سلیمان بن عبدالملک تک بارہ افراد پورے ہو جاتے ہیں لیکن اگر ہم انھیں شمار کریں جو درحقیقت اور صحیح معنوں میں خلافت نبوی کے حقدار تھے تو وہ پہلے چار خلفاء اور پانچویں عمر بن عبدالعزیز تھے۔ لہٰذا اس حدیث کا معنی آج تک میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔'' (شرح صحیح ترمذی ج ۹ ص ۶۸۔۶۹)

اس سوال کے جواب میں کہ بارہ افراد سے زیادہ خلیفہ ہوئے ہیں۔ اہل سنت کے مشہور محدث قاضی عیاض کہتے ہیں:

''یہ اعتراض باطل ہے کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ بارہ اشخاص کے علاوہ اور خلیفے نہیں ہوں گے۔ نہ انھوں نے کہا کہ اتنے خلیفہ ہی ہوں گے جتنے بلاشبہ ہوئے ہیں اور آنحضرتؐ کا یہ ارشاد اس بات سے مانع نہیں ہے کہ اس تعداد سے زیادہ بھی ہوں۔''

ایک اور عالم نے کہا: رسول اکرمؐ کی مراد یہ ہے کہ اسلام میں قیامت تک بارہ خلیفے ایسے ہوں گے جو حق پر عمل کریں گے اور اس گروہ میں تسلسل ضروری نہیں اس بنا پر ''اس کے بعد افراتفری ہو گی۔''

(شرح نووی بر مسلم ۱۲/۲۰۱۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری ۱۶/۳۳۹، ۳۴۱)

کے جملے سے آنحضرتؐ کی مراد قیامت کی نشانیاں اور اس سے پہلے دجال کے خروج جیسے فتنے ہیں۔ بارہ خلفاء سے مراد پہلے چار خلفاء اور حسنؑ معاویہ عبداللہ بن زبیر [1]

(۱) واضح رہے کہ عبداللہ بن زبیر وہ شخص ہے جس نے نماز جمعہ کے چالیس خطبوں میں رسول اکرمؐ پر درود نہیں بھیجا اور کہتا تھا کہ میں اس لیے درود نہیں پڑھتا کہ اس سے بنی ہاشم مغرور ہو جاتے تھے اور وہ کہا کرتا تھا کہ میں اہل بیت سے عرصہ چالیس سال سے اپنے دل میں بغض اور دشمنی پال رہا ہوں۔ (مروج الذہب ۳/۷۹۔۸۰)

اور عمر بن عبدالعزیز ہیں (جن کی مجموعی تعداد آٹھ بنتی ہے) اور اس بات کا احتمال ہے کہ ان میں مہدی عباسی (۱۲۸ تا ۱۶۹ ہجری) کا اضافہ بھی کیا جا سکے کیونکہ وہ عباسیوں میں ایسا ہی ہے۔ جیسا عمر بن عبدالعزیز امویوں میں ہے اور ظاہراً عدل و انصاف کی بنا پر اسے بھی اس فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر دو اشخاص باقی رہ جاتے ہیں۔ جن میں سے ایک مہدیؑ (موعود آخرالزماں) ہیں۔ جو اہل بیت میں سے ہوں گے۔

(الصواعق المحرقہ ص ۲۱ مطبوعہ مصر۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۶۔ مطبوعہ پاکستان)

مزید کہا گیا کہ: اس حدیث میں رسول اکرمؐ کی مراد یہ ہے کہ خلافت کسی عزت اور شوکت اور اسلام کی قوت اور انتظامِ امور کے زمانے میں بارہ خلیفہ ہوں گے۔ اس بنا پر آنحضرتؐ کے موردِ بحث خلفاء وہ اشخاص ہیں۔ جن کے ادوار میں اسلام عزیز رہا اور سب مسلمان ان کی شخصیت کے بارے میں اتفاق نظر رکھتے ہوں۔ (فتح الباری ۱۶/ ۳۳۸۔۳۴۱۔ نووی شرح مسلم ۱۲/۲۰۲۔۲۰۳۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۲)

اہل سنت کے نامور محدث اور شارح بیہقی اس نظریے کے بارے میں توضیح کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: مذکورہ صفات کے حامل ہونے کے ساتھ یہ تعداد ولید بن یزید بن عبدالملک کے زمانے تک مکمل ہوگئی اور اس کے بعد بہت بڑی افراتفری اور بدنظمی وجود میں آئی اور پھر حکومت عباسیوں کو حاصل ہوگئی بلاشبہ اگر ہم مذکورہ صفات کو نظر انداز کر دیں تو تعداد بارہ سے بڑھ جائے گی اور اگر ہم افراتفری کے بعد کے خلفاء کو فہرست میں شامل کر لیں تب بھی یہی صورت ہوگی۔

(ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ ۶/ ۲۴۹)

اس نظریے کی مزید توضیح کرتے ہوئے کہا گیا کہ: جو اشخاص خلافت میں مورد اتفاق رہے ہیں ان میں سے ابتداء میں ہم تین خلفاء کو جانتے ہیں اور ان کے بعد جنگ صفین میں مسئلہ حکمین پیش آنے کے وقت تک علیؑ ہیں۔ تحکیم کے بعد معاویہ نے خود کو خلیفہ کا نام دیا (اور یوں علیؑ کی خلافت کے بارے میں اتفاق ختم

ہو گیا) اس کے بعد بھی حالات اسی نہج پر رہے حتیٰ کہ امام حسن کی صلح کے بعد سب نے معاویہ کی خلافت پر اتفاق کر لیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے یزید کے بارے میں کوئی اختلاف پیدا نہ ہوا۔ حسینؓ کے حالات اور ان کی خلافت کو بھی انتظام حاصل نہ ہوا وہ جلد ہی مارے گئے۔ یزید کی موت کے بعد دوبارہ اختلاف ہوا حتیٰ کہ نوبت عبدالملک بن مروان کی خلافت تک پہنچی۔ اس کے متعلق عمومی اتفاق پیدا ہو گیا۔ بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ یہ اتفاق عبداللہ بن زبیر کے قتل ہونے کے بعد ظاہر ہوا۔ عبدالملک کے بعد اس کے چار بیٹوں کی خلافت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہوا اور یہ چار اشخاص ولید' سلیمان' یزید اور ہشام تھے۔ سلیمان اور یزید کے درمیان سلیمان کی وصیت کی بنا پر عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے۔ اس گروہ کا بارہواں شخص جس پر لوگوں نے اتفاق کیا تو وہ ولید بن عبدالملک تھا جس نے چار سال حکومت کی' شافعی مذہب کے بزرگ محدث اور فقیہ ابن حجر کہتے ہیں:

''مذکورہ احادیث کی توجیہات میں سے یہ بہترین توجیہ ہے۔''

آٹھویں صدی کے نامور مورخ' محدث اور مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ وہ راستہ جس پر بیہقی چلا ہے اور ایک گروہ نے اس کے ساتھ موافقت کی ہے کہ اس حدیث سے مراد وہ خلفاء ہیں جو مسلسل ولید بن یزید بن عبدالملک فاسق تک گزرے ہیں' وہ ایک راستہ ہے جس کے بارے میں بہت تامل ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس ولید کے زمانے تک خلفاء کو جس بھی طریقے سے شمار کریں ان کی تعداد اس سے زیادہ بنتی ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ چار خلفاء یعنی ابوبکرؓ' عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ کی خلافت مسلم اور متفق ہے۔ اس کے بعد حسنؓ بن علیؓ ہیں کیونکہ علیؓ نے ان کی خلافت کے بارے میں وصیت کی تھی اور اہل عراق نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی پھر انھوں نے معاویہ سے مصالحت کر لی۔ معاویہ کے بعد یزید اور اس کے بعد معاویہ بن یزید اور پھر مروان' پھر عبدالملک' پھر سلیمان بن عبدالملک اور پھر عمر بن عبدالعزیز

پھر یزید بن عبدالملک اور پھر ہشام بن عبدالملک حاکم اور خلیفہ ہوتے رہے ہیں۔ یہ سب مل کر پندرہ اشخاص بنتے ہیں۔ ان کے بعد ولید بن یزید بن عبدالملک ہوا ہے جسے بیہقی نے بارہواں شمار کیا ہے اور اگر عبدالملک سے پہلے عبداللہ بن زبیر کی حکومت کو شامل کیا جائے تو تیرہ اشخاص بنتے ہیں اور رسول خدا کے پسندیدہ بارہ خلفاء کے بارے میں ان تمام تر دشواریوں کے باوجود یزید بن معاویہ اس گنتی میں شامل ہو جاتا ہے اور عمر بن عبدالعزیز جیسا شخص جس کی سب بزرگوں نے تعریف کی ہے وہ اس فہرست سے خارج ہو جاتا ہے حالانکہ اسے خلفائے راشدین میں شمار کیا گیا ہے اور سبھی اس کی عدالت کے بارے میں متفق ہیں اور اس بات پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس کا زمانہ اسلامی حکومت کے عادلانہ ترین زمانوں میں سے تھا حتیٰ کہ رافضی بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ ہم فقط ان اشخاص کو معتبر خیال کرتے ہیں جن پر امت کا اجماع ہوا ہو تو انھیں اس مشکل سے دوچار ہونا پڑے گا کہ علی بن ابی طالب اور ان کے فرزند حسنؑ کو خلفاء کی فہرست سے خارج کر دیں کیونکہ لوگوں نے ان کی خلافت پر اتفاق نہیں کیا اور تمام اہل شام نے ان دو اشخاص کی خلافت پر بیعت نہیں کی تھی۔

اس گفتگو کے بعد ابن کثیر ان الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں' ایک عالم معاویہ' یزید اور معاویہ بن یزید کو بارہ خلفاء میں شمار کرتا ہے لیکن مروان اور عبداللہ بن زبیر کو ان میں شامل نہیں کرتا کیونکہ امت نے ان میں سے کسی ایک پر بھی اتفاق نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ہم یہ مسلک قبول کر لیں تو ہمیں چاہیے کہ ان کی گنتی یوں کریں۔

ابوبکر' عمر' عثمان' معاویہ' یزید' عبدالملک' ولید' سلیمان' عمر بن عبدالعزیز' یزید' ہشام' یہ سب مل کر بارہ افراد بنتے ہیں۔ ان کے بعد ولید بن یزید بن عبدالملک فاسق ہے لیکن اصولاً یہ راستہ اپنانا ناممکن ہے کہ علیؑ اور اس کے فرزند حسنؑ کو بارہ

افراد کی فہرست سے خارج کر دیں اور یہ بات اہل سنت اور شیعہ علماء کی تصریحات کے خلاف ہے۔ اور یہ بات اس روایت کے بھی خلاف ہے جو سفینہ نے آنحضرتؐ سے نقل کی ہے یعنی

''میرے بعد تیس سال تک خلافت ہے اس کے بعد کاٹنے والی ملوکیت قائم ہو گی۔'' (البدایہ والنہایہ ۶/۲۵ مطبوعہ آفسٹ بیروت)

ابن جوزی نے اپنی کتاب ''کشف المشکل'' میں ان احادیث کو حل کرنے کے دو طریقے بتائے ہیں۔

۱۔ رسول اکرمؐ نے اپنی حدیث میں ان حوادث کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو خود آپ کے اور آپ کے اصحاب کے بعد رونما ہوئے تھے اور درحقیقت آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب اس سلسلہ میں منسلک اور یکساں ہیں۔ رسول اکرمؐ ان حکومتوں کے متعلق خبر دیتے ہیں جو آپ کے بعد قائم ہوئی تھیں اور ان ارشادات کے ذریعے ان حکومتوں میں موجود خلفاء کی تعداد کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور شاید ''لَایَزَالُ الدِّیْنُ'' کے الفاظ سے یہ مراد ہے کہ جب تک بارہ خلفاء موجود ہوں گے اس وقت تک حکومت مستحکم' برقرار عالی قدر اور طاقت ور رہے گی اور اس کے بعد اس کی شکل بدل جائے گی اور اس کے حالات و واقعات بے حد مشکل ہو جائیں گے۔ آنحضرتؐ کے خلفاء میں پہلا فرد بنی امیہ میں سے ہے اور وہ یزید بن معاویہ ہے اور ان کا آخری فرد مروان حمار ہے اور ان کی کل تعداد تیرہ ہے۔ عثمانؓ معاویہ اور عبداللہ بن زبیر اس گنتی میں شامل نہیں ہیں کیونکہ ان کا شمار صحابہ میں ہے پس اگر اس تعداد میں سے مروان بن الحکم کو اس بنا پر حذف کر دیں کہ اس کے صحابی ہونے میں شک ہے یا اس لیے کہ اس نے خلافت زور اور غلبہ سے حاصل کی اور اس زمانے کے لوگوں نے

برضا و رغبت عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو پھر بارہ افراد کی تعداد مکمل ہو جائے گی (اور یوں آنحضرتؐ کی پیشین گوئی درست ثابت ہو جاتی ہے) اور جب خلافت بنی امیہ کے خاندان سے نکل گئی تو بہت بڑا فساد برپا ہوا اور بڑے عظیم حوادث رونما ہوئے اور یہ صورت اس وقت تک قائم رہی جب تک بنی عباس کی خلافت قائم نہیں ہوگئی اور اس کے بعد بھی خلافت کے حالات میں بڑی واضح تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

ابن حجر کتاب فتح الباری میں یہ الفاظ نقل کرنے کے بعد انھیں رد کرنے کی جانب متوجہ ہوئے اور اس میں مضمر مشکلات گنواتے ہیں۔ (فتح الباری ۱۶/۳۴۰)

۲۔ اس بات کا احتمال ہے کہ بارہ افراد سے مراد ایسے خلفاء ہیں جو امام مہدی کی عادلانہ حکومت کے بعد حکومت کریں گے۔ میں نے کتاب دانیال میں یہ دیکھا ہے کہ جب مہدی دنیا سے رحلت فرما جائیں گے تو ان کے بعد سبط اکبر حضرت امام حسن کی اولاد میں سے پانچ اشخاص حکومت حاصل کریں گے اور پھر سبط اصغر امام حسین کی اولاد میں سے پانچ اشخاص اس رتبہ پر فائز ہوں گے اور اس گروہ کا آخری فرد وصیت کرے گا کہ سبط اکبر کی اولاد میں سے ایک شخص اس کا جانشین ہو اور وہ خلافت کرے۔ پھر اس کا فرزند خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالے گا اور یوں مذکورہ بالا بارہ حکام کی تعداد مکمل ہو جائے گی اور ان میں سے ہر ایک ہدایت یافتہ امام ہو گا۔ ان جملوں کے بعد ابن جوزی کہتے ہیں کہ ایسی روایت بھی موجود ہے جس کے مطابق اس (مہدیؑ) کے بعد بارہ افراد حکومت پر فائز ہوں گے جن میں سے چھ امام حسن اور پانچ امام حسین کی اولاد میں سے اور ایک دوسروں میں سے ہوگا جب وہ فوت ہوگا تو زمانہ فاسد ہو جائے گا۔

(فتح الباری ۱۶/۳۴۱ پہلا ایڈیشن مصر)

ابن حجر ہیثمی اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت قطعاً بے

حقیقت ہے اور اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ (الصواعق المحرقہ ص ۲۱۔ دوسرا ایڈیشن مصر)

علماء کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول خداؐ نے اس حدیث میں اپنے بعد رونما ہونے والے عجائب کی خبر دی ہے اور ان زمانوں میں وقوع پذیر ہونے والی بدنظمی اور افراتفری کے بارے میں پیش گوئی کی ہے۔ یہ وہ زمانے ہوں گے۔ جب لوگ بیک وقت بارہ امراء کے گرد جمع ہو جائیں گے اور اگر رسول خدا کوئی اور چیز کہنے کے خواہش مند ہوتے تو آپ یقیناً فرماتے کہ بارہ امیر ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہ یہ کام کرے گا۔

چونکہ حضورؐ نے ان افراد کے متعلق کوئی خبر نہیں دی لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ تمام خلفاء ایک ہی وقت میں ہوں گے۔

کہا جاتا ہے کہ آپؐ کی یہ پیش گوئی متذکرہ بالا مفہوم کے ساتھ پانچویں صدی میں پوری ہوئی کیونکہ اس زمانے میں اندلس میں چھ اشخاص ایسے تھے جن میں سے ہر ایک نے اپنے لیے خلیفہ کا لقب اختیار کر رکھا تھا۔ ان چھ افراد کے علاوہ مصر کا حاکم (فاطمی خلیفہ) اور بغداد میں عباسی خلیفہ بھی تھے (یوں مجموعی تعداد آٹھ ہو جاتی ہے) ان کے علاوہ کچھ اور مدعیان خلافت بھی تھے جو خوارج اور ان علویوں پر مشتمل تھے جنھوں نے اس زمانے میں خروج کیا اور عباسی خلفاء کی اطاعت کا جوا گردن سے اتار پھینکا اور حکومت و خلافت کے دعویدار بن گئے۔ یہ قول نقل کرنے کے بعد ابن حجر کہتے ہیں: یہ باتیں بالخصوص وہ لوگ کرتے ہیں جنھیں صرف بخاری کی مختصر روایت کا علم ہے اور جنھوں نے حدیث کے دوسرے ذرائع پر نظر نہیں ڈالی (جن میں بارہ خلفاء کے بارے میں کافی وضاحت موجود ہے) علاوہ ازیں ان بہت سے خلفاء کی موجودگی بجائے خود تفاوت اور جدائی کا موجب ہے لہٰذا انھیں آنحضرتؐ کی مراد اور مقصود قرار نہیں دیا جا سکتا۔

(فتح الباری ۱۶/۳۳۸۔۳۳۹۔ شرح نووی ۱۲/۲۰۲)

نتیجہ بحث

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورہ احادیث بیان کرنے کے باوجود مکتب خلافت کے علماء ان کے نام بتانے سے قاصر رہے اور اگر کسی نے بتانے کی کوشش بھی کی تو بھی اس میں یزید اور اولادِ مروان جیسے ظالموں کے نام شامل کیے۔ جبکہ رسول خداؐ نے یہ فرمایا تھا کہ یہ میرے جانشین دین کے محافظ ہوں گے اور دین کی عظمت کے نگہبان ہوں گے اور اگر یزید و مروان جیسے لوگ اسلام کے محافظ تصور کر لیے جائیں تو ایسے اسلام پر سلام ہو۔

مکتبِ خلافت کے علماء نے ہر ممکن کوشش کی کہ خلفائے رسول کے عنوان سے صرف برسراقتدار طبقہ کو ہی متعارف کرایا جائے اور ان لوگوں نے ان حقیقی جانشینانِ رسول کا نام لکھنے سے گریز کیا جو اسلام اور قرآن کے وارث تھے اور جن کی امامت کی پیش گوئیوں سے مکتبِ امامت کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ کے بزرگ صحابہ نے جن کی امامت کی گواہی دی۔

یہاں ہم اجمالی طور پر اس مفہوم کی چند روایات نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

مکتب خلافت میں بارہ آئمہ کے نام

۱۔ جوینی نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

انا سیدالنبین و علی سید الوصیین وان اوصیائی بعدی اثنا عشر اولھم علی بن ابی طالب و اخرھم المھدی.

''میں انبیاء کا سردار ہوں اور علیؑ اوصیاء کا سردار ہے اور میرے وصی بارہ ہوں گے جن میں سے پہلا علی بن ابی طالب اور آخری مہدیؑ ہو گا۔''

۲۔ جوینی نے اپنی سند سے ابن عباس سے روایت کی۔ اس نے کہا کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

ان خلفائی واوصیائی وحجج اللّٰہ علی الخلق بعدی الاثنی عشر اولھم اخی و اخرھم ولدی. قیل: یارسول اللّٰہ ومن اخوکُ قال علی بن ابی طالب قیل فمن ولدک؟ قال المھدی الذی یملاھا قسطا وعدلا کما ملئت جورا وظلما والذی بعثنی بالحق بشیرا و نذیرا لولم یبق من الدنیا الایوم واحد لطول اللّٰہ ذلک الیوم حتی یخرج فیہ ولدی المھدی فینزل روح اللّٰہ عیسٰی بن مریم فیصلی خلفہ و تشرق الارض بنور ربھا و یبلغ سلطانہ المشرق والمغرب.

''میرے خلفاء اور میرے اوصیاء اور میرے بعد بندوں پر اللہ کی حجتوں کی تعداد بارہ ہوگی جن میں سے پہلا میرا بھائی ہوگا اور آخری میرا بیٹا ہوگا۔''

آپؐ سے پوچھا گیا: یارسول اللہؐ! آپ کا بھائی کون ہے؟

آپؐ نے فرمایا: علی بن ابی طالب میرا بھائی ہے۔

آپ سے پوچھا گیا: آپ کا بیٹا کون ہے؟

آپ نے فرمایا: اس سے مراد میرا فرزند مہدیؑ ہے جو دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جب کہ اس سے پہلے دنیا ظلم و جور سے بھری چکی ہوگی۔ اگر

دنیا کی بقا میں سے صرف ایک دن بھی رہتا ہو تو اللہ اس دن کو طویل کر دے گا یہاں تک میرے فرزند مہدی کا خروج ہو گا اور روح اللہ عیسیٰ بن مریم اتریں گے اور وہ ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے جگمگانے لگے گی اور اس کی سلطنت مشرق و مغرب تک پھیل جائے گی۔

۳۔ جوینی اپنی سند سے رقم طراز ہیں کہ راوی نے کہا کہ میں نے رسول خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

انا و علی والحسن والحسین و تسعة من ولد الحسین مطهرون معصومون[۱]

''میں اور علیؑ اور حسنؑ و حسینؑ اور نسل حسین کے نو افراد طاہر اور معصوم ہیں۔''

حکومتی پالیسی کے تحت مکتب خلفاء کے علماء نے ایسی احادیث کو ہر دور میں مخفی رکھا اور ان پر پردہ ڈالے رکھا اور ہر ممکن طریقہ سے ان احادیث کو چھپایا۔ یہاں ہم ایسی احادیث کو بوجوہ نقل کرنے سے قاصر ہیں۔ ذیل میں ہم رسولؐ مقبول کے حقیقی خلفاء کا مختصر تعارف کرانا چاہتے ہیں۔ رسول خداؐ نے ان خلفاء کے متعلق اپنی بہت سی نصوص میں اشارہ فرمایا تھا:

۱۔ یہ تینوں احادیث فرائد السمطین کے باتصویر قلمی نسخہ میں موجود ہیں اور یہ نسخے تہران یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری میں ۱۱۶۴۔۱۶۹۰۔۱۶۹۱ نمبر پر موجود ہیں یہ احادیث ورقہ نمبر ۱۶۰ پر موجود ہیں۔ ذہبی نے اپنے شیوخ کے حالات زندگی کے تحت تذکرۃ الحفاظ ص ۱۵۰۵ پر جوینی کے متعلق یہ الفاظ لکھے۔

الامام المحدث الاوحد الاکمل فخر الاسلام صدر الدین ابراهیم بن محمد بن حمویه.

جوینی اشافعی صوفیا کے شیخ تھے اور انھیں احادیث سے والہانہ عشق تھا۔ غازان بادشاہ ان کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا۔

ائمہ معصومینؑ کا مختصر تعارف

پہلا امام: حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام

آپ کے والد کا نام ابو طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف اور آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھا۔

کنیت: ابوالحسن' ابوالحسین اور ابوتراب

لقب: وصی۔ امیرالمومنین

ولادت باسعادت: آپ کعبہ شریف میں ۳۰ عام الفیل کو پیدا ہوئے۔

شہادت: عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی نے ماہ رمضان ۴۰ھ کو آپ کو مسجد کوفہ میں ضرب لگائی' جس سے آپ شدید زخمی ہوئے اور دو دن بعد اکیس (۲۱) ماہ رمضان کو شہید ہوئے اور کوفہ کے قریب نجف اشرف میں دفن ہوئے۔

دوسرا امام: حسنؑ بن علیؑ بن ابی طالب

آپ کی والدہ حضرت فاطمہ زہراؑ دختر رسول خدا تھیں۔

کنیت: ابومحمدؑ۔

لقب: سبط اکبر' مجتبیٰ۔

ولادت باسعادت: آپ ۳ھ پندرہ رمضان المبارک کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

شہادت: پچیس (۲۵) ربیع الاوّل ۵۰ھ کو آپ کی شہادت ہوئی اور مدینہ کے قبرستان بقیع میں دفن ہوئے۔

تیسرا امام: حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب علیہما السلام

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ زہراؑ دختر پیغمبر تھیں۔

کنیت: ابوعبداللہ۔

لقب: سبط اصغرؑ شہید کربلا۔

ولادت باسعادت۔ آپ شعبان ۴ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

شہادت: لشکر یزید بن معاویہ نے کربلا میں تین دن کا بھوکا پیاسا رکھ کر آپ کو آپ کے اہل خاندان اور انصار کے ساتھ شہید کیا۔ آپ کی قبر عراق کے مشہور شہر کربلا میں واقع ہے۔

چوتھا امام: علیؑ بن الحسین علیہما السلام

آپ کی والدہ کا نام غزالہ تھا اور ایک اور قول کے مطابق ان کا نام شاہ زنان تھا۔

کنیت: ابوالحسن۔

لقب: زین العابدینؑ سجادؑ۔

ولادت باسعادت: آپؑ کے سن پیدائش میں اختلاف ہے بعض نے ۳۳، بعض نے ۳۷ھ اور بعض نے ۳۸ھ میں آپؑ کی ولادت بیان کی ہے۔

شہادت: آپ نے ۹۴ھ میں شہادت پائی اور مدینہ کے قبرستان بقیع میں اپنے چچا حسنؑ مجتبیٰ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

پانچواں امام: محمدؑ بن علی علیہما السلام

آپ کی والدہ امام حسنؑ مجتبیٰؑ کی صاحبزادی ام عبداللہ تھیں۔

کنیت: ابوجعفرؑ

لقب: باقرؑ

ولادت باسعادت: ۴۵ھ کو مدینہ منورہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔

شہادت: آپ نے ۱۱۷ ہجری کو امام شہادت نوش کیا اور مدینہ کے قبرستان بقیع میں اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

چھٹا امام: جعفر بن محمد علیہما السلام

آپ کی والدہ کا نام ام فردہ بنتؒ قاسم بن محمد بن ابی بکر تھا۔

کنیت: ابوعبداللہ

لقب: صادقؑ

ولادت باسعادت: آپؑ ۸۳ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

شہادت: آپؑ نے ۱۴۸ھ کو مدینہ میں شہادت پائی اور قبرستان بقیع میں اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

ساتواں امام: موسیٰ بن جعفر علیہما السلام

والدہ: حمیدہ خاتون

کنیت: ابوالحسنؑ

لقب: کاظمؑ

ولادت: آپ ۱۲۸ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

شہادت: آپ نے ۱۸۳ھ کو زندان ہارون میں جام شہادت نوش کیا اور آپ کو بغداد کے مغربی کونے میں مقابر قریش میں دفن کیا گیا اور آج کل اسے مدینۃ الکاظمیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

آٹھواں امام: علی بن موسیٰ علیہما السلام

والدہ: خیزران

کنیت: ابوالحسن

لقب: رضاؑ

ولادت باسعادت: آپ ۱۵۳ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

شہادت: آپؑ نے ۲۰۳ھ ساغر شہادت پی کر ملک عدم ہوئے آپ کا

مدفن طوس میں واقع ہے۔

نواں امام: علیؑ بن موسیٰؑ علیہما السلام

والدہ: سکینہ

کنیت: ابوعبداللہ

لقب: جواد

ولادت باسعادت: آپ ۱۹۵ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

شہادت: آپؑ نے ۲۲۰ھ کو بغداد میں شہادت عظمیٰ پائی اور اپنے دادا کے پہلو میں مدینۃ الکاظمیہ میں دفن ہوئے۔

دسواں امام: علیؑ بن محمدؑ علیہما السلام

والدہ: سمانہ مغربیہ۔

کنیت: ابوالحسن العسکری

لقب: ہادی

ولادت باسعادت: آپ ۲۱۴ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

شہادت: آپ نے ۲۵۴ھ کو عراق کے شہر سامرا میں شہادت پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

گیارہویں امام: حسنؑ بن علیؑ علیہما السلام

والدہ: آپ کی والدہ ام ولد تھیں جنھیں سوسن کہا جاتا تھا۔

کنیت: ابومحمد

لقب: عسکری

ولادت باسعادت: آپ ۲۳۱ھ کو سامرا میں پیدا ہوئے۔

شہادت: آپ نے ۲۶۰ کو سامرا میں شہادت پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔

بقیع کے چار ائمہ کے علماء وہ باقی تمام آئمہ ہدیٰ کے عالی شان مزارات ہیں۔ بقیع میں بھی بنت رسول اور ان کی اولاد کے خوبصورت مزار تھے لیکن وہابیوں کے اقتدار کے ساتھ ہی بہت سی امہات المومنین اور صحابہ رسول کے ساتھ ساتھ ان کے مزارات بھی مسمار کر کے زمین بوس کر دیے۔

بارہواں امام: محمد بن حسن عسکری علیہما السلام

والدہ: آپ کی والدہ ایک ام ولد تھیں جن کا نام نرجس تھا اور بعض مورخین کے نزدیک ان کا نام صیقل تھا۔

کنیت: ابوعبداللہ' ابوالقاسم۔

لقب: قائم ' ' منتظر' خلف' مہدی صاحب الزمان۔

ولادت: آپ ۲۵۵ھ کو عراق کے شہر سامرا میں پیدا ہوئے اور آپ آخری امام ہیں اور اللہ کے حکم سے زندہ ہیں اور اس وقت پردہ غیبت میں ہیں جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو گا تو آپ ظہور فرمائیں گے اور اسلام کی عادلانہ و منصفانہ حکومت قائم کریں گے۔

ایک ضروری تنبیہ

بارہ آئمہ کی نصوص کے ضمن میں ہم پیغمبر اکرم کے یہ فرمان نقل کر چکے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

یمضی منهم اثنا عشر خلیفة کلهم من قریش ثم یکون المرح والهرج.

''میری امت میں بارہ امام گزریں گے وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے پھر افراتفری پھیل جائے گی۔''

ایک اور حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں:

من یزال هذا الذین قائما الی اثنی عشر من قریش فاذا

هلکوا ماجت الارض باهلها.

"یہ دین قریش کے بارہ خلفاء تک ہرگز زائل نہ ہوگا اور جب وہ رخصت ہو جائیں گے تو زمین اپنے اہل سمیت تباہ و برباد ہو جائے گی۔"

ان احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دنیا بارہویں امام تک قائم ہے اور جب بارہویں امام دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو یہ دھرتی تباہ و برباد ہو جائے گی۔ اسی لیے اللہ تعالٰی نے رسول خداؐ کے بارہویں جانشین کو طویل عمر دے کر پردہ غیبت میں چھپا دیا تاکہ دنیا اپنی طبعی عمر پوری کر سکے۔

بارہ آئمہ کی پیش گوئی پر مبنی احادیث آل رسول کے بارہ ائمہ کے علاوہ کسی پر بھی منطبق نہیں ہوتیں اور آنحضرتؐ کی مذکورہ احادیث انہی ائمہ ہدیٰ پر ہی صادق آتی ہیں۔

فصل چهارم

دونوں مکاتیبِ فکر میں بحث
امامت کا خلاصہ

- صدرِ اسلام میں خلافت کیسے قائم ہوئی؟
- مکتبِ خلافت کے نزدیک خلافت کیا ہے؟
- خلافت و امامت کے متعلق مکتبِ خلافت کی آراء پر تنقید
- حضرت علیؑ کے کلام سے استدلال
- خلیفہ خواہ فاسق و مجرم ہی ہو اس کی اطاعت واجب ہے اور اسے معزول کرنا جائز نہیں ہے؟
- مکتب اہل بیت کی نظر میں امامت کا مقام
- نبی اکرمؐ کے بارہ اوصیاء
- تیرہ صدیوں کی کوششیں

صدر اسلام میں خلافت کیسے قائم ہوئی؟

امامت و خلافت کے متعلق دونوں مکاتیبِ فکر کی آراء کا جائزہ لینے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم تاریخی واقعات کے تحت قیام خلافت پر ایک نظر ڈالیں۔

معاملات کی ابتداء

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیماری کے ایام میں اسامہ بن زید کی زیر سرکردگی ایک لشکر تشکیل دیا اور اس لشکر میں مہاجرین و انصار کی چیدہ چیدہ تمام شخصیات کو شامل فرمایا جن میں حضرت ابوبکر و عمر ابو عبیدہ اور سعد بن ابی وقاص خصوصی طور پر قابل ذکر تھے۔ اسامہ نے مقام جرف پر پڑاؤ ڈالا۔ بزرگ صحابہ نے اسامہ کی سپہ سالاری پر اعتراض کیا تو رسول خداؐ نے فرمایا کہ تمہارا اعتراض غلط ہے وہ سالاری کے قابل ہے۔ اس پر لوگ بوجھل قدموں کے ساتھ مقام جرف پر پہنچے۔ اسامہ آخری سلام کے لیے حاضر خدمت ہوئے تو رسول خداؐ نے بڑی تاکید سے فرمایا کہ اسامہ کے لشکر کو فی الفور روانہ کرو۔ ابھی یہ لشکر روانہ نہیں ہوا تھا کہ مدینہ سے یہ اطلاعات آنے لگیں کہ آنحضرتؐ کی طبیعت روز بروز خراب ہوتی جا رہی ہے۔ چنانچہ لشکر میں شامل اکثر افراد مدینہ واپس آئے اور جمعرات کے دن یہ لوگ رسول خداؐ کی عیادت کے لیے حجرہ میں آ کر بیٹھے کہ رسول خداؐ نے فرمایا میرے پاس

کاغذ و دوات لاؤ میں ایک نوشتہ تحریر کرنا چاہتا ہوں جس کی وجہ سے تم گمراہی سے بچ جاؤ گے۔

حضرت عمرؓ نے کہا: اس وقت نبی پر درد کا غلبہ ہے اور تمھارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے اور وہ ہمارے لیے کافی ہے۔ جب دربار نبوت میں شوروغل بڑھا تو رسول اکرمؐ نے فرمایا:

''میرے یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ نبی کے پاس جھگڑنا اچھا نہیں ہوتا۔''

ابن عباس انہی واقعات کو یاد کر کے رویا کرتے تھے اور کہتے تھے:

ان لوگوں نے نبی کے پاس جھگڑا کیا جب کہ نبی کے پاس جھگڑنا نامناسب تھا اور انھوں نے کہا تھا کہ رسول ہذیان بک رہے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

ابن عباس اس واقعہ کو یاد کر کے اتنا روتے تھے کہ ان کے آنسوؤں کی وجہ سے زمین پر پڑے ہوئے سنگریزے تر ہو جاتے تھے۔

وفات رسولؐ پر حضرت عمرؓ کا موقف

لوگوں کے تاخیری حربوں کی وجہ سے لشکرِ اسامہ روانہ نہ ہو سکا۔ آخر کار رسول خداؐ کی وفات ہو گئی۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ اپنی بیوی کے پاس مدینہ کے باہر سخ نامی ایک محلہ میں تھے۔

حضرت عمر نبی اکرمؐ کے مکان پر آئے اور لوگوں کو دھمکانے لگے اور کہا:

رسول خداؐ کی وفات نہیں ہوئی۔ آپ اپنے رب کے پاس گئے ہیں۔ جس طرح سے موسیٰ اپنی قوم سے چالیس دن کے لیے گئے تھے اور پھر واپس آ گئے تھے اسی طرح سے رسول خداؐ بھی کچھ دنوں کے لیے خدا کے پاس گئے ہیں اور وہ جلد واپس آ جائیں گے اور جو منافق یہ سمجھ رہے ہیں کہ آپ فوت ہو چکے ہیں آپ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے اور خبردار جس نے کہا کہ محمد کی وفات ہو چکی ہے تو میں اس کی گردن اپنی تلوار سے اُڑا دوں گا۔ لوگوں نے ان کے سامنے قرآن مجید کی یہ

آیت پڑھی:

(وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ)

''محمدؐ بس ایک رسول ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ طبعی موت مریں یا قتل ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟''

رسول خدا کے چچا حضرت عباسؓ نے کہا:

بے شک رسول خدا وفات پا چکے ہیں اگر تم میں سے کسی شخص کو رسول خدا نے یہ بتایا ہو کہ ان کی وفات نہیں ہوگی تو وہ آ کر ہمیں اس بات کی اطلاع دے۔

مگر ان باتوں کا حضرت عمرؓ پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ مسلسل اپنے منہ سے جھاگ اڑاتے رہے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ آئے اور انھوں نے (وما محمد الا رسول......) کی آیت پڑھی تو حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔

سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی

رسول خداؐ کے افراد خاندان آپ کو غسل دینے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ انصار نے سقیفہ میں اجتماع کیا اور سعد بن عبادہ جو کہ اس وقت بیمار تھے انھیں کھینچ کھانچ کر اجلاس میں لے آئے۔ اس نے انصار کی اسلامی خدمات بیان کیں اور انھیں ترغیب دی کہ حکومت و اقتدار پر قبضہ کر لو۔ انصار نے ان کی تجویز کو سراہا اور ان سے کہا ہم ہر معاملہ میں آپ کا ساتھ دیں گے اور ہم آپ کو ہی اپنا خلیفہ بنائیں گے۔ حضرت عمرؓ کو اس کارروائی کی اطلاع ملی تو انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کو بلایا اور وہ ابو عبیدہ کو ساتھ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ آئے جہاں پہلے سے انصار کا اجتماع ہو رہا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس اجلاس میں مہاجرین کی اسلامی خدمات بیان کیں اور پھر

انصار سے کہا: ہم رسول خدا کے رشتہ دار اور ان کے اہل خاندان ہیں اور ہم ہی اس اقتدار کے زیادہ حقدار ہیں اور جو ہم سے جھگڑا کرے گا وہ ظالم ہو گا۔

حباب بن منذر نے کہا:

اے گروہ انصار! تم لوگ اپنی بات پر قائم رہو۔ یہ لوگ تمہاری زیر سرپرستی زندگی بسر کر رہے ہیں اور کسی شخص کو تمہاری مخالفت کی جرأت نہیں ہے اور اگر یہ لوگ ہماری حکومت تسلیم نہ کریں تو پھر ہماری دوسری پیش کش یہ ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر ان میں سے ہو۔

حضرت عمرؓ نے کہا:

ایسا کرنا ناممکن ہے کیونکہ بیک وقت ایک نیام میں دو تلواریں جمع نہیں ہو سکتیں...... اور عرب اس بات پر ہرگز راضی نہ ہوں گے کہ ان کا نبی کسی اور خاندان سے ہو اور اس کا جانشین کسی دوسرے خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔

حباب اور حضرت عمرؓ میں کافی تند و تلخ جملوں کی تولکار ہوئی اور دونوں نے ایک دوسرے کو قتل کی دھمکیاں تک دیں۔ اتنے میں انصار میں سے کچھ افراد نے یہ کہا کہ اگر حکومت انصار کا حق نہیں ہے اور یہ صرف مہاجرین میں سے قریش کے لیے مخصوص ہے تو ہم حضرت علیؑ کی بیعت کر لیتے ہیں۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ جملے سنے تو انھیں اپنی تمام بازی الٹتی ہوئی نظر آئی انھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا آپ ہاتھ بڑھائیں میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ہاتھ بڑھایا تو حضرت عمرؓ سے بھی پہلے بشیر بن سعد انصاری نے بیعت کی پھر حضرت عمرؓ نے بیعت کی۔ اس پر حباب بن منذر نے چیخ کر کہا: تو نے اپنے ابن عم سے حسد کیا اور اس حسد نے تجھے اس بیعت پر مجبور کر دیا۔ عمر و ابو عبیدہ کی بیعت کے بعد قبیلہ اوس کے افراد نے کہا اگر حکومت قبیلہ خزرج میں ایک دفعہ چلی گئی تو وہ قبیلہ ہم پر ہمیشہ فخر کرتا رہے گا اسی لیے بہتر یہی ہے کہ خزرج کی بجائے مہاجرین کا ساتھ دیا جائے۔

چنانچہ انھوں نے بھی حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی اور لوگوں کا اس قدر انبوہ بیعت کے لیے ٹوٹ پڑا کہ سعد بن عبادہ کے کچلے جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ سعد کے ساتھیوں نے کہا: سعد کو مت کچلو۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اسے مار ڈالو' خدا اسے غارت کرے۔

بعد ازاں حضرت عمرؓ نے سعد کے سرہانے کھڑا ہو کر کہا: میں چاہتا تھا کہ تجھے کچل دوں اور تیرے بدن کے اعضا جدا جدا کر دوں۔ سعد کا بیٹا قیس یہ بات برداشت نہ کر سکا اور اس نے ان کی داڑھی پکڑ کر کہا۔ اگر سعد کا ایک بال بھی بیکا ہوا تو میں تیری نیستی باہر نکال دوں گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: اے عمر! نرمی سے کام لو یہاں کے حالات کے مطابق نرمی ہی بہتر ہے۔

یہ سن کر عمر خاموش ہو گئے۔

قبیلہ اسلم ایک صحرائی قبیلہ تھا۔ وہ مدینہ میں غلہ لینے کے لیے آیا تھا۔ جب انھیں پتہ چلا کہ سقیفہ میں حضرت ابوبکرؓ کی بیعت ہو چکی ہے تو وہ لوگ آئے اور انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ابوبکرؓ کے ساتھی انھیں اپنے ساتھ لے کر مسجد نبوی میں آئے اور حضرت ابوبکرؓ منبر پر بیٹھے اور وہ پورا دن بیعت لینے میں گزر گیا اور رسول خداؐ کی تدفین نہ ہو سکی یہاں تک کہ منگل کا دن بھی گزر گیا۔ بدھ کے دن یہ جماعت پھر مسجد میں آئی حضرت ابوبکرؓ ممبر پر بیٹھے اور حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ وفات رسول کے دن میں نے جو کچھ کہا تھا وہ اپنے جذبات اور شدت غم سے مغلوب ہو کر کہا تھا۔ میری باتوں کی بنیاد کتاب و سنت پر نہیں تھی۔ البتہ میں یہ سمجھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت' کے لیے اپنے نبی کو زندگی دے گا اور وہ آخر دم تک ہمارے ساتھ رہیں گے۔ اب جبکہ رسول خداؐ ہم سے جدا ہو گئے ہیں مگر ان کا دیا ہوا قرآن ہمارے پاس موجود ہے۔ لوگوں نے رسول خداؐ کے ساتھی پر اجماع کیا ہے لہٰذا میں باقی لوگوں سے بھی کہتا ہوں کہ وہ بھی اُٹھ کر ان کی بیعت کریں۔ اس کے بعد لوگوں نے ان کی بیعت کی اور اس بیعت میں وہ لوگ بھی

شامل تھے جنھوں نے سقیفہ میں ان کی بیعت کی تھی۔

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے خطبہ دیا اور کہا: لوگو! مجھے تمہارا حاکم مقرر کیا گیا ہے جبکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری مدد کرو اور اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو تم مجھے سیدھا کرو......

بدھ کے دن رسول خداؐ کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ مسلمان گروہ گروہ بن کر آئے اور حضور کا جنازہ پڑھتے رہے۔ عام مسلمان رسول خداؐ کی تدفین میں شامل نہیں ۔آپ کے اہل بیت نے آپ کو دفن کیا اور عجیب بات یہ ہے کہ شیخین رسول خداؐ کے غسل و کفن اور دفن میں شامل نہیں تھے۔ بی بی عائشہ کا بیان ہے:

ماعلمنا بدفن الرسول حتی سمعنا صوت المساحی فی جوف اللیل.

''ہمیں رسول خداؐ کی تدفین کا علم اس وقت ہوا جب رات کے وقت ہم نے بیلچوں کی آوازوں کو سنا۔''

مہاجرین و انصار اور بنی ہاشم کی ایک جماعت نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے انحراف کیا اور وہ حضرت علیؑ کی جانب مائل ہوئے اور وہ لوگ حضرت عباس کے پاس گئے تاکہ وہ حضرت علی کو اس طرف مائل کریں مگر حضرت عباس نے ان کی اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ بنی ہاشم اور مہاجرین و انصار کی ایک جماعت حضرت زہراء کے گھر میں بیٹھ گئی حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمر کو بھیجا کہ تم جا کر انھیں گھر سے نکال باہر کرو اور اگر وہ باہر نہ نکلیں تو ان سے جنگ کرو۔ حضرت عمرؓ آگ لے کر حضرت زہراء کے گھر کی طرف چل پڑے۔ جب دروازہ پر پہنچے تو حضرت زہراء نے کہا کیا تو ہمارا گھر جلانے کے لیے آیا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں اگر تم اس میں داخل نہ ہوئے جس میں امت داخل ہوئی ہے تو میں تمھارے گھر کو جلا کر خاکستر کر دوں گا۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو مرتے وقت اس چیز نے بے چین کیا تھا اور

انھوں نے کہا تھا کہ میں نے تین کام ایسے کیے کاش میں نے یہ نہ کیے ہوتے تو میرے لیے بہتر ہوتا۔ کاش میں فاطمہؑ کا گھر نہ کھولتا' اگر چہ وہ لوگ جنگ کے لیے اس کا دروازہ بند کرتے اور کاش میں نے الفجاء ۃ سلمی کو نہ جلایا ہوتا۔ اس کی بجائے اسے باندھ کر قتل کراتا یا اسے آزاد چھوڑ دیتا اور کاش سقیفہ کے دن میں نے امامت کا بوجھ نہ اُٹھایا ہوتا اور یہ بوجھ عمر یا ابو عبیدہ کے سر ڈال دیتا اور میں ان کا وزیر ہوتا۔

حضرت علیؑ نے لوگوں کی حمایت حاصل کرنے کی مقدور بھر کوشش کی اور آپ اپنی زوجہ کو ساتھ لے کر رات کے وقت انصار کے گھروں میں گئے اور انھیں اپنی نصرت کی دعوت دی۔ اس کے جواب میں انصار یہ کہتے ہیں کہ بنت پیغمبر! اگر علی ہمیں پہلے بلاتے تو ہم ضرور ان کی مدد کرتے لیکن اب ہم اس شخص کی بیعت کر چکے ہیں اب بھلا ہم کیا کر سکتے ہیں؟ حضرت علیؑ جواب میں کہتے تھے: کیا میں رسول خداؐ کے جنازہ کو بے گور و کفن چھوڑ حکومت کے جھگڑوں میں ملوث ہو جاتا؟

حضرت زہراؑ فرماتی تھیں۔ ابوالحسنؑ نے وہی کچھ کیا جو انھیں کرنا چاہیے تھا اور جو کچھ لوگوں نے کیا ہے اس کا حساب ان سے خدا لے گا۔ معاویہ اسی بات کے حضرت علی کو طعنے دیا کرتا تھا اور کہتا تھا:

مجھے تیرا کل کا دن اچھی طرح سے یاد ہے جب تو اپنی زوجہ کو گدھے پر سوار کر کے اپنے بیٹوں کا ہاتھ پکڑ کر تمام اہل بدر و فضیلت کے پاس گیا تھا اور تو نے ان لوگوں کو اپنی دعوت دی تھی اور تو نے ان سے رسول خداؐ کے ساتھی کے خلاف مدد طلب کی تھی...... مگر چار یا پانچ افراد کے علاوہ کسی نے تیری دعوت کو قبول نہیں کیا تھا اور اگر میں یہ تمام باتیں بھول بھی جاؤں تو مجھے یہ بات کبھی نہیں بھولے گی جب ابوسفیان نے تجھے تحریک و ترغیب کی تھی تو تو نے اس سے کہا تھا کہ اگر پختہ ارادہ رکھنے والے چالیس افراد بھی مجھے مل جاتے تو میں ان سے ضرور جنگ کرتا۔

صحیح بخاری میں بنت پیغمبر کا مطالبہ میراث فدک مذکور ہے۔ اس کے بعد امام بخاری نے بی بی عائشہ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: بی بی فاطمہؑ نے ابوبکر سے تعلق ختم کر دیا اور اس سے کلام کرنا چھوڑ دیا اور چھ ماہ بعد بی بی زہراءؑ کی وفات ہوئی۔ بی بی کے خاوند علیؑ نے رات کے وقت انھیں دفن کیا اور ابوبکرؓ کو اطلاع تک نہ دی۔ فاطمہؑ کی زندگی میں لوگ علیؑ کا احترام کرتے تھے۔ بی بی کی وفات کے بعد لوگوں نے اپنے چہرے علی سے پھیر لیے۔ ان چھ ماہ کے دوران علیؑ اور ان کے علاوہ کسی بھی ہاشمی نے ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی تھی۔ جب علیؑ نے دیکھا کہ لوگ ان سے منحرف ہو چکے ہیں تو انھوں نے مجبور ہو کر ابوبکر سے مصالحت کر لی۔ بلاذری کہتے ہیں جب تک علیؑ نے بیعت نہ کی اس وقت تک کوئی شخص دشمن سے جنگ کرنے کے لیے نہیں گیا۔

حضرت علیؑ کے علاوہ فروہ بن عمروؓ خالدؓ ابان اور عمر نے جو کہ سعید اموی کے بیٹے تھے نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی تھی۔ جب بنی ہاشم نے بیعت کی تو اس کے بعد انھوں نے بھی بیعت کی۔ سعد بن عبادہ نے بھی بیعت نہیں کی تھی۔ ارباب حکومت نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ہر قیمت پر اس سے بیعت لی جائے مگر انصار نے انھیں ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا وہ قتل ہونا پسند کرے گا لیکن تمہاری بیعت نہیں کرے گا اور وہ اکیلا بھی قتل نہ ہوگا بلکہ اس کے ساتھ اس کی اولاد اور تمام رشتہ دار بھی قتل ہوں گے۔

انصار کی یہ بات سن کر سعد بن عبادہ سے جبری بیعت کا ارادہ ترک کر دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں انھیں دیکھ کر کہا تھا: جسے ہمسایہ اچھا نہ لگتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس جگہ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ چلا جائے۔ سعد بن عبادہ نے مدینہ کو خیر باد کہا اور شام چلے گئے۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو بھیجا اور اس سے کہا کہ تم سعد سے بیعت کا مطالبہ کرو اگر وہ بیعت کر لے تو بہتر اور اگر انکار

کرے تو خدا کا نام لے کر اس کا کام تمام کر دو۔ وہ شخص ملک شام گیا۔ حلب کے قریب حوارین کے مقام پر اس نے سعد سے ملاقات کی اور اسے بیعت کی دعوت دی۔ سعد نے انکار کیا اس وقت تو وہ شخص اُٹھ کر چلا گیا مگر رات کے وقت اس نے تیر مار کر سعد کا کام تمام کر دیا۔ بعدازاں یہ بات مشہور کر دی گئی کہ سعد کو جنات نے تیر مارے تھے اور جنات کی زبانی اس مفہوم کے شعر بھی تخلیق کر لیے گئے۔

بیعتِ عمر

حضرت ابوبکرؓ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں عثمان کو طلب کیا اور اس سے کہا تم میری وصیت لکھو اور وصیت میں یہ الفاظ لکھو: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ عہد ہے جسے ابوبکرؓ بن ابی قحافہ نے مسلمانوں کے لیے تحریر کیا ہے۔ امابعد! یہ الفاظ لکھا کر حضرت ابوبکرؓ بے ہوش ہو گئے۔ ان کی بے ہوشی کے دوران حضرت عثمانؓ نے یہ الفاظ تحریر کیے: میں عمر بن الخطاب کو تم پر خلیفہ بنا رہا ہوں اور میں نے اس ذریعہ سے تمہاری خیر خواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

جب انہیں ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ نے انہیں وہ تحریر سنائی۔ تحریر سن کر حضرت ابوبکرؓ نے اس کی توثیق کر دی۔ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کی لکھی ہوئی وصیت لے کر مسجد نبوی میں آئے اور کہا: اے لوگو! رسول خداؐ کے خلیفہ کی بات سنو اور اطاعت کرو کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے تمہاری خیر خواہی کے لیے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس کے بعد لوگوں نے عمرؓ کی بیعت کی۔

شوریٰ اور بیعتِ عثمان

ابولؤلو فیروز کے وار سے حضرت عمر شدید زخمی ہوئے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ کسی کو اپنا جانشین نامزد کریں۔ انہوں نے کہا اگر آج سالم یا ابوعبیدہ میں سے کوئی زندہ ہوتا تو میں اسے اپنا جانشین نامزد کرتا۔

پھر انہوں نے قریش کے چھ افراد کی ایک شوریٰ تشکیل دی اور اس کے ساتھ انہوں نے ابوطلحہ زید بن سہل انصاری کو پچاس افراد کے دستہ کا انچارج مقرر کیا۔ اور کہا اگر یہ افراد تین دن تک کسی کو خلیفہ مقرر نہ کرسکیں تو انھیں قتل کر دینا اور اگر وہ کسی کو خلیفہ بنا دیں اور کوئی اس کی خلافت کو تسلیم نہ کرے تو مخالفت کرنے والے فرد کو بے دریغ قتل کر دینا اور اس کے ساتھ انہوں نے صہیب کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہیں۔

اور مجلس شوریٰ کی کاروائی کچھ اس طرح سے مقرر کی کہ اگر تین افراد ایک طرف ہوں اور تین دوسری طرف ہوں تو خلیفہ وہی بنے گا جس کی حمایت عبدالرحمٰن بن عوف کرے گا اور جس کی عبدالرحمٰن بیعت کرے گا تو باقی افراد کے لیے بھی اس کی بیعت ضروری ہو گی اور جو اس سے انکار کرے اس کی گردن جدا کر دی جائے۔ شوریٰ کا طریق کار وضع کرنے کے بعد حضرت عمرؓ کی وفات ہو گئی۔ اس کے بعد شوریٰ کی کارروائی شروع ہوئی تو عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں اور سعد اپنے آپ کو اس شرط پر باہر نکالتے ہیں کہ تم مجھے اپنے میں سے ایک فرد کے انتخاب کا حق دے دو۔ حضرت علیؑ کے علاوہ باقی تمام افراد نے اس کی تائید کی جب حضرت علیؑ پر اس شرط کو قبول کرنے کے لیے دباؤ ڈالا گیا تو آپ نے فرمایا میں عبدالرحمٰن کے اس کردار کو اس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ پہلے وہ قسم کھائے کہ وہ اپنی خواہشات کی وجہ سے کسی کی طرف نہیں جھکے گا اور یہ کہ وہ حق کو ترجیح دے گا اور اپنی کسی رشتہ داری کو درمیان میں نہیں لائے گا۔ عبدالرحمٰن نے قسم کھا کر اس کا اقرار کیا تو حضرت علیؑ نے فرمایا: اب منصف مزاج بن کر کسی کا انتخاب کرو۔ اس کے بعد مسجد نبوی میں ان افراد کا اجتماع ہوا۔ عبدالرحمٰن نے حضرت علیؑ کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور میری شرط یہ ہے کہ آپ کتاب اللہ اور سنت رسول اور سیرت شیخین پر عمل کریں گے۔

حضرت علیؑ نے جواب میں کہا۔ میں مقدور بھر کتاب اللہ اور سنت رسول پر عمل کروں گا۔ اس کے بعد اس نے حضرت عثمان کی طرف ہاتھ بڑھا کر اپنی یہی شرائط پیش کیں۔ حضرت عثمان نے اس کی تمام شرائط کو قبول کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد عبدالرحمن نے حضرت علی سے تین بار اپنی شرائط کا تذکرہ کیا اور ہر بار حضرت علیؑ نے یہی کہا کہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول پر عمل کروں گا۔ پھر اس نے تین بار حضرت عثمان کے سامنے اپنی شرائط دہرائی۔ ہر بار حضرت عثمان نے ان تمام شرائط کو قبول کیا۔ اس کے نتیجہ میں عبدالرحمن نے حضرت عثمان کی بیعت کی۔ عبدالرحمن کا یہ طرز عمل دیکھ کر حضرت نے فرمایا:

ہمارے خلاف تمہارے اکٹھا کرنے کا یہ پہلا دن نہیں ہے۔ اب میں صبر اختیار کرتا ہوں اور میں اس کے لیے اللہ سے مدد طلب کرتا ہوں۔ خدا کی قسم میں جانتا ہوں تو نے عثمان کو اقتدار اس لیے سپرد کیا ہے تاکہ کل وہ یہی اقتدار تیرے سپرد کرے۔ مگر یہ یاد رکھو خدا کے اپنے ہی فیصلے ہوتے ہیں۔

اصحاب شوریٰ نے حضرت عثمانؓ کی بیعت کی۔ حضرت علیؑ ناراض ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ عبدالرحمن نے کہا: اگر تو نے بیعت نہ کی تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اس کے ساتھ باقی اصحاب شوریٰ نے بھی آپ کو یہی دھمکی دی۔ آخر کار مجبور ہو کر آپ کو بیعت کرنا پڑی۔

حضرت علیؑ کی بیعت

حضرت عثمان کے قتل کے بعد جب مسلمان تمام سابقہ بیعتوں سے آزاد ہو گئے۔ تو انہوں نے حضرت علیؑ کی خلافت کا نعرہ بلند کیا۔ طلحہ و زبیر سمیت تمام مہاجرین و انصار حضرت کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں آپ نے فرمایا: اس مرحلہ پر مجھے تمہاری بیعت کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم جس کا انتخاب کرو گے میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ صحابہ نے کہا: ہم آپ کے علاوہ کسی اور کا

انتخاب نہیں کرنا چاہتے۔ اس وقت آپ ہی مسلمانوں کی کشتی کو اس گرداب سے بچا سکتے ہیں مگر حضرت علیؑ نے ان کی اس پیش کش کو مسترد کر دیا اور یوں کئی بار لوگ آپ کے پاس آئے اور مایوس ہو کر واپس پلٹتے رہے۔ آخر میں تمام صحابہ کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے درخواست کی کہ حکومت کے بغیر لوگوں کی اصلاح ناممکن ہے۔ اب کافی وقت گزر چکا ہے۔ ہم آپ کو خلیفہ بنائے بغیر یہاں سے ہرگز نہیں جائیں گے۔

آپ نے فرمایا:

''اگر ایسا ہی ہے تو پھر میری بیعت مسجد کے آزادانہ ماحول میں ہو گی۔ میری بیعت خفیہ نہ ہو گی اور مسلمانوں کی باہمی رضا مندی کے بغیر میں یہ منصب قبول نہیں کروں گا۔''

لوگ بہت بڑی تعداد میں مسجد میں آئے اور سب سے پہلے طلحہ نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور پھر باقی مہاجرین و انصار نے آپ کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ [1]

۱؎ اقتباس از شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید طبع اوّل ۱/۲۴۰۔۲۴۱۔ تحقیق ابوالفضل ابراہیم ۴/۸۔۹۔

امر خلافت کے متعلق مکتب خلفاء کا نظریہ

چاروں خلافتوں کے مختصر تاریخی جائزہ کے بعد اب ہم مکتب خلفاء کی طرف سے امر خلافت کا جائزہ لیتے ہیں اور اس سلسلہ میں ان کی آراء کو نقل کرتے ہیں۔

ا۔ حضرت ابوبکرؓ نے سقیفہ کی تقریر میں کہا:

''امر خلافت کے حامل ہیں اور میں تمہارے سامنے عمر اور ابو عبیدہ کو پیش کرتا ہوں تم ان میں سے جس کی بھی چاہو بیعت کر لو۔'' (صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب رجم الحبلیٰ م/۱۲۰)

حضرت ابوبکرؓ نے سقیفہ کی تقریر میں کہا: مہاجرین رسول خدا کے وارث اور ان کے اہل خاندان ہیں اور آنحضرتؐ کی خلافت کے وہی حقدار ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کے اس حق میں سوائے ظالم کے اور کوئی ان سے تنازع نہیں کرے گا۔

(تاریخ طبری طبع یورپ ا/۱۸۴۰)

(۲) حضرت عمر نے سقیفہ میں انصار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: خدا کی قسم! عرب ہرگز اس بات کو نہیں مانیں گے کہ تم ان پر حکومت کرو جب کہ ان کے نبی تمہارے علاوہ دوسرے قبیلہ کے ہوں۔ ہاں عربوں کو اس قبیلے کی حکومت تسلیم کرنے میں تامل نہ ہو گا جس میں نبوت تھی اور اس میں سے ان کے امیر ہونے چاہئیں اور اس شکل میں اگر کوئی عرب ان کی امارت ماننے سے انکار کرے گا تو اس کے مقابلے میں ہمارے پاس کھلی ہوئی دلیل اور واضح حق ہو گا۔ محمد کی حکومت اور امارت میں

کون ہم سے تنازع کر سکتا ہے کیونکہ ہم ان کے وارث اور ان کے اہل خاندان ہیں اور ہماری مخالفت صرف وہی کرے گا جو گمراہ' گناہگار ہو گا یا وہ ہماری مخالفت کرے گا جو ورطۂ ہلاکت میں گرفتار ہو گا۔ حضرت عمرؓ کو مکہ میں معلوم ہوا کہ ایک شخص یہ کہہ رہا ہے کہ جب امیرالمومنین مریں گے تو میں فلاں کی بیعت کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے وہاں سے مدینہ آ کر اپنا پالیسی بیان جاری کیا اور کہا: جو شخص مسلمانوں سے مشورہ کیے بغیر کسی کی بیعت کرے تو بیعت کرنے والے اور بیعت لینے والے دونوں افراد کو قتل کر دیا جائے۔ (صحیح بخاری باب رجم الحبلیٰ ۴/۱۲۰)

جب زخمی ہوئے اور چھ افراد کی شوریٰ تشکیل دے چکے انہوں نے کہا تھا: اگر آج سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور ابو عبیدہ بن جراح میں سے کوئی بھی زندہ ہوتا تو میں خلافت اس کے سپرد کر کے مطمئن ہو جاتا۔ (طبقات ابن سعد طبع بیروت دار صادر ۳/۳۴۳)

اور انہوں نے یہ بھی کہا: اگر آج سالم زندہ ہوتا تو مجھے شوریٰ بنانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ (الاستیعاب' اسد الغابہ در حالات سالم مولیٰ ابی حذیفہ)

(۳) مکتب خلافت کے پیروکاروں کا نظریہ یہ ہے:

(الف) امام سابق کی نص سے خلافت منعقد ہوتی ہے جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ پر نص کی تھی اور اسے خلیفہ نامزد کیا تھا اور اس کے لیے صحابہ کی رضا مندی کے حصول کو ضروری نہیں سمجھا گیا تھا۔

(ب) اہل حل و عقد کسی کا انتخاب کریں تو بھی خلافت صحیح ہے۔ البتہ اہل حل و عقد کی تعداد کتنی ہونی چاہیے۔ مکتب خلافت کے کچھ علماء کہتے ہیں کہ پانچ افراد کی بیعت کافی ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکر کی بیعت بھی ابتداء میں پانچ افراد نے کی تھی اور حضرت عمرؓ نے بھی چھ رکنی شوریٰ تشکیل دی تھی جن میں سے ایک نے خلیفہ بننا تھا اور پانچ نے بیعت کرنی تھی۔ مکتب خلافت کے علماء کی اکثریت کا نظریہ یہ ہے کہ ایک فرد کی بیعت سے بھی خلافت کا

انعقاد صحیح ہے کیونکہ حضرت عباس نے حضرت علیؑ سے کہا تھا: آپ ہاتھ دراز کریں تو میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ اس انعقاد کے صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عباس حکم تھے اور ایک حاکم کا حکم بھی نافذ العمل ہوتا ہے۔

(ج) جو شخص تلوار کے ذریعہ سے حکومت پر غلبہ حاصل کرے اور اپنے آپ کو امیرالمومنین کے لقب سے ملقب کرے تو بھی اس کی خلافت درست ہے اور خدا و رسولؐ و آخرت پر ایمان رکھنے والے کسی بھی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ایک رات اس حالت میں بسر کرے کہ اسے امام نہ جانتا ہو۔ امیر المومنین کے لیے نیک و بد کی کوئی شرط نہیں ہے۔(حوالہ کے لیے مکتب خلافت میں بحث امامت کے باب کی طرف رجوع فرمائیں)

مکتبِ خلافت کے علماء نے رسولِ خدا سے اس سلسلہ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

تسمع و تطیع الامیر و ان ضرب ظهرک واخذ مالک.

"تجھے امیر کا فرمان سننا چاہیے اور اطاعت کرنی چاہیے اگرچہ وہ تیری پشت پر تازیانے مارے اور تیرا مال تجھ سے ناحق چھین لے۔"

(د) خلیفہ کو فسق و ظلم سے معزول نہیں کیا جا سکتا اور اس کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں ہے البتہ احادیث میں مذکور ہے کہ اسے وعظ و نصیحت کی جائے۔ مسئلہ خلافت کے متعلق مکتب خلافت کی آراء کا یہ جامع خلاصہ تھا اور تنقید و تبصرہ سے قبل ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم ایک بار اس بحث کی اصطلاحات کی دوبارہ تعریف کریں تا کہ اس کے بعد مذکورہ آراء کا تحلیل و تجزیہ کیا جا سکے۔

باردگر چند اصطلاحات کی تعریف

(۱) شوریٰ

''اَلتَشَاوُرٌ اور اَلمُشَاوَرَةٌ'' کا مفہوم یہ ہے کہ ایک دوسرے سے صلاح کر کے رائے معلوم کی جائے اور قرآن مجید میں بھی یہ لفظ اسی مفہوم کے لیے استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

''وَاَمرُهُم شُورٰى بَينَهُم''

''یعنی وہ اپنے امور میں مشورہ کرتے ہیں۔''

چنانچہ یہ لفظ اصطلاح شرعی نہیں ہے۔''

(۲) بیعت

ا۔ عربی لغت میں بیعت کا لفظ بیع سے بنا ہے اور بیعت کے معنی ہیں خرید و فروخت کی تکمیل پر دوکاندار اور گاہک کا ایک دوسرے سے ہاتھ ملانا۔

اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ باہمی معاہدے مختلف طریقوں سے کرتے تھے کبھی ایک برتن میں خوشبو رکھ دیتے' اور معاہدہ کرنے والے افراد اس میں ہاتھ ڈبو کر اپنے معاہدہ کی پابندی کا اعلان کرتے 'اور کبھی کسی برتن میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈبو کر اپنے حلیف ہونے کا اظہار کرتے تھے۔

(۲) اسلام میں بیعت وفاداری کے اظہار کے لیے کی جاتی تھی اور ایک شخص اپنی وفاداری کے اظہار کے لیے دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہے اور یوں معاہدہ کی پابندی کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ قرآن مجید میں بیعت رضوان کا تذکرہ ان الفاظ سے کیا گیا ہے:

(اِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوقَ اَيدِيهِم) (الفتح: ۱۰)

باردگر چند اصطلاحات کی تعریف

(۱) شوریٰ

''التَشَاوُرْ اور المُشَاوَرَةُ'' کا مفہوم یہ ہے کہ ایک دوسرے سے صلاح کر کے رائے معلوم کی جائے اور قرآن مجید میں بھی یہ لفظ اسی مفہوم کے لیے استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

''وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ''

''یعنی وہ اپنے امور میں مشورہ کرتے ہیں۔''

چنانچہ یہ لفظ اصطلاح شرعی نہیں ہے۔''

(۲) بیعت

ا۔ عربی لغت میں بیعت کا لفظ بیع سے بنا ہے اور بیعت کے معنی ہیں خرید و فروخت کی تکمیل پر دوکاندار اور گاہک کا ایک دوسرے سے ہاتھ ملانا۔

اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ باہمی معاہدے مختلف طریقوں سے کرتے تھے کبھی ایک برتن میں خوشبو رکھ دیتے' اور معاہدہ کرنے والے افراد اس میں ہاتھ ڈبو کر اپنے معاہدہ کی پابندی کا اعلان کرتے' اور کبھی کسی برتن میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈبو کر اپنے حلیف ہونے کا اظہار کرتے تھے۔

(۲) اسلام میں بیعت وفاداری کے اظہار کے لیے کی جاتی تھی اور ایک شخص اپنی وفاداری کے اظہار کے لیے دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہے اور یوں معاہدہ کی پابندی کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ قرآن مجید میں بیعت رضوان کا تذکرہ ان الفاظ سے کیا گیا ہے:

(اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَکَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ) (الفتح: ۱۰)

''بے شک جن لوگوں نے آپ کی بیعت کی انہوں نے اللہ کی
بیعت کی۔ ان کے ہاتھوں پر خدا کا ہاتھ تھا۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے پہلی بیعت عقبہ اولیٰ کے پاس مکہ میں لی تھی وہ بیعت اسلام قبول کرنے کی بیعت تھی اور آپ نے دوسری بیعت بھی اسی مقام پر ایک سال بعد لی تھی وہ اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے تھی۔ چنانچہ پہلی بیعت کو بیعت نساء کہا گیا کیونکہ اس میں کسی جنگ کا معاہدہ شامل نہیں تھا۔

مکہ کی ان دو بیعتوں کے بعد آپؐ نے مقام حدیبیہ پر لوگوں سے ایک درخت کے نیچے بیعت لی تھی اور اس بیعت کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ آپ عمرہ کے لیے مکہ جانا چاہتے تھے اور اہل مکہ کی طرف سے جنگ کرنے کی دھمکیاں موصول ہونے لگی تھیں۔ ان معروضی حالات کے تحت آپ نے صحابہ سے اس بات پر بیعت لی کہ جنگ کی صورت میں راہ فرار اختیار نہ کریں گے۔ اس بیعت کا یہ فائدہ ہوا کہ مشرکین مکہ ڈر گئے اور انہوں نے جنگ کی بجائے مذاکرات کو ترجیح دی جس کے نتیجہ میں صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے پایا۔

رسول خداؐ نابالغ افراد سے بیعت نہیں لیتے تھے۔ سنت رسول کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کے تین عناصر ہیں۔

(۱) بیعت کرنے والا۔ (۲) بیعت لینے والا۔
(۳) وہ امر جس کے لیے بیعت لی گئی۔

بیعت سے قبل لوگوں کو اس امر کی اطلاع دی جاتی ہے کہ کس کام کے سلسلہ ان کی بیعت مطلوب ہے اور جب وہ سوچ سمجھ لیں اور معاہدہ کرنا چاہیں تو وہ بیعت لینے والے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اس سے پاسداری کا اقرار کرتے ہیں اور اس عمل کو اسلامی اصطلاح میں بیعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بیعت کے لیے چند

شرائط ضروری ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) بیعت اس سے لی جائے جو بیعت کرنے کے قابل ہو اسی لیے بچے اور پاگل کی بیعت درست نہیں ہے کیونکہ وہ غیر مکلّف ہیں اور بیعت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ برضا و رغبت سے لی جائے کیونکہ بیعت بھی بیع کی طرح سے ہے جس طرح کسی شخص سے زبردستی رقم وصول کرنا ناجائز ہے اسی طرح سے کسی بھی شخص سے بزور شمشیر بیعت لینا بھی ناجائز ہے۔

(۲) کسی بھی ایسے شخص کی بیعت ناجائز ہے جو کھل کر احکام خداوندی کی نافرمانی کرتا ہو کیونکہ رسول خدا کا ارشاد ہے:

لاطاعة لمن عصى اللّٰه تبارک و تعالیٰ

''جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اس کے لیے کوئی اطاعت نہیں ہے۔''

(۳) جن امور سے خدا و رسولؐ نے منع کیا ہے ایسے امور کی انجام دہی کے لیے بیعت ناجائز ہے کیونکہ رسول خدا کا فرمان ہے:

فاذا امر بمعصية فلا سمع و لاطاعة.

''جب امیر خدا کی نافرمانی کا حکم دے تو سمع و طاعت ضروری نہیں ہے۔''

(۳'۴) خلیفہ و امیر المومنین

لغت عرب میں خلافت نیابت کے معنی میں مستعمل ہوتی ہے اور خلیفہ کسی کے جانشین اور قائم مقام کو کہا جاتا ہے اور قرآن مجید کی اس آیت میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے:

وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ. (الاعراف: ۶۹)

''اور یاد کرو جب اس نے تمہیں قوم نوحؑ کے بعد جانشین بنایا۔''

اور رسول خداؐ کی اس حدیث میں بھی لفظ خلیفہ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

اللھم ارحم خلفائی:

"خدایا میرے جانشینوں پر رحم فرما"

پھر آپ نے اپنے جانشین افراد کا تعارف ان الفاظ سے کرایا:

الذین یاتون بعدی و یروون حدیثی و سنتی.

"جو میرے بعد آئیں گے اور میری حدیث اور سنت کو بیان کریں گے۔"

قرآن و حدیث میں لفظ خلیفہ رسولؐ خدا کے جانشین کے لیے استعمال نہیں ہوا بلکہ یہ ﷺ اور عام مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر کو خلیفۃ خلیفۃ الرسول کہہ کر کچھ عرصہ تک پکارا جاتا رہا۔ بعد ازاں کسی نے انہیں امیرالمومنین کہہ دیا تو انہوں نے اس لمبے چوڑے لقب کو ترک کر دیا۔ عباسی عہد تک مسلمانوں کے بادشاہ کو امیرالمومنین اور خلیفہ کہہ کر پکارا جاتا تھا اور بعض اوقات انہیں "خلیفۃ اللہ" کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ عثمانی ترکوں کے عہد حکومت میں انہیں لفظ خلیفہ سے یاد کیا جاتا تھا اور یہ لفظ آج تک مسلمانوں میں اسی مفہوم کے تحت رائج اور متداول ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ خلیفہ مسلمانوں کی مخصوص اصطلاح نہیں ہے اور اسے اصطلاح شرعی بھی نہیں کہا جا سکتا اور یہی حال لفظ امیرالمومنین کا ہے۔

(۵) امام

لغت میں امام مقتدا کو کہا جاتا ہے اور قرآن مجید میں بھی یہ لفظ پیشوا اور رہبر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ البتہ قرآن مجید میں اسے چند شرائط کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت ابراہیمؑ کو منصبِ امامت پر فائز کیا تو اس واقعہ کی ترجمانی قرآن مجید میں ان الفاظ سے کی گئی:

قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ. (البقرہ)

"اللہ نے کہا بالتحقیق میں تجھے لوگوں کا امام مقرر کرتا ہوں'
ابراہیم نے کہا اور میری نسل میں سے بھی امام مقرر کرنا' اللہ
نے کہا میرا عہدہ ظالموں کو نہیں ملے گا۔"

اس آیت مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امامت ایک خدائی عہدہ ہے اور یہ خدا کی طرف سے عطا ہوتا ہے اور امام کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کا تعلق نسل ابراہیم سے ہو اور پھر پوری نسل ابراہیم بھی منصب امامت کی اہلیت نہیں رکھتی۔ امام بننے کا استحقاق صرف اسی کو حاصل ہے جس کی زندگی ظلم سے پاک ہو۔ ظلم خواہ شرک و کفر کی صورت میں ہو یا اپنے نفس پر ظلم کی شکل میں ہو یا دوسروں پر کسی طرح کے ظلم کی شکل میں ہو۔ بہرحال امام کا ظلم سے پاک ہونا انتہائی ضروری ہے۔ لفظ امام ایک اصطلاح شرعی اور ایک اسلامی نام ہے۔

۲۔ امر اور اولوالامر

لغت عرب' عرف مسلمین اور نصوص اسلامیہ میں امر لوگوں پر حکومت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لفظ اولوالامر کو ہم ایک اسلامی اصطلاح قرار دے سکتے ہیں کیونکہ یہ لفظ قرآن مجید میں حاکم مسلمین کے معانی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء: ۵۹)

"ایمان والو: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور جو تم میں سے
صاحبان امر ہوں' ان کی اطاعت کرو۔"

اولی الامر کی تشخیص و تعیین کے متعلق دونوں مکاتب فکر کے نظریات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مکتب آل محمد کا نظریہ یہ ہے کہ رسولؐ کے بعد تعیین امام کا حق

صرف خدا کو حاصل ہے خدا جسے چاہے امت کا امام اور اولی الامر مقرر کر دے اور خدا کی طرف سے تقرر کی خبر رسولؐ خدا دیں گے۔ اس کے برعکس مکتب خلفاء کا نظریہ یہ ہے کہ ہر صاحب اقتدار امامؑ خلیفہ اور اولی الامر ہے۔ خواہ اس کا تقرر بیعت سے ہو یا وہ فوجی قوت کی وجہ سے اقتدار میں آیا ہو۔ بہر نوع جو کسی بھی طریقہ سے اقتدار کی مسند پر فائز ہو جائے اس کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب ہو جائے گی۔

اس مکتب کے پیروکاروں نے لفظ خلیفہ کو اس قدر عام کیا کہ یزید بن معاویہ جیسا خبیث جس نے ذریت رسول کو قتل کیا اور جس نے خاندان پیغمبر کو قید کر کے شہر بہ شہر پھرایا اور جس نے مدینہ منورہ کو تباہ کیا اور جس کے حکم کے تحت ہزاروں خواتین کی عصمت دری کی گئی اور جس نے کعبہ پر منجنیق سے سنگ باری کرائی ایسا لعین بھی آج تک خلیفہ اور امیرالمومنین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور آج بھی اس کے دفاع میں کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔

(۷) وصی اور وصی نبی

کتاب وسنت میں وصی کا تصور موجود ہے اور وصی وہ ہے جسے کوئی شخص یہ وصیت کر جائے کہ وہ میرے بعد میرے فلاں فلاں کام سر انجام دے اور وصیت کرنے والا اپنے وصی کا تقرر حسب ذیل الفاظ سے کر سکتا ہے۔ مثلاً وہ یہ کہہ سکتا ہے:

اوصیک ان تفعل کذا و کذا من بعدی۔

''میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد یہ کام سرانجام دینا۔''

اس طرح سے کوئی شخص بھی اس طرح کے الفاظ سے کسی کو بھی اپنا وصی بنا سکتا ہے

اعهد الیک ان تفعل کذا و کذا من بعدی.

''میں تیرے ذمہ لگاتا ہوں کہ تو میرے بعد یہ یہ کام بجا لانا۔''

وصیت کرنے والا شخص لوگوں کو اپنے وصی کے تقرر سے اس طرح کے الفاظ سے باخبر کرسکتا ہے۔

فلان وصی من بعدی.

''میرے بعد فلاں میرا وصی ہے۔''

یا کوئی اس طرح کے الفاظ کہے تو بھی صحیح ہے۔

فلان یقوم بعدی بعمل کذا و کذا.

''فلاں شخص میرے بعد میرے فلاں فلاں کام کرے گا۔''

الغرض اس طرح کے الفاظ سے وصی کا اعلان صحیح ہے۔

اس مفہوم کے تحت وصی نبی اس انسان کو کہا جاتا ہے جسے نبی نے اپنے بعد امر شریعت اور امت کے امور کی نگہداشت کا حکم دیا ہو۔
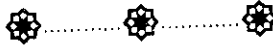
خلافت و امامت کے متعلق
مکتب خلافت کی آراء کا تنقیدی جائزہ

(ا) شوریٰ

انعقاد خلافت کے لیے حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے شوریٰ کو متعارف کرایا اور اس کے لیے انہوں نے کتاب و سنت کی کوئی دلیل پیش نہیں کی تھی۔ انہوں نے صرف اپنے اجتہاد پر انحصار کیا تھا۔ لہٰذا جس شخص کی نظر میں سیرت صحابہ اور اقوال صحابہ قرآن و حدیث کی طرح معتبر ہوں تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان کی شوریٰ کو دین کا حصہ سمجھ سکتا ہے۔ لیکن ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ شوریٰ کی تشکیل سنت ابوبکر کی عملی نفی ہے اور اگر شوریٰ کو دین کا حصہ سمجھ لیا جائے تو حضرت عمر کی اپنی خلافت ہی مشکوک ہو جائے گی کیونکہ حضرت عمرؓ نے خود اپنی زبانی یہ اقرار کیا تھا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت مسلمانوں کی رضا اور مشورہ سے منعقد نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ اچانک قائم ہوئی تھی جس کے شر سے اللہ نے مسلمانوں کو بچا لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت شوریٰ پر قائم نہیں تھی۔ اور خود حضرت عمر کی اپنی خلافت بھی شوریٰ کی اساس پر قائم نہیں تھی۔ ان کی خلافت حضرت ابوبکرؓ کی وصیت اور نامزدگی کی وجہ سے قائم ہوئی تھی۔

علاوہ ازیں اگر شوریٰ دین کا حصہ ہوتا تو حضرت عمرؓ شوریٰ کے وقت یہ کبھی نہ کہتے کہ اگر آج ابوحذیفہ کا آزاد کردہ غلام سالم زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ بناتا اور

اگر ابو عبیدہ بن جراح زندہ ہوتا تو میں اسے تمہارا خلیفہ مقرر کرتا۔ حضرت عمرؓ کا یہ قول شوریٰ کی نفی کرتا ہے اور اگر شوریٰ کو سنت عمر سمجھ کر دین کا حصہ بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ شوریٰ کی ہیئت کذائی کیسی ہونی چاہیے اور شوریٰ کے ارکان کی تعداد کتنی ہونی چاہیے؟ ہمیں اس سوال کا جواب بھی معلوم ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمیں یہ جواب دیا جائے گا کہ شوریٰ کے ارکان کی تعداد کم از کم چھ افراد پر ضرور مشتمل ہونی چاہیے۔ اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر ایک شخص عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے کو تمام افراد کی رائے پر فوقیت کیوں دی گئی۔ سب کی رائے کے وزن کو یکساں قرار کیوں نہیں دیا گیا اور فرد واحد کی رائے کو فیصلہ کن حیثیت دینے میں کیا راز مضمر تھا؟ اور اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے یہ فرمان بھی صادر کیا تھا کہ ارکان شوریٰ میں سے جو بھی عبدالرحمٰن کی رائے کی مخالفت کرے اسے بے دریغ قتل کر دیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ کیا صحابہ اور وہ بھی ممتاز صحابہ کا خون اس قدر ارزاں ہو چکا تھا کہ عبدالرحمٰن کی رائے تسلیم نہ کرنے سے وہ لائق گردن زدنی ہوئے اور اگر مزاج پر ناگوار نہ گزرے تو ہمیں یہ بھی بتایا جائے کہ ارکان شوریٰ میں سے وہ رکن کون سا تھا جس کے متعلق یہ اندیشہ تھا کہ یہ عبدالرحمٰن کی رائے کو تسلیم نہیں کرے گا؟ اور اس سلسلہ کا ہمارا آخری سوال یہ ہے کہ اگر سنت عمر کے تحت شوریٰ کی حیثیت ایک دینی رکن کی ہے تو ہمیں یہ بتایا جائے کہ اس شوریٰ پر پوری تاریخ خلافت میں کتنی مرتبہ عمل کیا گیا؟ مکتب خلافت کے پیروکار شوریٰ کے جواز کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ.

''وہ اپنے باہمی معاملات کو شوریٰ سے طے کرتے ہیں۔''

اس آیت مجیدہ کے متعلق ہمارا موقف یہ ہے کہ اس آیت سے باہمی

مشورہ کی بہتری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کے وجوب کا حکم نہیں دیا گیا۔ اگر یہ مشورہ واجب ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے وجوب کی آیت نازل فرماتا۔ مکتب خلافت کے پیروکار جواز شوریٰ کے لیے قرآن مجید کی (وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ) کی آیت بھی پیش کرتے ہیں۔ اس آیت کا زیادہ سے زیادہ مفہوم یہی ہے کہ اللہ نے اپنے حبیب کو حکم دیا کہ وہ جنگ کے لیے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا کریں تاکہوہ احساس کمتری کا شکار ہوں تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ نہ ہی ان سے کوئی مشورہ لیا جاتا ہے نہ ہی ان کی رائے کو کوئی اہمیت دی جاتی ہے۔ اس حکم کے باوجود بھی اللہ نے اپنے حبیب کو صحابہ کے مشورہ کی پابندی کا حکم نہیں دیا اور فرمایا (فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ) جب آپ مصمم ارادہ کر لیں تو پھر اللہ پر بھروسہ کریں۔ قرآن مجید کی یہ آیت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام کی ہر ایک مہم عزم رسول کی مرہون منت تھی۔ ویسے بھی مشورہ کا اصول یہ ہے کہ تھوڑی عقل اور تجربہ والا شخص جب کسی کام کے متعلق مذبذب ہوتو وہ اپنے سے زیادہ عقل و تجربہ رکھنے والے شخص سے مشورہ کرتا ہے جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خداوند عالم نے عقل وافر سے نوازا ہوا تھا اور حضور کا کوئی بھی صحابی آپ سے زیادہ عقیل و ذہین نہیں تھا تو پھر حبیب خدا ان کے مشورہ کے محتاج کیسے ہو سکتے تھے؟

بس اصل بات یہی تھی کہ آپ نے مشورہ صرف اس لیے لیا تاکہ صحابہ یہ نہ سمجھیں کہ ہمیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ آپ نے ان سے مشورہ کر کے ان کی تالیف قلب فرمائی تھی اور یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ مشورہ احکام اسلام کے نفاذ کے لیے کیا گیا حکم شرعی کے استنباط کے لیے نہیں کیا گیا۔ حکم شرعی کے لیے خدا و رسول کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے اس میں کسی مؤمن کو چوں چراں کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ

يَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا. (الاحزاب ۳۶)

''نہ کسی ایمان دار مرد کو مناسب ہے اور نہ کسی ایمان دار عورت کو یہ مناسب ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ کر دیں تو ان کو اپنے امر کا اختیار ہو اور جس نے خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی تو وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا ہو چکا۔''

مشورہ صرف ایسے کام میں کیا جانا چاہیے جس کے متعلق خدا و رسولؐ کا قطعی فیصلہ موجود نہ ہو اور جس مسئلہ کے متعلق خدا و رسولؐ کا واضح فیصلہ موجود ہو تو اس کے متعلق مشورہ کرنا خدا و رسول کی نافرمانی اور کھلم کھلا گمراہی ہے۔

(۲) بیعت

ہم سابقہ بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ خدا کی نافرمانی اور علانیہ فسق و فجور کرنے والے شخص کی بیعت جائز نہیں ہے اور زبردستی اپنی قوت و طاقت کے بل پر بھی بیعت لینا صحیح نہیں ہے۔ مکتب خلافت کے پیروکاروں کا نظریہ ہے کہ خلافت پانچ افراد کی بیعت سے منعقد ہو جاتی ہے۔ اس مکتب کے بعض علماء کا خیال ہے کہ خلافت ایک شخص کی بیعت سے بھی منعقد ہو جاتی ہے اور انہوں نے اپنے نظریات کے لیے عمل صحابہ سے استدلال کیا ہے۔

(۳) عمل صحابہ

مکتبِ خلافت میں عمل صحابہ کو دین کا جزو قرار دیا جاتا ہے لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سیرتِ صحابہ دین کا جزو تب بنے گی جب اسے کتاب و سنت کی طرح سے اسلامی شریعت کا سرچشمہ تسلیم کیا جائے اور ایسا ہونا عملی لحاظ سے ناممکن ہے کیونکہ

تاریخ کے اوراق میں ہمیں یہ حقیقت دکھائی دیتی ہے کہ صحابہ کی آراء ایک دوسرے سے مختلف تھیں اور انہی آراء کی وجہ سے مکتب خلافت کے پیروکاروں میں اختلاف پیدا ہوا۔ جب صحابہ کا عمل خود ہی اختلاف کا شکار تھا تو ہم کس صحابی کے عمل کو اپنے لیے حجت بنائیں اور کس کے عمل کو مسترد کریں؟

کلامِ علیؑ سے استدلال

مکتب خلافت کے علماء حضرت علیؑ کے ایک خط سے استدلال پیش کرتے ہیں کہ حضرت علی نے اپنے خط میں اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ اجماع صحابہ حجت ہے۔اس کے جواب میں ہم سابقہ صفحات میں یہ بحث کر چکے ہیں کہ صحابہ کا وہ اجماع واقعی حجت ہے جس میں علیؑ اور حسنؑ وحسینؑ شامل ہوں اور امیرالمومنین کے مکتوب کا بھی یہی مفہوم ہے۔

حاکم کی اطاعت کا واجب ہونا اور فسق ومعصیت سے معزول نہ ہونا

مکتبِ خلافت سے وابستہ علماء کی تعلیمات یہ ہیں کہ حاکم جسے وہ اپنی مخصوص اصطلاح میں امام کہتے ہیں اگر فسق و فجور اختیار کرے اور کھلم کھلا احکام خداوندی سے روگردانی کرے وہ تب بھی اپنے منصب پر بحال رہے گا اور فسق و فجور کی وجہ سے اسے معزول نہیں کیا جا سکتا مسلمانوں کو تو اپنے فاسق و فاجر امام کی اطاعت کرنی چاہیےخواہ وہ انہیں تازیانے ماریںیا ان کا مال بھی غصب کریں اس کے خلاف خروج کرنا ناجائز ہے۔ اس نظریہ بیعت کی وجہ سے یزید کو امیرالمومنین کا درجہ دیا گیا اسی عقیدہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ اس لعین کے حکم پر مسلمانوں نے فرزند رسولؐ کو شہید کیا اور اور خانوادہ رسول تاراج کیا افراد خاندان کو قید کیا اس نظریہ کا یہ ثمر یوں پھولا پھلا کہ یزید کے حکم پر مسلمانوں نے مدینہ پر فوج کشی کی' صحابہ رسولؐ کو قتل کیا گیا' صحابہ کی بہو بیٹیوں کی عصمت دری کی اور آخر میں بقیۃ السیف اہل مدینہ سے یزید کی بیعت لی گئی کہ وہ یزید کے غلام ہیں۔

اسی نظریے کے تحت بیت اللہ پر منجنیقیں داغی گئیں اور سنگ باری کی گئی۔

ان تمام گھناؤنے جرائم کے باوجود آج بھی یزید کو امیرالمومنین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کی مدح وثنا میں کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مکتب اہل بیت میں امامت کا تصور

ابھی آپ نے امامت وخلافت کے متعلق مکتب خلافت کے نظریہ کا مطالعہ کیا۔ مکتب اہل بیت میں امامت کا نظریہ اس کے بالکل برعکس ہے اور امامت کے متعلق مکتب اہل بیت اس آیت سے (اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَایَنَالُ عَهْدِی الظّٰالِمِیْنَ) بالتحقیق میں تجھے لوگوں کا امام مقرر کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میری ذریت میں سے بھی امام مقرر کرنا۔ خدا نے کہا میرا یہ عہدہ ظالموں کو نہیں ملے گا۔

اس آیت سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

۱۔ امامت ایک خدائی منصب ہے اور خدا ہی انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے امام مقرر کرتا ہے۔ لوگوں کو امام مقرر کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔

۲۔ امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ نسل ابراہیم سے تعلق رکھتا ہو۔ جو نسل ابراہیمؑ سے نہ ہو وہ امام نہیں بن سکتا۔

۳۔ کوئی بھی ظالم منصب امامت کے قابل نہیں ہے اور ہر گناہ گار کسی نہ کسی شکل میں ظالم ہوتا ہے اسی لیے گناہ گار امام نہیں بن سکتا۔ امام کے لیے عصمت شرط ہے اور یہی وجہ ہے کہ جن ذوات عالیہ کو خدا نے منصب امامت پر مقرر کرنا تھا ان کے لیے آیت تطہیر نازل کر کے قرآن میں ان کی عظمت کی گواہی دی۔

سیرت اہل بیت سے ان کی عصمت ثابت ہے۔ علاوہ ازیں اہل بیت کا بدترین دشمن بھی ان کی کوئی غلطی گنوانے میں آج تک کامیاب نہیں ہو سکا اور اوراق

تاریخ میں ان کے خطا کار ہونے کا ایک واقعہ تک بھی موجود نہیں جب ہم سیرت نبوی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس دور کے لوگ مسئلہ خلافت و امامت سے غافل نہیں تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس اہم مسئلہ سے لاتعلق نہیں تھے۔ ہمیں آنحضرتؐ کی مکی زندگی میں یہ بات دکھائی دیتی ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کہا تھا کہ ہمارا قبیلہ اس شرط پر آپ کی تائید و نصرت کرنے پر آمادہ ہے کہ آپ کے بعد خلافت ہماری ہوگی۔ اس کے جواب میں رسول خداؐ نے فرمایا:

الامر الی اللّٰہ یضعه حیث یشآء.

''حکومت و امارت کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے گا اس عہدہ پر متعین کرے گا۔''

رسول خداؐ نے اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے اہل مدینہ سے بیعت لی جس کے شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی (ان لاینازعوا الامر اهله) کہ حقدار حکومت سے حکومت کے متعلق جھگڑا نہ کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت اسلام کے آغاز کے موقع پر ہی اپنے وزیر اور خلیفہ کا اعلان کر دیا تھا۔

علاوہ ازیں اگر سیرت نبوی کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو ہمیں یہ بات دکھائی دے گی کہ آپ مدینہ کو ایک دن کے لیے بھی حاکم سے خالی نہیں چھوڑتے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو شخصیت ایک دن کے لیے بھی باہر جاتی تھی تو کسی نہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کرتی تھی، وہی شخصیت یہ بات کیسے گوارا کر سکتی تھی کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت کسی کو بھی امت کا نگران مقرر کیے بغیر دنیا سے چلے جائیں اور امت قیامت تک خلافت کے مسئلہ کے لیے آپس میں گتھم گتھا ہوتی رہے۔ رسول خداؐ سے پہلے جتنے بھی انبیاء گزرے ہیں ان سب نے اپنے اپنے جانشین مقرر کیے تھے۔ سنت انبیاء کے تقاضے کے تحت رسول خدا نے بھی اپنے جانشین کا متعدد مواقع پر مختلف الفاظ کے ساتھ اعلان کیا۔ ایک مرتبہ جب سلمان فارسی نے آپ سے پوچھا

لہ آپ کا وصی کون ہے؟ حضورؐ نے فرمایا: میرا وصی اور میرے رازوں کا مقام......
ملی ابن ابی طالب ہے۔ رسول خداؐ نے اتنی بار حضرت علی کی خلافت و امامت کا
اعلان کیا کہ حضرت علی کا لقب ہی وصی پڑ گیا اور اس لقب کو اتنی شہرت نصیب ہوئی
کہ ہر دور کے خطباء و ادباء و شعراء اور مناظرین نے اس کا تذکرہ کیا۔ لطف یہ ہے
کہ لفظ وصی کی شہرت دوسری تیسری صدی میں نہیں ہوئی بلکہ صحابہ و تابعین کے دور
میں بھی حضرت علی اس لقب سے ملقب تھے اور حضرت علیؑ کی وصایت کی نصوص
قطعیہ مکتب خلافت کو کانٹے کی طرح سے چبھتی تھیں اسی لیے انہوں نے ہر ممکن طریقہ
پر اسے چھپانے کی کوشش کی اور اس سلسلہ میں کتمانِ حق کے دس مختلف حربے
آزمائے گئے اور چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھا کہ (وصی و خلیفتی فیکم) کے
الفاظ پیغمبر کو لفظ (کذا و کذا) لکھ کر مبہم بنانے کی سعی ناتمام کی گئی اور بعض اوقات
نصوص نبویہ کی من مانی تاویلات کی گئیں۔ نصوص امامت کو مخفی رکھنے کے لیے لوگوں
کو حدیث کی کتابت سے منع کیا گیا۔ اور آخر میں قتل کا پرانا حربہ بھی آزمایا گیا اور
امام نسائی کو فضائل علیؑ بیان کرنے پر بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔

مکتب خلافت نے آئمہ اثنا عشریہ کے نصوص کو مخفی رکھنے پر ہی اکتفا نہیں
کیا بلکہ انہوں نے حکمران طبقہ کے خلاف تمام روایات کو مخفی رکھنے کی بھرپور کوشش
کی۔ حکمران طبقہ کی جسارتیں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ جب عبداللہ بن زبیر نے یزید
کی مخالفت کی اور اعلان کیا کہ میں نے یزید کو اس کے فسق و فجور کی وجہ سے معزول
کر دیا ہے اور اب یزید کی بجائے میں خود خلیفۃ المسلمین ہوں۔

ابن زبیر نے یزید کے شہر سے بچنے کے لیے کعبہ شریف میں پناہ لے رکھی
تھی اور اپنے آپ کو حرم کا کبوتر کہلاتا تھا۔ ابن زبیر کے اس باغیانہ اعلان کے بعد
یزید بن معاویہ مکہ آیا اور اس نے بیت اللہ کے صحن میں بیٹھ کر ابن زبیر سے کہا۔
ابن زبیر! تیری یہ مجال کہ تو منبر پر بیٹھ کر امیرالمومنین کے خلاف بری باتیں کرے

اور اپنے آپ کو حرم کے کبوتر سے تشبیہ دے!! پھر اس نے اپنے نوکر کو صدا دے کر کہا کہ میرا تیر کمان لاؤ۔ یہ حکم سن کر نوکر تیر کمان لایا۔ یزید نے کمان میں تیر رکھ کر حرم کے ایک کبوتر کا نشانہ لیا اور کہا: کبوتر! بول کیا امیرالمومنین شراب پیتا ہے؟ اگر تو نے کہا کہ ہاں امیرالمومنین شراب پیتا ہے تو میرا یہ تیر تجھ سے ہرگز نہیں چوکے گا۔ کبوتر! بول کیا امیرالمومنین بندروں اور چیتوں سے کھیلتا ہے؟ اگر تو نے کہا جی ہاں امیرالمومنین ایسا کرتا ہے تو میرا یہ تیر تجھ سے ہرگز نہیں چوکے گا۔ [1] اہل حکومت کو وصی پیغمبر سے اس قدر چڑتھی کہ انہوں نے پورے نوے سال تک جمعہ وعیدین کے خطبات میں ان پر لعنت و سب وشتم کو رواج دیا اور اہل سیستان کے علاوہ تمام اسلامی شہروں میں اس پر عمل کیا گیا۔ حضرت علیؑ کے دوستوں کو چن چن کر شہید کیا گیا اور فضائل علی کو صفحہ تواریخ سے مٹانے کے لیے متعدد کتب خانوں کو نذر آتش کیا گیا جہاں لاکھوں کی تعداد میں نایاب اور قیمتی کتابیں موجود تھیں۔

ان تمام تر کوششوں کے باوجود ذخیرہ سنت میں حضرت علی اور ائمہ ہدیٰ کی فضیلت کی چند احادیث پھر بھی باقی رہ گئیں۔ جن میں مندرجہ ذیل احادیث سرفہرست ہیں:

علی منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لانبی بعدی.

''علی کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔''

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مجیدہ نازل فرمائی:

يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَايَهْدِیْ الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ: (المائده : ٦٧)

---

1. اس واقعہ کی پوری تفصیل ہماری اس کتاب کی تیسری جلد کے باب ''اہل حرمین کا انقلاب'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

''اے رسول اس امر کی تبلیغ کر جسے تیرے رب کی طرف سے
تجھ پر نازل کیا گیا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اللہ کی
رسالت کا کوئی کام نہیں کیا۔ اللہ تجھے لوگوں کے شر سے محفوظ
رکھے گا۔ اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا۔''

اس آیت مجیدہ کے حوالے سے تمام تر کوششوں کے باوجود بھی حدیث عذیر آج بھی مصادر اسلامیہ میں باقی ہے۔ چنانچہ کتب حدیث وتفسیر میں مرقوم ہے کہ اس آیت کے بعد رسول کریمؐ نے پالانوں کا ممبر بنایا اور خطبہ ارشاد فرمایا:

اللہ مولای وانا مولاکم فمن کنت مولاہ فھذا علی مولاہُ اللھم، وال من والاہ وعاد من عاداہ.

''اللہ میرا مولا ہے اور میں تمہارا مولا ہوں۔ جس جس کا میں
مولا ہوں اس اس کا علی مولا ہے۔ خدایا جو علی سے دوستی رکھے
تو اس سے دوستی رکھ اور جو علی سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی
رکھ۔''

پھر آپ نے حضرت علی کی دستار بندی کرائی اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی یہ آیت نازل فرمائی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (المائدہ :۳)

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کیا اور تم پر
اپنی نعمت تمام کر دی اور تمھارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔''

حضرت علیؑ کے فضائل چھپانے کی سر توڑ کوششوں کے باوجود آج بھی اسلامی مصادر میں یہ روایت دکھائی دیتی ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؑ نماز نوافل پڑھنے میں مصروف تھے کہ ایک غریب نے آ کر صدا دی۔ آپ نے اسے انگلی کا

اشارہ کیا وہ اشارہ پا کر آیا اور آپ کی انگشتری اتار لی۔ ابھی وہ سائل درمسجد سے باہر نہیں گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی یہ آیت نازل فرمائی۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ.

"مسلمانو! تمہارا ولی بس اللہ اور اس کا رسول ہے اور وہ اہل ایمان تمہارے ولی ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔"

حکومتی کوششوں کے باوجود اس طرح کی احادیث آج بھی کتب حدیث میں جگمگا رہی ہیں۔ رسول خداؐ نے حسنؑ و حسینؑ دونوں کے لیے "ھذا منی" کے الفاظ ارشاد فرمائے اور آپ نے **(الحسن والحسین سبطان من الاسباط)** کی حدیث ارشاد فرمائی یعنی حسن و حسین اسباط میں سے دو سبط ہیں۔

آپؐ نے لوگوں کو بتایا: **(یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم)** کی آیت مجیدہ میں جن صاحبان امر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد علی اور ان کے گیارہ فرزند ہیں۔

آپؐ نے فرمایا:

مثل اھل بیتی فیکم کسفینۃ نوح من رکبھا نجا ومن تخلف عنھا غرق.

"میری اہل بیت کی مثال کشتی نوح جیسی ہے جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو پیچھے رہ گیا وہ غرق ہوا۔"

رسول خدا نے اپنی اہل بیت کو قرآن کے ہموزن قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ وعترتی اھل بیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا من بعدی و قدانبانی

اللطيف الخبير انهما لا يفترقان حتى يردا علی الحوض.

''میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں اللہ کی کتاب اور میری عترت اہل بیت۔ جب تک تم ان دونوں سے وابستہ رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو سکو گے۔ اور مجھے لطیف وخبیر خدا نے یہ خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر آ جائیں۔''

اب جب کہ اس وقت دنیا میں قرآن باقی ہے تو حدیث نبوی کے تقاضے کے تحت اہل بیت نبوی کے فرد کا ہونا بھی ضروری ہے اور جب تک قرآن باقی رہے گا فرد اہل بیت کا اس کی حفاظت کے لیے باقی رہے گا۔ آپؐ نے اپنے خلفاء کی تعداد کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

لایزال هذا الدین قائما حتی تقوم الساعة او یکون علیکم اثنا عشر.

''یہ دین قیامت تک قائم رہے گا اور یہ دین اس وقت تک قائم رہے گا جب تک بارہ امام رہیں گے۔''

یہ حدیث ان الفاظ سے بھی مروی ہے۔

لایزال امر الناس ماضیا الی اثنی عشر ثم یکون المرج والهرج.

''لوگوں کے کام اس وقت تک چلتے رہیں گے یہاں تک کہ بارہ امام ہوں۔ ان کے بعد افراتفری پھیل جائے گی۔''

ایک اور روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں:

فاذا هلکوا ماجت الارض باهلها.

''جب بارہ امام دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو زمین اپنے اہل سمیت تباہ و برباد ہو جائے گی۔''

ایک اور حدیث میں یہ جملے وارد ہیں:

انهم اثنا عشر عدة نقباء بنی اسرائیل.

''نقبائے بنی اسرائیل کی تعداد کے مطابق میرے جانشینوں کی تعداد بھی بارہ ہو گی۔''

آئمہ اثنا عشر کی یہ روایات اہل بیت طاہرین کے بارہ آئمہ کے علاوہ کسی پر منطبق نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو باقی رکھنے کے لیے بارہویں امام کو طولانی زندگی دی ہے اور جب بارہویں امام کی وفات ہو گی تو دنیا بھی فنا ہو جائے گی۔ مکتب خلافت کو بارہ خلفاء کی احادیث نے سخت پریشانی میں مبتلا کر رکھا ہے اور انہوں نے اپنی طرف سے بارہ امام گنوانے کی متعدد کوششیں کی ہیں لیکن آج تک اپنے بیان کردہ ائمہ پر نہ تو خود ہی مطمئن ہیں اور نہ ہی کسی کو مطمئن کر سکے۔ رسول خدا کی مذکورہ احادیث میں جن بارہ آئمہ کا تذکرہ کیا ہے ان کے نام نامی یہ ہیں۔

۱۔	حضرت امام علی علیہ السلام	۲۔	حضرت امام حسن علیہ السلام
۳۔	حضرت امام حسین علیہ السلام	۴۔	حضرت علی زین العابدین علیہ السلام
۵۔	حضرت محمد باقر علیہ السلام	۶۔	حضرت جعفر صادق علیہ السلام
۷۔	حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام	۸۔	حضرت علی رضا علیہ السلام
۹۔	حضرت محمد تقی علیہ السلام	۱۰۔	حضرت علی نقی علیہ السلام
۱۱۔	حضرت حسن عسکری علیہ السلام	۱۲۔	حضرت محمد مہدی علیہ السلام

حکمرانوں کی تیرہ سو سالہ کاوشیں

ہم نے آئمہ اہل بیت کے بارہ آئمہ کے دلائل کے لیے مکتب خلافت کے وثیق ترین مصادر پر اکتفا کیا ہے ورنہ مکتب اہل بیت کے مصادر اسلامیہ میں رسول خدا سے امامت آل محمد پر احادیث متواترہ موجود ہیں جن کی تعداد ہزاروں تک ہے اور ان احادیث میں ہر امام کا نام اور اس کی صفات تک مذکور ہیں۔

مکتب اہل بیت کے علماء کا موقف یہ ہے کہ صدر اسلام کے خلفاء اور اموی و عباسی اور عثمانی خلفاء اور ان کے حکام اور ان کے آئمہ جمعہ و جماعت کی ملازمت، حضرت علیؑ اور دیگر آئمہ اہل بیت کی امامت کو مخفی رکھنے پر موقوف ہے۔ اس امر کی وضاحت کے لیے بطور مثال ہم یہ کہتے ہیں کہ ہارون الرشید کے زمانہ خلافت میں ابو یوسف قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز تھے اور انہیں اس عہدہ پر ہارون الرشید نے مامور کیا تھا اور اگر ہارون کی خلافت ہی باطل ثابت ہو جائے تو قاضی القضاۃ کا تقرر بھی باطل قرار پائے گا۔ ہارون رشید کے دور خلافت میں برامکہ اس کے وزیر تھے اور انہوں نے امت اسلامیہ کے خزانوں سے اپنی تجوریاں بھر رکھی تھیں۔اگر ہارون رشید کی خلافت ناجائز قرار دے دی جائے تو البرامکہ کی وزارت بھی ناجائز قرار پائے گی۔ اسی طرح سے ہارون کے دورِ خلافت میں اس نے بہت سے افراد کو امیر لشکر مقرر کیا تھا اور ہر امیر لشکر ہزاروں افراد پر حکومت کرتا تھا۔ اگر ہارون رشید کی خلافت غلط قرار دے دی جائے تو امرائے لشکر کی امارت بھی مشکوک ہو جائے گی۔

الغرض اس دور میں بلاد افریقہ سے لے کر حجاز' یمن' شام' ماوراء النہر اور سندھ تک اس کے مقرر کردہ حکام اور آئمہ جمعہ و جماعت کے مناصب اور ان کی عیش وعشرت اس بات پر موقوف ہے کہ ہارون رشید کی خلافت کو صحیح ثابت کیا جائے اور اگر ہارون رشید کو ہی غاصب قرار دے دیا جائے تو اس کے ساتھ اس کے ہزاروں لاکھوں متعلقین بھی غاصب قرار پائیں گے۔

اسی لیے اس دور کی پوری بیوروکریسی امام موسیٰ کاظمؑ کی بجائے ہارون الرشید کو جائز حکمران ماننے پر مجبور تھی اور یہی حال یزید و معاویہ اور دیگر حکومتوں کے دور میں تھا۔ اگر صدر اسلام میں برسراقتدار گروہ کو غاصب قرار دے دیا جاتا تو اس سے صرف ان کے ہی مفادات متاثر نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کی وجہ سے ان سے وابستہ لاکھوں افراد کے مفادات ختم ہوتے تھے اور ان مفادات کو تحفظ دینے کے لیے

ہر دور میں ائمہ اہل بیت کی امامت و خلافت کا انکار کیا گیا اور ان کے حق میں وارد احادیث کو چھپایا گیا کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو ان کے مفادات مجروح ہوتے تھے۔

صحابیت اور امامت کے متعلق دونوں مکاتب فکر کی آراء کا جائزہ ہم یہاں پر ختم کرتے ہیں اور اگلی جلد میں آپ شریعت اسلامیہ کے مصادر کے متعلق دونوں مکاتب فکر کی آراء ملاحظہ فرمائیں گے۔

الحاق

کتاب ہذا میں ہم نے یہ عرض کیا تھا کہ رسول خدا غدیر خم میں حضرت علیؑ کی امامت و ولایت کا اعلان کرنے کے بعد واپس مدینہ آ رہے تھے کہ منافقین نے آپ کو شہید کرنے کے لیے ایک منصوبہ تیار کیا اور عقبہ ہرشی میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے۔ یہ روایت مصادر اہل بیتؑ میں موجود ہے۔ معجم البلدان میں ''ہرشی'' کا محل وقوع یوں بیان کیا گیا۔ ''ہرشی'': حجفہ کے قریب مکہ کے راستہ میں ایک گھاٹی ہے۔ جہاں سے سمندر دکھائی دیتا ہے اور اس تک پہنچنے کے دو راستے ہیں۔ آدمی کسی بھی راستے سے جائے وہاں تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کی اس خصوصیت کے پیش نظر شاعر نے کہا تھا:

خذا انف هرشى او قفاها فانما
كلا جانبى هرشى لهن طريق

''تم بلندی کے راستے سے جاؤ یا پستی کے راستے سے جاؤ آخر کار ہرشی پہنچ ہی جاؤ گے کیونکہ دونوں راہ وہاں جاتے ہیں۔''

یہ گھاٹی ''حجفہ'' کے قریب ہے اسی لیے ہم سمجھتے ہیں کہ منافقین نے غدیر خم کے بعد اسی جگہ اپنی کارستانی سرانجام دی تھی۔ جب کہ اکثر مورخین نے لکھا کہ منافقین نے یہ کارروائی تبوک سے واپسی پر کی تھی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تبوک سے مدینہ کے راستے پر ایسی کسی گھاٹی سے ہم واقف نہیں ہیں۔

تمت بالخير